تالیف:
حضرت مولانا سید احمد حسن محدث دہلوی رحمہ اللہ
تفسیر
احسن التفاسیر
اردو
www.KitaboSunnat.com
ہدیہ منجانب
بلال گروپ آف انڈسٹریز
لاہور کراچی

وقف
سورة فاتحة الكتاب سبعة ايات مكية
بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله رب العلمين الرحمن الرحيم
ملك يوم الدين اياك نعبد
في كتاب مكنون
وقف

وقف

إنه لقرآن كريم

وإياك نستعين اهدنا الصراط

المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم

غير المغضوب عليهم ولا الضالين

لا يمسه إلا المطهرون

وقف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس تفسیر کو پڑھنے اور اس سے فائدہ
اُٹھانے والے حضرات سے درخواست ہے کہ وہ

# بلال گروپ آف انڈسٹریز

کے مالکان، انکے آباؤ اجداد، آل اولاد اور اہل وعیال کو
اپنی دُعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیں خصوصاً یہ دُعا کہ اللہ تعالیٰ
انکی تمام لغزشیں مُعاف فرمائے اور حسنات قبول فرمائے،
اور خاتمہ بالخیر فرمائے: آمین ثم آمین

فون: 5716134-36

A-88 مین گلبرگ ــــ لاہور

وقف

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا

# قرآن مجید مترجم

ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ المتوفی سنہ ۱۲۴۲ھ

مع تفسیر

# احسن التفاسیر

اردو

جس میں احادیث حسنہ صحیحہ اور اقوال صحابہؓ و دیگر سلف سے قرآن حکیم کی تفسیر کی گئی ہے اور صحت روایت کا حد درجہ خیال رکھتے ہوئے معتبر و مسلمہ تفاسیر مثلاً تفسیر ابن جریر، ابن کثیر، معالم، خازن، درمنثور اور فتح البیان کے اہم مطالب کا بہترین انتخاب ہے۔ نیز آیات کریمہ کے شان نزول صحیح بہ التزام صحت سند لائے گئے ہیں۔

از تالیفات عالیہ

عمدۃ المفسرین، سند المحدثین، علامۂ زمن حضرت مولانا سید احمد حسن المتوفی سنہ ۱۳۳۸ھ تغمدہ اللہ برحمتہ

مصنف تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ وغیرہ۔

تزئین وتخریج احادیث

حافظ عبدالرحمن گوہڑوی

## جلد اول

(جو بسیط مقدمہ اور پہلی منزل پر مشتمل ہے)

المکتبۃ السلفیۃ شیش محل روڈ لاہور
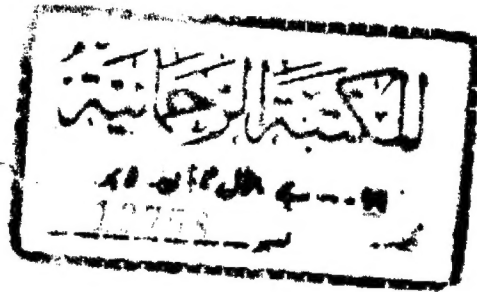
مقدمہ
احسن التفاسیر

# فہرست مطالب تفسیر احسن التفاسیر جلد اوّل

# تفسیر احسن التفاسیر منزل اوّل

٦٧ —— ٤٠٦

## پارۂ اوّل

٦٧ —— ١٢٦

### سورۂ فاتحہ

٦٧ —— ٦٨



### سورۂ بقرہ

٦٩ —— ٢١٧

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مختصر سوانح حیات مولانا حافظ سیّد احمد حسن صاحب مُحدّث

## مؤلف احسن التفاسیر رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۲۵۸ھ ـــــــــــــ ۱۳۳۸ھ

**مولد و مسکن** آپ کا خاندان قدیم الایام سے دہلی کا رہنے والا تھا۔ ۱۲۵۸ھ میں آپ دہلی میں پیدا ہوئے۔ قلعہ معلّٰی میں اچھے خاصے خاندانی تعلقات کے باعث بچپن قلعہ معلّٰی میں گذرا۔

**حفظِ قرآن** وہیں قاری اُمید علی صاحب سے ـــــ جن کا وطن ڈھاکہ تھا لیکن عرصہ دراز سے دہلی میں رہ رہے تھے ـــــ قرآن مجید حفظ شروع کیا۔ اور گیارہ سال کی عمر میں حفظِ قرآن کی دولت سے مالا مال ہوگئے۔

**فارسی کی ابتدائی کتابیں** چودہ سال کی عمر تک اس قدر پڑھ ڈالیں کہ فارسی کی عبارت سمجھنے کی اچھی استعداد پیدا ہوگئی۔ عام قابلیت بھی اتنی ہو چکی تھی کہ خط و کتابت بخوبی کر سکتے تھے۔

**ترکِ وطن** انہی ایام میں ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ہوگیا۔ اس طوفانِ رستخیز میں آپکے والد بال بچوں سمیت پٹیالہ (حال مشرقی پنجاب) چلے آئے۔ وہاں پہنچ کر آپ کے والد ماجد نے فارسی کتابوں کی خود تعلیم دینی شروع کی، نیز آپ کو مرزا احمد بیگ کے بھی سپرد کر دیا گیا۔ غالباً اس لئے کہ دفتری کاموں کی واقفیت پیدا ہو سکے۔ چنانچہ تین ساڑھے تین سال کے عرصے میں فارسی کی تکمیل کے ساتھ ساتھ دفتری اُمور میں بھی مہارت حاصل ہوگئی۔ جو حیدر آباد کی ملازمت کے دوران میں خوب کام آئی۔

**علومِ آلیہ کی تحصیل** بعدہٗ ٹونک چلے گئے جو ان دنوں صرف و نحو وغیرہ علوم کا مرکز تھا۔ صرف و نحو کی تمام کتابوں کی تکمیل یہاں کرلی اتنے میں دہلی کی حالت معمول پر آگئی تو آپ کے والد ماجد پٹیالہ سے دہلی واپس آگئے۔

آپ بھی والدین کی ملاقات کے لئے ٹونک سے دہلی آئے اور والدہ کے اصرار پر ٹونک کا ارادہ ترک کر کے دہلی میں ہی تعلیم حاصل کرنی شروع کردی۔ مگر تھوڑے عرصے کے بعد اپنے ایک ہم سبق مولوی عبد الغفور[1] ـــــ جو بڑے لائق اور قابل آدمی تھے ـــــ کی معیت میں جناب مولانا محمد حسین[2] خاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے جن کا فیض تدریس نجی طور پر خواجہ ضلع بلند شہر (ہند) میں جاری تھا اور علوم میں اعلیٰ قابلیت کی شہرت رکھتے تھے۔ ان کے ہاں صرف و نحو کو اچھی طرح ضبط کرلے کے علاوہ منطق کی ابتدائی اور فقہ و اصولِ فقہ کی کتابیں خوب پڑھیں۔

اس کے بعد علی گڑھ جا کر مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری سے اکتساب علوم کیا فقہ و اصول اور منطق وغیرہ کی بقیہ کتابوں کے ساتھ ہی تفسیر بھی ان سے پڑھی۔

**تفسیر و حدیث کی تکمیل** پھر واپس دہلی آکر حضرت شیخ الکل فی الکل مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب محدّث قدس اللہ سرہ کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کیا اور حضرت سے اکتساب فیض کرتے ہوئے تھوڑے ہی عرصہ میں تفسیر و صحاح کی تکمیل کر ڈالی چنانچہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سند حدیث عنایت فرمائی۔

**طِبّ** تکمیل علوم شرعیہ کے بعد حکیم امام الدین صاحب مرحوم سے پوری طب پڑھی اور حکیم حسام الدین خاں صاحب مرحوم (عرف منجھلے میاں) کے مطب میں ایک عرصے تک بغرض تجربہ حاضر رہ کر طبابت کی بھی سند حاصل کرلی۔

**سند فراغت کے بعد** حضرت میاں صاحب کی خدمت میں کچھ مدت تدریس و فتویٰ نویسی میں مصروف رہے پھر حضرت ہی کے مشورہ سے جناب مولوی ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم ـــــ مصنف ترجمۃ القرآن وغیرہ کے ہاں شادی قرار پائی۔

---

[1] مولانا عبد الغفور بن شیخ عبد اللہ آپ کی ولادت بھی لال قلعہ دہلی کی ہے تاریخ ولادت معلوم نہیں ننھالی رشتہ شاہی خاندان سے ہونے کی وجہ سے قلعہ معلّٰی میں رہائش تھی ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں آپ بھی دہلی سے باہر چلے گئے امن ہونے کے بعد دہلی واپس آگئے حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین سے حدیث پڑھی ۲۴ شعبان ۱۳۳۴ھ کو انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ (اخبار اہل حدیث امرتسر ص ۱۲ ج ۱۴ ۱۳۳۶ھ ۱۹۱۸ء)

[2] مولانا محمد حسین خان حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدثؒ کے تلمیذ و فیض یافتہ تھے ۱۳۱۲ھ میں انتقال فرمایا (تذکرہ علمائے حدیث ہند ص ۲۳۶)

ان دنوں ڈپٹی نذیر احمد صاحبؒ کا گورکھپور (ہند) میں قیام تھا۔ شادی وہیں عمل میں آئی۔ پھر ٹونک چلے گئے۔ لیکن کچھ مدت بعد ڈپٹی صاحب موصوف آپ کو حیدر آباد دکن لے گئے اور ضلع ناندیڑ میں آٹھ سو روپے مشاہرہ پر ڈپٹی کلکٹر کے عہدہ پر لگوا دیا جس پر سالہا سال تک سرفراز رہے اور وہیں سے پنشن پائی۔ ۱۳۰۸ھ میں حج بیت اللہ کی نعمت سے سرفراز ہوئے۔ وہاں آپ کو بھی حوادث و مصائب سے دوچار ہونا پڑا مگر آپ نے بکشادہ پیشانی ان سب کو جھیلا اور ۱۳۰۹ھ کو بخیریت تمام واپس تشریف لائے۔

## علمی شغف

علمی ذوق کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ڈپٹی کلکٹری کی ملازمت کے دوران میں آپ نے تین ترجموں والا قرآن مجید مرتب کیا پہلا ترجمہ فارسی فتح الرحمٰن از شاہ ولی اللہ صاحبؒ، دوسرا اُردو تحت اللفظ از شاہ رفیع الدین، تیسرا اُردو بامحاورہ از شاہ عبدالقادر صاحبؒ ــــــ پھر اس پر "احسن الفوائد" کے نام سے بہترین ملخص تفسیری حواشی خود لکھے ــــــ اس قرآن مجید کو آپ نے اپنے خرچ پر طبع کرایا۔

## تصانیف

۱؎ احسن الفوائد (اُردو) تفسیر احسن کا اُوپر ذکر آ چکا ہے۔ دو دفعہ دہلی میں طبع ہوا۔ (بار اوّل ۱۳۱۹ھ بار دوم ۱۳۲۲ھ)

۲؎ تفسیر احسن التفاسیر (اُردو) ہزاروں صفحات پر مشتمل بہترین اُردو تفسیر ۱۳۲۵ھ میں مطبع فاروقی دہلی سے سات بڑی جلدوں میں شائع ہوئی ــــــ یہ تفسیر بڑی قابلیت سے مرتب کی گئی ہے جس میں بہت سی تفاسیر کا خلاصہ آسان اور عام فہم انداز میں کر دیا گیا ہے۔

۳؎ مقدمہ تفسیر احسن التفاسیر جو اعلیٰ تفسیری فوائد اور علمی نکات و مباحث پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے۔ ۱۳۳۰ھ، ۱۹۱۲ء میں طبع ہوا۔

۴؎ تفسیر آیات الاحکام من کلام رب الانام (اُردو) صرف سورہ بقرہ کا حصہ کانفرنس اہلحدیث دہلی نے شائع کیا تھا، پوری ہو جاتی، تو اُردو میں آیات احکام کی تفسیر میں اپنی نظیر آپ ہوتی ــــــ ۲۲۴ صفحات پر ۱۹۲۱ء میں بمقام دہلی طبع ہوئی۔

۵؎ حاشیہ بلوغ المرام (عربی) فقہی اور محدثانہ انداز کا جامع حاشیہ، متن کے ساتھ کم و بیش ۳۵۰ صفحات پر مطبع فاروقی دہلی سے ۱۳۲۵ھ میں شائع ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۸ء میں سرگودھا سے شائع ہوا۔

۶؎ تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ کامل۔ محدثانہ طریق پر مشکوٰۃ کا جامع اور بے نظیر حاشیہ، پہلی جلد خود لکھی باقی اپنی نگرانی میں اور ہدایات کے تحت اُستاد محترم مولانا محمد شرف الدین محدث دہلوی (متوفی ۱۳۸۱ھ) سے لکھوائی۔ پہلا رُبع ۱۳۲۵ھ میں مطبع انصاری دہلی سے اور دوسرا رُبع ۱۳۳۳ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا۔ دوسرا نصف مجتبائی والوں کی سرد مہری کی نذر ہو گیا تھا۔ تاہم تلاش بسیار کے بعد مطبع مجتبائی والوں کے ورثاء سے اس کا کرم خوردہ مسودہ دستیاب ہو گیا اور اس کا تیسرا رُبع راقم کی تصحیح و تحقیق اور اضافوں کے ساتھ ۱۴۰۴ھ میں دارالدعوۃ السلفیہ لاہور کے اہتمام میں چھپا اور آخری رُبع (جو بہت زیادہ خراب اور کرم خوردہ ہے) اس کی تصحیح و تحقیق اور استدراکات کا کام جاری ہے۔

۷؎ بحرِ زخار بجواب انتصار، مولانا انتصار حسین رام پوری نے حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء کتاب "معیار الحق" کے جواب میں "انتصار الحق" بڑی ضخیم کتاب لکھی۔ "بحرِ زخار" کم و بیش تین سو صفحات پر مشتمل اسی کتاب کا مدلل، معقول اور سنجیدہ جواب ہے۔

۸؎ صراط الاعتدال فی بیان الاقتداء۔ اہلحدیث کے امتیازی مسائل کی تحقیق اور اہل حدیث کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے جواز میں مدلل یہ کتاب ۱۲۸۹ھ میں مطبع فاروقی دہلی سے طبع ہوئی۔

۹؎ عمر کے آخری دور میں مسند احمد کی احادیث کی تخریج شروع کی تھی لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کام کتنا کیا تھا؟ اور وہ کہیں محفوظ ہے یا نہیں؟

## وفات

جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ (۹ مارچ ۱۹۲۰ء) تقریباً اسی سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ

## معذرت

بڑی جستجو کی گئی مگر مولانا ڈپٹی سید احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مؤلف احسن التفاسیر کے حالات اس سے زیادہ نہ مل سکے معلوم ہوتا ہے، مولانا مرحوم سراپا اخلاص اور بہت خمول پسند تھے۔ اپنی کسی بھی تالیف میں اپنا نام خود نہیں لکھا نہ کسی تالیف پر کوئی تاریخ لکھی لیکن ؏

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

محمد عطاء اللہ حنیف
مدیر المکتبۃ السلفیہ ــــــ لاہور

---

۱؎ ماخوذ از مقدمہ مترجم قرآن مجید ترجمہ مع حواشی احسن الفوائد طبع ثانی ص ۱۷ ــــــ ۲۰ وتراجم علمائے حدیث ہند ص ۱۶۸، ۱۷۰ ا مؤلفہ مکلف ابو یحییٰ امام خاں صاحب و نزہۃ الخواطر ج ۸ ص

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# کلمۂ ناشر

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ وصلی اللہ علی سید الانبیاء محمد والہ وصحبہ البررۃ الاتقیاء وسلم تسلیما کثیرا۔

الحمد للہ اردو میں قرآن مجید کے ایسے تراجم وتفسیریں موجود ہیں (گو وہ معدودے چند ہیں) جن پر قرآن فہمی کے سلسلے میں اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ لیکن تفسیر احسن التفاسیر جیسا کہ اس کے مقدمہ کے مطالعہ سے معلوم ہوگا، اپنی نوعیت کی واحد تفسیر ہے جس میں شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی کے مطلب خیز اور بامحاورہ ترجمہ کے بعد نہایت قابلیت کے ساتھ احادیث نبویہ و آثار سلفیہ سے تفسیر قرآن مرتب کی گئی ہے۔ پھر تفسیر ابن کثیر کی بہترین تلخیص کرتے ہوئے تفسیر ابن جریر، معالم، فتح البیان، خازن، درمنثور کی روایات کو اس انداز سے سمو دیا ہے کہ ان تمام تفسیروں کے متعلقہ مقامات کے مطالعہ کے بعد وہی مقام احسن التفاسیر میں دیکھا جائے تو کوئی ضروری چیز چھوٹی ہوئی نظر نہیں آئے گی۔ جامعیت ایسی کہ مذکورہ بالا تفاسیر کی طویل تحقیقی مباحث میں پڑے بغیر تھوڑے وقت میں قرآن مجید کا مقصد واضح ہوجاتا ہے۔

علاوہ ازیں صحاح ستہ وغیرہ کی احادیث کے ذکر میں ایک خاص امر یہ ملحوظ رکھا گیا ہے کہ حدیث پاک کے احکام و مسائل کی تفصیلات قرآن کریم سے مستنبط و ماخوذ معلوم ہوتی ہیں۔ گویا یہ تفسیر فقہائے حدیث کے نقطۂ نظر کی "احکام القرآن" بھی ہے۔

---

یہ مبارک تفسیر عرصے سے نایاب ہوگئی تھی۔ شائقین اس کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ کیونکہ اس منفرد نوعیت کی تفسیر کی اس وقت شدید ضرورت ہے۔ بنابریں المکتبۃ السلفیہ نے اللہ عزوجل پر توکل کرکے اس ضخیم تفسیر کی طباعت ثانیہ کا بیڑا اٹھایا ہے، دیکھئے ساحل مراد تک پہنچنے کے لیے کہاں تک توفیق یاوری کرتی ہے۔

---

جیسا کہ عرض کیا گیا احسن التفاسیر معتبر روایات و آثار اور مسائل و احکام کا ایک گنجینہ ہے لیکن فاضل مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث وغیرہ کا ذکر فرماتے وقت صرف کتابوں کے اجمالی حوالوں پر اکتفا فرمایا۔ صفحات اور ابواب وغیرہ کے تفصیلی حوالوں کی ضرورت نہیں سمجھی۔ حالانکہ دوسری بعض وجوہ کے علاوہ موجودہ تحقیقی ذوق کے پیش نظر یہ طریقہ ضروری ہے۔

---

طباعت تفسیر کی تجویز جب سامنے آئی تو اُستاذِ محترم مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف دام فیضہم نے اس ضرورت کو محسوس کر کے خاکسار کو تخریج حدیث کی خدمت کے لئے ارشاد فرمایا۔ شروع کرنے سے اندازہ ہوا کہ خاصا مشکل کام ہے۔ امرِ واقعہ ہے کہ توفیق الٰہی اور حضرت الاستاذ کی رہنمائی شامل حال نہ ہوتی، تو میرے جیسے بے بضاعت سے صرف پانچ ماہ کے قلیل عرصہ میں منزل اول کی تخریج کا یہ کٹھن مرحلہ سر نہ ہو سکتا۔ اللہ جل شانہ سے دُعا ہے کہ اس کام کی تکمیل کی سعادت سے نوازے۔

اس سعادت بہ فکر و ہمت نیست ۔۔۔ تا نہ بخشند خدائے بخشندہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند ضروری باتیں عرض کر دی جائیں:۔

(۱) متوسط استعداد کے لوگوں کے لئے یہ تفسیر بہت کارآمد تو ہے ہی لیکن تخریج احادیث اور آیات کے نمبر دیے جانے کے باعث انشاء اللہ اہل علم و تحقیق بھی اس سے استفادہ کر سکیں گے۔ ولا یستغنی عنه الراغب المنتهی۔

(۲) فاضل مفسرؒ نے عام طور پر احادیث و آثار کا حاصل مطلب بیان فرمایا ہے۔ ماخذ کی طرف مراجعت کے وقت یہ بات ملحوظ رہے۔

(۳) احادیث مرفوعہ کی تخریج کے لئے جس قدر اہتمام کیا گیا ہے آثار میں ویسی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ایک آدھ حوالہ نہیں مل سکا۔ اس جگہ حاشیہ پر استفہامیہ علامت (؟) بنا دی گئی ہے تاکہ کوئی اہل علم اس پر مطلع کر سکے

(۴) متعدد کتابوں میں آنے والی احادیث کے لئے بعض جگہ ایک ہی اہم حوالہ پر اکتفا کر لیا گیا ہے۔

(۵) تخریج کے علاوہ بعض خاص مواقع پر مفید حواشی کا بھی اضافہ کیا گیا ہے

(۶) سابقہ طبع کی سہوی یا طبعی اغلاط کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ رسم الخط میں آج کا مروجہ طریق اختیار کیا گیا ہے

(۷) اس اشاعت کی فہرست سابق طبع سے قدرے تفصیلی اور منقح ہے تاہم فہرست اہم مضامین ہی کی ہے۔

(۸) مقدمہ بڑے بصیرت افروز مباحث پر مشتمل ہے۔ اس کے ہر بحث پر عنوان دے کر شروع میں اس کی بھی مفصل فہرست بنا دی گئی ہے سابق طبع میں یہ بات نہیں تھی۔

(۹) سابق طبع میں مصنفؒ کے سوانح حیات بھی نہیں تھے۔ جواب شامل کر دیے گئے ہیں۔

(۱۰) تصحیح میں خصوصاً قرآن مجید کے حرف حرف کی تصحیح کا امکان بھر غایت درجہ اہتمام کیا گیا ہے، تاہم بشری کام کونسا سہو سے خالی ہوتا ہے۔ تلاوت و مطالعہ کنندگان حضرات کی خدمات میں درخواست ہے کہ اغلاط سے مطلع فرمائیں تاکہ طبع ثانی میں انھیں درست کیا جا سکے۔

آخر میں بارگاہ الٰہی کے حضور دُعا ہے کہ اتنے بڑے کام کی باحسن اسلوب تکمیل کی توفیق عنایت فرمائے اور اخلاص کی دولت سے بہرہ ور فرمائے۔ ویرحم اللہ عبداً قال آمینا

لاہور
۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ

الراجی رحمۃ ربہ القوی
عاجز عبدالرحمٰن گوہڑوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد و صلوٰۃ کے بعد ناظرین احسن التفاسیر کی خدمت میں التماس ہے کہ یہ چند ورق احسن التفاسیر کے مقدمہ اور دیباچہ کے طور پر لکھے گئے ہیں جن کے ملاحظہ سے قرآن شریف اور تفسیر کے باب میں ناظرین کو بہت سی کارآمد باتیں معلوم ہو جاویں گی اس دیباچہ کے دو باب قرار دئیے گئے ہیں، پہلے باب میں قرآن شریف کے متعلق کارآمد باتیں ہیں۔ اور دوسرے باب میں تفسیر کے متعلق۔ اور دوسرے باب کے آخر میں یونانی فلسفیوں اور اہل سائنس کی چند غلطیاں مثال کے طور پر ایک فصل میں بیان کر دی گئی ہیں تاکہ ناظرین تفسیر کو معلوم ہو جاوے کہ جن تفسیروں کی بنیاد ایسی باتوں پر رکھی گئی ہے وہ تفسیریں صحیح نہیں ہیں۔

# پہلا باب قرآن شریف کے متعلق کارآمد باتوں کے بیان میں

## نزول و ترتیب قرآن

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صحیح قول کے موافق پہلے سارا قرآن شب قدر میں لوح محفوظ سے اول آسمان پر اترا۔ اور پھر ضرورت کے موافق مکہ اور مدینہ میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا۔ اگرچہ تیئس اور پچیس برس کی مدت میں سارے قرآن کے نازل ہونے کی سلف سے روایتیں بھی ہیں۔ مگر بندش وحی کا زمانہ الگ کر کے بیس برس میں سارے قرآن کے نازل ہونے کا قول بہت مشہور ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کی حضرت عائشہؓ کی روایت کے موافق صحیح قول یہی ہے کہ سب سے پہلے سورۃ اقراء کی مالم یعلم تک کی آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ اور پھر کچھ دنوں تک وحی بند رہ کر یاایھا المدثر نازل ہوئی۔ صحیح بخاری و مسلم میں جابر بن عبداللہؓ سے جو روایت ہے کہ پہلے پہل سورۃ المدثر نازل ہوئی۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اقراء کی آیتوں کے نازل ہونے کے بعد کچھ دنوں تک وحی بند رہی اور بندش وحی کے بعد جب وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو پہلے پہل سورۃ المدثر نازل ہوئی۔ کیونکہ جابر بن عبداللہؓ کی روایت میں بندش وحی کے ذکر کے بعد یہ ذکر بھی ہے کہ پھر میں نے اسی فرشتہ کو دیکھا جس کو غار حراء کے قصہ کے وقت دیکھا تھا۔ غار حرا کا قصہ وہی ہے جس میں سورۃ اقراء کی مالم یعلم تک کی آیتوں کے نازل ہونے کا ذکر حضرت عائشہ کی روایت سے اوپر گزرا۔ اس واسطے حضرت عائشہؓ اور جابر بن عبداللہؓ کی روایتوں کے ملانے سے صحیح قول یہی قرار پاتا ہے کہ پہلے پہل سورۃ اقراء کی مالم یعلم تک کی آیتیں نازل ہوئیں، اور پھر کچھ دنوں تک وحی بند رہی۔ اور بندش کے بعد جب وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو پہلے پہل سورۃ المدثر نازل ہوئی۔

اس کے بعد اور سورتیں اور آیتیں نزول کے اس ترتیب کے موافق نازل ہوئیں جن کی ترتیب کا ذکر بڑی تفسیروں میں ہے۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ اور مسند امام احمد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب کچھ آیتیں نازل ہوتی تھیں تو جس سورۃ میں وہ آیتیں لکھے جانے کی ہوتی تھیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سورہ کا نام بتلا کر کاتب سے وہ آیتیں لکھوا دیتے تھے۔[۱] ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کو صحیح کہا ہے۔ ترمذی نسائی مسند امام احمد وغیرہ میں عثمان بن ابی العاص سے صحیح روایت ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبرئیل علیہ السلام سورۃ کا نام لے کر ہر ایک آیت کے لکھے جانے کا موقع اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح سمجھا دیا کرتے تھے۔ اور اسی کے موافق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ موقع کاتب کو سمجھا دیا کرتے تھے۔ یہ ذکر آگے آتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں متفرق طور پر اللہ کے حکم کے موافق تمام قرآن شریف لکھا ہوا جو موجود تھا پہلے حضرت ابوبکر صدیق نے اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی کو بنیاد ٹھہرا کر موجودہ مصحف عثمانی جمع کیا۔ یہ اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے صحیح قول کے موافق پہلے سارا قرآن شریف شب قدر میں لوح محفوظ سے اول آسمان پر اترا اور پھر ضرورت کے موافق مکہ اور مدینہ میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ان سب روایتوں کے ملانے سے حاصل مطلب یہ ٹھہرا کہ قرآن مجید کے نازل ہونے کی جس ترتیب کا ذکر اوپر گذرا وہ ترتیب حال کے موجودہ قرآن کی نہیں ہے بلکہ وقتیہ ضرورت کے لحاظ سے وہ ترتیب عارضی تھی اس عارضی حالت کے رفع ہو جانے کے بعد قیامت تک اس عارضی ترتیب کا باقی رکھنا مصلحت الٰہی کے موافق نہیں تھا اس واسطے جس ترتیب سے سارا قرآن شب قدر میں لوح محفوظ سے اول آسمان پر اترا تھا۔ وہ ترتیب ایک ایک آیت کے لکھوانے کے وقت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح سمجھائی جس کے موافق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں متفرق طور پر سارا قرآن لکھ گیا اور اسی کو بنیاد ٹھہرا کر مصحف عثمانی رضی اللہ عنہ کی تالیف ظہور میں آئی۔

یہ وہ تالیف عثمانی رضی اللہ عنہ کا قرآن ہے جو زمانہ حال میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود ہے۔

اس بیان سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ جس ترتیب سے قرآن شریف نازل ہوا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس ترتیب سے قرآن شریف نہیں لکھا گیا بلکہ حکم الٰہی کے موافق لوح محفوظ کی ترتیب کے لحاظ سے قرآن شریف لکھا گیا اور وہی قرآن مصحف عثمانی رضی اللہ عنہ کی بنیاد قرار پایا۔ اور نزول کی ترتیب کے موافق بعضے صحابہ نے اپنے طور پر قرآن جو لکھا تھا وہ قائم نہ رہا۔ صحیح بخاری و مسلم میں براء بن العازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آیتوں میں کلالہ کی آیت اور سورتوں میں سورہ براءۃ قرآن کے باقی حصہ سے آخر میں نازل ہوئی ہیں۔ اگرچہ اس باب میں اور بھی روایتیں ہیں مگر اصول حدیث کے قاعدہ کے موافق امام بخاری اور مسلم کی متفق علیہ روایت کو اور روایتوں پر ترجیح ہے۔

## شان نزول کے مباحث

قرآن شریف میں بعض آیتیں ایسی بھی ہیں جن کے نازل ہونے سے پہلے کوئی معاملہ ایسا پیش آیا ہے جس کے فیصلہ کے لئے ایک یا چند آیتیں نازل ہوئی ہیں جیسے مثلاً

---

[۱] جامع ترمذی ص ۱۳۵ ج ۲ و مسند امام احمد (ص ۶۹ ج ۱ طبع احمد شاکر) میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بجائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔

معتبر سند سے مسند امام احمدؒ نسائی ابوداؤد مستدرک حاکم وغیرہ میں۔ خولہؓ اور حضرت عائشہؓ سے جو روایتیں ہیں۔ ان کا حاصل یہ ہے کہ ایک صحابی اوس بن الصامتؓ نے اپنی بی بی خولہؓ کو طلاق دے دی۔ خولہؓ اس طلاق سے ناراض تھی اس لئے اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس طلاق کی طرح طرح کی خرابیاں بیان کیں اس جھگڑے کے فیصلہ کے لئے اللہ تعالےٰ نے سورۃ المجادلۃ کی چند آیتیں نازل فرمائیں۔ مفسروں کی اصطلاح میں اس طرح کے قصوں کو شان نزول کہتے ہیں۔ اگرچہ بعضے مفسروں کا قول ہے کہ شان نزول ایک تاریخی بات ہے قرآن کی تفسیر کے لئے اس کا معلوم کرنا اور تفسیر میں لکھنا کچھ ضروری نہیں ہے مگر صحیح قول یہی ہے کہ جس قصہ پر آیت کے مطلب کا سمجھنا منحصر ہو اس قدر شان نزول کے قصے کو تفسیر میں لکھنا ضروری ہے جیسے مثلاً اوس بن الصامت اور خولہ کا قصہ کہ بغیر اس کے سورۃ المجادلۃ کی شروع آیتوں کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ اس تفسیر میں اسی طرح کے شان نزول کے قصے ہر ایک جگہ بیان کئے گئے ہیں۔ اس طرح کے ضروری اور صحیح قصے بخاری ترمذی اور مستدرک حاکم میں ہیں۔ صحابہ کا یہ بھی ایک دستور تھا کہ آیتوں کے نازل ہونے کے بعد بھی اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آتا جس پر آیت کا مضمون صادق آجاتا تو ایسے موقع پر بھی وہ نزلت فی کذا کہہ دیتے تھے جس سے ان کا منشا یہ نہیں ہوتا تھا کہ آیت کے نازل ہونے سے پہلے یہ معاملہ پیش آیا اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی بلکہ ان کا منشا نزلت فی کذا کے کہنے سے یہ ہوتا تھا کہ آیت کے نازل ہونے کے مابعد کے اس معاملہ پر بھی آیت کا مضمون صادق آتا ہے۔ بعضے مفسر اس طرح کے دو قولوں کو اگرچہ صحابہ کے مختلف دو قول خیال کر کے شان نزول کا اختلاف ثابت کرتے ہیں مگر حقیقت میں یہ اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ صحابہ کا مطلب اس نزلت فی کذا سے یہ تھا کہ شان نزول سے ملتے جلتے جس قدر معاملات قیامت تک پیش آویں گے۔ وہ سب آیت کے حکم میں داخل ہیں قرآن شریف قیامت تک کی تمام امت محمدیہ کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے۔ اس لئے نزلت فی کذا سے صحابہ نے جو مطلب نکالا ہے۔ وہ سارے قرآن کی شان نزول کے موافق اور نہایت صحیح مطلب ہے۔ بعض دفعہ چند قصوں کے مجموعہ پر بھی آیت یا چند آیتیں نازل ہوئی ہیں۔

اس تفسیر میں ہر ایک آیت کی شان نزول میں یہ سب تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔ سورتوں میں سورۃ الفاتحہ اور آیتوں میں سورہ النحل کی آخری اور سورہ الروم کی اول کی آیتیں یہ حصہ قرآن شریف کا ایسا ہے جو دو دفعہ نازل ہوا ہے بعض علما نے کچھ اور آیتیں بھی ایسی بیان کی ہیں۔ جو دو دفعہ نازل ہوئی ہیں جن کی تفصیل بڑی کتابوں میں ہے

مقام ابراہیم کو مصلے ٹھہرانے کی آیت۔ پردہ کی آیت۔ اور بعضی اور آیتیں قرآن شریف میں ایسی ہیں کہ جس طرح حضرت عمرؓ نے مشورہ کے طور پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا تھا۔ اسی مضمون کی آیتیں نازل ہوئیں۔

وما نتنزل الا بامر ربک ایسی آیت ہے کہ جو لفظ جبرائیل علیہ السلام کی زبان سے نکلنے والے تھے ان ہی لفظوں کو اللہ تعالےٰ نے اپنا کلام قرار دیا۔ یہی حال ایاک نعبد وایاک نستعین کا ہے کہ جو لفظ بندوں کی زبان سے نکلنے چاہئیں ان کو اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام پاک میں جتلا دیا۔

بعض آیتیں ایسی بھی ہیں کہ ان کے حکم کے موافق عمل تو پہلے جاری ہو گیا اور آیت پھر نازل ہوئی جیسے مثلاً وضو کی سورہ المائدۃ کی آیت ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی اور وضو کا حکم ہجرت سے پہلے جب ہی ہو گیا تھا۔ جس وقت معراج کی رات

پانچ نمازیں فرض ہوئی تھیں۔

سورہ الفاتحہ۔ سورہ الانعام۔ والمرسلات۔ قل ہو اللہ اور چند سورتیں پوری ایک ہی دفعہ میں نازل ہوئی ہیں۔ ورنہ قرآن شریف کا بڑا حصہ تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا ہے۔

## کتابت قرآن اور قرآن و حدیث کا فرق

مسند امام احمد ترمذی نسائی ابوداؤد صحیح ابن حبان مستدرک حاکم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی جو روایت ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ پوری سورۃ یا متفرق آیتیں غرض جس قدر ٹکڑا قرآن شریف کا نازل ہوا کرتا تھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فوراً اس کو لکھوا لیا کرتے تھے۔ حاکم اور ابن حبان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

صحیح مسلم میں ابو سعید خدریؓ سے جو روایت ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا تھا کہ قرآن شریف کے نزول کے زمانہ میں سوائے قرآن شریف کے حدیث، تفسیر اور کچھ نہ لکھا جاوے۔ اسی ممانعت کے سبب سے تابعین کے آخری زمانہ تک حدیث یا تفسیر کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی[۱]۔

اس سے قرآن شریف کی آیتوں اور حدیث قدسی میں جو فرق ہے وہ اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے۔ کہ حدیث قدسی بھی اگرچہ اللہ کا کلام ہے۔ لیکن قرآن شریف کی آیتوں کی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات تک بلکہ تابعیوں کے آخری زمانہ تک کوئی حدیث قدسی نہیں لکھی گئی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن شریف کے لفظوں کی روایت کو متواتر جو کہا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نزول وحی کے زمانہ سے لے کر اب تک کوئی زمانہ ایسا نہیں پایا جاتا جس میں بغیر لکھنے کے فقط زبانی یاد پر قرآن شریف کے لفظوں کا دارومدار رہا ہو۔ برخلاف حدیث قدسی یا اور صحیح حدیثوں کے کہ ان کے لفظوں کا دارومدار تابعیوں کے آخری زمانہ تک فقط زبانی یاد پر رہا ہے۔ اسی واسطے علماء نے لکھا ہے کہ متواتر حدیث کی مثال کا پیش کرنا بہت مشکل ہے ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک جس قدر حصہ قرآن شریف کا نازل ہوا کرتا تھا رمضان کے مہینہ میں آن کر جبرئیل علیہ السلام اس کا دور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کرتے تھے[۲] چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں اس کا ذکر تفصیل سے ہے۔ اِن دور کی روایتوں میں حدیث قدسی کے لفظوں کے دور کا کہیں ذکر نہیں ہے اس سے بھی یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ قرآن شریف کے لفظوں کی طرح حدیث قدسی کے لفظوں کے یاد رکھنے کی تاکید نہیں ہے۔ بلکہ حدیث قدسی کی روایت بالمعنی بھی درست ہے۔

## مکی۔ مدنی کی اصطلاح

اگرچہ قرآن شریف کی آیتوں کے مکی اور مدنی ہونے میں سلف کے چند قول ہیں۔ لیکن زیادہ مشہور قول یہی ہے کہ قرآن شریف کا جو حصہ ہجرت سے پہلے نازل ہوا وہ مکی ہے۔ اور جو ہجرت کے بعد نازل ہوا وہ مدنی ہے۔

---

[۱] یعنی بعد میں آنے والے ادوار کے طرز کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ورنہ چھوٹی چھوٹی یا متوسط کاپیوں کی شکل میں تابعین بلکہ متعدد صحابہ کے پاس یادداشتی مجموعے موجود تھے۔ ان ہی مکتوبہ مجموعوں سے محفوظ یادداشتوں نے مقابلہ کے بعد موجودہ کتب صحاح مدون کی گئیں ـــــ اس صراحت سے وہ غلط فہمی دور ہو جانی چاہیئے جو خود غرض لوگوں نے پھیلا رکھی ہے کہ حدیثیں ڈیڑھ دو سو سال کے بعد مدون ہوئیں حقیقت میں یہ مغالطہ تاریخی واقعات کے سراسر خلاف ہے ۱۲۔ [۲] صحیح بخاری طبع دہلی ص ۱۸۴ ج ۲۔

## تلاوت قرآن میں سہولت

صحیح بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ میں جو چند صحابہ سے روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے قریش کی روزمرہ کی بول چال کے لفظوں میں قرآن شریف نازل ہوتا تھا۔ ہجرت کے بعد جب مختلف ایسے قبیلوں کے لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ جن کا محاورہ قریش کے محاورہ سے جدا تھا تو ان کی زبان پر قریش کے محاورہ کے لفظ مشکل سے چڑھتے تھے۔ مثلاً ان میں کے بعضے لوگ اپنے محاورہ کے موافق حتی کو عتی کہتے تھے۔ حتی کا لفظ ان کی زبان سے نہیں نکلتا تھا۔ اس مشکل کے آسان ہو جانے کی غرض سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کے لفظوں کے آسان ہو جانے کی التجا بارگاہ الٰہی میں پیش کی اور سات طرح سے مختلف محاورہ کے لفظوں میں قرآن شریف کے پڑھنے کا حکم نازل ہو گیا۔ چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ابی بن کعبؓ کی روایتوں میں اس کا ذکر تفصیل سے ہے ان روایتوں کے یہ معنے نہیں ہیں کہ سارا قرآن شریف سات طرح پڑھا جاتا ہے۔ بلکہ ان روایتوں کا یہ مطلب ہے کہ مختلف محاوروں کے موافق قرآن شریف کے بعضے لفظوں کو سات طرح تک پڑھے جانے کا حکم ہے۔

## جمع قرآن عہد نبوی میں

اوپر گذر چکا ہے کہ قرآن شریف کی جو آیتیں نازل ہوتی تھیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فوراً ان کو لکھوا لیا کرتے تھے۔ لیکن اللہ کے رسول کے حیات کے آخری زمانہ تک قرآن شریف کی آیتوں کے نازل ہونے کا سلسلہ جاری تھا چنانچہ بعضی روایتوں کے موافق آپ کی وفات سے نو دن پہلے بعضی آیتیں نازل ہوئی ہیں اس واسطے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تک سارے قرآن کے نازل ہو جانے کا نہ یقین تھا نہ سارے قرآن شریف کو ایک جگہ لکھوانے کا موقع تھا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اگرچہ سارا قرآن لکھا ہوا موجود تھا۔ اور اس میں مختلف محاوروں کے سات طرح کے لفظ بھی موجود تھے لیکن وہ قرآن اس طرح متفرق طور پر تھا کہ چند سورتیں ایک صحابی کے پاس تھیں تو چند کسی دوسرے کے پاس۔

## عہد صدیقی میں جمع قرآن کی صورت

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں مسیلمہ کذاب سے جو لڑائی ہوئی اس میں سات سو سے زیادہ حافظ قرآن صحابہ شہید ہو گئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یہ اندیشہ ہوا کہ حافظ قرآن صحابہ کے اور ان صحابہ کے جن کے پاس متفرق طور پر قرآن کی آیتیں لکھی ہوئی تھیں اس طرح رفتہ رفتہ دنیا سے اٹھ جانے کے سبب سے کہیں ایسا نہ ہو کہ قرآن شریف کی کچھ آیتیں ضائع ہو جائیں۔ اس اندیشہ کے رفع کرنے کی غرض سے حضرت عمرؓ سے مشورہ لینے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے زید بن ثابتؓ سے کہا کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کاتب وحی تھے اس لئے اس زمانہ کی متفرق لکھی ہوئی سورتوں کو لے کر عمرؓ اور تم مسجد نبوی کے دروازہ پر بیٹھ جاؤ اور جب تک دو صحابی اس بات کی گواہی نہ دیں کہ یہ آیت ان کے سامنے اتری ہے اس وقت تک کوئی آیت داخل قرآن شریف نہ کی جائے۔ حضرت عمرؓ اور زید بن ثابتؓ نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کے فرمانے کے موافق عمل کیا اور متفرق سورتوں کے ورقوں اور حافظ قرآن صحابہ کی یاد کے موافق حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ کا یکجائی طور پر لکھا ہوا سارا قرآن تیار ہو گیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی متفرق لکھی ہوئی سورتوں کو اس قرآن میں اکٹھا کیا گیا تھا۔ اس واسطے مختلف محاوروں کے موافق قرآن شریف کے جو لفظ سات طرح پڑھے جا سکتے تھے وہ مختلف لفظ بھی اس قرآن میں لکھے

گئے۔ اور حضرت عمرؓ کی خلافت تک یہی قرآن قائم رہا۔

## مصحف عثمانی اور ابن مسعودؓ کے اختلاف کی حیثیت

حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ان مختلف لفظوں کے سبب سے جب طرح طرح کے جھگڑے لوگوں میں پیدا ہو گئے تو حضرت عثمانؓ نے اس باب میں صحابہ سے مشورہ لیا اور مشورہ کے بعد تمام صحابہ کی یہ صلاح قرار پائی کہ مختلف لفظوں کو قرآن شریف میں سے نکال کر قریش کے محاورہ کے موافق ایک قرآن شریف لکھا جاوے اور اس کی چند نقلیں کرائی جا کر جگہ جگہ بھیج دی جائیں۔ اور اسی ایک قراءت کا لوگوں کو پابند کر دیا جاوے۔ تمام صحابہ کی اس صلاح کے موافق عثمانؓ نے زید بن ثابتؓ۔ عبداللہ بن زبیر اور چند صحابہ کو اس کام پر مقرر کیا جنہوں نے تمام صحابہ کی صلاح کے موافق قرآن شریف تیار کیا۔ اسی قرآن کو مصحف عثمانی کہتے ہیں۔ عثمانؓ نے اس قرآن کی پانچ نقلیں کر کے ایک تو اپنے پاس مدینہ منورہ میں رکھ لی اور چار نقلیں چاروں طرف اسلامی شہروں میں بھیج کر یہ تاکیدی حکم دے دیا کہ ہر جگہ اس مصحف عثمانی کی نقلیں کر لی جاویں اور اس سے پہلے کے قرآن جہاں جہاں ہوں وہ تلف کر دیئے جائیں۔ سابق کے قرآنوں میں کا ایک قرآن حفصہؓ کی حیات تک جو باقی تھا مروان نے حضرت حفصہؓ کی وفات کے بعد عبداللہ بن عمرؓ سے لے کر پھر وہ بھی تلف کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اختلاف جو اس باب میں مشہور ہے وہ مصحف عثمانی کی اور کسی حالت کی بابت نہیں ہے بلکہ عبداللہ بن مسعودؓ کو فقط اتنی ہی بات کا رنج تھا کہ زید بن ثابتؓ جوان کے سامنے کے بچے ہیں وہ اس کام میں شریک کئے گئے اور خلیفہ عثمانؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو اس کام میں شریک نہیں کیا۔ حضرت عثمانؓ کا عذر اس باب میں یہ تھا کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے کوفہ سے آنے میں دیر ہوگی اور یہاں قرآن کے اختلافی لفظوں کی قراءت کے باب میں روز جھگڑے بڑھتے جاتے ہیں اس لئے اس کام میں عبداللہ بن مسعودؓ کا انتظار مناسب نہیں ہے۔ اختلافی لفظوں کی قراءت کے روکنے کے لئے اگرچہ مصحف عثمانی میں اکثر لفظوں کے لئے رسم خط قرار دیا گیا تھا جس کے سبب سے صدیقی قرآن کے بہت سے اختلافی لفظ مصحف عثمانی میں نہیں لئے گئے کیونکہ یہ اوپر گزر چکا ہے کہ ان اختلافی لفظوں کے اختلاف کا جھگڑا مٹانے کے لئے مصحف عثمانی لکھا گیا تھا اور اس سے پہلے کے سب قرآن تلف کر دئے گئے تھے۔

## مباحث قراءت و تجوید

لیکن اس وقت تک زبر۔ زیر۔ پیش۔ جزم۔ تشدید کا رواج نہ تھا۔ اس واسطے اس رسم خط کے قرار دینے کے بعد بھی زبر۔ زیر۔ پیش جزم تشدید کے نہ ہونے سے جو لفظ کئی طرح پڑھا جا سکتا تھا اس کو ایک شہر والوں نے کسی طرح پڑھا۔ اور دوسرے شہر والوں نے اور طرح پڑھا مثلاً خاتم النبیین میں خاتم کے لفظ کو بعضے سلف نے ت کے زیر سے پڑھا جس کا مطلب یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اور بعضے سلف نے لفظ خاتم کو ت کے زبر سے پڑھا جس کا مطلب یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر نبی ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مصحف عثمانی کے لفظوں کو بعضے لوگوں نے ایک طرح اور بعضے لوگوں نے دوسری طرح جو پڑھا اسی کا نام سات قراءتیں ہیں۔ جو حال میں نافع ابن عامر ابو عمرو حمزہ ابن کثیر عاصم کسائی کے نام سے مشہور ہیں۔ مصحف عثمانی

کے رسم خط کی پابندی کے سبب سے مصحف صدیقی کے سارے اختلافی لفظ مصحف عثمانی میں نہیں آئے۔ اور حال کی سات قرأتیں مصحف عثمانی سے نکالی گئی ہیں۔ اس واسطے یہ قول بہت صحیح ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کے موافق سات طرح پڑھے جانے کے سارے لفظ حال کی سات قرأتوں میں نہیں ہیں اس واسطے حدیث کے موافق جو سات قرأتیں تھیں وہ جدا تھیں۔ اور حال کی سات قرأتیں جدا ہیں۔

حال کی ان سات قرأتوں میں سے جس قرأت کی سند مشہور ساتوں قاریوں سے لے کر صحابہ اور تابعین تک صحیح ہوتی ہے وہ متواتر قرأت کہلاتی ہے۔ ورنہ شاذ کہلاتی ہے۔ جیسے سورہ الاحزاب میں ویرضین بما اٰتیتھن کلھن جو آیت کا ٹکڑا ہے اس میں لفظ کلھن کو لام کے پیش اور زبر دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے۔ لیکن زبر کی قرأت کی سند صحیح نہیں تھی اس لئے اس کو شاذ ٹھہرایا گیا۔ بعضی تفسیروں میں یہ جو ہے کہ ہر قرأت کا حکم وہی ہوتا ہے جو آیت کا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شان متواتر قرأت کی ہے شاذ کی نہیں ہے۔ حاصل یہ کہ جس قرأت کی سند میں اول سے آخر تک اس کثرت سے راوی ہوں جو عادت کے طور پر جھوٹے نہیں ہو سکتے تو ایسی قرأت کو متواتر کہتے ہیں قرآن شریف کی اکثر قرأتیں ایسی ہی ہیں۔ جس قرأت کی سند متواتر کے درجہ سے کم ہو وہ مشہور کہلاتی ہے جو مشہور کے درجہ سے بھی کم اور مصحف عثمانی کے رسم الخط کے بھی برخلاف ہو وہ قرأت آحاد ہے جس قرأت کی سند صحیح نہ ہو وہ شاذ ہے۔ متواتر اور مشہور قرأتوں میں قرآن کی تلاوت جائز ہے آحاد اور شاذ قرأتوں میں جائز نہیں۔

صحابہ میں عثمانؓ۔ علیؓ۔ ابی بن کعبؓ۔ زیدؓ بن ثابت۔ عبداللہؓ بن مسعود۔ ابو درداءؓ۔ ابو موسےٰ اشعری۔ یہ سات صحابی قاری مشہور ہیں تابعیوں میں سے مثلاً زید بن اسلم ابن شہاب زہری مدینہ میں مجاہد عکرمہ مکہ میں ابراہیم نخعی شعبی کوفہ میں اور قتادہ ابن سیرین بصرہ میں قاری مشہور تھے۔ حال کی سات قرأتوں کے جن قاریوں کا ذکر اوپر گذرا انہوں نے ان تابعین سے قرأت سیکھی ہے وقف کی جگہ وقف۔ مد کی جگہ مد جس طرح قرأت کی ضروری باتیں ہیں۔

قرآن شریف کے ہر ایک حرف کا صحیح مخرج سے نکالنا بھی اس طرح قرأت کی ایک ضروری بات ہے تاکہ حرفوں کے مخرج کے بدل جانے سے قرآن شریف کے معنے نہ بدل جاویں۔ لیکن حال کے بعضے قاری آواز کے موزون کرنے کے لئے بغیر مد کی جگہ آواز کو بڑھا یا مد کی جگہ گھٹا دیتے ہیں یا حرفوں کو مخرج سے نکالنے میں ایسا تکلف کرتے ہیں۔ جس سے طرح طرح کا منہ بنانا پڑتا ہے۔ یہ باتیں صحابہ اور تابعین کی قرأت میں نہیں پائی جاتیں۔

## ناسخ و منسوخ

اگر کوئی حکم ایک آیت کے ذریعہ سے نازل ہو کر دوسری آیت کے ذریعہ سے دوسرا حکم پہلے حکم کے برخلاف نازل ہوا جس سے پہلے حکم پر عمل کرنا موقوف ہو گیا۔ تو ایسی دو آیتوں کو ناسخ منسوخ کہتے ہیں۔ جس آیت پر عمل کرنا موقوف ہو گیا وہ منسوخ کہلاتی ہے جس پر عمل جاری ہے اس کو ناسخ کہتے ہیں۔

ناسخ منسوخ کے یہ معنے جو اوپر بیان کئے گئے۔ صحابہ اور تابعین کے قولوں سے یہی معنے نکلتے ہیں۔ اوپر کے معنے کے موافق تمام قرآن میں جو پانچ آیتیں منسوخ ہیں وہ یہ ہیں۔

| نمبر | نام سورۃ | ناسخ آیت | نام سورۃ | منسوخ آیت |
|---|---|---|---|---|
| ۱ | البقرۃ (۲۳۴) | وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا الآیۃ<br>جن کے شوہر مرجائیں وہ چار ماہ دس دن عدت گذاریں | البقرۃ (۲۴۰) | وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ الآیۃ<br>جن کے شوہر مرجائیں وہ عورتیں سال بھر تک بیٹھی رہیں |
| ۲ | النساء (۲۴) | يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ الآیۃ<br>وارثوں کے حصے خود خدا نے مقرر کر دیئے | البقرۃ (۱۸۰) | كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ الآیۃ<br>وارثوں کے لئے وصیت فرض ہے۔ |
| ۳ | الانفال (۶۶) | اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ الآیۃ<br>اب تخفیف کردی تم سے اللہ نے | الانفال (۶۵) | اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ الآیۃ<br>ایک مسلمان دس کافروں کا مقابلہ کرے۔ |
| ۴ | المجادلۃ (۱۲) | فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ<br>پیغمبر سے سرگوشی کے وقت اگر صدقہ نہ دو تو بھی معاف ہے | المجادلۃ (۱۲) | اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً<br>پیغمبر سے سرگوشی کے وقت صدقہ نکالو |
| ۵ | المزمل (۲۰) | عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ الآیۃ<br>اپنی مرضی اور آسانی کے مطابق تہجد پڑھو | المزمل (۲) | يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ الآیۃ<br>سوا تھوڑی سی رات کے باقی رات تہجد کی نماز میں گذارو |

علمائے متقدمین اور متاخرین میں یہ جو اختلاف ہے کہ کسی حدیث سے کوئی آیت قرآنی منسوخ ہو سکتی ہے یا نہیں۔ حاصل اس اختلاف کا یہ ہے کہ متقدمین کے نزدیک جب ناسخ منسوخ کے یہ معنے ہیں کہ ایک حکم سے دوسرا حکم بالکل اٹھ جاوے تو ان کے نزدیک کوئی صحیح حدیث ایسی نہیں پائی جاتی جس سے قرآن شریف کی کسی آیت کا حکم بالکل اٹھ جاوے بلکہ ان کے نزدیک جس قدر حدیثیں ہیں ان میں یا تو قرآن شریف کی کسی آیت کے مضمون کی تاکید ہے۔ یا تفسیر کے طور پر قرآن شریف کی کسی آیت کے مضمون میں کوئی بات بڑھا کر اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ جیسے سورہ النساء کی آیت حرمت علیکم امہاتکم میں عورت کی پھوپھی یا خالہ کے ساتھ نکاح کرنے کی تفصیل نہیں تھی۔ ابوہریرہؓ کی صحیح بخاری و مسلم کی حدیث سے آیت کے حکم میں یہ منا ہی اور بڑھ گئی اب متقدمین کے نزدیک یہ آیت اس لئے منسوخ نہیں ہے کہ آیت کا اصلی حکم باقی ہے۔ متاخرین نے جو ناسخ منسوخ کے معنے قرار دیئے ہیں۔ اس کا مفصل ذکر اصول فقہ کی کتابوں میں ہے۔ یہاں حاصل کلام اتنا ہی ہے کہ ان معنوں کے موافق آیت کے مضمون پر کسی بات کا بڑھ جانا بھی ناسخ منسوخ میں داخل ہے اس واسطے متاخرین کے نزدیک یہ آیت حدیث سے منسوخ ہے اگرچہ زیادہ تفصیل اس کی اصول فقہ کی کتابوں میں ہے۔ لیکن اصل بات

یہ ہے کہ دین کی سب باتیں متاخرین تک متقدمین کے ذریعہ سے پہنچی ہیں۔ اس لئے اس باب میں بھی متاخرین کو متقدمین کے قول کی پیروی اولیٰ ہے۔ اور بعض منسوخ آیتیں ایسی بھی ہیں کہ ان کی تلاوت منسوخ ہے اور حکم باقی ہے۔ جیسے بیاہے ہوئے مرد اور عورت کے سنگسار کرنے کا حکم باقی ہے اور اس حکم کے لفظوں کی تلاوت منسوخ ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے۔ جس میں حضرت عمرؓ نے صحابہ سے فرمایا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ بیاہے ہوئے مرد اور عورت کے سنگسار کرنے کی آیت قرآن شریف میں تھی ہم سب نے اس کو پڑھا اور یاد کیا ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے موافق عمل بھی کیا ہے۔ لیکن اس آیت کی تلاوت جو منسوخ ہو گئی اس سے مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ آخر زمانہ میں لوگ یہ کہہ کر کہیں اس آیت کے حکم کے منکر نہ ہو جائیں کہ یہ آیت قرآن میں نہیں پائی جاتی اس لئے اس کا حکم بھی باقی نہیں ہے۔ اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ سنگسار کرنے کی آیت قرآن شریف میں تھی۔ جس کو صحابہ نے پڑھا اور یاد کیا ہے اور پھر اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی لیکن اس کا حکم باقی ہے۔

صحیح مسلم میں ابو موسیٰؓ اشعری سے روایت ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم لوگ قرآن شریف کی سورتوں میں ایک سورۃ برأۃ کے برابر پڑھا کرتے تھے۔ مگر اب وہ یاد نہیں رہی۔ اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ بعضی آیتوں کی تلاوت اور ان کا حکم دونوں منسوخ ہیں اور ان کے معاوضہ میں دوسری ناسخ آیتیں بھی نازل نہیں ہوئیں۔

قرآن شریف لوگوں کی فرماں برداری آزمانے کے لئے نازل ہوا ہے کہ کون اس کے احکام کو مانتا ہے اور کون نہیں مانتا۔ سورۃ مجادلہ کی آیت کے لفظوں کو تلاوت میں داخل رکھ کر اس کے حکم کو منسوخ فرما دینا یا سنگساری کی آیت کے لفظوں کو تلاوت سے نکال کر اس کے حکم کو بحال رکھنا اس میں بھی ایک آزمائش ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق کونسا فرقہ اس آزمائش میں پورا اترتا ہے اور کونسا ادھورا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق ظہور ہوا کہ خارجی فرقہ نے اور معتزلہ فرقہ کے بعضے لوگوں نے سنگساری کے حکم کو نہیں[1] مانا۔ جس سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ اس آزمائش میں ادھورے اترے۔

پچھلے انبیاء اور پچھلی امتوں کے قصے جنت اور دوزخ کا حال جن آیتوں میں ہیں۔ ان آیتوں کو اخبار کی آیتیں کہتے ہیں کیونکہ ان آیتوں میں اگلے پچھلے حال کی خبر دی گئی ہے۔ اس طرح کی آیتوں میں ناسخ منسوخ نہیں ہے کیونکہ ایک خبر کو دو طرح بیان کرنے سے دونوں خبروں میں سے ایک خبر جھوٹی پائی جاتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ اسی طرح وعدہ کی آیتوں کا حال ہے۔ کیونکہ وعدہ کر کے اس کو پورا نہ کرنا وعدہ خلافی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے بہت بعید ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس طرح کی آیتوں کو بعضے مفسروں نے ناسخ منسوخ میں جو داخل کیا ہے وہ کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

بعضی آیتوں کا حکم کسی سبب پر منحصر ہوتا ہے جیسے مثلاً زکوٰۃ کی آیت کا سبب مال داری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص جب تک مال دار ہے اس وقت تک زکوٰۃ کا حکم اس سے متعلق ہے جب مفلس ہو جائے گا تو یہ حکم اس سے متعلق نہ رہے گا۔ ہاں اگر مفلسی کے بعد یہ شخص پھر مال دار ہو جائے گا تو زکوٰۃ کے حکم کی تعمیل پھر اس کے ذمہ ہو گی۔ اسی طرح ہجرت سے پہلے اہل اسلام

---

[1] جانے دور کے بعض کج فہم مذہبی پابندیوں سے آزادی چاہنے والے الحاد پسند بھی اس حکم کے ماننے سے انکار کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ مسئلہ مسلمانوں کا اجماعی ہے۔

کی کمزوری کے سبب سے درگزر کا حکم تھا۔ ہجرت کے بعد جب اہل اسلام میں قوت آگئی تو لڑائی کا حکم ہوا اب ضعف اسلام کے زمانہ میں پھر وہی درگزر کا حکم ہے۔ غرض لڑائی کے حکم سے درگزر کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ اسی واسطے صحیح مسلم کی ابو سعیدؓ خدری کی روایت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی کے حکم کے بعد فرمایا جو ایمان دار شخص کوئی بات خلاف شریعت دیکھے تو ہاتھ پیر کی قوت سے اس کو مٹاوے۔ اور اگر ضعف اسلام کے سبب سے اتنی طاقت نہ ہو تو زبانی نصیحت سے کام لیوے۔ اگر یہ طاقت بھی نہ ہو تو ضعیف درجہ ایمان کا یہ ہے کہ دل سے اس خلاف شریعت بات کو برا جانے اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ ضعف اسلام کے سبب سے اب بھی درگزر کا حکم عمل کے لائق ہے لڑائی کے حکم سے منسوخ نہیں ہے۔ اور یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ بعض تفسیروں میں لڑائی کے حکم سے درگزر کی آیتوں کو منسوخ جو ٹھہرایا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ منسوخ حکم کے موافق عمل کرنا کسی زمانہ میں جائز نہیں ہے۔

## ربط آیات

قرآن شریف کی آیتوں میں کہیں مشرکوں اور منافقوں کا ذکر ہے کہیں مسلمانوں کی ہدایت کے لئے نماز، روزہ حج، زکوٰۃ اور حلال حرام کے احکام ہیں۔ اسی طرح کہیں پچھلے انبیاء اور ان کی امتوں کا ذکر ہے کہیں قیامت اور جنت و دوزخ کا۔ غرض جہاں ایک مضمون کی چند آیتیں ہیں وہاں تو اگلی پچھلی آیتوں میں بلا تکلف ربط پیدا ہو سکتا ہے اور جہاں اوپر کی آیتوں کا مضمون جدا ہے اور نیچے کی آیتوں کا جدا ایسے موقع پر حافظ ابو جعفر ابن جریرؒ اور حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیروں میں اوپر نیچے کے عقلی ربط کا ذکر چھوڑ دیا ہے۔ اس اردو تفسیر کی بنیاد ان ہی نقلی معتبر تفسیروں پر رکھی گئی ہے اس لئے اس میں بھی دو آیتوں کے عقلی ربط کے پیدا کرنے کا طریقہ نہیں اختیار کیا گیا۔ بلکہ قرآن شریف کے اوپر نیچے کے مضمون کی مدد سے جو ربط دو آیتوں کا ان معتبر تفسیروں میں تھا وہی بیان کر دیا گیا ہے تاکہ عقلی ربط کے بیان کرنے سے تفسیر کی بنیاد ضعیف نہ ہو جاوے۔ اوپر نیچے کی آیتوں میں ربط کے دشوار ہونے کی مثال سورۃ القیامہ کی آیتوں سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ ساری سورت قیامت کے بیان میں ہے۔ اور سورت کے بیچ میں لا تحرک بہ لسانک سے ثم علینا بیانہ تک ایسی آیتیں ہیں جن کو سورت کے اول اور آخر کی آیتوں کے مضمون سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اگرچہ بعضے مفسروں نے بڑے تکلف سے ان آیتوں اور سورت کی اول اور آخر کی آیتوں میں ربط پیدا کیا ہے۔ لیکن وہ عقلی ربط صحیح بخاری اور ترمذی کی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی صحیح روایت کے برخلاف ہے اس واسطے صحیح تفسیر وہی ہے۔ جو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی صحیح روایت کے حوالہ سے سورۃ القیامہ میں آوے گی کہ ان آیتوں کا سورت کی آیتوں کے مضمون سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ بلکہ ابتدائے وحی کے زمانہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل علیہ السلام کی قرأت کے ساتھ وحی کی آیتوں کو بھول چوک کے خوف سے خود بھی پڑھنا شروع کر دیتے تھے۔ اس کی ممانعت میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور جن آیتوں کی قرأت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جلدی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سورت کی ان آیتوں کے ساتھ یہ آیتیں بھی لکھوائی گئیں کیونکہ سورہ القیامہ کی تفسیر میں مسند امام احمد ترمذی نسائی وغیرہ کی عثمانؓ بن ابی العاص کی یہ معتبر روایت آوے گی کہ اللہ کے حکم سے جبرئیل علیہ السلام ہر ایک آیت کے لکھے جانے کا موقع اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح سمجھا دیا کرتے تھے۔

## نزول قرآن قریش کی لغت میں

صحیح بخاری میں انسؓ بن مالک سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے جمع کیے ہوئے قرآن میں سے اختلافی لفظ نکالے جا کر مصحف عثمانی جب لکھا جا رہا تھا تو مصحف عثمانی کے لکھنے والے صحابہ کو عثمانؓ نے یہ ہدایت کر دی تھی کہ مصحف عثمانی میں قریش کی بول چال کے لفظ قائم رکھے جاویں کیونکہ اصل قرآن قریش کی زبان میں اُترا ہے۔

## قرآن کا اعجازی وصف

صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور معجزوں کے علاوہ مجھ کو قرآن کا معجزہ اللہ تعالٰی نے ایسا دیا ہے جس سے مجھ کو امید ہے کہ قیامت کے دن قرآن شریف کی پیروی کرنے والوں کی تعداد اور شریعتوں کے پابند لوگوں سے زیادہ ہو گی۔ صحیح بخاری و مسلم میں جبیرؓ بن مطعم سے روایت ہے جس میں جبیرؓ بن مطعم کہتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے جب میں نے سورۂ والطور سنی۔ تو میرے دل کا یہ حال تھا کہ پاش پاش ہوا جاتا تھا۔ اسی سبب سے میں دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ ان روایتوں سے قرآن شریف کے معجزہ ہونے کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ قرآن شریف میں لفظ وہی ہیں جو اہل مکہ رات دن بولتے رہتے تھے لیکن قرآن شریف میں اُن ہی لفظوں کو ایسی ترکیب سے برتا گیا ہے جس میں معجزہ کا اثر ہے۔ جس کے سبب سے اہل عرب جب قرآن شریف کی آیتیں سنتے تھے۔ تو اُن کا دل بے قابو ہو جاتا تھا۔ اور یہی اثر قرآن شریف کی نصیحت میں قیامت تک باقی رہے گا۔ جس کے سبب سے قیامت کے دن قرآن کی پیروی کرنے والے دوسری امتوں کے پابند شریعت لوگوں سے بڑھے ہوئے ہوں گے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے اپنے علم غیب کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالٰی نے لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کتنے آدمی جنت میں جانے کے قابل کام کریں گے اور کتنے آدمی دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوموسٰی اشعریؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی۔ اور اچھے بُرے آدمیوں کی مثال اچھی بُری زمین کی بیان فرمائی ہے۔ ان حدیثوں سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ اگرچہ قرآن شریف کی نصیحت میں وہ معجزہ کا اثر ہے۔ جس سے سننے والوں کا دل قابو میں نہیں رہتا لیکن اہل مکہ میں سے جو لوگ اللہ تعالٰی کے علم غیب میں دوزخی ٹھہر چکے تھے۔ ان کے حق میں وہ معجزہ صفت قرآن کی نصیحت اسی طرح رائگاں گئی جس طرح بُری زمین میں مینہ کا پانی رائگاں جاتا ہے

## عربی زبان کی ابتداء

مکہ کے آباد ہونے سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کا حضرت ہاجرہ اور اسماعیلؑ علیہ السلام کو مکہ کے جنگل میں چھوڑ جانے کا اور وہاں اس جنگل میں زمزم کے چشمہ کے نکلنے کا جو قصہ ہے اس قصہ کی ایک بہت بڑی روایت عبداللہ بن عباسؓ سے صحیح بخاری میں ہے اس روایت میں یہ بھی ہے کہ اس جنگل میں اللہ کی قدرت سے جب زمزم کا چشمہ نکل آیا تو پانی کے آرام کے سبب سے قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ اس جنگل میں آباد ہو گئے اور جوان ہو جانے کے بعد اس قبیلہ کے لوگوں سے اسمٰعیل علیہ السلام نے عربی زبان سیکھی۔ یہ جرہم بن قحطان حضرت نوح علیہ السلام کی چھٹی پشت میں ہے۔ قبیلہ جرہم اسی کی اولاد کو کہتے ہیں۔ اس جرہم بن قحطان کا ایک بھائی یعرب بن قحطان تھا مشہور یوں ہے،

کہ قحطانی لوگوں میں عربی زبان اُنہی کی ایجاد ہے۔ مستدرک۔ حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دوسری روایت ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ عربی زبان کے لفظ پہلے پہل اسماعیل علیہ السلام کی زبان سے نکلے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ان دو مختلف روایتوں کی مطابقت یوں بیان کی ہے کہ صحیح بخاری کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کے موافق عربی زبان تو حضرت اسماعیلؑ سے پہلے تھی۔ مگر مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی دوسری روایت جو ہے اس کے موافق۔ فصیح عربی زبان کی ابتدا حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہے۔ نسب کے بیان میں جو کتابیں ہیں۔ ان میں معتبر سند سے حضرت علیؓ کی ایک روایت ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ فصیح عربی زبان کی ابتدا حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہے۔ حافظ ابن حجر نے حضرت عبداللہ بن عباس کی دو مختلف روایتوں میں جو مطابقت بیان کی ہے حضرت علیؓ کی اس روایت سے اس کی پوری تائید ہوتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ سلف میں جو یہ اختلاف ہے کہ قرآن شریف میں سوائے عربی زبان کے اور کسی زبان کے لفظ ہیں یا نہیں صحیح طور پر رفع اس اختلاف کا یہی ہے کہ مثلاً ابراہیم علیہ السلام کا نام یا حضرت ہاجرہ کا نام۔ یا اسی طرح کے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پہلے کے لفظ جو اسمٰعیل علیہ السلام اور بنی اسمٰعیل کی بول چال میں داخل ہو گئے تھے۔ غیر زبان کے وہی لفظ قرآن شریف میں ہیں۔ غیر زبان کا کوئی ایسا اوپری لفظ قرآن شریف میں نہیں ہے جو بنی اسمٰعیل کی بول چال کے برخلاف ہو۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو قریش جو بنی اسمٰعیل ہیں اپنے اور اعتراضوں کی طرح قرآن شریف پر یہ اعتراض بھی ضرور کرتے کہ قرآن کا قریش کی زبان میں نازل ہونا کہا جاتا ہے۔ حالانکہ اس میں بنی اسمٰعیل کی بول چال کے برخلاف بہت سے لفظ موجود ہیں اور قریش کے اس طرح کے کسی اعتراض اور اس کے جواب کا کچھ ذکر قرآن شریف میں ضرور ہوتا۔ جب قرآن شریف میں اس کا کچھ ذکر نہیں ہے۔ تو قرآن شریف کے موافق سلف کے اختلاف کا رفع وہی صحیح ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔

## فضائل تلاوت

پورے قرآن شریف اور اس کی بعض سورتوں اور آیتوں کی فضیلت میں بہت سی صحیح حدیثیں ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عثمانؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کے پڑھنے پڑھانے والے لوگ اللہ تعالےٰ کے نزدیک بہت اچھے لوگوں میں ہیں۔ اسی طرح بخاری اور مسلم میں ابو موسٰے اشعری سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پڑھنے والے ایمان دار شخص کی مثال خوش بودار میوہ کی سی ہے کہ اس میں خوش بو اور مزہ دونوں چیزیں ہیں اور قرآن نہ پڑھنے والے ایمان دار شخص کی مثال کھجور کی سی ہے کہ اس میں فقط مزہ ہے خوش بو نہیں ہے۔ صحیح مسلم میں ابو امامہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ قرآن شریف پڑھتے ہیں قیامت کے دن قرآن شریف ان کی شفاعت کر کے اُن کو دوزخ کے عذاب سے بچائے گا۔ ابو امامہ کی روایت سے ابو موسٰے اشعری کی روایت کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح خوش بودار میوہ میں خوش بو اور مزہ دو وصف ہیں اسی طرح ایمان دار قرآن پڑھنے والے شخص میں دوزخ کے عذاب سے بچنے کے دو سبب ہیں ایک ایمان دوسرا تلاوت قرآن۔ صحیح بخاری اور مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایسے شخص کی عادت سیکھنے کی ہر ایمان دار آدمی کو حرص کرنی چاہئیے۔ جس کو اللہ تعالےٰ نے قرآن سکھایا اور وہ ہر وقت اس کی تلاوت کرتا رہتا ہے صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس گھر میں قرآن شریف پڑھا جائے۔ وہاں اللہ تعالےٰ

کی رحمت اترتی ہے اور اللہ کے فرشتے اسی گھر میں قرآن شریف سننے کو آتے ہیں۔ معتبر سند سے ترمذی میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن شریف کی تلاوت کرنے والے شخص کو قرآن شریف کے ہر ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ معتبر سند سے ترمذی میں ابوسعید خدریؓ سے حدیث قدسی کی روایت ہے جس میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا قرآن کی تلاوت میں مشغول رہنے کے سبب سے جو شخص اپنے کسی مطلب کی دعا نہ مانگ سکے گا تو اللہ تعالےٰ ایسے شخص کے دل کا مطلب بغیر دعا کے خود پورا کر دے گا کیونکہ قرآن کی تلاوت کو ہر ایک دعا پر ایسی ہی فضیلت ہے جس طرح اللہ تعالےٰ کی ذات کو تمام مخلوقات پر فضیلت ہے اس لئے قرآن کی تلاوت سے ہر ایک مطلب بغیر دعا کے حاصل ہو سکتا ہے صحیح بخاری ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ میں ابوسعد بن المعلے سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فاتحہ کو قرآن کی بہتر سورت فرمایا ہے یہ ابوسعد انصاریؓ صحابہ میں ہیں صحیح مسلم میں ان کی کوئی روایت نہیں ہے ان کا نام رافع بن اوس ہے۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ صحیح مسلم میں ابوامامہؓ سے روایت ہے۔ جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھے گا تو یہ دونوں سورتیں قیامت کے دن اس شخص کو دوزخ کے عذاب سے چھوڑانے میں بڑی کوشش کریں گی۔ صحیح مسلم میں ابودرداؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سورۃ الکہف کی اول کی دس آیتیں یاد کرلے گا تو وہ دجال کی آفت سے بچا رہے گا۔ مسند امام احمد ابوداؤد نسائی وغیرہ میں معقل بن یسار سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ یٰسین کو قرآن کا دل فرمایا ہے۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے معتبر سند سے ترمذی ابوداؤد وغیرہ میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تبارک الذی پڑھے گا تو وہ قیامت کے دن اس شخص کی شفاعت کرے گی۔

اس تفسیر میں جگہ جگہ سورتوں اور آیتوں کی فضیلت بیان کر دی گئی ہے۔ اس لئے یہاں اس بیان کو زیادہ طول نہیں دیا گیا ہے۔

یہ تو فقط قرآن شریف کی تلاوت کرنے کی فضیلت ہوئی اب جو لوگ قرآن شریف کی تلاوت کے وقت قرآن شریف کا مطلب بھی سمجھیں گے اللہ تعالےٰ ان کو معزز فرشتوں کا مرتبہ عنایت فرما دے گا چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کی حضرت عائشہؓ کی روایت میں اس کا ذکر تفصیل سے ہے۔

## باعث تالیف

قرآن شریف عربی زبان میں ہے اور ہر شخص کو عربی زبان کے سمجھنے کی طاقت نہیں اس واسطے شاہ عبدالقادر صاحب مرحوم کے عام فہم اردو کے ترجمہ کے زیادہ عام فہم ہو جانے کی غرض سے اسی ترجمہ کی سلیس اردو کے ڈھنگ پر پہلے چیدہ چیدہ آیتوں کے فوائد "احسن الفوائد" کے نام سے تین ترجمے کے قرآن مطبوعہ مطبع فاروقی کے حاشیہ پر چھاپ دئے گئے تھے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ان فوائد سے مسلمان بھائیوں کو بہت فائدہ پہنچا جس کے سبب سے اس قرآن تین ترجمہ مع فوائد کے اب بہت لوگ خواہش مند ہیں۔ لیکن وہ قرآن نہیں ملتا اُن فوائد میں چیدہ چیدہ

آیتوں کا مطلب تھا۔ اس واسطے اُن نوائد سے پورے قرآن شریف کا مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا تھا۔ اس لئے ان فوائد کا یہ نقصان رفع کر دینے کی غرض سے شاہ عبدالقادر صاحب مرحوم کے ترجمہ کا یہ قرآن اس ڈھنگ سے چھاپا گیا ہے کہ اوپر قرآن شریف کی آیتیں اور اُن کا ترجمہ ہے۔ اور نیچے احسن الفوائد کے طور پر تمام قرآن شریف کی مختصر صحیح تفسیر ہے۔ تاکہ ترجمہ اور اس تفسیر کی مدد سے اُردو دان مسلمان مرد اور عورتیں قرآن شریف کا مطلب اچھی طرح سمجھ کر حضرت عائشہؓ کی اوپر کی بہت صحیح حدیث کے موافق معزز فرشتوں کا مرتبہ حاصل کریں۔[1]

# دوسرا باب تفسیر کے بیان میں

## پہلی فصل: مبادیات علم تفسیر اور اصول تفسیر وغیرہ!

### تفسیر و تاویل میں سلف فرق نہیں کرتے تھے

بعضے مفسروں نے تفسیر اور تاویل میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ قرآن شریف کے مشکل لفظوں کے الگ الگ معنے بیان کئے جائیں تو اس کو تفسیر کہتے ہیں اور اگر پوری آیت کا مطلب آسان لفظوں میں بیان کیا جاوے تو اس کو تاویل کہتے ہیں۔ جیسے مثلاً آیت کے ٹکڑے ان ربک لبالمرصاد کے یہ معنے بیان کئے جائیں کہ مرصاد رصد سے نکلا ہے جس کے معنے تاک لگانے کے ہیں تو اس معنے کو آیت کے ٹکڑے کی تفسیر کہویں گے اور جب آیت کے ٹکڑے کا یہ مطلب بیان کیا جاوے گا کہ قوم ثمود اور فرعون کی سرکشی اور ہلاکت کے ذکر کے بعد آیت کا یہ ٹکڑا اس لئے نازل فرمایا گیا ہے کہ اس سے قریش اس بات کو سمجھ لیویں کہ جو لوگ قوم ثمود اور فرعون کے قدم بقدم چلیں گے۔ اُن کا یہی انجام ہوگا۔ جو انجام قوم ثمود اور فرعون کا ہوا تو اس کو کہا جاوے گا کہ یہ آیت کے ٹکڑے کی تاویل ہے۔ تفسیر کے معنی کسی مطلب کو کھول کر بیان کرنے کے اور تاویل کے معنے کسی بات کو ڈھنگ اور کل سے بٹھا دینے کے ہیں۔

تفسیر اور تاویل کا جو فرق اوپر بیان کیا گیا اس کو اکثر سلف نے پسند نہیں کیا اور یہ کہا ہے کہ قرآن شریف کے لفظوں کے الگ الگ معنے بیان کئے جائیں یا پوری آیت کا مطلب بیان کیا جاوے تفسیر کا لفظ دونوں معنوں پر بولا جاتا ہے۔ سورۃ الفرقان کی آیت ولا یاتونک بمثل الا جئناک بالحق واحسن تفسیرا میں اللہ تعالے نے جو تفسیر کے لفظ کا استعمال فرمایا ہے۔ اس سے یہی معلوم ہے کہ پوری آیتوں کے مطلب کے بیان کو بھی تفسیر کہتے ہیں کیونکہ سورۃ الفرقان کی اس آیت کا حاصل مطلب یہی ہے کہ مشرکین مکہ قرآن شریف کی کسی آیت کے مضمون کے باب میں کوئی ناسمجھی کی بات منہ سے نکالتے ہیں تو اللہ تعالے آیت کے مضمون کی اچھی طرح تفسیر بیان کر کے مشرکین مکہ کی اس ناسمجھی کی بات کو بے اصل ٹھہرا دیتا ہے۔ جیسے جب اس مضمون کی آیتیں نازل ہوئیں کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ جس کو اس نے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

---

[1] احسن التفاسیر کا باعث و طریق تالیف آئندہ اس مقدمہ کے ص ۹۶ پر بھی مفسرؒ نے ذکر کیا ہے۔ نیز اس تفسیر کے خصوصیات کو اس مقدمہ میں مختلف مقامات پر بھی بیان فرمایا ہے۔ ع

محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے تو مشرکین مکہ نے نا سمجھی سے ان آیتوں کو نہیں مانا اور یہ کہا کہ اللہ کا رسول انسان نہیں ہو سکتا فرشتہ ہونا چاہئے اس پر اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی آیتوں کی سورۃ الانعام میں یہ تفسیر فرمائی کہ فرشتہ کو اصلی صورت میں دیکھنا آدمی کی طاقت سے باہر ہے اس لئے کوئی فرشتہ بھی رسول بنا کر بھیجا جاوے گا تو وہ بھی آدمی کی صورت میں ہوگا ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قرآن کی تفسیر اپنی عقل سے بیان کرے گا تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اس حدیث کے معنے بھی علما نے یہی بیان کئے ہیں کہ جو شخص عقل سے قرآن شریف کی کسی آیت کا مطلب بیان کرے گا تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اس حدیث کی سند کے ایک راوی عبدالاعلی کو اگرچہ امام احمد اور نسائی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن یحییٰ بن معین نے عبدالاعلی کو معتبر راویوں میں شمار کیا ہے اسی واسطے ترمذی نے اس حدیث کو معتبر قرار دیا ہے۔ علاوہ اس کے ابوداؤد اور نسائی میں بھی اس باب میں روایتیں ہیں جن کے سبب سے ایک سند کو دوسری سند سے تقویت ہو جاتی ہے۔ یحییٰ بن معین امام احمد امام بخاری اور امام مسلم کے اُستاد اور بغداد کے مشہور علما میں ہیں اور راویوں کے باب میں اُن کے قول کا بڑا اعتبار ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جو مطلب سورۃ الفرقان کی آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ وہی مطلب حضرت عبداللہ بن عباس کی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ تفسیر کا لفظ پوری آیت کے مطلب کے بیان کرنے پر بھی بولا جاتا ہے۔

اوپر گذر چکا ہے کہ کسی مطلب کو کھول کر بیان کیا جاوے تو اس کو تفسیر کہتے ہیں اسی واسطے جو علما قرآن کی آیتوں کے مطلب کو کھول کر بیان کرتے ہیں ان کو مفسر کہا جاتا ہے۔

## مفسرین کے طبقے، پہلا طبقہ

مفسروں کے چند طبقے ہیں۔ پہلا طبقہ صحابہ کا ہے خلفائے اربعہ عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ عبداللہ بن زبیرؓ یہ روشن صحابی مفسر مشہور ہیں لیکن صحیح بخاری کی وہ روایت جو مشہور ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حق میں یہ دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو قرآن کی تفسیر سکھلائے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ دعا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حق میں قبول فرمائی جس قبولیت کے اثر سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا لقب ترجمان القرآن امت میں قرار پایا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ قرآن شریف کی تفسیر کے تذکرہ میں جو مجلس ہوا کرتی تھی تو حضرت عمرؓ اس مجلس میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ضرور شریک کیا کرتے تھے۔

## ایک شبہے کا ازالہ

بعضے مفسروں نے یہ شبہہ جو ظاہر کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اہل کتاب سے روایتیں لیا کرتے تھے حالانکہ اہل کتاب سے روایت لینے کی مناہی ہے۔ یہ شبہہ صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح بخاری وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ لوگوں کو اہل کتاب سے روایت لینے کو منع کیا کرتے تھے۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ وہ جس بات سے اوروں کو منع کرتے تھے وہ بات اپنے حق میں کیونکر جائز رکھ سکتے تھے۔ علاوہ اس کے صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے جو روایت ہے اس میں اہل کتاب سے اس طرح کی روایت لینے کی اجازت ہے کہ جو قرآن کے موافق ہو۔ پھر جن مفسروں کو یہ شبہہ ہوا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اہل کتاب سے روایت لیا کرتے تھے

انہوں نے یہ نہیں ثابت کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس قرآن کے مخالف روایتیں اہل کتاب سے لیا کرتے تھے۔ اس لئے علمائے امت نے اس شبہہ کو صحیح نہیں قرار دیا۔

## عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر

حاصل کلام یہ ہے کہ تفسیر کے باب میں حضرت عبداللہ بن عباس کے صحیح قول کا بڑا اعتبار ہے اس واسطے اصول تفسیر کا یہ مسئلہ قرار پایا گیا ہے کہ جس آیت کی تفسیر میں صحابہ کا اختلاف ہو تو وہاں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صحیح قول کو ترجیح دی جاوے گی۔ تفسیر کے باب میں اگرچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول چند سندوں سے بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن ان سب سندوں میں علی بن ابی طلحہ کی سند بہت صحیح ہے اسی واسطے امام بخاری نے صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اسی سند کے قول کو جگہ جگہ اختیار کیا ہے۔ بعضے علماء کو یہ شبہہ پیدا ہوا ہے کہ صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں علی بن ابی طلحہ کا نام کسی سند میں پایا نہیں جاتا۔ اور علما نے اس شبہہ کا یہ جواب دیا ہے کہ اس سند کے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کو قال ابن عباسؓ کے لفظ سے بغیر سند کے امام بخاری نے روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری میں اس بات کو اچھی طرح کھول کر بیان کر دیا ہے کہ امام بخاریؒ نے اکثر جگہ قال ابن عباسؓ کے لفظ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول بغیر سند کے جو روایت کیا ہے اصل میں یہ قول علی بن ابی طلحہ کی سند سے ہے۔ غرض سورہ النساء، سورہ المائدہ، سورہ الانفال سورۃ یونس، سورۃ والطور اور اسی طرح اور چند سورتوں کی تفسیر فتح الباری میں دیکھی جاوے۔ اور فتح الباری کا مقدمہ بھی چند جگہ سے دیکھا جاوے تو اوپر کا شبہہ بالکل رفع ہو جاتا ہے۔ بعضے علما نے یہ لکھا ہے کہ علی بن ابی طلحہ کی ملاقات حضرت عبداللہ بن عباس سے نہیں ہوئی۔ اس واسطے یہ علی بن ابی طلحہ کی سند حضرت عبداللہ بن عباس تک پوری نہیں ہے اس کا جواب بھی حافظ ابن حجر نے دے دیا ہے کہ مجاہد اور سعید بن جبیر دو ثقہ شخصوں کا واسطہ علی بن ابی طلحہ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مابین ہے۔ اس لئے علی بن ابی طلحہ کی روایت کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اسی واسطے امام احمد اس سند کی بہت تعریف کیا کرتے تھے[1] حاصل کلام یہ ہے کہ متقدمین مفسرین کے نزدیک علی بن ابی طلحہ کی سند بہت معتبر ہے اس واسطے اس تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس کا قول اکثر جگہ اسی سند کا لیا گیا ہے۔ عطاء بن السائب سعید بن جبیر کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن عباس کے جن قولوں کی روایت کرتے ہیں یہ سند بھی صحیح ہے۔

ابن مسعودؓ مرہ بن شراحیل کوفی کی روایت سے عبداللہ بن مسعودؓ کے قول اور ابو العالیہ کی روایت سے ابی بن کعب کے قول جو تفسیر کے باب میں ہیں ان کی سند بھی صحیح ہے۔ یہ مرہ ہمدانی کوفی سعید بن مسیب کے مرتبہ کے ثقہ تابعیوں میں ہیں ابو العالیہ کا نام جنید کے وزن پر رُفیع بن مہران ہے یہ بھی ثقہ تابعیوں میں ہیں۔ باقی صحابہ سے تفسیر کے باب میں بہت کم روایتیں ہیں۔

## دوسرا طبقہ

دوسرا طبقہ تابعین کا ہے اس طبقہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگردوں کے قول کا بڑا اعتبار ہے تفسیر کے باب میں یوں تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بہت سے شاگرد ہیں مثلاً مجاہد عطاء بن ابی رباح

---

[1] الاتقان ص ۱۸۸ ج ۲۔

عکرمہؒ، سعید بن جبیرؒ، طاؤسؒ وغیرہ لیکن ان سب میں مجاہد بن جبر کا مرتبہ بڑا ہے کیونکہ انہوں نے ایک مدت تک حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے تفسیر کا علم سیکھا ہے۔ چنانچہ مجاہد اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ میں نے تفسیر سیکھنے کی غرض سے تیس دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے قرآن شریف پڑھا ہے۔ سفیان ثوریؒ اسی واسطے کہا کرتے تھے کہ تفسیر کے باب میں جب مجاہدؒ کا قول مل جاوے تو پھر کسی دوسرے قول کی ضرورت نہیں۔ اور اسی واسطے امام بخاری نے کتاب التفسیر بخاری میں جگہ جگہ مجاہد کا قول لیا ہے۔ اس تفسیر میں مجاہد کا قول اکثر جگہ جو لیا گیا ہے اس سے اس کا سبب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔ اس طبقہ میں مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، ضحاک، حسن بصری، قتادہ، زید بن اسلم قدیم مفسر کہلاتے ہیں۔ کیونکہ تفسیر کے باب میں جو کچھ کہتے ہیں وہ صحابہ کے قول کے حوالہ سے ہوتا ہے اور یہ گویا تفسیر کا چوتھا درجہ ہے۔

## تفسیر کے اصول، قرآن کی تفسیر قرآن کے ساتھ

اس لئے کہ اصول تفسیر میں یہ مسئلہ قرار پا چکا ہے کہ اول تو قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے کیونکہ اکثر جگہ قرآن میں کوئی آیت ایک موقع پر مختصر ہے۔ تو دوسرے موقع پر مفصل ہے چنانچہ اس طرح کی آیتوں کو چھانٹ کر حافظ عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ نے خاص ایک کتاب اس باب میں تصنیف کی ہے۔ اسی واسطے اس تفسیر میں اکثر جگہ ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت سے کی گئی ہے جس کی بہت سی مثالیں اس تفسیر کے دیکھنے سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہیں۔ جیسے حضرت موسٰی علیہ السلام کا قصہ بعض آیتوں میں مختصر ہے اور بعض آیتوں میں مفصل ہے ایسے موقعہ پر مختصر آیتوں کی تفسیر مفصل آیتوں سے ہو سکتی ہے۔ اگر یہ بات ممکن نہ ہو کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جاوے۔

## صحیح حدیث سے قرآن کی تفسیر

تو دوسرا درجہ تفسیر کا یہ ہے کہ صحیح حدیث سے قرآن کی تفسیر کرنی چاہئے کیونکہ ساری صحیح حدیثیں یا تو قرآن کی آیتوں کے مضمون کی تائید کے طور پر ہیں یا قرآن کی تفسیر کے طور پر ہیں۔

## کوئی صحیح حدیث قرآن کے مخالف نہیں

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بعض صحیح حدیثیں قرآن کی آیتوں کے مضمون کے مخالف ہیں جب ان لوگوں سے اس طرح کی حدیثوں کو پیش کرنے کے لئے کہا جاوے گا تو یہ لوگ اپنے قول کی تائید میں ایک حدیث بھی نہیں پیش کر سکتے ہاں یہ بات ضرور ہے کہ قرآن کی تفسیر میں صحیح حدیث لی جاوے جس طرح مثلاً صحت حدیث کی پابندی اس تفسیر میں کی گئی ہے جس کا حال اس تفسیر کے دیکھنے سے اچھی طرح معلوم ہو سکتا ہے۔ ایسا نہ کیا جاوے کہ جیسے تفسیر کشاف اور تفسیر بیضاوی مشہور تفسیریں ہیں اور پھر بھی قرآن شریف کی سورتوں کی فضیلت میں جو موضوع حدیثیں ہیں وہ ان دونوں تفسیروں میں لکھ دی گئی ہیں۔ چنانچہ عبدالرؤف مناوی، قاضی زکریا مصری، اور خطیب شربینی وغیرہ نے ان حدیثوں کا حال اچھی طرح بیان کر دیا ہے۔ موضوع اسی حدیث کو کہتے ہیں جو کلام نبوی سے نہ ہو بلکہ امت کے لوگوں میں کسی نے حدیث کے نام سے وہ لفظ بناتے ہوں حاصل کلام یہ ہے کہ ایسی حدیثیں قرآن کے مخالف ہو سکتی ہیں۔ کوئی صحیح حدیث کبھی قرآن کے مخالف نہیں پائی جا سکتی۔

## تفسیر صحابہ حجت ہے

جہاں صحیح حدیث سے بھی قرآن کی تفسیر ممکن نہ ہو۔ تو تیسرا درجہ تفسیر کا یہ ہے کہ مفسر صحابہ کے صحیح قول سے قرآن شریف کی تفسیر کی جاوے کیونکہ جس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو قرآن کی آیتیں سکھاتے تھے اسی طرح ان آیتوں کا مطلب بھی تفسیر کے طور پر سکھاتے تھے۔ اسی واسطے قرآن کی ایک ایک سورت کے سیکھنے میں صحابہؓ کو بہت دن لگ جاتے تھے۔ چنانچہ موطا میں روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر نے سورۃ بقر آٹھ برس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی۔

اصول تفسیر کی کتابوں میں یہ مسئلہ جو قرار پایا ہے کہ شان نزول یا کسی آیت کا مطلب بیان کرنے میں صحابہ جو کچھ کہتے ہیں وہ حدیث نبوی کے برابر ہے اس کا مطلب عبداللہ بن عمر کے قصے سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن شریف کی آیتوں کے سیکھنے کے وقت صحابہ کا اپنا بہت بڑا وقت صرف کر کے ان آیتوں کی تفسیر بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھتے تھے اس واسطے تفسیر کے باب میں صحابہ جو کچھ کہتے ہیں وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہوئی بات بطور روایت کے کہتے ہیں۔

اصول تفسیر کے جس مسئلہ کا ذکر اوپر گذرا یہ مسئلہ ایسا ہی ہے جس طرح اصول حدیث میں یہ مسئلہ قرار پایا ہے۔ کہ جنت دوزخ کے حال یا کسی نیک عمل کے ثواب کے حال میں صحابہ کا قول حدیث نبوی کے برابر ہے کیونکہ بغیر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کے ایسی باتیں صحابہ اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتے یہی حال قرآن کی تفسیر کا ہے کس لئے کہ مفسر صحابہ کو جب یہ بات معلوم تھی کہ قرآن شریف کی تفسیر میں اپنی طرف سے عقلی طور پر کچھ کہنا دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنانا ہے چنانچہ اس باب میں ترمذی وغیرہ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی معتبر روایت باب اول میں گذر چکی ہے تو پھر صحابہ کی نسبت یہ گمان ہرگز نہیں کیا جاسکتا کہ بغیر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کے وہ کسی آیت کا مطلب اپنی طرف سے عقلی طور پر بیان کریں گے۔

## تفسیر تابعین کی حیثیت

چوتھا درجہ تفسیر کا یہ ہے کہ تابعین کے قول سے قرآن کی تفسیر کی جاوے کیونکہ تفسیر کے باب میں یہ جو کچھ کہتے ہیں وہ صحابہ سے سن کر کہتے ہیں اگرچہ ایک روایت میں امام احمدؒ نے اور اسی طرح بعضے اور علما نے تابعیوں کے قول کو تفسیر ٹھہرانے میں اختلاف کیا ہے لیکن جمہور تبع تابعیوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تفسیر کے باب میں مفسر تابعی جو کچھ کہتے ہیں وہ صحابہ سے سن کر کہتے ہیں کیونکہ جس طرح صحابہ کو یہ بات معلوم تھی کہ قرآن کی تفسیر میں اپنی طرف سے عقلی طور پر کچھ کہنا دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنانا ہے اسی طرح یہ بات تابعیوں کو بھی معلوم تھی پھر تابعیوں کی نسبت بھی یہ گمان جائز نہیں ہے کہ بغیر صحابہ سے سننے کے وہ کسی آیت کا مطلب اپنی طرف سے عقلی طور پر بیان کریں گے۔

## تبع تابعین کی تفسیریں

اسی قرارداد کی بنا پر تبع تابعین کے زمانہ میں مثلاً سفیان بن عیینہ شعبہ اسحاق بن راہویہ اور عبدالرزاق وغیرہ نے جو تفسیریں تالیف کی ہیں اُن میں تابعین کے قول بھی ملتے ہیں اور یہی طریقہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب تابعی لوگ تفسیر کے باب میں صحابہ کا قول روایت کے طور پر بیان کرتے ہیں

توجس طرح حدیث میں تابعیوں کی روایت کا حال ہے وہی حال تفسیر میں بھی ہونا چاہیئے۔ جن تفسیروں کا ذکر اگرچہ ان تفسیروں کے تالیف کے زمانہ تک حدیث کی کتابوں کی طرح تفسیروں میں بھی سند کے لکھنے کی پابندی تھی جس سے ثقہ اور ضعیف راویوں کی جانچ ممکن تھی۔

## تفسیر ابن جریر۔ اور تفسیر ابن کثیر کی حیثیت

اس کے بعد تفسیر حافظ ابوجعفر ابن جریر اور تفسیر ابوالفدا اسمٰعیل حافظ ابن کثیر یہ دونوں تفسیریں ایسی تالیف ہوئیں جن میں قرآن کی تفسیر قرآن، حدیث، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین تک کے قول سے کی گئی ہے۔

اس وقت کے تمام معتبر علمانے ان دونوں تفسیروں کو بہت پسند کیا ہے ابوجعفر ابن جریر[1] کی وفات ۳۱۰ھ میں ہے اور ابوالفدا ابن کثیر[2] کی وفات ۷۷۴ھ میں اسی واسطے تفسیر ابن کثیر میں ایک تو یہ خوبی ہے کہ اس میں ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ ان تین تفسیروں کی سندوں کی خوب جانچ کی گئی ہے دوسری خوبی یہ ہے کہ جو روایت حدیث کی کسی کتاب میں تھی اس کتاب کا نام اور سوائے صحیحین کے اور روایتوں کی صحت و ضعف کا حال بھی بتلا دیا ہے۔ عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم[3] کی وفات ۳۲۷ھ میں ہے۔ اور احمد بن مردویہ[4] کی وفات ۴۱۰ھ میں ہے تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر ابن مردویہ یہ دونوں تفسیریں بھی روایتی تفسیریں ہیں لیکن حافظ ابن کثیر کا زمانہ ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ تینوں سے مابعد ہے۔ اس لئے حافظ ابن کثیر نے تفسیر ابن جریر تفسیر ابن ابی حاتم تفسیر ابن مردویہ ان تینوں تفسیروں کی سندوں کو خوب جانچا ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ یہ تفسیر ہندوستان میں ملتی بھی ہے متقدمین مفسروں کی تفسیروں کی طرح نایاب نہیں ہے۔

تفسیر ابن جریر میں یہ خوبی ہے کہ جس آیت کی تفسیر میں سلف کے چند قول ہیں وہاں ترجیح کے قابل قول کی ترجیح حافظ ابوجعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اچھی طرح بیان کر دی ہے۔

## بعد کی تفسیریں

اس کے بعد ایسی تفسیریں تالیف ہوئیں۔ جن میں پوری سند کی پابندی جاتی رہی حدیث کی جگہ عن النبی اور قول صحابی کی جگہ مثلاً عن عبداللہ بن عباسؓ اور قول تابعی کی جگہ عن مجاہد پر قناعت کی گئی جس سے صحیح اور ضعیف سند کے جانچنے کا موقع بالکل باقی نہیں رہا۔

علاوہ اس کے پچھلے زمانہ کی تفسیروں میں یہ بات بھی پیدا ہو گئی کہ قرآن شریف کی آیتوں کے اصل مطلب کو زیادہ پیش نظر نہیں رکھا گیا بلکہ کسی تفسیر میں تو نحو کے مسائل کو زیادہ پیش نظر رکھا گیا ہے جیسے تفسیر زجاج اور تفسیر واحدی میں کیا گیا ہے بعض تفسیروں میں فقہ کی زیادہ بحث ہے جیسے تفسیر قرطبی بعض میں عقلی باتوں کا بڑا انباحثہ ہے جیسے تفسیر کبیر بعض میں معتزلی مذہب کے مسئلے ہیں جیسے تفسیر کشاف۔

معالم التنزیل بغوی صاحب مصابیح کی تفسیر بھی اگرچہ روایتی تفسیر ہے لیکن اول تو اس میں بعضے قصہ ضعیف ہیں دوسرے ابن جریر کی طرح اس میں بھی جو حدیثیں لی گئی ہیں وہ اپنی مفسرانہ سند سے لی ہیں حدیث کی کتابوں کا نام نہیں بتلایا جس سے سند کی

---

[1] محمد بن جریر الطبری رحمۃ اللہ [2] اسماعیل بن عمر القرشی المشہور بابن کثیر رحمۃ اللہ [3] عبدالرحمٰن بن محمد الرازی رحمۃ اللہ [4] حافظ ابوبکر احمد بن موسیٰ المشہور بابن مردویہ رحمۃ اللہ بلکہ بے اصل بھی۔ ع

صحت وضعف کی جانچ دشوار ہے ان حسین بن مسعود بغوی کی وفات ۵۱۶ھ میں ہے۔

۷۲۵ھ میں علاء الدین علی بن محمد بغدادی نے معالم التنزیل کو مختصر کر کے ایک تفسیر تالیف کی ہے جس کا اصلی نام لباب التاویل اور مشہور نام خازن ہے اس تفسیر میں خوبی یہ ہے کہ معالم التنزیل کی جو روایت حدیث کی کسی کتاب میں تھی جہاں تک ہو سکا خازن میں حدیث کی اس کتاب کا نام بتلا دیا ہے جس سے معالم کی روایتوں کی صحت وضعف کے جانچنے میں جو دشواری تھی وہ رفع ہو گئی۔ لیکن بعض جگہ خازن میں بغوی کی اصلی سند کو بھی قائم رکھا ہے جس سے صحت روایت کے جانچنے میں وہی دشواری ہے جو معالم التنزیل میں تھی۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی درمنثور بھی روایتی تفسیر ہے اور اکثر صحیح روایتیں اس میں مل جاتی ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی وفات ۹۱۱ھ میں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جس طرح کا پورا مسالہ حدیث کا ہندوستان میں آ گیا ہے ابن جریر، ابن کثیر، درمنثور اور خازن کے ہندوستان میں آ جانے سے پہلے تو سوائے کتاب التفسیر بخاری، ترمذی، ابن ماجہ کے یہاں تفسیر کا صحیح مسالہ کچھ بھی نہیں تھا ابن جریر، ابن کثیر، خازن اور درمنثور کے ہندوستان میں آ جانے کے بعد عربی دان لوگوں کے لئے صحیح تفسیر کا مسالہ اگرچہ بہم پہنچ گیا تھا۔ لیکن اردو دان بھائی مسلمان اس مسالے سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔

## احسن التفاسیر کی تالیف

اس فائدے کے خیال سے پہلے تو راقم الحروف نے مفسرین متقدمین کے ڈھنگ پر چیدہ چیدہ آیتوں کی تفسیر کے طور پر کچھ فوائد احسن الفوائد کے نام سے لکھے جو تین ترجمے کے قرآن مطبوعہ فاروقی کے حاشیہ پر لوگوں کی نظر سے گزرے اور لوگوں نے ان کو بہت پسند کیا لیکن وہ فوائد تمام قرآن شریف کے حل مطلب کے لئے کافی نہیں تھے اس واسطے تمام قرآن شریف کا صحیح مطلب اردو دان لوگوں کی سمجھ میں آ جانے کی غرض سے ان فوائد کی تکمیل اسی ڈھنگ پر پوری تفسیر کی صورت میں کی جا کر اس کا نام احسن التفاسیر رکھا گیا پہلے فوائد کو اور اب ان فوائد کی تکمیل کو مفسرین متقدمین کے ڈھنگ پر رکھنا منظور تھا اس لئے فوائد میں اور ان کی تکمیل میں ان تفسیروں سے مدد نہیں لی گئی جن میں روایتوں کی سند پوری نہیں تھی اور ان تفسیروں سے بھی مدد نہیں لی گئی جن میں حل مطلب قرآنی کو پیش نظر نہیں رکھا گیا تھا بلکہ فوائد اور ان کی تکمیل میں ابن جریر، ابن کثیر، خازن، درمنثور، کتاب التفسیر بخاری، ترمذی، حاکم اسی طرح کی روایتی تفسیروں سے تفسیری مطلب کے لینے میں اور حدیث کی کتابوں سے صحیح حدیثوں کے لینے میں مدد لی گئی ہے جس کے سبب سے آٹھ نو سو برس پہلے صحیح تفسیروں کی تالیف کا جو ڈھنگ تھا اس ڈھنگ کے موافق سلیس اردو میں یہ صحیح تفسیر تیار ہو گئی ہے۔

## اشاعت تفسیر کی ضرورت واہمیت

اور عقبے کے طلب گار ہر اردو دان کو اس تفسیر کا اپنے پاس رکھنا اور ان پڑھ لوگوں کو پڑھ کر سنانا بہت ضروری ہے کیونکہ علماء نے قرآن کی تفسیر کے پھیلانے کو فرض کفایہ لکھا ہے۔ فرض کفایہ اس فرض کو کہتے ہیں کہ قوم میں کے بعضے لوگ بھی اس کو ادا کر لیویں تو ساری قوم کے ذمہ سے اس فرض کا بوجھ اتر جاتا ہے۔ جیسے کچھ مسلمانوں کو مسلمان شخص کے جنازہ کے

ساتھ دفن کرنے کے لئے جانا فرض کفایہ ہے آج کل عربی دان لوگ بہت کم ہیں اور اردو دان بہت، اس لئے عربی دان لوگوں پر یہ فرض کفایہ ہے کہ وہ وعظ کے ذریعہ سے اردو کی تفسیر کے ذریعہ سے قرآن کی تفسیر کو اردو دان لوگوں میں پھیلا دیں اور اردو دان لوگوں پر یہ فرض کفایہ ہے کہ وہ اردو کی تفسیر ان پڑھ لوگوں کو پڑھ کر سنا دیں جس طرح قم اللیل کے حکم سے تہجد کی نماز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض عین تھی اور امت کے لوگوں پر سنت ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم میں طلحہ بن عبیدؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے پنج گانہ فرض نماز کے امت کے لوگوں پر اور کوئی فرض نماز نہیں بتلائی اسی طرح سورۃ النحل کی آیت وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس کے حکم سے قرآن کے مشکل مقامات کی تفسیر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض عین تھی اور امت کے لوگوں پر فرض کفایہ ہے۔

فرض عین اس فرض کو کہتے ہیں جس کا ادا کرنا ہر ہر شخص کے ذمہ ہو جیسے مثلاً پنج گانہ نماز کو فرض کفایہ کی طرح بعضے لوگوں کی نماز سے باقی کے لوگوں کے ذمہ کی نماز ساقط نہیں ہو سکتی یا اوپر گزر چکا ہے کہ قوم کے لوگوں میں سے کچھ لوگ فرض کفایہ کو ادا کر لیں تو ساری قوم کے ذمہ کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔

اس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ تفسیر کے پھیلانے میں جب تک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات سے اکیلے تھے اور آپ کی طرف سے کوئی دوسرا شخص تفسیر کا پھیلانے والا نہیں تھا اس واسطے آپ کی ذات کے لئے تفسیر پھیلانے کا حکم فرض عین کے طور پر تھا پھر جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک بڑی جماعت میں تفسیر کو پھیلا دیا۔ تو آپ کی پھیلائی ہوئی تفسیر کے پھیلانے کا حکم صحابہ کے حق میں بطور فرض کفایہ کے ہو گیا معتبر سند سے ترمذی اور ابوداؤد میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک بنی اسرائیل میں کے عالم تورات کی زبانی تفسیر کے طور پر عام لوگوں کو وعظ نصیحت کر کے انہیں ناجائز کاموں سے روکتے رہے تو ساری قوم ہر طرح کی بلا اور آفت سے بچی رہی پھر جب وہ عالم لوگ بھی وعظ اور نصیحت کو چھوڑ بیٹھے تو ساری قوم پر طرح طرح کی آفتیں آنی شروع ہو گئیں۔

اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ فرض کفایہ کے ادا کرنے میں ساری قوم کی طرف سے پہلوتہی کی جاوے تو کسی آفت کے آجانے کا خوف ہے

## ایک شبہ کا ازالہ

بعضے علما نے یہاں ایک شبہ کا ذکر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن عربی زبان میں ہے اور صحابہ کی زبان بھی عربی تھی پھر فرض عین کے طور پر قرآن کی کونسی آیتوں کی تفسیر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ لازم تھی۔

اس کا جواب علماء نے دیا ہے کہ ہر زبان میں بعضے لفظ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے کئی معنے ہوتے ہیں چنانچہ عربی بول چال کے موافق ظلم کے معنے کسی پر بے جا زیادتی کرنے یا ناانصافی کے ہیں پھر جب اللہ تعالے نے انسان کو اور انسان کی سب ضرورت کی چیزوں کو پیدا کیا تو اس سے بڑھ کر اور کیا ناانصافی ہو سکتی ہے کہ مشرک لوگ اللہ کی تعظیم اور عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں اسی مطلب سے قرآن شریف کے شرعی معنوں میں اللہ تعالے نے شرک کو ظلم قرار دیا لیکن اس شرعی معنے کی

بنا پر جب سورہ الانعام کی آیت الذین امنوا ولو یلبسوا ایمانھم بظلم نازل ہوئی تو صحابہ کو یہ آیت بہت سخت معلوم ہوئی کیونکہ انہوں نے ظلم کے معنے معمولی بے جا زیادتی کرنے کے سمجھے اس لئے انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جب قیامت کے دن امن ان ایمان واروں کو ملے گا جن کا ایمان معمولی بے جا جو روزیادتی کے آمیزش سے پاک و صاف ہوگا تو ہم میں تو کوئی ایسا نہیں جو لونڈی، غلام، دوست، آشنا پر بے جا زیادتی نہ کر بیٹھتا ہو اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کی تفسیر کے طور پر فرمایا کہ اس آیت میں ظلم کے معنے شرعی شرک کے ہیں۔ معمولی ظلم وزیادتی کے معنے نہیں ہیں۔ صحیح بخاری ومسلم کی عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آیت کی اس تفسیر کا ذکر تفصیل سے ہے۔ اسی طرح بعض آیتوں کے لفظ تو صاف ہوتے ہیں مگر ان کا مطلب ایسا حل طلب ہوتا ہے کہ بغیر بہت بڑی عملی تفسیر کے سمجھ میں نہیں آتا چنانچہ سورۃ النساء کی آیت ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا کی تفسیر کے طور پر ایک شخص نے نماز کے وقتوں کا حال اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے دو روز تک اس شخص کو نمازیں ساتھ رکھ کر پہلے دن اول وقت پر پانچوں نمازیں پڑھیں اور دوسرے روز آخر وقت پر اور پھر فرمایا دونوں دنوں کے وقتوں کے بیچ میں نمازوں کا وقت ہے یہ حدیث صحیح مسلم میں ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت سے ہے ان دونوں حدیثوں میں سے ایک میں قولی حدیث میں قرآن کی تفسیر ہے اور دوسری میں فعلی حدیث میں۔

قرآن شریف کی ایسی حل طلب آیتوں کی تفسیر فرض عین کے طور پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لازم تھی کس لئے کہ بغیر اس کے تفسیر کے دین کے ارکان امت کے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتے تھے نہ صلوٰۃ کے لفظ سے نماز کی رکعتوں کی گنتی معلوم ہو سکتی تھی۔ نہ نماز کے ٹھیک وقت سمجھ میں آسکتے تھے نہ روزہ کے ان شرائط کو کوئی جان سکتا تھا کہ جیسے رمضان میں ناپاکی کی حالت میں کسی شخص کو صبح ہو جاوے تو وہ شخص روزہ رکھے یا نہ رکھے۔ نہ یہ بات کسی کو معلوم ہوتی تھی کہ کس مقدار کے مال پر زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ کی مقدار کیا ہے۔ جبل عرفات پر کوئی شخص نہ جاوے تو اس کا حج ہو جاوے گا یا نہیں۔ صحیح حدیثوں کے موافق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی پوری حالت، روزہ کے شرائط، زکوٰۃ کی مقدار، حج کے ارکان، قرآن کی تفسیر کے طور پر یہ سب کچھ مدت تک عملی طور پر صحابہ کو سکھایا۔ جب قرآن میں صلوٰۃ۔ صوم۔ حج۔ زکوٰۃ کے جو لفظ تھے ان کے صحیح شرعی معنے امت میں پھیلے جو حدیثیں قرآن کی تفسیر کے طور پر تھیں یہاں تو ان کا ذکر مختصر طور پر کر دیا گیا ہے۔ اس تفسیر کے ملاحظہ کے بعد یہ بات اچھی طرح ناظرین تفسیر کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ کس قدر صحیح حدیثیں قرآن شریف کی تفسیر میں وارد ہوئی ہیں اور یہ بات بھی سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ قرآن شریف کے صحیح مطلب کے سمجھنے میں حدیث نبوی کو کہاں تک دخل ہے۔

## قرآن فہمی کے لئے حدیث کی ضرورت

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ وہ بغیر مدد حدیث نبوی کے قرآن کا صحیح مطلب سمجھ سکتے ہیں یہاں سے ان کی غلطی بھی سمجھ میں آسکتی ہے کیونکہ جن صحابہ کے سامنے قرآن شریف نازل ہوا جس کے سبب سے ہر ایک آیت کی شان نزول سے وہ لوگ خوب واقف تھے اور برکت صحبت رسول کے سبب سے قرآن کی آیتوں کا صحیح مطلب سمجھنے میں ان کا درجہ حال کے اہل قرآن فرقہ سے بڑھ کر تھا، باوجود ان باتوں کے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اس قابل نہیں ٹھہرایا کہ وہ بغیر مدد حدیث

نبوی کے سارے قرآن کا صحیح مطلب از خود سمجھ لیویں گے اس لئے سورۃ النحل کی آیت جو اوپر گذری اس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے تمام امت کے حق میں یہ قاعدہ قرار دیا کہ قرآن کی مشکل آیتوں کا مطلب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو سمجھا دیویں تاکہ صحابہ اس مطلب کو سمجھ کر تابعیوں کو سمجھا دیویں اور پھر سلسلہ بہ سلسلہ یہ قاعدہ امت میں جاری ہے۔

## منکرین حدیث سے ایک سوال

اللہ تعالیٰ کے ٹھہرائے ہوئے قاعدہ کے برخلاف حال کے اہل قرآن فرقہ کے لوگ جو اس بات کے قائل ہیں کہ وہ بغیر مدد حدیث نبوی کے قرآن کا صحیح مطلب از خود سمجھ سکتے ہیں تو پہلے ان لوگوں کو کسی صحیح دلیل سے یہ بات ثابت کرنی چاہئے کہ قرآن شریف کا صحیح مطلب سمجھنے میں ان لوگوں کی قابلیت اللہ کے رسول کے صحابہ کی قابلیت سے بڑھی ہوئی ہے کیونکہ صحابہ میں جس قابلیت کے موجود نہ ہونے کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو ایک قاعدہ کا پابند کیا اب اس قاعدہ سے وہی شخص مستثنیٰ ہو سکتا ہے جو اپنے آپ میں صحابہ سے بڑھ کر قابلیت ثابت کرے لیکن جو ثبوت ان لوگوں سے طلب کیا جاتا ہے۔ وہ ثبوت امت میں کا کوئی شخص بھی نہیں پیش کر سکتا کیونکہ صحابہ کا وہ مرتبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نیک عملوں پر اپنی خوشنودی ظاہر فرمائی ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر سورۃ التوبہ میں آوے گا اور صحیح بخاری و مسلم میں ابو سعید خدری سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے تھوڑے سے نیک عمل کو امت کے لوگوں کے تودہ کے تودہ نیک عملوں سے بہتر فرمایا ہے۔ اس طرح صحیح حدیثوں میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے زمانہ کو مابعد کے زمانہ سے افضل قرار دیا ہے۔

ان حدیثوں سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ صحابہ کے بعد کے زمانہ کا کوئی شخص صحابہ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا اس لئے جو ثبوت فرقہ اہل قرآن کے ذمہ ہے اس فرقہ کے لوگ جب تک اس ثبوت کے پیش کرنے سے سبکدوشی نہ حاصل کریں علمائے امت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ٹھہرائے ہوئے قاعدہ سے یہ لوگ کسی طرح مستثنیٰ نہیں ہو سکتے کس واسطے کہ اگر فقط اتنی ہی بات ان لوگوں سے پوچھی جائے کہ بلا مدد حدیث نبوی کے نماز کی رکعتوں کی تعداد انہوں نے قرآن کی کسی آیت سے نکالی ہے تو یہ لوگ کوئی صحیح جواب نہ دے سکیں گے پھر یہ کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اس فرقہ کے لوگ بغیر مدد حدیث نبوی کے قرآن شریف کا صحیح مطلب سمجھ سکتے ہیں اس عقلی تجربہ کا کوئی عقلمند شخص منکر نہیں ہو سکتا کہ ایک مصنف کسی فن میں کوئی کتاب تصنیف کرے اور اپنی خاص نگرانی سے اس کتاب کی شرح کسی اپنے بھروسہ کے شخص سے لکھوائے اور بغیر نگرانی مصنف کے کچھ اور لوگ بھی اس کتاب کی شرحیں لکھیں تو جو اعتبار اور مرتبہ مصنف کی نگرانی والی شرح کا ہوگا وہ اعتبار اور مرتبہ غیر لوگوں کی شرحوں کا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کتاب کے لفظوں کا جو مطلب مصنف نے اپنے ارادہ میں ٹھہرایا ہے وہ سوائے مصنف اور اس کے بھروسہ والے شارح کے دوسرے کسی شخص کو معلوم نہیں۔ اب یہ تو ظاہر بات ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور سورۃ النحل کی آیت جو اوپر گذری اس کے موافق اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم اور اپنی خاص نگرانی سے اپنے رسول کی معرفت قرآن کی مشکل مطلب آیتوں کی تفسیر کرائی ہے جو قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے اب اس قطعی اور یقینی تفسیر کو چھوڑ کر فرقہ اہل قرآن کے لوگ اپنے طور پر قرآن کی آیتوں کی تفسیر جو گھڑتے ہیں تو ان لوگوں کے پاس اس بات کی

کیا سند ہے کہ ان کی وہ گھڑی ہوئی تفسیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے اور ان لوگوں کے پاس اس بات کا کیا جواب ہے کہ ان کی تفسیر اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ تفسیر اپنے رسول کی معرفت کیوں نہیں کرائی۔

## ایک اور شبہ کا حل

بعضے لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ صحیح سند سے کسی آیت کی تفسیر اللہ کے رسول تک نہیں پہنچتی لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح سند سے جن آیتوں کی تفسیر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے اس کی چند مثالیں تو اسی باب دوم میں اوپر ذکر کی گئی ہیں اور بہت سی مثالیں اس تفسیر کے ملاحظہ کے وقت ناظرین کی نظر سے گذریں گی اتمام حجت کے لئے کچھ مثالیں یہاں بھی ذکر کر دی جاتی ہیں۔

وظل ممدود کی تفسیر کے طور پر صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں بعضے درختوں کا سایہ ایسا ہے جس کو گھوڑے کا سوار سو برس میں بھی نہیں طے کر سکتا۔[۱]

الذین یرثون الفردوس کی تفسیر کے طور پر صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فردوس اعلیٰ درجہ کی جنت ہے اور یہیں سے سب جنتوں کی نہریں جاری ہوئی ہیں۔[۲]

وانذرھم یوم الحسرۃ کی تفسیر کے طور پر صحیح بخاری و مسلم میں ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جنت اور دوزخ کے بیچ کے میدان میں جب موت کو ذبح کیا جا کر دوزخیوں کو ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا حکم سنایا جاوے گا تو دوزخی اپنی حالت پر بہت پچھتاویں گے اس لئے قیامت کے دن کو پچھتاوے کا دن فرمایا ہے۔[۳]

صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالکؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن نافرمان لوگوں کے منہ کے بل چلائے جانے کی آیتیں جب نازل ہوئیں تو صحابہ کو منہ کے بل کی چال پر بڑا تعجب ہوا اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیتوں کی تفسیر کے طور پر فرمایا جس میں پیروں کے بل چلانے کی قدرت ہے، اس میں منہ کے بل چلانے کی بھی قدرت ہے۔[۴]

والشمس تجری لمستقر لھا کی تفسیر کے طور پر صحیح بخاری و مسلم میں ابوذرؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غروب کے وقت آفتاب عرش معلےٰ کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے۔[۵]

صحیح بخاری و مسلم میں ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس کی تفسیر کے طور پر فرمایا کہ قیامت کے دن جب نافرمان امتوں کے لوگ اپنے انبیاء کو اللہ تعالیٰ کے روبرو جھٹلاویں گے اور یہ کہہ دیں گے کہ یا اللہ ہم کو کسی نبی نے تیرا کوئی حکم نہیں پہنچایا۔ تو انبیاء امت محمدیہ کے نیک لوگوں کو اپنا گواہ ٹھہراویں گے اس پر امت محمدیہ کے نیک لوگ یہ گواہی ادا کریں گے کہ یا اللہ تو نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر جو قرآن اتارا تھا اس میں انبیاء اور نافرمان لوگوں کا سب ذکر ہے اس واسطے ہم تیرے انبیاء کی تائید میں یہ گواہی ادا کرتے ہیں کہ انبیاء نے تیرے سب حکم ان نافرمان لوگوں کو پہونچائے۔ مگر ان نافرمان لوگوں نے ان

---

۱؎ صحیح بخاری ص ۷۲۰ ج ۲ کتاب التفسیر ۲؎ تفسیر ابن کثیر ص ۲۳۶ ج ۳ تفسیر سورہ المومنون ۳؎ صحیح بخاری ص ۶۹۱ ج ۲ کتاب التفسیر ۴؎ صحیح بخاری ص ۱۰۷ ج ۲ کتاب التفسیر ۵؎ صحیح بخاری ص ۷۰۹ ج ۲ کتاب التفسیر

حکموں کو نہیں[1] مانا۔

رشتہ[2] داروں کے ساتھ سلوک کرنے کی آیتوں کی تفسیر کے طور پر صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالکؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو یہ منظور ہو کہ اس کی عمر بڑھے اور اس کے اور اس کے رزق میں برکت ہو تو وہ شخص اپنے رشتہ داروں سے سلوک سے پیش آوے[2]۔

رشتہ[3] داروں کے سوائے غریب لوگوں کی حاجت روائی کی آیتوں کی تفسیر کے طور پر صحیح بخاری و مسلم میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجت مندوں کی حاجت روا کرنے والے شخص کو قیامت کے دن جہاد کرنے والوں کا سا ثواب ملے گا[3]۔

ہمسایہ[4] کے ساتھ سلوک کی تاکید میں جو آیتیں ہیں ان کی تفسیر کے طور پر صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے حکم سے جبرئیل علیہ السلام نے ہمسایہ کے حسن سلوک کی یہاں تک تاکید کی کہ جس سے مجھ کو گمان ہوا کہ شاید ہمسایہ کے وارث ٹھہر جانے کا حکم نازل ہو جاوے گا[4]۔

قرآن[5] کی نصیحت کی آیتوں کی تفسیر کے طور پر صحیح بخاری و مسلم میں ابو موسے اشعری سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے برے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی بیان فرمائی ہے حاصل اس مثال کا یہ ہے کہ جس طرح مینہ کے پانی کا نفع عام ہے اسی طرح اگرچہ قرآن عام لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے مگر جس طرح اچھی زمین کو مینہ کے پانی سے فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح قرآن کی نصیحت سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو اللہ تعالے کے علم غیب میں فرماں بردار ٹھہر چکے ہیں اور جو لوگ اللہ تعالے کے علم غیب میں نافرمان ٹھہر چکے ہیں ان کے حق میں قرآن کی نصیحت ایسی ہی رائگاں ہے جیسا بری زمین میں مینہ کا پانی رائگاں جاتا ہے[5]۔

اگرچہ اس باب میں اور بہت سی حدیثیں ہیں جن کا حال اس تفسیر کے ملاحظہ سے معلوم ہو گا لیکن یہاں مثال کے طور پر صحیح بخاری و مسلم کی متفق علیہ دس[6] حدیثوں کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے۔

## مرجع ضمائر میں احسن التفاسیر کا طریقہ تفسیر

ہر ایک زبان میں کسی چیز کا نام لے کر پھر دوبارہ اس نام کا ذکر آتا ہے تو عبارت کے مختصر کرنے کے لئے دوبارہ نام نہیں لیتے بلکہ نام کی جگہ ان لفظوں کا برتاؤ کرتے ہیں جن کو ضمیریں کہتے ہیں مثلاً یوں کہتے ہیں کہ زید یہاں آیا اور وہ اپنے بھائی پر بہت خفا ہوا یوں نہیں کہتے کہ زید یہاں آیا اور زید اپنے بھائی پر بہت خفا ہوا اس مثال میں زید ایک شخص کا نام ہے اور وہ کا لفظ ضمیر ہے ضمیر سے جو نام سمجھا جاوے اس کو ضمیر کا مرجع کہتے ہیں قاعدہ یہ ہے کہ

---

[1] صحیح بخاری ص ۶۶۵ ج ۲ کتاب التفسیر۔ [2] ایضاً ص ۸۸۴ ج ۲ باب من بسط له فی الرزق لصلۃ الرحم۔ [3] ایضاً ص ۸۸۸ ج ۲۔ [4] صحیح بخاری ص ۸۸۹ ج ۲ باب الوصایۃ بالجار۔ [5] ایضاً ص ۱۸ ج ۱ باب فضل من علم وعلّم۔ [6] دس والی حدیث کا ماحصل بیان کیا گیا ہے۔ ع

جملہ میں ضمیر سے پہلے مرجع کا ہونا ضرور ہے اسی طرح یہ بھی قاعدہ ہے کہ ایک جملہ میں کئی ضمیریں آجاویں تو سب ضمیریں ایک ہی مرجع کی طرف پھیری جاتی ہیں تاکہ کسی ضمیر کو ایک مرجع کی طرف اور کسی کو کسی دوسرے مرجع کی طرف پھیرنے سے کلام پریشان نہ ہو جاوے مگر قرآن شریف کی بعض آیتوں میں اس قاعدہ کو قائم نہیں رکھا گیا مثلاً سورہ المومنون کی آیت ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلناہ نطفۃ میں پہلے ذکر آدم علیہ السلام کا فرمایا اور پھر ثم جعلناہ نطفۃ میں جو ضمیر ہے اس کو اولاد آدم کی طرف پھیرا تاکہ آیتوں میں پیدائش انسانی کا مختصر طور پر پورا ذکر آجاوے اسی طرح سورۃ التوبہ کی آیت الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ میں فانزل اللہ سکینتہ علیہ کی ضمیر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف پھرتی ہے اور باقی کی ضمیریں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن کے اس طرز بیان کے موافق اس تفسیر میں بعض آیتوں کا حاصل مطلب اسی ڈھنگ سے بیان کیا گیا ہے چنانچہ سورۃ والنجم کی آیت افرأیت الذی تولی میں اگرچہ ولید بن مغیرہ کا ذکر تھا لیکن اس تفسیر میں آیتوں کا حاصل مطلب بیان کرتے وقت اعندہ علم الغیب فھو یری کی ضمیر کو اس مرجع کی طرف پھیرا گیا جس کا ذکر آیتوں کے مطلب سے نکلتا تھا کیونکہ سورۃ النجم کی تفسیر میں آیتوں کا حاصل مطلب یہی ٹھہرا ہے کہ ولید بن مغیرہ اسلام کی طرف کچھ مائل ہو گیا تھا مگر ایک شخص نے ولید کو یوں بہکایا کہ تو مجھ کو اتنے روپے دے دے اور اپنے قدیمی طریقہ پر قائم رہ اگر قیامت سچ ہوئی اور قدیمی طریقہ کے بدلہ میں تیرے اوپر کچھ عذاب ہوا تو وہ عذاب میں اپنے ذمہ لے لوں گا اسی مطلب کے ادا کرنے کے لئے۔ اعندہ علم الغیب کی ضمیر سے وہ کام لیا گیا جو کام ثم جعلناہ نطفۃ کی ضمیر سے خود اللہ تعالیٰ نے لیا تھا۔ جس سے فائدہ یہ ہوا کہ آیتوں میں ولید اور اس کے بہکانے والے دونوں کی تنبیہ نکل آئی جس طرح ثم جعلناہ نطفۃ کی ضمیر کا مرجع بدل ڈالنے سے آیتوں میں پیدائش انسانی کا پورا احوال نکل آیا۔

## معتبر و ناقابل اعتراض کی اصطلاح

اس تفسیر میں جہاں یہ لکھا گیا ہے کہ یہ حدیث معتبر سند سے آئی ہے اس سے یہ مطلب ہے کہ وہ حدیث حسن کے درجہ سے کم نہیں ہے اسی طرح جہاں یہ لکھا گیا ہے کہ یہ حدیث ناقابل اعتراض سند سے آئی ہے اس سے یہ مطلب ہے کہ معتبر علماء نے اس حدیث کی سند پر کچھ اعتراض نہیں کیا۔

# فصل ۲۔ قدیم و جدید فلاسفہ کے نظریات پر تنقیدی نظر

## عالم حادث ہے

اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا جو کچھ ہے اس کو عالم کہتے ہیں فلسفی لوگوں کا یہ قول ہے کہ عالم قدیم ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی قدرت اس کا علم اس کا ارادہ یہ سب کچھ قدیم ہے تو جو کچھ اس کی قدیمی قدرت اس کے قدیمی ارادہ سے پیدا ہوا ہے وہ بھی قدیمی اور دائمی ہونا چاہئے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قدیمی ارادہ نو پیدا چیز سے متعلق نہیں ہو سکتا لیکن یہ لوگ نفوس فلکیہ کو قدیم مانتے ہیں اور پھر نفوس فلکیہ کو جن کا ذکر آگے آتا ہے آسمان کی رات دن کی نو پیدا حرکت کا سبب ٹھہراتے ہیں جس سے یہ قاعدہ کسی طرح قائم نہیں رہ سکتا کہ قدیم کا

تعلق نو پیدا چیز سے نہیں ہو سکتا اس واسطے علمائے پابند شریعت نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اختیار اور مصلحت سے ہر ایک چیز کا پیدا کرنے والا ہے اس لئے مصلحت الٰہی کے موافق علم قدیمی الٰہی میں عالم کے پیدا کرنے کا جو وقت ٹھہرا ہوا تھا اس وقت مقررہ پر اللہ تعالیٰ کے قدیم ارادہ کا ظہور ہوا اور عالم پیدا ہو گیا حاصل کلام یہ ہے کہ علمائے پابند شریعت کے نزدیک اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے اس کو جب منظور تھا اس وقت اس نے عالم کو پیدا کیا فلسفی لوگ اگرچہ ارادہ قدیمی کے نو پیدا چیز سے متعلق ہونے کو محال کہتے ہیں لیکن کسی فلسفی نے اس محال کو کسی منطقی دلیل سے ثابت نہیں کیا اس لئے ان لوگوں کا یہ محال کا دعویٰ ناثابت اور توجہ کے قابل نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں کی سب باتوں کا مدار عقلی منطقی دلیلوں پر ہے جب یہ لوگ اپنے اس قول کو کسی منطقی دلیل سے ثابت نہیں کر سکتے تو ان کا یہ قول کیونکر قابل توجہ ٹھہر سکتا ہے۔

سورہ الرعد اور سورہ القمر میں آیتیں آویں گی جن کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں ہر چیز کا اندازہ اور وقت مقرر ہے اسی اندازہ کے موافق ہر چیز وقت مقررہ پر پیدا ہوتی ہے۔ صحیح مسلم ترمذی مسند امام احمد وغیرہ میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا کرنے کا اندازہ کیا اور لوح محفوظ کو پیدا کر کے وہ اندازہ لوح محفوظ میں لکھا ان آیتوں اور حدیث سے اس جواب کی پوری تائید ہوتی ہے جو علمائے پابند شریعت کی طرف سے اوپر گزرا اس لئے کہ آیتوں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ قدیمی کے موافق مخلوقات کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کے پیدا کرنے کا اندازہ اور وقت ٹھہرایا اور پھر وقت مقررہ پر اس ارادہ قدیمی کا ظہور ہوا یہی حاصل علمائے پابند شریعت کے جواب کا ہے۔

## ایک شبہ کا جواب

یہاں یہ جو کہا جاتا ہے کہ عالم کو نو پیدا کہا جاوے گا تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ اپنی ہستی سے پہلے عالم ناپیدا اور نابود تھا اور ایک چیز کو دوسری چیز سے پہلے یا پیچھے کہنے کے لئے عالم سے پہلے زمانہ کا موجود ہونا لازم آوے گا اور زمانہ بھی منجملہ عالم کے ہے اس لئے تمام عالم کا نو پیدا ہونا ثابت نہ ہو گا اس کا جواب یہ ہے کہ زمانہ کا وجود ثابت کرنے کے لئے فلسفی لوگوں نے جو دلیلیں پیش کی ہیں ان کو علمائے پابند شریعت نے طرح طرح کے اعتراضوں سے ضعیف ٹھہرایا ہے فلسفی حکما اس بات کے قائل ہیں کہ جس طرح بعضے لوگوں کو خواب میں غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں اسی طرح انبیا کو جاگتے میں غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں اسی کو وحی کہتے ہیں نبوت کی اس خصوصیت کے اقرار کے بعد پھر بھی یہ فلسفی جو انبیا کی وحی کے مقابلہ میں اپنی عقلی دلیلوں کے پابند اور شریعت کی پابندی سے دور بھاگتے اور اپنے اقرار پر قائم نہیں رہتے یہ ان لوگوں کی بڑی ہٹ دھرمی ہے کیونکہ جب وحی کے ذریعہ سے نبی وقت کو جاگتے میں یہ معلوم ہوا کہ آسمان کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ نے آسمان کے پیدا کرنے کا وقت لوح محفوظ میں لکھا اور پھر وقت مقررہ پر آسمان کو پیدا کیا تو پھر یہ لوگ وحی کے مقابلہ میں اپنے خواب و خیال کی عقلی دلیلوں کے بھروسہ پر آسمان کو کیونکر قدیم کہتے ہیں یا مثلاً جس طرح ترمذی کی عبادۃ بن الصامتؓ اور مسند امام احمد کی ابوذرؓ کی معتبر روایتوں کے موافق وحی کے ذریعہ سے تو جاگتے میں نبی کو یہ معلوم ہوا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو

پیدا کیا لیکن یہ لوگ اپنی عقلی دلیلوں کے بھروسہ پر اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل اول کو پیدا کیا اور پھر عقل اول کے ذریعہ سے تمام مخلوقات اس طرح پیدا ہوئی جس کا ذکر آگے آتا ہے یا جس طرح مثلاً صحیح بخاری کی عمران بن حصین کی روایت کے موافق وحی کے ذریعہ سے جانتے ہیں نبی کو تو یہ معلوم ہوا کہ عالم کے پیدا کرنے سے پہلے سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے اور کچھ نہ تھا لیکن یہ لوگ اپنی عقلی دلیلوں کے بھروسہ پر عالم کو قدیم کہتے ہیں حالانکہ قدیم وہ چیز ہے جس کی ناموجودگی کسی زمانہ میں نہ پائی جاوے۔

غرض جب یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ نبی کو جانتے ہیں وحی کے ذریعہ سے غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں ان لوگوں کو جانتے ہیں غیب کی کوئی بات معلوم نہیں ہوتی تو پھر وحی کے مقابلہ میں ان لوگوں کا اپنے خواب و خیال کی عقلی دلیلوں پر اڑے رہنا کمال نادانی ہے۔

یہ بات بھی یہاں قابل تذکرہ ہے کہ جن عقلی دلیلوں پر ان لوگوں کا مدار ہے ان میں کے پچھلے لوگ پہلے لوگوں کی دلیلوں کو نہیں مانتے چنانچہ ارسطاطالیس نے اپنے سے پہلے کے سب حکما کی دلیلوں کو غلط ٹھہرایا اس کے بعد شیخ ابوعلی ابن سینا نے ارسطاطالیس کی اکثر دلیلوں کو نہیں مانا باوجود اس قدر اختلاف کے پھر بھی ان لوگوں کو اپنی عقلی غلط دلیلوں پر اس قدر بھروسہ ہے کہ جب سقراط سے کسی شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا ذکر کیا تو سقراط نے یہ جواب دیا کہ انبیاء عام لوگوں کی ہدایت کے لئے آتے ہیں ہم لوگوں کو انبیاء کی ہدایت کی ضرورت نہیں۔

## فلسفیوں کی توحید اور اس کی خامیاں

فلسفی لوگوں نے اپنی عقلی دلیلوں کے بھروسہ پر اللہ تعالیٰ کی توحید یہ قرار دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے خیال سے اللہ تعالیٰ کی ذات میں صفات مثلاً علم قدرت اور ارادہ کے یہ لوگ قائل نہیں ہیں اور اس کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ ہر ثبوتی صفت موصوف سے الگ اور موصوف کے سوا ہوتی ہے اور ہر صفت ثبوتی کمالیہ سے موصوف کی ذات کامل ہو جاتی ہے۔

صفت ثبوتی کی مثال یہ ہے کہ جیسے صفات کے ثابت کرنے کے طور پر مثلاً زید کی ذات کے ساتھ جب علم اور قدرت کی صفتیں بڑھائی جاویں گی تو ان صفتوں کے بڑھانے سے پہلے جس طرح زید کی ذات علم اور قدرت سے خالی تصور کی جاتی تھی وہ بات اب باقی نہ رہے گی اس کے بعد یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا کسی غیر چیز سے کامل ہونا محال ہے اس لئے ذات پاک کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی صفت ثبوتی کا پایا جانا بھی ممکن نہیں ہے۔

علمائے پابند شریعت نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سب صفات ثبوتیہ کمالیہ قدیمی ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ ان صفات کو ذات سے الگ کیا جا کر اکیلی ذات کا تصور کرنا اللہ تعالیٰ کے کمال کو ناقص ٹھہرانا ہے جو کمال بے دینی ہے کیونکہ اپنے آپ کو تو یہ لوگ عالم حکیم سب کچھ کہیں اور جس نے ان کو پیدا کیا اس کی ذات کو ان صفات کمالیہ سے عاری خیال کریں اس سے بڑھ کر اور کیا بے ادبی اللہ تعالیٰ کی شان میں ہو سکتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی شان میں یہ کہنا کہ مخلوقات میں جس طرح کسی صفت کمالی کے حاصل کرنے سے موصوف کی ذات ناکامل اور صفت کمالی کے

حاصل کرنے کے بعد کامل ہو جاتی ہے یہی حال اللہ تعالیٰ کی شان کا ہے یہ بالکل ایک غلط بات ہے اس واسطے خلاف شریعت ان فلسفی لوگوں نے جو توحید قرار دی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

سورہ الاعراف میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے صفاتی کا ذکر آوے گا اور صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہ کی حدیث بھی آئے گی جس میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ایک کم سو نام ہیں سورۃ الاعراف کی آیت اور ابوہریرہؓ کی اس روایت سے علمائے پابند شریعت کے جواب کی پوری تائید ہوتی ہے کیونکہ آیت اور حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں طرح طرح کی صفتیں ہیں جو صفتیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے کبھی الگ نہیں ہو سکتیں اسی واسطے اللہ تعالیٰ کے وہ صفاتی نام قرار پائے ہیں یہی حاصل علمائے پابند شریعت کے جواب کا ہے۔

ارسطاطالیس نے اس فرضی توحید کے ثبوت میں ایک یہ بات جو کہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں اگر صفات کو لیا جاوے گا تو ذات میں کثرت لازم ہو کر توحید میں فرق پڑ جاوے گا شیخ نے اپنی کتاب اشارات میں اس بات کو تسلیم نہیں کیا اور یہ کہا کہ صفات کی کثرت سے موصوف کی ذات میں کثرت لازم نہیں آتی۔ اور شیخ کی یہ بات عقل میں بھی آتی ہے۔ کیونکہ مثلاً اگر زید کو خوبصورت حکیم عالم مالدار صاحب خلق وغیرہ فرض کیا جاوے تو ان صفات کے سبب سے ایک زید کے کئی زید نہیں ہو سکتے فلسفی حکما کا یہ قول جو مشہور ہے کہ وہ صفات الٰہی کو عین ذات الٰہی کہتے ہیں اس قول کا مطلب یہ کہ مخلوقات میں جو کام ذات اور صفات کو ملا کر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ فقط اپنی ذات سے ان کاموں پر قادر ہے اس قول سے اگرچہ صفات کا انکار اور صفات کے نتیجہ اور ثمرہ کا اقرار نکلتا ہے لیکن جس توحید کی حفاظت میں یہ قول تراشا گیا تھا جب شیخ نے اس توحید کو غلط ٹھہرا دیا تو اب اس قول کی کچھ ضرورت باقی نہیں رہی۔

## فلاسفہ کے نزدیک پیدائش کا سلسلہ اور اس کا بطلان

اوپر جس فرضی توحید کا ذکر گزرا ارسطاطالیس نے اسی توحید کی بنیاد پر الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد کا قاعدہ ٹھہرایا ہے حاصل اس قاعدہ کا یہ ہے کہ توحید کے خیال سے جب ذات کے علاوہ صفات تک کا دخل ذات الٰہی میں نہیں ہے تو ایسے واحد حقیقی کی طرف ایک چیز سے بڑھ کر بہت سی چیزوں کا پیدا کرنا منسوب نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بہت سی چیزوں کے پیدا کرنے کو اس واحد حقیقی کی طرف منسوب کیا جاوے گا تو ہر ایک چیز کے پیدا کرنے کی حالت الگ ہو گی جس سے ذات واحد میں کثرت لازم آن کر توحید میں فرق پڑ جاوے گا اس قاعدہ کے موافق فلسفی لوگوں کے نزدیک عالم کی پیدائش کا سلسلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فقط عقل اول کو پیدا کیا اس کے بعد جس طرح انسان میں روح و جسم دو چیزیں ہیں اسی طرح یہ لوگ ہر ایک آسمان کو روح اور جسم دو چیزوں کا مجموعہ بتلاتے ہیں اور آسمان کی روحوں کو نفوس فلکیہ کہتے ہیں اس واسطے عقل اول کے پیدا ہونے کے بعد ان لوگوں کا قول ہے کہ عقل اول نے عقل ثانی اور نویں آسمان اور نویں آسمان کی روح کو پیدا کیا پھر یہی سلسلہ پیدائش کا اول آسمان تک جاری رہا۔ اول آسمان کی روح کو یہ لوگ عقل فعال کہتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اس عقل فعال نے آسمان کی حرکت کی مدد سے عناصر اربعہ خاک، پانی ہوا اور آگ کو پیدا کیا اور ان عناصر کے ملنے اور ان میں آسمان کی گردش سے طرح طرح کی تاثیرات اور خاصیتوں کے پیدا ہو جانے کے سبب سے

زمین پر کی جاندار اور بے جان سب چیزیں پیدا ہوئیں جن آلات سے آسمان اور تاروں کی طرح طرح کی حالت دریافت کی جاتی ہے ان آلات کو آلات رصد کہتے ہیں رصد کے معنے تاک لگانے کے ہیں ان آلات کے ذریعہ سے آج تک آسمان کی گردش کسی فلسفی نے ثابت نہیں کی فقط تاروں کی گردش ثابت کی ہے اس واسطے یہ قول بھی صحیح نہیں ہے۔ کہ عقل فعال نے آسمان کی گردش کی مدد سے عناصر اربعہ کو پیدا کیا یونانی فلسفیوں کو توان آلات سے بجائے سات کے نو آسمان نظر آئے اور یورپین فلسفیوں کو ایک آسمان بھی نظر نہ آیا اس لئے یہ لوگ آسمان کے منکر ہیں چنانچہ اس کا ذکر آگے آتا ہے۔

عناصر کی خاص صورتوں کو یہ لوگ قدیم اس لئے نہیں کہتے کہ عناصر کی یہ خاص صورتیں قائم نہیں رہتی ہیں مثلاً جیسے کبھی پانی ہوا میں اُڑ کر ہوا ہو جاتا ہے ہاں عناصر میں جو ایک مادہ مشترک حالت میں ہے اس کو یہ لوگ قدیم کہتے ہیں لیکن یہ غلط ہے کیونکہ دیکھنے میں مثلاً پانی کا مادہ اور صورت الگ ہے اور ہوا کا الگ اسی واسطے پانی کو ہوا اور ہوا کو پانی نہیں کہہ سکتے اب جب مثلاً پانی ہوا ہو گیا تو پانی کا مادہ اور صورت دونوں آنکھوں کے سامنے کی چیزیں ناپید ا ہو گئیں اس لئے اس ہوا میں اڑے ہوئے پانی کو ہوا کہتے ہیں پانی نہیں کہتے کس لئے کہ پانی اور ہوا میں جو مادہ مشترک کہا جاتا ہے وہ محض ذہنی فرضی ہے آنکھوں کے سامنے اس کی کچھ ہستی باقی نہیں رہتی اور جو چیز فقط ذہنی ہو تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ چیز حقیقت میں بھی موجود ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو جتنی چھوٹی باتیں انسان کے ذہن میں آتی ہیں وہ سب سچی اور حقیقی ہو جاتیں علاوہ اس کے وجود ذہنی کے ثبوت میں جو دلیلیں ان لوگوں کی طرف سے پیش ہوئی ہیں وہ ضعیف ہیں پھر ایسی چیز کا قدیمی ہونا تو درکنار خود اس کا وجود بھی گویا ثابت نہیں شریعت میں اگرچہ سات آسمانوں کا الگ اور عرش کرسی کا الگ ذکر آیا ہے لیکن یہ لوگ عرش اور کرسی کو بھی آسمان کہتے ہیں جس کے سبب سے ان کے نزدیک نو آسمان اور ان میں نو روحیں اور عقل اول کو ملا کر دس عقلیں ہیں آسمان کے عام فرشتوں کو یہ لوگ آسمان کی روحیں اور مقرب فرشتوں کو عقول عشرہ کہتے ہیں علمائے پابند شریعت نے اس کا جواب کئی طرح دیا ہے۔

(۱) جب شیخ بوعلی سینا نے اس فرضی توحید کو غلط ٹھہرا کر اپنی کتاب اشارات میں یہ فیصلہ کر دیا کہ صفات کی کثرت سے موصوف کی ذات میں کثرت لازم نہیں آتی تو اس فرضی توحید کی حفاظت میں جو قاعدہ ارسطاطالیس نے بنایا اور اس قاعدہ کے موافق عالم کی پیدائش کا جو فرضی سلسلہ ٹھہرایا تھا وہ سب بنائے غلط بر غلط ہے۔

(۲) یہ فلسفی لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عقول عشرہ اور نفوس فلکیہ کی اصلی حقیقت اور ماہیت ان کو معلوم نہیں ہے پھر جن چیزوں کی ماہیت ان لوگوں کو معلوم نہیں ان میں ان تاثیرات کا ان لوگوں کو کیونکر یقین ہو گیا کہ ایک عقل نے دوسری عقل کو اور عقل فعال نے اول آسمان کی گردش کی مدد سے زمین پر کی تمام جاندار اور بے جان چیزوں کو پیدا کیا اور یہ یقین کیونکر ہو گیا کہ عام فرشتوں اور نفوس فلکیہ کی ماہیت اس طرح عقول عشرہ اور مقرب فرشتوں کی ماہیت ایک ہے۔

(۳) مخلوقات میں جو کام ذات اور صفات کو ملا کر ہوتے ہیں ان لوگوں کے نزدیک جب اللہ تعالےٰ نے فقط اپنی ذات سے ان کاموں کے کرنے پر قادر ہے تو پھر اس ذات پاک کو ارسطاطالیس کے سلسلہ کے موافق عالم کے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

(۴) وحی کے ذریعہ سے جو بات معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ بدر کی لڑائی میں عام فرشتے مادی صورتوں میں لشکر اسلام کی مدد کو آئے

اور مخالف اسلام لوگوں سے لڑے اور مقرب فرشتوں میں سے جبرئیل علیہ السلام بھی فرشتوں کے اس لشکر میں موجود تھے اسی طرح جبرائیل انسان کی صورت میں بارہا اللہ کے رسول کے پاس آئے پھر عقول عشرہ اور نفوس فلکیہ جو ان لوگوں کے نزدیک مادہ سے کوسوں دور ہیں ان کو یہ لوگ فرشتے کیونکر کہہ سکتے ہیں۔

(۵) ان لوگوں کے اعتقاد کے موافق سوائے انبیاء کے جب اور کسی کو جاگتے میں غیب کی باتیں نہیں معلوم ہوسکتی ہیں تو صفات الٰہی کے انکار کے بعد پیدائش عالم کی یہ غیب کی باتیں جاگتے میں ان لوگوں کو کیونکر معلوم ہوئیں اس کا کچھ ذکر ان لوگوں نے اپنی کسی کتاب میں نہیں کیا۔

## وحی و نبوت کے فہم میں فلاسفہ کی غلطی

جس طرح ان لوگوں نے شرعی توحید کے سمجھنے میں غلطی کی ہے اسی طرح شرعی نبوت کے سمجھنے میں غلطی کی ہے کیونکہ شریعت میں نبی کی دو بڑی علامتیں رکھی گئی ہیں وحی اور معجزات اب اکثر معجزات کے تو یہ لوگ منکر ہیں اور وحی کا مطلب ان لوگوں نے یہ بیان کیا ہے کہ نفوس فلکیہ کو جو غیب کی باتیں معلوم ہیں عام لوگوں کو خواب میں اور نبی کو جاگتے میں وہ باتیں معلوم ہو جاتی ہیں یہ تو اوپر گزر چکا ہے کہ عام فرشتوں کو یہ لوگ نفوس فلکیہ کہتے ہیں علمائے پابند شریعت نے اس کا جواب کئی طرح دیا ہے

(۱) شیخ نے صفات الٰہی کو مان کر جب ارسطاطالیس کے پیدائش عالم کے سلسلہ کو قائم نہیں رکھا تو اب اس سلسلہ میں کے نفوس فلکیہ کہاں باقی رہے۔

(۲) سورۃ الشعراء کی آیت نزل بہ الروح الامین علی قلبک اور صحیح حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ مقرب فرشتوں میں سے جبرائیل علیہ السلام قرآن شریف کی آیتیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا کرتے تھے اس لئے عام فرشتوں کے ذریعہ سے وحی کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا جو بیان کیا گیا ہے اور عام فرشتوں کا نام نفوس فلکیہ جو ٹھہرایا ہے وہ غلط ہے۔

(۳) لکڑی اور سانپ کا مادہ جب کہ ان لوگوں کے نزدیک ایک ہے اور صورت نوعیہ ہر ایک چیز کی بدلتی رہتی ہے جس طرح مثلاً پانی جب ہوا ہو جاتا ہے تو پانی کی صورت نوعیہ ہوا کی صورت نوعیہ سے بدل جاتی ہے پھر اس قاعدہ کے موافق اگر لکڑی کی صورت سانپ کی صورت نوعیہ سے بدل گئی تو کونسا محال عقلی لازم آیا جس کے سبب سے موسے علیہ السلام کے عصا کے معجزے کا انکار کیا جاتا ہے۔

(۴) کرۂ آسمان کے شمالی اور جنوبی دو نوں نقطوں کو قطب فرض کیا جا کر چرخہ کی سی حرکت فلسفی طور پر جو آسمان کی قرار دی گئی ہے اس میں اگر یہ کہا جاوے کہ جب کرۂ آسمان کے سب اجزا ایکساں ہیں تو بجائے شمالی اور جنوبی دو نقطوں کے شرقی اور غربی دو نقطوں کو قطب اور بجائے چرخہ کی سی حرکت کے مثلاً ریل کی خط مستقیم کی حرکت کرۂ آسمان کی فرض کی جاوے تو کیا عقلی خرابی لازم آتی ہے۔ اس کو آج تک کسی فلسفی نے صحیح عقلی دلیل سے بیان نہیں کیا اور بغیر اس خرابی کے بیان کے زبردستی شق القمر کے معجزے کا انکار کیا جا کر یہ کہا جاتا ہے کہ اس معجزہ کی تسلیم سے کرۂ آسمان کی خط مستقیم کی حرکت لازم آتی ہے جو محال ہے علاوہ اس کے اوپر گذر چکا ہے کہ آلات رصد سے ان لوگوں نے آسمان کی حرکت کو ثابت نہیں کیا پھر آسمان کی چرخہ کی سی حرکت

کیونکر ثابت ہو گئی۔

## حشر جسمانی کی بحث

یونانی فلسفی لوگ حشر جسمانی جنت اور دوزخ ان چیزوں کے منکر اور فقط حشر روحانی کے اس طرح قائل ہیں کہ جسم سے الگ ہو جانے کے بعد انسان کی روح نفوس فلکیہ میں جا کر مل جاتی ہے اور دنیا کی زندگی کے زمانہ میں جو روح نیک کاموں کے تصورات میں لگی رہی وہ بد تصورات کو اور نیک تصورات کو یاد کر کے جو خوش ہوتی ہے اسی خوشی کا نام جنت ہے اور جو روح بد کاموں کے تصورات میں لگی رہی وہ بد تصورات کو اور نیک تصورات سے محروم رہنے کو یاد کر کے جو غمگین ہوتی ہے اسی کا نام دوزخ ہے حشر جسمانی کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں انسان کا جو جسم تھا وہ حشر کے دن پھر دوبارہ بنایا جاوے گا۔ اور وہی پہلے کی روح اس جسم میں پھونکی جاوے گی۔

## ایک شبہ کا جواب

اس جسمانی حشر میں ان لوگوں کو یہ شبہ ہے کہ ناپید جسم کا اگر پھر دوبارہ پیدا ہونا مانا جائے تو ناپیدی کے زمانہ میں اس جسم پر گویا یہ بات صادق آوے گی کہ یہ جسم دوبارہ پیدا کیا جاوے گا اور اس بات کے صادق کہنے کے لئے ناپید جسم کو موجود ٹھہرانا پڑے گا کیونکہ ناموجود چیز پر کسی بات کا صادق کہنا ممکن نہیں ہے اور ناپید چیز کو موجود ٹھہرانا محال ہے اس لئے ناپید جسم کا پھر دوبارہ پیدا ہونا بھی محال ہے اور جب جسم کا دوبارہ پیدا ہونا محال ہے تو جسمانی جنت اور دوزخ کی کیا ضرورت ہے۔

علمائے پابند شریعت نے اس شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ علم الٰہی میں سب چیزیں موجود ہیں کسی حالت میں کوئی چیز اس کے علم سے باہر اور ناموجود نہیں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے علم کے موافق پہلی پیدائش سے پہلے جس طرح ظاہری ناپید جسم پر یہ بات صادق تھی کہ وقت مقررہ پر یہ جسم دنیا میں پیدا ہونے والے ہیں ان کا پیدا ہونا ممکن ہے ممتنع نہیں ہے اسی طرح حشر سے پہلے ناپیدی کی حالت میں علم الٰہی کے موافق دنیاوی ہر ناپید جسم پر یہ بات صادق ہے کہ وقت مقررہ پر یہ جسم دوبارہ پیدا ہونے والے ہیں اور ان کے دوبارہ پیدا ہونے کے بعد جزا اور سزا کے طور پر ان کو جنت اور دوزخ میں داخل کیا جاوے گا۔ قرآن کی آیتوں اور صحیح حدیثوں سے جسمانی حشر اور جسمانی جنت اور دوزخ کی تفصیلی کیفیت ثابت ہے اس لئے علمائے شریعت کا جواب وحی کے موافق ہے اور ان فلسفی لوگوں کو جب کہ اس بات کا اقرار ہے کہ انبیا کو جاگتے میں غیب کا حال معلوم ہو جاتا ہے ان لوگوں کو جاگتے میں غیب کا کچھ حال نہیں معلوم ہوتا تو وحی کے مقابلہ میں ان لوگوں نے حشر کی بابت جو اپنا عقلی اعتقاد بیان کیا ہے وہ غلط ہے۔ یونانی فلسفی بحث ختم ہوئی۔

## یورپ کے فلسفی اور ان کے نظریات کا بطلان

یونانی فلسفہ کے طور پر پیدائش کائنات کا جو سلسلہ اوپر بیان کیا گیا یورپ کے فلسفی اس کو نہیں مانتے اس لئے آسمان اور ہر ایک آسمان کی روح عقول عشرہ ان کے نزدیک ان چیزوں میں سے نہ کوئی چیز ثابت ہے نہ وہ ان چیزوں میں سے کسی چیز کو کائنات کی پیدائش کا سبب قرار دیتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک سورج اور زمین کے مابین میں ایک رقیق متحرک مادہ ہے اس سے کائنات کی پیدائش کا سلسلہ اس طرح قائم ہوا ہے کہ پہلے اس مادہ کے چھوٹے چھوٹے ذرات سے سورج اور پھر سورج سے تارے اور زمین یہ سب کچھ پیدا ہوا ہے علم طبقات الارض اور علم کیمیائی کے تجربہ سے یہ لوگ

یہ بھی کہتے ہیں کہ زمین ایک مدت دراز تک خالی پڑی رہی پھر اسی مادہ کی حرکت کے سبب سے عناصر اور پھر عناصر سے پیٹر پہاڑ معدنیات حیوانات اور سب سے پیچھے انسان یہ سب کچھ پیدا ہوا ہے یہ لوگ اس مادہ کو ہر ایک چیز کی پیدائش کا سبب قرار دیتے ہیں اس سبب سے ان لوگوں کو اللہ تعالےٰ کی ہستی کا بھی پورا یقین نہیں ہے یہ لوگ اس مادہ اور اس کی حرکت کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔

قدیم اس کو کہتے ہیں جو ہمیشہ سے اس طرح پر موجود ہو کہ ناموجودگی کا کوئی زمانہ اس پر نہ گزرا ہو قدیم کے مقابلہ میں حادث اس چیز کو کہتے ہیں جو پہلے سے موجود نہ تھی اور پھر موجود ہو گئی۔

لیکن ان لوگوں کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مادہ کی حرکت کو قدیم ثابت کرنے میں ان کی دریافت ناقص ہے کیونکہ کبھی تو یہ لوگ یوں لکھتے ہیں کہ مادہ کی قدیم حرکت سے سورج پیدا ہوا ہے اور کبھی یوں لکھتے ہیں کہ مادہ کی حرکت قدیم نہیں ہے بلکہ سورج کی حرارت سے مادہ میں حرکت پیدا ہوئی ہے۔ یہ لوگ یوں بھی کہتے ہیں کہ اس مادہ میں سمجھ یا ارادہ کچھ بھی نہیں ہے بلکہ جس طرح آگ میں بلا اختیار ہر ایک چیز کے جلا دینے کی خاصیت ہے اسی طرح اس متحرک مادہ میں بلا اختیار اور بلا ارادہ ہر ایک چیز کے پیدا کر دینے کی خاصیت ہے جس کے سبب سے وہ مادہ ہر ایک چیز کے پیدا ہونے کا باعث قرار پاتا ہے۔

علمائے پابند شریعت نے ان لوگوں کو یوں قائل کیا ہے کہ خاصیت ہر ایک چیز کی اس سے کبھی الگ نہیں ہوتی اس صورت میں علم طبقات الارض کے تجربہ کے طور پر ایک زمانہ دراز تک زمین جو اس طرح خالی پڑی رہی کہ اس قدیم متحرک مادہ کی خاصیت سے زمین کی چیزوں میں سے کوئی چیز زمین پر پیدا نہیں ہوئی تو اس قدر مدت دراز تک اس قدیم مادہ کی خاصیت اس سے کیونکر الگ ہو گئی اور جب خاصیت کا مادہ سے الگ ہونا ممکن نہیں ہے تو پھر علم طبقات الارض کے تجربہ سے یہ بات بخوبی ثابت ہو گی کہ وہ مادہ قدیم نہیں بلکہ حادث ہے اللہ تعالےٰ نے اس مادہ کو پیدا کیا اور اس میں ہر ایک چیز کا مادہ قرار پانے کی خاصیت رکھی اور خاصیت کے پیدا ہو جانے کی حکمت سے مادہ کے اجزا کی مقدار ٹھہرائی پھر اس مقدار اور خاصیت کے موافق ہر ایک چیز پیدا ہوئی کیونکہ جب اس مادہ میں ارادہ نہیں ہے تو اس میں بغیر ارادہ الٰہی کے یہ خاصیت نہیں پیدا ہو سکتی کہ مثلاً حیوانات کی پیدائش کے لئے مادہ کے کس قدر اجزا کی ضرورت ہے اور انسان کی پیدائش کے لئے کس قدر اجزا کی ضرورت ہے۔

علمائے پابند شریعت کے اس اعتراض کا جواب اہل سائنس میں سے کسی نے آج تک ایسا نہیں دیا جس سے صاحب عقل آدمی کی تسلی ہو جاوے۔

یہ لوگ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ مادہ کی قدیمی حرکت کبھی مادہ سے زائل نہیں ہوتی اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مادہ کی وہ حرکت ذاتی ہے کسی دوسری خارجی چیز سے وہ حرکت مادہ میں نہیں پیدا ہوتی، علمائے شریعت نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ علم طبقات الارض کے تجربہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ مدت دراز تک زمین خالی پڑی رہی پھر اس کے بعد مادہ کی حرکت سے زمین پر کی چیزیں پیدا ہوئیں تو زمین کے خالی پڑے رہنے کے زمانہ میں مادہ کی وہ قدیمی حرکت کہاں گئی اور زمین پر کی چیزوں کے پیدا

ہونے کے وقت جو وہ حرکت کام میں آئے تو ایک مدت دراز کے بعد کونسا نیا خارجی سبب پیدا ہوگیا جس نے مادہ کی بیکار حرکت کو کام سے لگا دیا؟ کسی سائنس کے جاننے والے نے سائنس کی کسی کتاب یا کسی زبانی بحث مباحثہ میں اس کا کچھ سبب بیان نہیں کیا جس سے علم طبقات الارض کے تجربہ کے موافق یہ کہا جاسکتا ہے کہ مادہ کی وہ حرکت قدیمی نہیں ہے یا ایسے کام کی حرکت جس پر زمین پر کی تمام چیزوں کا مدار ہے ایک مدت دراز تک بے کار رہی اور پھر کسی خارجی سبب سے حرکت کی وہ بے کاری جاتی رہی حالانکہ یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اس حرکت میں کسی خارجی سبب کا کچھ دخل نہیں ہے علاوہ اس کے جب سورج کی حرارت سے مادہ میں حرکت کے پیدا ہوجانے کا قول صحیح قرار دیا جاوے تو یہ قول غلط ٹھہرتا ہے کہ مادہ کی حرکت کے پیدا ہونے میں کسی خارجی سبب کا کچھ دخل نہیں ہے سائنس کی تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ مادہ جب کبھی پایا جاوے گا تو اس کے لئے کوئی نہ کوئی صورت ضرور ہوگی اس سے علمائے شریعت نے اہل سائنس کو یوں قائل کیا ہے کہ پیڑ، پہاڑ، معدنیات، حیوانات، انسان میں مادہ کی جو صورتیں ہیں وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ناپائدار اور قابل زوال ہیں پھر ان صورتوں سے پہلے مادہ کی جو صورت قرار دی جاوے گی ضرور وہ زائل ہوکر یہ پچھلی صورتیں آئی ہیں اس لئے وہ پہلی صورت بھی پائدار نہ ٹھہری اس حالت میں ایسے قابل زوال مادہ کو قدیم کیونکر کہا جاسکتا ہے کیونکہ قدیم تو اسی چیز کو کہا جاوے گا جو ہمیشہ سے ایک حالت پر رہے۔

یہ لوگ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ مادہ کے کچھ چھوٹے چھوٹے ذرات سے زمین پر کی مختلف چیزیں پیدا ہوئی ہیں۔

علمائے شریعت نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ کسی سائنس کے جاننے والے کو آنکھ سے یا خوردبین سے وہ ذرات آج تک نظر نہیں آئے پھر بغیر دیکھے ان ذرات کو مختلف شکل کا ٹھہرانا ان لوگوں کی ہٹ دھرمی ہے اصل سائنس میں سے کسی شخص نے اس اعتراض کا کچھ جواب نہیں دیا۔ اس لئے پیدائش کائنات کا جو سلسلہ ان لوگوں نے قرار دیا ہے وہ غلط ہے۔

## نظریہ ارتقاء کا بطلان

ان لوگوں کو یہ یقین نہیں ہے کہ ہر ایک چیز کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اس واسطے یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ ادنے درجہ کی مخلوقات رفتہ رفتہ ترقی کر کے اعلیٰ درجہ کی مخلوقات بن جاتی ہے مثلاً حیوانات ترقی کر کے انسان بن سکتے ہیں اپنے اس قاعدہ کے موافق ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بندر ترقی کر کے انسان بن گئے ہوں تو کچھ عجب نہیں کیونکہ بندر اور آدمی کی بہت سی عادتیں ملتی ہیں۔

علمائے شریعت نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ادنیٰ درجہ کی مخلوقات میں اگر پہلے سے ترقی کا مادہ موجود تھا تو پھر رفتہ رفتہ ترقی کی کیا ضرورت تھی اور اگر پہلے سے ترقی کا مادہ موجود نہیں تھا تو ترقی کے وقت وہ ترقی کا مادہ کہاں سے آگیا۔ علاوہ اس کے اس ناسمجھ اور مسلوب الارادہ مادہ میں یہ شعور اور ارادہ کیونکر پیدا ہوگیا کہ اس نے ادنیٰ درجہ کی مخلوقات میں ترقی کی صلاحیت بھی رکھی سائنس کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے سائنس کے جاننے والوں نے مادہ کی حقیقت کے بیان کرنے میں نہایت درجہ کا اختلاف کیا ہے اس لئے علمائے شریعت نے ان لوگوں کو یوں قائل کیا ہے

کہ جس چیز کو انھوں نے آنکھوں سے نہیں دیکھا اور بڑے اختلاف کے بعد عقل سے اس کی حقیقت دریافت کی تو یہ کہ اس کو کچھ سمجھ ہے نہ اُس میں کچھ ارادہ ہے تو پھر ایسی بن دیکھی نا سمجھ مسلوب الارادہ چیز کو سماوی اور ارضی عجیب اور غریب چیزوں کی پیدائش کا سبب قرار دینا بغیر بنیاد کی ایک نا پائیدار دیوار کی چنائی ہے کیونکہ اگرچہ پابند شریعت لوگوں نے بھی اللہ تعالےٰ کو آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن سماوی اور ارضی عجیب اور غریب چیزوں کو دیکھ کر وہ اس کی قدرت اس کی حکمت اس کے ارادہ سے اُسے پہچانتے ہیں اور بالیقین یہ جانتے ہیں کہ اہل سائنس کا نا سمجھ مسلوب الارادہ مادہ ایسی عجیب وغریب چیزوں کی پیدائش کا ہرگز مدار نہیں قرار پا سکتا بلکہ اُن عجیب وغریب چیزوں کا پیدا کرنے والا وہ صاحب قدرت صاحب حکمت ہے جس کی شان سب کائنات سے نرالی ہے اور قانون فطرت الٰہی اپنے اختیار سے چلاتا ہے جس طرح مثلاً انتظام الٰہی کے موافق ہر سال موسم برسات کے سبب سے مینہ برستا ہے یا دواؤں کے استعمال کے سبب سے بیماروں کو شفا ہو جاتی ہے۔

## نیچریوں[1] کا رد

اس طرح کے عادت الٰہی کے سببوں کو یہ لوگ قانون فطرت کہتے ہیں اور ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ نیچری اسباب کے اثر سے ہوتا ہے اللہ کی قدرت کا اس میں کچھ دخل نہیں ہے علمائے شریعت نے ان لوگوں کو یوں قائل کیا ہے کہ قحط کے زمانہ میں موسم برسات موجود ہوتا ہے گھرے گھرے بادل بھی آتے ہیں لیکن مینہ نہیں برستا اسی طرح بیمار شخص کے مرض الموت کے وقت ہر طرح کی دواؤں کا استعمال کیا جاتا ہے مگر کچھ فائدہ نہیں ہوتا ایسی باتوں کے تجربہ کے بعد ہر صاحب عقل کو یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ اسباب نیچری میں جب تک اللہ تعالےٰ کی طرف سے تاثیر نہ پیدا کی جاوے تو فقط اسباب نیچری سے کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ قانون فطرت اور نیچر کے طور پر اگرچہ مقناطیس میں لوہے کے کشش کی قوت ہے مگر زلزلہ آنے کے وقت مقناطیس کی وہ قوت زائل ہو جاتی ہے اور زلزلہ کے بعد پھر وہ قوت آجاتی ہے چنانچہ اسی تجربہ کی بنیاد پر ان لوگوں نے ایک آلہ ایجاد کیا ہے جس سے زلزلہ کے آنے کا حال کچھ دیر پہلے سے معلوم ہو جاتا ہے اس تجربہ سے بھی علمائے شریعت نے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ اسباب نیچری میں تاثیر اللہ تعالےٰ کی طرف سے پیدا کی جاتی ہے فقط اسباب نیچری سے کچھ نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو زلزلہ کے وقت مقناطیس کی نیچری کشش کی ذاتی قوت کبھی زائل نہ ہوتی اس تجربہ سے یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ قانون فطرت اور نیچر میں کبھی اللہ تعالےٰ کی قدرت کا دخل ایسی حکمت سے ہوتا ہے کہ جس حکمت کا سمجھنا اہل سائنس کی سمجھ سے باہر ہے جیسے زلزلہ کے وقت مقناطیس کی کشش کی قوت جو زائل ہو جاتی ہے اس کی حکمت کسی سائنس کے جاننے والے کی سمجھ میں نہیں آئی مقناطیس کی قوت جاذبہ میں یہ ایک اور حکمت الٰہی ہے کہ اس کے کناروں پر قوت جاذبہ زیادہ ہوتی ہے اور بیچ میں ایسی کم کہ گویا ہوتی ہی نہیں اہل سائنس اس حکمت کے دریافت سے بالکل عاجز ہیں اس واسطے جب ان سے اور علمائے شریعت سے اس حکمت کے باب میں مباحثہ ہوتا ہے تو وہ یہ کہہ کر چپ ہو جاتے

[1] سرسید احمد خاں بانی علی گڑھ یونیورسٹی کی پارٹی جن کو اپنے نیچری ہونے پر ناز تھا۔ اس فصل میں سرسید احمد خاں کی تفسیر القرآن کے مخترعہ اصولوں پر علمی انداز سے تنقید کی گئی ہے۔

ہیں کہ اس پتھر کی خاصیت یہی ہے اس پر جب ان سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ کیا اس ناسمجھ مادہ نے اس پتھر میں وہ مختلف الکیفیت خاصیت رکھی ہے کہ جو بڑے بڑے سمجھ داروں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ تو پھر گھبرا جاتے ہیں اور گھبرا کر کبھی یہ کہنے لگتے ہیں کہ مادہ کے مختلف الشکل ذرات کی خاص ترتیب سے اس پتھر میں یہ خاصیت پیدا ہو گئی ہے۔

اس پر جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ مادہ کے ذرات کو جب آپ لوگوں نے فقط آنکھ یا خوردبین کے ذریعہ سے نہیں دیکھا تو پھر آپ نے ان ذرات کو مختلف الشکل اور ان کی خاص ترتیب کو کس طرح جان لیا؟ تو اس کا جواب انہیں کچھ بن نہیں آتا لوہے یا فولاد کی سلاخ کے ایک سرے پر مقناطیس لگایا جاوے تو اس سلاخ کے دوسرے سرے پر بھی مقناطیس کی قوت آجاتی ہے مگر اس سلاخ کے بیچ میں وہ قوت نہایت درجہ کم ہوتی ہے اہل سائنس اس کا کچھ سبب نہیں بتلا سکتے کہ سلاخ کے بیچ میں اس قوت کے کم ہو جانے کے بعد پھر وہ کیونکر وہ ایسی قوی ہو گئی جس سے سلاخ کے دوسرے سرے پر اس کا اثر آگیا۔

ان لوگوں کی علم ہیئت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ہر ایک تارے کی خاصیت دوسرے تارے سے بالکل جدا ہے اور علمائے شریعت نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ جب سب تاروں کا مادہ یکساں ہے تو ان کی خاصیتیں جدا جدا کیونکر ہیں کیا اس ناسمجھ مادہ میں اتنی سمجھ ہے کہ اس نے ہر ایک تارے کی خاصیت جدا ٹھہرا دی کسی سائنس کے جاننے والے نے اس اعتراض کا کچھ جواب نہیں دیا تجربہ کی رو سے بہ نسبت زمین کے پہاڑوں پر برف زیادہ پڑتی ہے تاکہ اونچی جگہ سے برف کا پانی گر کر بہ جاوے اور ندی نالوں کے ذریعہ سے وہ پانی مخلوقات کے کام آوے کیا اس ناسمجھ مادہ میں پہاڑوں کو زیادہ برف کی جگہ قرار دینے کی سمجھ ہے۔ بادلوں کی بناوٹ اس حکمت سے رکھی گئی ہے۔ کہ ہوا بادلوں کو اٹھا سکتی ہے لوہے کی کان اور کانوں سے نیچی پیدا کی گئی ہے تاکہ زمین کی اندرونی تاثیر سے لوہا ایسا سخت ہو جاوے کہ چاندی سونا اس کی چوٹ سے بڑھ سکے ماں کے پیٹ میں بچہ کے اعضا ایسے انتظام سے بنتے ہیں جس کو دیکھ کر اہل سائنس کی عقل دنگ ہے۔ شمالی جنوبی مشرقی مغربی ہوا میں ہر ایک کی خاصیت جدا ہے اور اسی طرح بعضے پیڑوں کی جڑ زمین میں ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے وہ زمین میں سے اپنی غذا کے طور پر تری حاصل کرتے ہیں اور بعضے پیڑ بیل کے طور پر دوسرے پیڑوں پر لپٹے ہوئے ہوتے ہیں ان کی جڑ زیادہ زمین میں نہیں ہوتی اس لئے ان کی سرسبزی فقط ہوا کی تری سے ہوتی ہے بعضے پہاڑ گرمی کے موسم میں بھی جاڑے کے موسم کی سی راحت کا سبب ہوتے ہیں اور بعضے پہاڑ کوہ آتش فشاں کہلاتے ہیں جن کی گرمی آدمی سے برداشت نہیں ہو سکتی پہاڑوں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ زیادہ گرم اور سرد ہوا کی آڑ بنے ہوئے ہیں جس سے اہل زمین زیادہ ناموافق ہوا کے صدمہ سے محفوظ رہتے ہیں کیا یہ سب کچھ اس ناسمجھ مادہ کا اثر ہے ہرگز نہیں بلکہ یہ اثر اسی صاحب حکمت صاحب ارادہ اور حکمت کا ہے جس کی ان صفات کے اثر کو دیکھ کر علمائے پابند شریعت نے اس کو پہچانا ہے۔

### نیچر کیا ہے؟

ان لوگوں کے نزدیک مادہ اور اس کی حرکت سے دنیا کی تمام موجودات جو پیدا ہوئی ہے اور اسی موجودات میں طرح طرح کی تاثیرات جو پائی جاتی ہیں ان کو یہ لوگ نیچر یا قانون فطرت اور ان تاثیرات کے اثر کو نیچر کا اثر کہتے ہیں مثلاً دواؤں میں تاثیرات کا پایا جانا نیچر ہے اور استعمال کے بعد دوا کا فائدہ یہ نیچر کا اثر

ہے یہ لوگ اس کے قائل ہیں کہ نیچر کے خلاف کوئی کام نہیں ہو سکتا جس کو یہ لوگ نیچر کہتے ہیں علمائے شریعت اس کو عادت الٰہی کہتے ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ اگرچہ عادت الٰہی کے موافق اکثر کام ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے خرق عادت کے طور پر بعضے کام عادت کے باہر بھی کر سکتا ہے جیسے سورج کی دھوپ میں یہ تاثیر تو نیچری ہے کہ وہ ہر ایک چیز کو سکھا دیتی ہے چنانچہ اس نیچری تاثیر کے موافق کھیتی کے گیلے پیڑ دھوپ میں سوکھ کر کھیتی کٹنے کے قابل ہو جاتی ہے اور اناج پیسنے اور کھانے کے لائق ہو جاتا ہے مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی ہے کہ خرق عادت کے طور پر برخلاف نیچر کے اس قادر مطلق نے اسی دھوپ سے یہ کام لیا ہے کہ بجائے سوکھنے کے آم نارنگی گنے وغیرہ میں اس دھوپ سے رس پیدا ہوتا ہے آم نارنگی گنے وغیرہ میں دھوپ سے رس کا پیدا ہو جانا سب کی آنکھوں کے سامنے ہے اس واسطے علمائے شریعت کے نزدیک اہل سائنس کا یہ قول غلط ہے کہ نیچر کے برخلاف کوئی کام نہیں ہو سکتا کیونکہ علمائے شریعت کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ ہر ایک چیز کے پیدا ہونے میں جو اسباب ظاہری انسان کو نظر آتے ہیں ان اسباب میں کوئی ایسی مستقل ذاتی تاثیر نہیں ہے جس کو نیچر اور قانون فطرت قرار دیا جاوے اور یہ کہا جاوے کہ اس نیچر اور قانون فطرت کے برخلاف کوئی کام نہیں ہو سکتا کس لئے کہ مثلاً قحط کے زمانہ میں موسم برسات کا ہونا بادلوں کا آنا یہ اسباب ظاہری سب موجود ہوتے ہیں لیکن مینہ کے نہ برسنے سے آخر قحط پڑ جاتا ہے جس سے علمائے پابند شریعت کا یہ قول صحیح قرار پاتا ہے کہ قانون فطرت کا چلانے والا وہ قادر مطلق وحدہ لاشریک لہ جب تک ان اسباب ظاہری میں تاثیر نہ پیدا کرے تو اسباب ظاہری میں کوئی مستقل ذاتی تاثیر نہیں ہے اور اس قول کے صحیح قرار پانے کے ساتھ ہی یہ قول غلط قرار پاتا ہے کہ قانون فطرت اور نیچر کے برخلاف کوئی کام نہیں ہو سکتا ہاں موجودات میں تاثیر کے پیدا کرنے اور نہ کرنے کو قانون فطرت قرار دیا جا کر موجودات کے پیدا کرنے والے کو اس قانون کا چلانے والا مانا جاوے تو یہ قول صحیح ہے کہ قانون فطرت کے برخلاف کوئی کام نہیں ہو سکتا مگر مثال کے طور پر موجودات میں کی چند ایسی چیزیں جو اوپر ذکر کی گئیں جن میں کمال درجہ کی حکمت کو دخل ہے نہ ان چیزوں کا پیدا کرنے والا اس نا سمجھ مادہ کو کہہ سکتے ہیں نہ قانون فطرت کے چلانے کی تدبیر اور اسباب ظاہری میں تاثیر پیدا کرنے کی قدرت اس مسلوب الارادہ مادہ کے حوالہ کی جا سکتی ہے قانون کے معنے قاعدہ کلیہ کے ہیں اور فطرت کے معنے پیدائش کے اس صورت میں اسباب ظاہری کی تاثیرات کو ذاتی مانا جاوے گا تو اسباب ظاہری پر بطور قاعدہ کلیہ کے قانون فطرت کا لفظ بولنا غلط ٹھہرے گا کیونکہ یہ ابھی اوپر گذر چکا ہے کہ قحط کے زمانہ میں اسباب ظاہری سب پائے جاتے ہیں اور ان میں مینہ کے برسنے کی تاثیر ندارد ہوتی ہے ہاں اوپر کے بیان کے موافق اسباب ظاہری میں تاثیر کے پیدا ہونے اور نہ ہونے کو قانون فطرت قرار دیا جا کر اسباب ظاہری میں تاثیر کے پیدا کرنے والے کو اس قانون کا چلانے والا مانا جاوے گا تو اس صورت میں موجودات کی حالت کو قانون فطرت یا نیچر کہا جا سکتا ہے مگر قانون فطرت کا ایک حصہ تو ان موجودات کا ہے جو موجودات انسان کی نگاہ سے گذر کر اس کے تجربہ میں آ چکی ہیں اور دوسرا حصہ ان موجودات کا ہے کہ وہ یا تو ابھی تک انسان کی نگاہ سے نہیں گذریں یا نگاہ سے تو گذریں لیکن ان کی حقیقت اور تاثیر انسان کی دریافت سے باہر ہے اس لئے انسان اگرچہ پہلے حصہ کو قانون فطرت کہہ سکتا ہے مگر یہ دعوی نہیں کر سکتا کہ اس کو قانون فطرت کا پورا علم حاصل ہو گیا چنانچہ اس دعوی کے اہل سائنس بھی مدعی نہیں

ہو سکتے کیونکہ یہ لوگ اپنی کتابوں میں کہیں تو یہ لکھتے ہیں کہ بہت سی چیزوں کی پوری حقیقت ابھی تک ہمیں معلوم نہیں ہوئی اور کہیں یہ لکھتے ہیں کہ رات دن ہمیں قانون فطرت کی نئی نئی باتیں معلوم ہوتی رہتی ہیں ان میں کے بعض سمجھ داروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مرتے دم تک بھی انسان ترقی معلومات کے سلسلہ کو پورا نہیں کر سکتا حقیقت میں بعض باتیں دنیا میں ایسی ہیں کہ ان کے دریافت سے اہل سائنس عاجز اور ایسے کلمے لکھنے پر مجبور ہیں جن کا ذکر اوپر گزرا اہل سائنس جن باتوں کی دریافت سے عاجز ہیں وہ باتیں ایسی ہیں جیسے مثلاً کوٹھری اور بند دالانوں میں دن کو بغیر دھوپ کے پہنچنے کے جو اجالا ہو جاتا ہے اگرچہ وہ آنکھوں کے سامنے کی ایک چیز ہے لیکن اہل سائنس اس کی صحیح حقیقت نہیں بتلا سکتے۔

بڑے اختلاف کے بعد ان میں کے بعضے متاخرین لوگوں نے یہ لکھا ہے کہ یہ اجالا اس زمین اور سورج کے مابین میں پھیلے ہوئے مادہ کی لہر ہے جو مادہ کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے۔

علمائے شریعت نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ مادہ کی حرکت یا تو ایسی قوی ہو جاتی ہے کہ دل دار شیشے کے بند کواڑوں کے اندر اوجالا سرایت کر کے پہنچ جاتا ہے یا اس کواڑوں کے شیشے پر ہلکا سا سیاہی کا ایک دھبہ لگ جائے تو مادہ کی وہ حرکت ایسی ضعیف کیوں ہو جاتی ہے کہ اس دھبہ کی جگہ پر سرایت کر کے کواڑوں کے اندر اجالا نہیں پہنچا سکتی اہل سائنس نے اس اعتراض کا صحیح جواب اب تک نہیں دیا دیکھنے۔ سننے۔ سونگھنے۔ چکھنے۔ اور چھونے کو حواس خمسہ کہتے ہیں ایک مدت تک اہل سائنس اس قاعدہ کے پابند رہے کہ جو چیز حواس خمسہ کے ذریعہ سے معلوم نہ ہو اس کے موجود ہونے کو تسلیم نہ کیا جاوے لیکن اوپر کے بیان کے موافق جب ان لوگوں نے اجالے کو مادہ کی لہر سمجھا تو یہ لوگ بغیر دیکھے مادہ کے موجود ہونے کے قائل ہو گئے اور اپنے اس قاعدہ کی پابندی کو چھوڑ دیا کہ جو چیز حواس خمسہ کے ذریعہ سے معلوم نہ ہو اس کے موجود ہونے کو تسلیم نہ کیا جاوے علمائے شریعت نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ان اہل سائنس لوگوں نے فرشتوں جنات آسمانوں حشر جنت دوزخ کا انکار اس قاعدہ کی پابندی کے سبب کیا تھا اب جب کہ یہ قاعدہ ان لوگوں کے نزدیک غلط ٹھہرا تو ان کا وہ انکار بھی غلط ہو گیا اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح ایک مدت دراز کی دریافت کے بعد کرٹک اور چلک کو ان لوگوں نے کہربائی قوت کا اثر بتلایا ہے اسی طرح کامل دریافت کے بعد ممکن ہے کہ فرشتوں جنات آسمانوں حشر جنت دوزخ کا صحیح حال بھی ان لوگوں کو معلوم ہو جاوے غرض کسی چیز کی حقیقت کا دریافت طلب ہونا اور بات ہے اور کسی چیز کا انکار کرنا اور بات ہے اگر ان لوگوں کے نزدیک ان دونوں باتوں میں کچھ فرق نہیں ہے تو ان کو اس مادہ اور اس کی حرکت کا بھی انکار کرنا پڑے گا جس کو ان لوگوں نے پیدائش دنیا کا سبب قرار دیا ہے کیونکہ یہ اوپر گزر چکا ہے کہ مادہ اور اس کی حرکت کے باب میں ابھی تک ان لوگوں کی دریافت ناقص ہے اگرچہ علمائے شریعت نے فلسفہ یونانی اور سائنس کی ان تمام باتوں کے جوابات تفصیل سے دئے ہیں جو باتیں شریعت کے مخالف تھیں لیکن تفسیر کے اس دیباچہ کو زیادہ طول دینا منظور نہیں تھا اس واسطے اس دیباچہ کے آخر پر ایک فصل میں مثال کے طور پر فلسفہ یونانی اور سائنس کی چند باتوں کا ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ فلسفہ یونانی اور سائنس کی اور باقی باتوں کو ناظرین تفسیر اوپر کی مثال پر قیاس کر کے یہ سمجھ لیں کہ نہ ایسی باتوں کو قرآن کی تفسیر میں کچھ دخل ہے نہ ایسی باتوں سے شریعت کے کسی مسئلہ میں کچھ شبہ پیدا ہو سکتا ہے۔

# سائنسی نظریات پر تنقید ایک دوسرے طریقے سے

مامون رشید نے جب یونانی فلسفہ کی کتابیں یونان سے منگوا کر عربی میں ترجمہ کرائیں جن کا ذکر اس تفسیر میں ایک جگہ کر دیا گیا ہے۔ تو ان کتابوں میں سکندر رومی کے سوتیلے بھائی بطلیموس کی تصنیف کی ہوئی ایک کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا جا کر اس کا نام المجسطی رکھا گیا اسی کتاب سے سائنس کے بہت سے مسئلے پہلے عرب میں اور پھر یورپ میں رواج پائے لیکن اب سے ڈھائی تین سو برس پہلے تک یورپ میں شریعت عیسوی کی پابندی کا یہ حال تھا کہ اٹلی کے رہنے والے ایک شخص برونو نے جب انگلستان کے قیام کے زمانہ میں سائنس کے مسئلوں کو پھیلانا شروع کیا تو اس وقت کے پادریوں کے حکم کے موافق حکام نے پہلے اسے چند سال تک قید رکھا اور پھر اس کو زندہ آگ میں جلا دیا یہ قصہ سنہ ۱۶۰۰ء کا ہے اس زمانہ کی تاریخ کی کتابوں میں اس قصے کی پوری تفصیل ہے یہ شخص سائنس کا بڑا عالم تھا چنانچہ اس کی تالیف کی چند کتابیں اس فن میں مشہور ہیں اسی طرح کے اور قصے بھی اس وقت کی تاریخ کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں کہ اہل سائنس میں سے بعضے علما کو تا زیست قید کیا گیا اور پھر ان کے مر جانے کے بعد انہیں عیسائیوں کے قبرستان میں دفن کئے جانے کی مناہی کر دی گئی حاصل کلام یہ ہے کہ سائنس والوں کے مسئلے ایسے کھلے کھلے یقینی ہیں جس طرح ان لوگوں کا دعویٰ ہے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ پادریوں کے اقتدار کے زمانہ میں سائنس کے بڑے بڑے عالموں نے سخت سخت سزاؤں سے بچنے کے لئے اپنی دلیلوں سے پادریوں کو قائل کیوں نہیں کیا اصل بات یہ ہے کہ پادریوں کے اعتراضوں کے جواب سائنس کے علماء کے پاس نہیں تھے اس واسطے وہ سخت سخت سزاؤں کے قابل ٹھہرے چنانچہ مثلاً پادریوں کا یہ اعتراض تھا کہ دوربین سے زمین پر کی چیزیں تو صحیح طور پر نظر آسکتی ہیں لیکن دوربین سے آسمان پر کی چیزوں کا صحیح حال نہیں معلوم ہو سکتا کیونکہ دوربین سے خاص خاص فاصلے کی چیزوں کو دیکھا جا سکتا ہے آسمان پر کی چیزوں کا فاصلہ دوربین کی حد سے باہر ہے اس اعتراض کی صحت اور قوت سائنس کے مسائل سے اب تک اچھی طرح ثابت ہوتی ہے کس لئے کہ متقدمین اہل سائنس کے نزدیک پہلے زمین اور سورج کا فاصلہ پچاس لاکھ میل کے قریب تھا پھر ایک کروڑ تیس لاکھ میل اور پھر آٹھ کروڑ پچاس لاکھ میل قرار پایا اب سنہ ۱۹۰۹ء تک کے متاخرین نو کروڑ تینتیس لاکھ میل کا فاصلہ بتاتے ہیں جب دوربینوں کی غلطی کا یہ حال ہے تو آئندہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ کوئی دوربین ایسی نکل آوے جس سے یہ متاخرین کا قائم کیا ہوا فاصلہ بھی صحیح نہ ٹھہرے ان لوگوں کی علم ہیئت کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۵۰۷ء تک علم ہیئت کے جو قواعد پہلے سے چلے آتے تھے پروشیا کے رہنے والے ایک مہندس کوپرنیکس نے ان قواعد کو بالکل بدل کر یہ ثابت کیا کہ دوربین سے دیکھنا تو درکنار بعضے تارے زمین سے اس قدر دور ہیں کہ وہاں تک انسان کے وہم و گمان کی بھی رسائی نہیں ہے۔ بطلیموس کے زمانہ سے لے کر سنہ ۱۵۰۷ء تک کے قواعد اگر صحیح تھے تو پھر کوپرنیکس کو ان قواعد کے بدلنے کی کیا ضرورت تھی ان کتابوں کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۶۰۸ء تک جو دوربینیں بنائی گئی ہیں ان میں اصلی جسامت سے تیس حصہ بڑھ کر ہر ایک چیز نظر آسکتی ہے مخالفین سائنس اس پر یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ فاصلے کی دوری کے سبب سے مثلاً ساٹھ حصہ سے بڑھ کر جسامت کے نظر آنے کی دوربین کے بغیر بعضے تارے نظر نہیں آسکتے تو سنہ ۱۶۰۸ء تک کی دوربینیں اس اعتراض کے جواب کے لئے کافی نہیں ہیں کوپرنیکس کی وفات کے

کوئی پچاس برس کے بعد ایک سائنس کے عالم جان کیپلر نے پہلے کے آلات رصد میں تبدل وتغیر کیا جس سے کوپرنیکس تک کے زمانہ کے اکثر مسئلے بدل گئے اس کے بعد متاخرین نے جان کیپلر کے بعضے مسائل کو غلط ٹھہرایا۔

ان لوگوں کے آپس کے اختلاف کا ذکر مختصر طور پر اس لئے کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کے اختلافی مسائل کا تو یہ حال ہے اوران مسائل کے بھروسہ پر دعویٰ ان کا یہ ہے کہ سورج چاند اور تاروں کی باقاعدہ حرکت ایک غیر متغیر قانون ہے اسی قانون کے موافق دنیا کا تمام انتظام چلتا ہے جس انتظام کا بدل جانا کسی طرح ممکن نہیں ہے لیکن جب متاخرین میں کے بڑے بڑے سائنس کے علماء تاروں کی باقاعدہ حرکت کے قانون کو متغیر مانتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ آخر کو تاروں کی حرکت حرارت سے بدل جاوے گی جس سے مادہ کی حرارت حد سے زیادہ بڑھ کر تمام تارے سورج سے لڑ جاویں گے اور انتظام دنیا خراب ہو کر دنیا بالکل ویران ہو جاوے گی تو متقدمین اور متاخرین کے اس اختلاف کے سبب سے سائنس کا کوئی قاعدہ اور کوئی دعوٰے قائم نہیں رہ سکتا۔

پابند شریعت علماء نے سائنس کے قاعدوں اور دعوؤں کو بے بنیاد جو ٹھہرایا تھا متقدمین اور متاخرین اہل سائنس کے اختلاف سے وہ بات اچھی طرح ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ سورج چاند اور تاروں کی حرکت اسی وقت تک دنیا کے انتظام کا سبب قرار پا سکتی ہے جب تک اللہ تعالٰے نے اس حرکت میں دنیا کے انتظام کی تاثیر پیدا کی ہے اور جب یہ تاثیر اللہ کے حکم سے باقی نہ رہوے گی تو اہل سائنس کے اقرار کے موافق یہی حرکت حرارت سے بدل کر تمام دنیا کے اجڑ جانے کا سبب بن جاوے گی یہی حال زمین پر کی موجودات کا ہے جیسے مثلاً اللہ کے حکم سے جب تک دواؤں میں شفا کی تاثیر باقی رہتی ہے تو دواؤں کے استعمال سے بیماروں کو شفا ہو جاتی ہے مرض الموت کے وقت اللہ کے حکم سے دواؤں میں شفا کی تاثیر باقی نہیں رہتی تو مرنے والے بیمار کو کسی دوا سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔

**خلاصہ** حاصل کلام یہ ہے کہ جب موجودات سماوی وارضی میں کوئی تاثیر مستقل طور پر نہیں ہے تو غیر مستقل تاثیر کا نام غیر متغیر قانون یا نیچر رکھنا بالکل غلط ہے اگرچہ اب یورپ کے اہل وعل مثل پہلے کے پابند مذہب نہیں رہے جس سے آسمانی کتابوں کے برخلاف جو سائنس کے مسائل ہیں ان کی روک ٹوک اٹھ گئی ہے لیکن آسمانی کتابوں کی حمایت میں سائنس پر پادری لوگوں کے جو اعتراضات ہیں ان کے جواب اہل سائنس سے بن نہیں آتے۔

## چند علمی اور کار آمد فوائد

**متواتر حدیث کی بحث** (۱) اس مقدمہ کے پہلے باب میں علماء کا یہ قول جو بیان کیا گیا ہے کہ متواتر حدیث کی مثال کا پیش کرنا بہت مشکل ہے یہ قول شیخ الاسلام تقی الدین ابن صلاح دمشقی اور چند علمائے معتبر کا ہے یہ ابن صلاح ۶۴۳ھ کے معتبر علماء میں ہیں ان کی تالیف کی دین کی بہت سی کتابیں ہیں صلوۃ الرغائب کے جائز ہونے کا فتویٰ جو انہوں نے دیا ہے البتہ اس پر تو علماء کا اعتراض ہے لیکن سوائے اس کے ان کی اور تالیفات معتبر ہیں ان کی صحیح مسلم کی ناتمام شرح بہت معتبر ہے امام نووی نے اپنی شرح صحیح مسلم میں اکثر جگہ اس کا حوالہ دیا ہے۔

اصول حدیث و تفسیر میں ان کی ایک کتاب مقدمہ ابن صلاح کے نام سے بہت معتبر اور مشہور ہے اس مقدمہ میں انہوں نے لکھا ہے کہ متواتر حدیث کی مثال کا پیش کرنا بہت مشکل ہے مطلب اس قول کا وہی ہے جو اس دیباچہ کے باب اول میں بیان کیا گیا ہے کہ حدیثوں کے لفظوں کا لکھا جانا تابعیوں کے آخری زمانہ میں شروع ہوا ہے اس لئے اب سے لے کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک کسی حدیث کے لفظ تو متواتر طور پر لکھے ہوئے نہیں پائے جا سکتے ہاں صحیح حدیثوں کے معنے اور مطلب کو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مطلب اللہ کے رسول کا فرمایا ہوا ہے ابن صلاح کے اس قول کو حافظ ابن حجرؒ اور بعضے علماء نے نہیں مانا اور متعدد سندوں کی کئی حدیثیں متواتر حدیث کی مثال کے طور پر پیش کیں لیکن اور علماء معتبر نے اسی اوپر کے مطلب کو بیان کر کے اس اختلاف کو اس طرح رفع کیا ہے کہ صحیح حدیثوں کے معنے اور مطلب کو متواتر کہا جا سکتا ہے لفظوں کو متواتر نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اب سے لے کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک کسی حدیث کے لفظ متواتر طور پر لکھے ہوئے نہیں پائے جا سکتے برخلاف قرآن شریف کے لفظوں کے کہ وہ ابتدا سے انتہا تک ہر ایک زمانہ میں لکھے ہوئے پائے جاتے ہیں۔

(۲) اوپر گزر چکا ہے کہ صحیح حدیثوں کا مطلب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک متواتر معنوی کے طور پر پہنچتا ہے اس واسطے عذاب قبر عذاب دوزخ اور اسی طرح کے دل میں عقیدے رکھنے کی اور حرام حلال کی باتیں صحیح حدیثوں سے ثابت ہو سکتی ہیں کیونکہ قرآن کی آیتوں اور صحیح حدیثوں میں فرق فقط اتنا ہی ہے کہ قرآن کی آیتوں کے لفظ اور معنے دونوں متواتر ہیں اور صحیح حدیثوں کے فقط معنے متواتر ہیں اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ صفات الٰہی اور حرام حلال کے احکام صحیح اور حسن حدیثوں سے ثابت ہو سکتے ہیں ضعیف حدیثوں سے نہیں ثابت ہو سکتے جس حدیث کے راوی معتبری میں اعلیٰ مرتبہ رکھتے ہوں اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں اور جو کم مرتبہ رکھتے ہوں اس کو حسن اور حسن کے مرتبہ سے بھی کم ہوں تو وہ حدیث ضعیف ہے اور اس قاعدہ کے موافق قرآن میں جو عقیدے کی آیتیں ہیں تمام علمائے امت نے صحیح اور حسن حدیثوں کو ان آیتوں کی تفسیر ٹھہرایا ہے

**صحاح ستہ**

(۳) صحیح بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ ان چھ کتابوں کو صحاح ستہ کہتے ہیں اگرچہ سوائے صحیح بخاری و مسلم کے باقی چار کتابوں میں ضعیف حدیثیں بھی ہیں لیکن غلبہ کے طور پر جس طرح ماں اور باپ کو ملا کر والدین کہتے ہیں اسی طرح ان چھ کتابوں کا نام صحاح مشہور ہے اسی واسطے سوائے صحیح بخاری و مسلم کے باقی کے چار کتابوں کی یا ان چار کتابوں کے علاوہ کسی اور کتاب کی جو حدیث خلاصہ کے طور پر اس تفسیر میں بیان کی گئی ہے اس کی صحت اور ضعف کا حال بھی ظاہر کر دیا گیا ہے بعضے علماء نے ان چھ کتابوں میں ابن ماجہ کی جگہ امام مالک کی مؤطا کو لکھا ہے۔

**نابینا راوی معتبر ہے**

(۴) حدیث کی صحیح کتابوں میں عورتوں اور عبداللہ بن ام مکتومؓ نابینا کی روایتیں جو لی گئی ہیں اس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ ایسی صحیح روایتوں کو قرآن شریف کی تفسیر ٹھہرایا جا سکتا ہے جس کے راوی عورتیں اور نابینا ہوں۔

**کثرت طرق سے روایت کم ضعف ہو جاتی ہے**

(۵) بعضی ضعیف حدیثیں ایسی بھی ہیں کہ ان کی ایک سند کے

ضعف کو دیکھ کر بعضے علماء نے ان حدیثوں کو ضعیف ٹھہرایا تھا لیکن جب ان حدیثوں کے سب طریقے جمع کئے گئے تو وہ ضعف جاتا رہا اس تفسیر میں بعضے قصوں کو اسی قاعدہ کے موافق معتبر ٹھہرایا گیا ہے جیسے مثلاً ہاروت ماروت کے قصہ کو بعضے علماء نے بے اصل ٹھہرایا تھا پھر حافظ ابن حجرؒ نے اس قصے کی پوری سندیں ایک سالہ میں جمع کیں تو اس قصہ کی اصل پائی گئی[1] اس لئے اس تفسیر کی سورۂ بقرہ کی تفسیر میں اس قصہ کو معتبر ٹھہرایا گیا ہے کیونکہ سب سندوں کے ملانے سے یہ حدیث حسن کے مرتبہ کو پہنچ جاتی ہے۔

## راوی کے فقیہ ہونے کی شرط لغو ہے

(۶) فقہ حنفی میں یہ جو ایک مسئلہ مشہور ہے کہ حدیث کی روایت جب کہ بالمعنی درست ہے تو صحابی کا فقیہ ہونا اور غیر فقیہ صحابی کی روایت کا قیاس کے موافق ہونا ضرور ہے کیونکہ غیر فقیہ راوی کو معنے کا لحاظ کم ہوتا ہے متقدمین حنفیہ میں کرخی وغیرہ اس کے قائل نہیں ہیں۔ فقط متاخرین حنفیہ میں یہ مسئلہ مشہور ہو گیا ہے اور خود امام ابو حنیفہؒ کا تو یہ قول ہے کہ ضعیف حدیث بھی قیاس پر مقدم ہے۔

## ہر سورت کی فضیلت والی روایت جھوٹی ہے

(۷) جس حدیث کی سند میں حدیثوں کو اپنی طرف سے بنانے والے ایک یا چند جھوٹے راوی ہوں اس حدیث کو موضوع کہتے ہیں مثلاً جس طرح ابو عصمہ نوح بن مریم نے قرآن کی سورتوں کی فضیلت میں موضوع حدیثیں بنائیں اور پھر ان کے بنانے کا اقرار کیا جس کا قصہ بڑی کتابوں میں ہے اگرچہ اس قسم کی حدیثیں تفسیر واحدی تفسیر کشاف اور تفسیر بیضاوی وغیرہ میں لی گئی ہیں لیکن اس تفسیر میں ایسی کوئی حدیث نہیں لی گئی۔

(۸) اس دیباچہ کے باب اول میں یہ جو ذکر ہے کہ مصحف عثمانی کے لکھے جانے کے وقت تک قرآن شریف کے حرفوں پر زیر زبر پیش جزم و تشدید کے لکھنے کا رواج نہیں تھا اس کی تفصیل احسن الفوائد کے مقدمے میں بیان کر دی گئی ہے کہ بنی امیہ کے چھٹے خلیفہ ابو العباس ولید بن عبد الملک کی خلافت کے زمانہ ۸۶ھ سے یہ زیر زبر تشدید کا رواج شروع ہوا ہے۔

## سخت ضعیف حدیث کی متعدد سندیں بھی بیکار ہوتی ہیں

(۹) بعضی ضعیف حدیثیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کی سند میں کسی راوی کو جھوٹا قرار دیا جاتا ہے اسی طرح کی چند سندیں بھی جمع کی جاویں تو روایت کو کچھ تقویت نہیں ہو سکتی ہاں جس سند میں کسی سچے راوی کو ضعیف الحافظہ قرار دیا جاوے تو اسی مضمون کی اور روایتوں کی مدد سے روایت میں ضعف حافظہ کے سبب سے غلطی روایت کا جو شبہ تھا وہ جاتا رہتا ہے اور حدیث میں قرآن کی تفسیر ٹھہرانے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اس تفسیر میں جہاں کہیں کسی ضعیف حدیث کو دوسری سند یا چند سندوں سے تقویت دی گئی ہے تو اس کو ضعیف حدیث کی پچھلی قسم سمجھنی چاہیے پہلی نہیں۔

## حدیث صلوٰۃ الرغائب، موضوع ہے

(۱۰) جس صلوٰۃ الرغائب کا ذکر اوپر گزرا رجب کے مہینے میں اول جمعرات کو مغرب اور عشا کے درمیان میں اس نماز کی بارہ رکعتیں چھ سلام سے اس طرح پڑھی جاتی ہیں کہ ہر ایک رکعت میں الحمد کے بعد انا انزلنا تین دفعہ اور قل ھو اللہ بارہ دفعہ پڑھتے ہیں اور پھر نماز کے بعد ستر دفعہ درود شریف پڑھا کرتے ہیں اس کے بعد جس مقصد کے پورا ہو جانے کی نیت سے یہ نماز

[1] لیکن اس قصہ کا مدار کعب احبار پر ہونے کی وجہ سے ایک اسرائیلی قصہ ہی ٹھہرتا ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر کی تحقیق ہو اور مقام پر ذکر کی جائے گی ان شاء اللہ۔

پڑھی جاتی ہے اس مقصد کے حاصل ہو جانے کی دعا کی جاتی ہے سوائے خطیب بغدادی اور ابن صلاح کے اور سب علماء نے اس صلوٰۃ الرغائب کو روایۃً موضوع کہا ہے اور گزر چکا ہے کہ جس کلام کو لوگ اپنی طرف سے بنا کر اس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام مشہور کر دیں اسے حدیث موضوع کہتے ہیں یہ تو اوپر گزر چکا ہے کہ اگرچہ بعضی تفسیروں میں اس قسم کی حدیثیں پائی جاتی ہیں لیکن اس تفسیر میں ایسی حدیثوں کے لینے سے پورا پرہیز کیا گیا ہے۔

## معتبر حدیث کونسی ہے

(۱۱) علمائے اہل حدیث کبھی تو حدیث کو صحیح یا حسن کہتے ہیں اور کبھی حدیث کی سند کو صحیح یا حسن کہتے ہیں ابن صلاح نے اپنے مقدمے میں یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ معتبر مصنفوں میں سے کوئی مصنف اگر کسی حدیث کی سند کو معتبر بتلا دے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ سند اور حدیث کا متن دونوں معتبر ہیں حافظ ابو بکر ہیثمی صاحب مجمع الزوائد معتبر مصنفوں میں سے ہیں اور اس تفسیر میں جہاں یہ لکھا گیا ہے کہ یہ حدیث معتبر سند سے آئی ہے وہاں اکثر انہی حافظ ابو بکر ہیثمی کی یہ عادت کے قول کے موافق لکھا گیا ہے اس لئے وہ معتبر سند کی حدیثیں حسن حدیث کے درجہ سے کم نہیں ہیں کس لئے کہ حافظ ابو بکر ہیثمی کی یہ عادت ہے کہ راویوں کی ثقاہت بیان کرنے کے بعد سند یا متن حدیث میں اور کچھ خرابی ہوتی ہے تو وہ اس کو بیان کر دیتے ہیں جس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ جہاں کہیں مجمع الزوائد میں فقط راویوں کی ثقاہت بیان کی گئی ہے تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہاں سند اور متن دونوں معتبر ہیں کیونکہ جو کچھ خرابی ہوتی ہے وہ سند میں ہوا کرتی ہے متن حدیث میں بہت کم ہوتی ہے پھر جس مصنف کی عادت متن کی خرابی کو جدا بیان کر دینے کی ہے اس کی عادت کے موافق فقط راویوں کی ثقاہت کے بیان کر دینے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسے موقع پر متن اور سند دونوں میں کچھ خرابی نہیں ہے بلکہ متن اور سند دونوں معتبر ہیں شرح الفیہ عراقی میں اس مسئلہ کو ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے جس کا حاصل یہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا حاصل کلام یہ ہے کہ جس حدیث کو صحیح یا ضعیف کہا جاتا ہے وہ بھی راویوں کی ثقاہت اور ضعف کے لحاظ سے ہوتا ہے اس لئے راویوں کی ثقاہت کا معتبر مصنف کی طرف سے ظاہر ہو جانا صحت حدیث کا بڑا جزو ہے۔

## حدیث صحیح کے درجے

(۱۲) اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیثیں وہ ہیں جن کو امام بخاری اور امام مسلم دونوں مل کر بالاتفاق روایت کرتے ہیں اس کے بعد امام بخاری کی منفرد روایتیں اور اس کے بعد امام مسلم کی منفرد روایتیں پھر اسی سلسلہ سے وہ حدیثیں جن کو اور معتبر مصنفوں نے امام بخاری و مسلم دونوں کی شرط پر یا دونوں میں سے ایک کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے اس کے بعد وہ حدیثیں جن کو اور معتبر علماء نے بغیر کسی شرط کے صحیح کہا ہے بخاری اور مسلم کی شرطیں علماء کے چند قول ہیں لیکن صحیح قول یہی ہے کہ امام بخاری اکثر ایسے راویوں کی روایت اپنی کتاب میں لیتے ہیں جو راوی اپنے استاد کے ساتھ سفر اور حضر میں ایک مدت تک رہے ہوں اور امام مسلم اس شرط کے زیادہ پابند نہیں ہیں۔ اسی طرح جو راوی عن کے لفظ سے کسی استاد سے روایت کرے تو امام بخاری ایسی حالت میں استاد اور شاگرد کی ملاقات کا پایا جانا ضروری خیال کرتے ہیں اور امام مسلم یہ کہتے ہیں کہ ایسی حالت میں شاگرد کی عادت تدلیس کی نہ ہو تو استاد اور شاگرد کی ملاقات کا پایا جانا ضروری نہیں ہے بلکہ دونوں کا ایک زمانہ میں پایا جانا کافی ہے۔

**تدلیس** جو راوی اپنے استاد کے عیب چھپانے کے لئے بجائے اپنے استاد کے نام کی جگہ مثلاً استاد کے استاد کا نام سند میں بدل دے تو ایسے راوی کو مدلس و اس نام کے بدل ڈالنے کی حالت کو تدلیس کہتے ہیں تدلیس کے معنے کسی حالت کے چھپانے کے ہیں علما کا قول ہے کہ ۳۰۰ھ کے بعد تدلیس بہت کم پائی جاتی ہے۔

**صحیح بخاری مقدم ہے** حاصل کلام یہ ہے کہ بہ نسبت امام مسلم کے امام بخاری کی شرط میں سختی زیادہ ہے اس لئے علما نے امام بخاری کی منفرد روایت کو امام مسلم کی منفرد روایت پر مقدم رکھا ہے جہاں امام بخاری کی منفرد روایت موجود تھی اس تفسیر میں وہاں وہی لی گئی ہے۔

**شاذ حدیث اور زیادتی ثقہ کا حکم** (۱۳) ایک ثقہ راوی اپنے سے بڑھ کر ثقہ راوی کے برخلاف کچھ لفظ روایت میں بیان کرے تو ان لفظوں کو شاذ کہتے ہیں صحیح حدیث میں یہ شرط ہے کہ اس میں کوئی شاذ لفظ نہیں ہونا چاہئے ہاں اگر کوئی ثقہ راوی ایسے زیادہ لفظوں کی روایت کرے جو کسی دوسرے ثقہ راوی کے برخلاف نہ ہوں تو اس طرح کے زیادہ لفظ گویا جدا صحیح حدیث ہیں اصول حدیث کی کتابوں اور معتبر تفسیروں میں یہ جو لکھا ہے کہ ثقہ کی زیادت مقبول ہے وہ یہی آخری قسم کی زیادت ہے پہلی قسم کی نہیں کیونکہ پہلی قسم کی زیادت صحیح حدیث میں نہیں لی جا سکتی اس تفسیر میں جہاں چند روائتوں کو کسی آیت کی تفسیر ٹھہرایا گیا ہے وہ آخری قسم کے موافق ہے پہلی کے موافق نہیں ہے کوئی غیر ثقہ راوی کسی ثقہ راوی کے برخلاف کچھ لفظ روایت کرے تو ایسی روایت کو اصول حدیث کی کتابوں میں منکر کہتے ہیں منکر روایت بالکل نامقبول ہے اس تفسیر میں کوئی منکر روایت نہیں لی گئی۔

**قرآن اور حدیث قدسی میں فرق** (۱۴) اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حدیث قدسی اگرچہ اللہ تعالےٰ کا کلام ہے جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے روایت کے طور بیان کرتے ہیں لیکن قرآن شریف کے لفظوں کی طرح حدیث قدسی کے لفظوں کے یاد رکھنے کی تاکید نہیں تھی اس واسطے نہ جبرئیل علیہ السلام حدیث قدسی کے لفظوں کا دور رمضان میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کرتے تھے نہ حدیث قدسی کے لفظ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھے گئے اس طریقہ میں حکمت الٰہی یہی تھی کہ حدیث کی روایت بالمعنی کو اللہ تعالےٰ نے امت محمدیہ کے لئے جائز ٹھہرا دیا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو تابعیوں کے آخری زمانہ میں حدیث کا جمع ہو جانا دشوار ہو جاتا روایت بالمعنی کے جائز ہو جانے کے سبب سے اکثر صحابہ کی یہ عادت تھی کہ وہ روایت بالمعنی کیا کرتے تھے چنانچہ ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے بعضی بعضی حدیثوں کو چند صحابہ سے سنا تو مطلب سب نے ایک طرح بیان کیا مگر لفظ سب کے مختلف تھے یہی طریقہ تابعیوں کا اصول حدیث کی کتابوں میں تفصیل سے ہے۔

**تفسیر ہذا میں روایات لانے کا طریقہ** حاصل کلام یہ ہے کہ اس تفسیر میں صحیح حدیثوں کا خلاصہ ہر ایک آیت کی تفسیر میں جو بیان کیا گیا ہے وہ اس طریقہ روایت بالمعنی کے طور پر ہے جو کسی شرعی اعتراض کے قابل نہیں ہے قرآن شریف میں انبیاء کے قصے مختلف سورتوں میں مختلف لفظوں سے جو بیان کئے گئے ہیں اس سے بھی روایت بالمعنی کی پوری تائید ہوتی ہے جیسے مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں کہیں شہاب قبس فرمایا

اور کہیں او جذوۃ اس روایت بالمعنی کی بنیاد پر قرآن شریف اور حدیث کا ترجمہ مختلف زبانوں میں جاری ہے۔

## تفسیر ہذا کی ایک اور خصوصیت

(۱۵) صحیح بخاری اور مسلم کی صحت سند کا حال تو مشہور ہے اور یہ اوپر گزر چکا ہے کہ ان دونوں کتابوں کے علاوہ جس کتاب کی کوئی حدیث اس تفسیر میں لی گئی ہے اس کتاب کا نام صحابی کا نام اور حدیث کی سند کا حال سب وہیں تفسیر میں بیان کر دیا گیا ہے جس سے پوری صحیح سند سے ہر ایک حدیث اس تفسیر میں آگئی ہے کیونکہ پوری سند تو اصل کتاب میں موجود ہے اور صحت سند کا حال اس تفسیر سے معلوم ہو سکتا ہے اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحت سند کی پوری پابندی کے ساتھ اردو کی یہ پہلی تفسیر ہے جو ناظرین کی نظر سے گزرے گی۔

## جرح و تعدیل کے بعض مسائل

(۱۶) راویوں کی ثقاہت اور ان کے ضعف کو جن کتابوں میں بیان کیا جاتا ہے ان کتابوں کو اسماء الرجال کی کتابیں کہتے ہیں سنہ ہجری کے شروع تک علما کو راویوں کی جو حالت یاد تھی اسی حالت کی بنا پر جرح تعدیل کا دارومدار رہا پھر اس باب میں کتابیں تالیف ہوئیں اسماء الرجال کی کتابوں میں کسی راوی کی ثقاہت پر جو اعتراض کیا جاتا ہے اس کو جرح اور اس اعتراض کے جواب کو تعدیل کہتے ہیں علمائے جرح اور تعدیل کے تین طبقے ہیں ابو حاتم نسائی اور ابن حبان جرح میں بہت سخت شمار کئے جاتے ہیں اور ترمذی و حاکم بہت نرم امام احمد دارقطنی اور ابن عدی کے مزاج میں نہ بہت سختی ہے نہ بہت نرمی اس واسطے ایسے علما متوسط طبقے میں شمار کئے جاتے ہیں بعضے علما نے ابن حبان کو تعدیل میں نرم مزاج جو قرار دیا ہے اس کو جلال الدین سیوطی اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے صحیح نہیں ٹھہرایا بلکہ انہوں نے ابن حبان کو جرح کے باب میں سخت مزاج لکھا ہے ذہبی نے میزان الاعتدال میں بعضے ایسے راویوں کا ذکر کیا ہے جن کو دارقطنی نے ثقہ کہا ہے اور ابن حبان نے ان راویوں کی ثقاہت پر اعتراض کیا ہے جس سے ابن حبان کا جرح کے باب میں سخت مزاج ہونا اچھی طرح ثابت ہوتا ہے کیونکہ معتبر علمانے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ نسائی کے بعد جرح اور تعدیل کے باب میں دارقطنی کے قول کا بڑا اعتبار ہے لیکن ابن حبان نے اپنی سخت مزاجی کے سبب سے ان راویوں کی ثقاہت پر بھی اعتراض کیا جن کو دارقطنی نے ثقہ ٹھہرایا تھا اس تصہ سے ان علما کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے جنہوں نے ابن حبان کو جرح میں سخت مزاج ٹھہرایا ہے ابن حبان نے اپنی کتاب صحیح ابن حبان میں بعضی حسن حدیثوں کو صحیح کہا ہے اس سے بعضے علما کو ابن حبان کے جرح اور تعدیل میں نرم مزاج ہونے کا شبہ پڑ گیا ہے حالانکہ یہ جرح و تعدیل کے باب کی نرم مزاجی نہیں ہے کیونکہ ترمذی سے پہلے کے اہل حدیث کا یہی طریقہ تھا کہ وہ صحیح اور حسن حدیث میں کچھ فرق نہیں کرتے تھے بلکہ حسن کو صحیح کا درجہ شمار کرتے تھے اس طریقہ کے موافق صحیحین میں بعضی حسن سند کی روایتیں بھی ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ اس تفسیر میں ابن حبان کے ثقہ ٹھہرائے ہوئے راویوں کی ثقاہت پر جو بھروسہ کیا گیا ہے وہ بالکل اصول حدیث کے موافق ہے کس لئے کہ اصول حدیث میں سخت مزاج علما کی بیان کی ہوئی ثقاہت کو بڑے بھروسہ کی ثقاہت ٹھہرایا گیا ہے۔

## جہالت راوی کی بحث

(۱۷) اسماء الرجال کی کتابوں میں کسی راوی کو بعضے علمائے مجہول جو کہا ہے اس کے دو مطلب ہیں ایک تو یہ کہ سوائے ایک شخص کے اور کوئی دوسرا شخص اس سے روایت نہیں کرتا اس لئے گویا اس راوی کی ذات مجہول ہے جس سے یہ مقصود ہے کہ یہ راوی مشہور راویوں میں نہیں ہے اس مجہولیت کو ذاتی مجہولیت

کہتے ہیں اس ذاتی مجہولیت کے مقصد سے کسی راوی کو اگر مجہول کہا جاوے اور پھر اس راوی سے دو ثقہ شخصوں کی روایت کا لینا ثابت ہو جاوے تو ایسی صورت میں وہ مجہولیت جاتی رہتی ہے دوسرا مطلب راوی کو مجہول کہنے سے یہ ہوتا ہے کہ اس کی ثقاہت اور ضعف کا کچھ حال معلوم نہ ہو اس کے بعد اگر دو معتبر علما کے بیان سے ایسے راوی کی ثقاہت ثابت ہو جاوے تو یہ مجہولیت بھی جاتی رہتی ہے ایسی مجہولیت کو صفاتی مجہولیت کہتے ہیں علمائے جرح و تعدیل کے قول راویوں کے باب میں جو مختلف ہیں وہ ایسی ہی صورتوں میں ہیں جیسے مثلاً ابو حاتم رازی نے ایک راوی موسیٰ بن ہلال کو مجہول کہا اور پھر اس کے بعد معلوم ہوا کہ دو شخصوں سے زیادہ لوگوں نے موسیٰ ابن ہلال سے روایتیں کیں ہیں اور ابن عدی وغیرہ نے اس کو معتبر قرار دیا ہے تو موسیٰ بن ہلال کی دونوں طرح کی مجہولیت جاتی رہی اس تفسیر میں جس مجہول راوی کی روایت لی گئی ہے وہ دونوں طرح کی مجہولیت کے رفع ہو جانے کے بعد کی ہے علمائے محدثین کی یہ عادت ہے کہ جس راوی کی ثقاہت میں کوئی ظاہر جرح نہیں ہوتی تو وہ ایسے راوی کے حال کو سکوت کی حالت میں چھوڑ دیتے ہیں ایسی ہی سکوتی حالت کی سندوں کو اس تفسیر میں ناقابل اعتراض سندیں کہا گیا ہے۔

## مسئلہ صفات الٰہیہ

(۱۸) جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی شان میں الحی القیوم فرماکر اپنی ذات کے لئے حیات کی صفت جتلائی ہے اسی طرح انسان کے حق میں وہ صفت اس طرح جتلائی ہے کہ کنتم امواتا فاحیاکم جس کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ اور انسان دونوں پر حیات کی صفت صادق آتی ہے لیکن دونوں میں بڑا فرق ہے اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور انسان پہلے بالکل ناپید تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو نیست سے ہست کیا اسی طرح قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم غیب کی صفت کا ذکر جگہ جگہ فرمایا ہے اور اسی طرح اور صفات اپنے کلام پاک میں بیان فرماکر پھر آیت لیس کمثلہ شیء سے اللہ تعالیٰ نے اس بات کو اچھی طرح جتلا دیا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کی اصلی حقیقت کسی کو معلوم نہیں ہے اسی طرح اس کی صفات کا حال ہے کیونکہ جیسی موصوف کی ذات ہے اسی کی شان کے موافق جب تک اس کی صفات نہ ہوں تو جو مناسبت موصوف اور صفت میں ضروری ہے وہ باقی نہیں رہ سکتی۔

## اللہ تعالیٰ کے صفات میں تاویل کرنا صحابہ کے مخالف روش ہے

(۱۹) اوپر کے بیان کے موافق جب اللہ تعالیٰ کی صفات اور مخلوقات کی صفات میں فقط صفات کا نام ملتا جلتا ہے اور درحقیقت دونوں صفتوں میں کوئی مشابہت نہیں ہے تو جن متاخر مفسروں نے صفات الٰہیہ اور صفات مخلوقات میں مشابہت کا گمان دل میں پیدا کر کے آیات صفات الٰہیہ میں طرح طرح کی تاویلیں کی ہیں یہ طریقہ صحابہ اور تابعین کے طریقہ کے بالکل مخالف ہے چنانچہ اس کی پوری تفصیل سورہ آل عمران کی تفسیر میں بیان کر دی گئی ہے اور یہ جتلا دیا گیا ہے کہ اس اردو کی تفسیر کی بنیاد صحابہ اور تابعین کی تفسیروں پر رکھی گئی ہے اس لئے اس تفسیر میں متاخرین کا طریقہ نہیں اختیار کیا گیا کیونکہ تاویل کی ضرورت اسی حالت میں پائی جاسکتی ہے جب کہ صفات الٰہیہ اور مخلوقات کی صفات میں مشابہت کو فرض کر لیا جاوے اور اس مشابہت کا فرض کرنا آیت لیس کمثلہ شیء کے برخلاف اور شرک فی الصفات کے قریب ہے اس لئے صحابہ اور تابعین نے اس فرض کو غلط ٹھہرایا ہے اور جب یہ فرض غلط ٹھہرا تو تاویل کی کچھ ضرورت باقی نہیں رہی اس دیباچہ کے دوسرے باب میں گزر چکا ہے کہ تاویل کے معنے کسی بات کو ڈھنگ اور کل سے بٹھا دینے کے ہیں ابی بن کعبؓ

عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباسؓ کے صحیح قولوں کے موافق وما یعلم تاویلہ الا اللہ پر وقف ضروری ہے اس لئے متقدمین مفسرین آیات صفات کی تاویل کو اللہ تعالےٰ کے علم پر سونپتے ہیں کیونکہ جب آیت یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک کی تعمیل کے طور پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات صفات کی تاویل کا کوئی طریقہ امت کو نہیں پہنچایا تو اس کو اللہ تعالےٰ کے علم غیب پر سونپنا ایمان کی نشانی ہے کس لئے کہ جب تک اس معاملے کو علم آلٰہی پر نہ سونپا جاکر تاویل پر اصرار کیا جاوے گا تو صفات الٰہیہ اور صفات مخلوق میں مشابہت کا دخل باقی رہے گا جو شرک فی الصفات کا ایک خوفناک دخل ہے جس کا حاصل یہ ٹھہرے گا کہ نعوذ باللہ من ذلک قرآن کے شرکیہ معنوں کی اصلاح عقلی تاویل سے کی گئی ہے۔

## آیات واحادیث صفات، ظاہر معنوں پر محمول ہیں

(۲۰) علم عقائد کی کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ صفات الٰہیہ کی آیتیں اور حدیثوں کو ظاہری معنی پر چھوڑنا اور ان میں کسی طرح کی تاویل کو جائز نہ رکھنا اہل سنت والجماعت کا یہی طریقہ ہے اس کا مطلب بھی وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ جب اللہ تعالےٰ کی صفات اور مخلوقات کی صفات میں درحقیقت کچھ مشابہت نہیں ہے تو آیت لیس کمثلہ شئی کے برخلاف زبردستی مشابہت کا اندیشہ پیدا کرنا اور پھر اس اندیشہ کو طرح طرح کی تاویلوں سے رفع کرنا، طریقہ اہل سنت والجماعت کا نہیں ہے بلکہ ان کا طریقہ اس باب میں یہی ہے کہ جب آیت لیس کمثلہ شئی کے موافق اللہ تعالےٰ کی صفات اور مخلوقات کی صفات میں کچھ مشابہت نہیں ہے تو صفات کی آیتوں اور حدیثوں کو ان کے ظاہری معنی پر چھوڑ اجاکر اس کی کیفیت کو اللہ تعالےٰ کے علم پر سونپا جاوے۔

## شریعت کی ضرورت

(۲۱) دنیا کے کاموں کی بھلائی برائی کو عقل سے جان سکتا ہے جیسے جلتی آگ میں کود پڑنے کو کوئی اچھا نہیں جانتا اور اس طرح کے ہلاکت کے کاموں سے بچنے کو سب اچھا جانتے ہیں لیکن عقبیٰ کی پوری بھلائی برائی بدون شریعت کے ذریعہ خالص عقل سے نہیں معلوم ہو سکتی کیونکہ اللہ تعالےٰ کی مرضی کے موافق کاموں کو شریعت کہتے ہیں اب یہ تو ظاہر ہے کہ ایک شخص کو دوسرے شخص کی مرضی بغیر جتلانے کے نہیں معلوم ہو سکتی پھر بھلا بغیر ذریعہ شریعت کے خالص عقل سے اللہ تعالےٰ کی مرضی کیونکر معلوم ہو سکتی ہے اس لئے اللہ تعالےٰ کی مرضی جتلانے کو آسمانی کتابیں لے کر رسول آئے صحیح بخاری ومسلم میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ سے بڑھ کر عذر کا قبول کرنے والا کون ہو سکتا ہے جس نے لوگوں کی انجانی کا عذر دفع کرنے کے لئے رسولوں کو بھیجا آسمانی کتابیں نازل فرمائیں اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ بغیر رسولوں کے آنے اور آسمانی کتابوں کے نازل ہونے کے اللہ تعالےٰ کی مرضی کے کاموں کو خالص عقل سے کوئی نہیں جان سکتا اسی واسطے اللہ تعالےٰ نے لوگوں کی انجانی کا عذر رفع کرنے کے لئے رسولوں کو بھیجا آسمانی کتابیں بھی نازل فرمائیں اس مثال سے یہ مطلب خوب صاف ہو جاتا ہے کہ جیسے صدقہ خیرات لوگوں کی نفع رسانی کی چیز ہے اس لئے خالص عقل سے یہ کہا جا سکتا تھا کہ ہر طرح کی خیرات عقبیٰ کی بہبودی اور بھلائی کی چیز ہے لیکن شریعت کے ذریعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو خیرات دنیا کے دکھاوے کی نیت سے ہو وہ عقبیٰ کے حساب سے کچھ بھلائی کی چیز نہیں یا جیسے صلوٰۃ الرغائب کی مثال اوپر گزری کہ اگرچہ خالص عقل کے موافق وہ ایک عبادت ہے لیکن شریعت میں وہ عبادت ثابت نہیں اس لئے عقبیٰ میں یہ عبادت کچھ بھلائی کی چیز نہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی اور نامرضی کی سب باتیں مختصر طور پر قرآن شریف میں بیان فرما کر ان مختصر باتوں کی تفسیر بیان کر دینے کا حکم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے چنانچہ اس کا ذکر اس دیباچہ میں اوپر گزر چکا ہے اس کے بعد صحابہؓ اور تابعینؒ نے اس تفسیر کو ایک جا جمع کر دیا اور روایتی تفسیروں کے پابند علمائے امت نے اس کو آخری زمانہ کے لوگوں تک پہنچا دیا ہے اس لئے روایتی تفسیروں کے صحیح روایتوں کی مدد سے یہ اردو کی مختصر تفسیر اس ڈھنگ سے لکھی گئی ہے کہ جس سے صحیح طور پر اللہ تعالیٰ کی مرضی اور نامرضی کے احکام ناظرین تفسیر کو معلوم ہو سکتے ہیں۔ ناظرین کا ذہن پریشان نہ ہونے کی غرض سے یہ تفسیر مختصر لکھی گئی تھی اس واسطے اس کے دیباچہ کو بھی زیادہ طول نہیں دیا گیا۔

## فرقہ آریہ پر کچھ تنقید

یونانی فلسفی اور اہل سائنس نے اپنی عقل کے موافق جو عقلی قاعدے بنائے ہیں یہ لوگ اپنے ان قاعدوں پر قائم ہیں ان قاعدوں کے مخالف قرآن شریف میں جو باتیں ہیں ان کو یہ دونوں فرقہ کے لوگ نہیں مانتے اسی واسطے اس دیباچہ میں ان دونوں فرقوں کے مقررہ قاعدوں کی چند غلطیاں کسی قدر تفصیل سے بیان کی گئیں ہیں تاکہ ناظرین تفسیر کو یہ معلوم ہو جائے کہ جن قاعدوں کی بنیاد پر یہ لوگ قرآن کی باتوں کو نہیں مانتے وہ قاعدے صحیح نہیں ہیں۔ فرقہ آریہ کا حال اوپر کے دونوں فرقوں کے حالت کے بالکل برخلاف ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے مقررہ قاعدوں کو خود ہی غلط ٹھہرا کر توڑ ڈالتے ہیں جس سے کسی دوسری قوم کو ان کے مقررہ قاعدوں کے غلط ٹھہرانے کی زیادہ ضرورت نہیں ہے چنانچہ ذیل میں چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں جن سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ فرقہ آریہ کے لوگ اپنے مذہب کے مقررہ قاعدوں کو خود ہی غلط ٹھہرا کر کیونکر توڑ ڈالتے ہیں۔

(۱) قرآن شریف میں مریم علیہا السلام کا جو قصہ ہے اس پر فرقہ آریہ کے لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس قصہ میں عورت کی شرم گاہ کا ذکر ہے اس واسطے قرآن کلام الٰہی نہیں ہو سکتا کیونکہ کلام الٰہی میں ایسی فحش باتوں کا ذکر ممکن نہیں ہے۔ فرقہ آریہ کے لوگوں نے اس اعتراض سے اپنے اس مذہبی قاعدہ کو توڑ ڈالا کہ وید کلام الٰہی ہے کس واسطے کہ یجروید کے اوتیسویں[1] ادھیاکے ۲ منتر اور علاوہ اس کے ویدوں کے اور سینکڑوں منتروں میں مرد اور عورت کی شرم گاہوں کا ذکر ایسے صاف لفظوں میں ہے جس کا کوئی ویدوں کا جاننے والا آریہ شخص انکار نہیں کر سکتا پھر آریہ لوگوں کے جس قول کے موافق قرآن کلام الٰہی نہیں ہو سکتا اسی قول کے موافق وید بھی کلام الٰہی نہیں ہو سکتے۔

(۲) قرآن شریف کی اکثر آیتوں میں قرآن کی جو تعریف آئی ہے اس پر فرقہ آریہ کے لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اپنے منہ سے اپنی کتاب کی تعریف کا بیان کرنا اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہے اس لئے قرآن کلام الٰہی نہیں ہو سکتا۔ ویدوں کے سینکڑوں منتروں میں ویدوں کی تعریف اس طرح کے صاف لفظوں میں آئی ہے کہ اس میں کسی آریہ شخص کو انکار کی گنجائش نہیں ہے اس واسطے جو نتیجہ پہلی مثال کا ہے وہی اس دوسری مثال کا ہے۔

(۳) سیتارتھ[2] میں ہے کہ اگرچہ پرمیشور کے ہاتھ نہیں لیکن وہ اپنے قدرت کے ہاتھوں سے سب کچھ کر سکتا ہے۔ آریہ لوگوں نے

[1] آریوں کے گرو دیانند کی کتاب ۱۲

اپنے گرو کے اس قاعدہ کو توڑ کر یہ اعتراض کیا ہے کہ قرآن میں جنت کے ریشمی کپڑوں کا جو ذکر ہے وہ کپڑے کون بنے گا۔

(۴) ستیارتھ میں نطفہ کی مثال بیج کی اور عورت کی مثال کھیتی کی بیان کی گئی ہے۔ آریہ لوگوں نے اپنے گرو کی ان مثالوں کو غلط ٹھہرا کر یہ اعتراض کیا ہے کہ قرآن میں عورت کی مثال کھیتی کی جو بیان کی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

(۵) ستیارتھ میں ہے کہ عورتوں اور مردوں کی چار آنکھیں ہونے سے بدکاری پھیلتی ہے۔

اسی کتاب میں ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے مدرسوں میں دو کوس کا فاصلہ ہونا چاہئے۔ آریہ لوگوں نے اپنے گرو کے اس قاعدہ کو توڑ کر قرآن شریف کی پردہ کی آیتوں پر اعتراض کیا ہے۔ اگرچہ اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں لیکن اس مقدمہ کو زیادہ طول دینا مقصود نہیں تھا۔ اس لئے ناظرین تفسیر کے سمجھانے کے لئے ان پانچ مثالوں پر کفایت کی جاتی ہے۔

یہ ایک بات بھی قابل تذکرہ ہے کہ فرقہ آریہ کے لوگ اپنے مذہب کے مقررہ قاعدوں کو غلط ٹھہرا کر جو توڑ ڈالتے ہیں ان لوگوں میں یہ عادت کچھ نئی نہیں ہے بلکہ ان کے گرو سوامی دیانند نے بھی اسی عادت کا برتاؤ کیا ہے چنانچہ سنسکرت کی معتبر قدیم کتابوں میں فقط تین ویدوں کا ذکر ہے اور یہ بھی ذکر ہے کہ یہ وید برہما دیوتا پر نازل ہوئے اور برہما نے اپنے شاگردوں کو یہ تینوں وید سکھائے۔

سوامی دیانند نے اس قدیمی قاعدہ کو توڑ کر بجائے تین ویدوں کے چار وید قرار دئے اور قدیمی مسئلہ کو غلط ٹھہرا کر یہ نیا مسئلہ مذہب میں بڑھایا کہ چار رشیوں پر یہ چاروں وید نازل ہوئے ہیں اور رگ وید یجر وید سام وید ان تین قدیمی ویدوں کے علاوہ اتھرب نام کا چوتھا وید ثابت کرنے کے لئے انگرو نام کا چوتھا رشی بھی پیدا کر لیا جس شخص کو غیب سے الہام ہوا اس فرقہ کی زبان میں اس کو رشی کہتے ہیں۔

سوامی دیانند کا یہ اعتقاد ہے کہ برہما نے ان چاروں رشیوں سے وید سیکھے ہیں خود برہما پر چاروں وید نازل نہیں ہوئے اپنے اس اعتقاد کے موافق سوامی دیانند رشیوں کو صاحب الہام کہتے ہیں لیکن قدیم پنڈتوں کے اعتقاد اور قدیم کتابوں کے موافق جب برہما پر ویدوں کا نازل ہونا مانا جاوے گا تو رشیوں کو صاحب الہام کہنا ثابت نہ ہوگا۔ قدیمی کتابوں میں سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے اور سب چیزوں کو نو پیدا بیان کیا گیا ہے لیکن سوامی دیانند نے اس قاعدہ کو غلط ٹھہرا کر روح اور مادہ کو قدیم قرار دیا ہے جس پر قدیمی کتابوں کے ماننے والے پنڈت طرح طرح سے اعتراض کرتے ہیں اور دیانندی پنڈت ان اعتراضوں کا پورا جواب نہیں دیتے۔

سوامی دیانند کی جن باتوں کا ذکر اوپر گزرا سنسکرت کی قدیمی معتبر کتابوں میں ان باتوں کا کہیں کچھ پتہ و نشان نہیں ہے بلکہ یجر وید میں جہاں ویدوں کی پیدائش کا ذکر ہے اس میں بھی چوتھے وید کا تذکرہ نہیں ہے۔

علمائے یورپ نے ویدوں کے حال میں جو کتابیں لکھی ہیں انہوں نے بھی اپنی ان کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ اتھرب نام کا چوتھا وید قدیمی نہیں ہے۔

سوامی دیانند نے اپنی بعضی کتابوں میں اتھرب وید کا ایک منتر چوتھے وید کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ مگر قدیمی

برہمنوں نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ قدیمی سنسکرت کی کتابوں میں اور یجروید میں اتھرب ویدکا ذکر نہیں ہے اس لئے گم نام وید کے منتر سے چوتھا وید ثابت نہیں ہو سکتا۔

نتیجہ اس تنبیہ کا وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا مگر جس فرقہ کے گرو اور چیلے دونوں کو اپنے مذہب کے قدیمی قاعدوں کے غلط ٹھہرانے کی عادت ہو کسی دوسری قوم کو ان کے کسی قاعدہ کے غلط ٹھہرانے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے ؛

منزل اوّل

آیاتھا ۷ (۱) سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۵) رکوعھا ۱

المنزل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○

سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب سارے جہان کا، بہت ہی مہربان نہایت ہی رحم والا مالک انصاف کے دن کا

بعد حمد وصلوٰۃ کے شائقین تلاوت قرآن کو معلوم ہو کہ معتبر تفسیروں کی روایتوں کے موافق اکثر علماء کے نزدیک قرآن شریف کی قرات سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم کا پڑھنا سنت ہے جس کے معنے شیطان مردود کی ہر طرح کی برائی سے اللہ کی پناہ میں آنے کی التجا کے ہیں۔ اس بات پر تو سب علماء کا اتفاق ہے کہ سورۂ نمل کی آیتوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں جو بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے وہ قرآن شریف کی ایک آیت ہے لیکن الحمد کی یا کسی اور سورت کی آیتوں میں سے بسم اللہ الرحمن الرحیم ایک آیت ہے یا نہیں اس میں سلف کا اختلاف ہے اور حدیثیں دونوں جانب ہیں مگر نماز میں تکبیر اور سورۂ فاتحہ کے مابین پکار کر بسم اللہ نہ پڑھنے کی حدیثیں زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہیں۔[1] رہی سوا سورۂ فاتحہ کے اور سورتوں کی بحث اس کے باب میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد میں بسند صحیح جو روایت ہے اس کا حاصل اسی قدر ہے کہ قرآن شریف کے نازل ہونے کے وقت ایک سورہ کا ختم اور دوسری سورہ کا شروع معلوم ہو جانے کی غرض سے بسم اللہ نازل ہوا کرتی تھی۔[2] سورۂ فاتحہ کے مکی یا مدنی ہونے میں سلف کا اختلاف ہے لیکن صحیح قول یہی ہے کہ یہ سورہ مکی ہے۔ اس سورہ سے قرآن شریف کی کتابت شروع ہوتی ہے اور عربی میں افتتاح کے معنی شروع کے ہیں اس لئے اس سورت کو فاتحہ کہتے ہیں۔ اس سورت کے نام اور بھی حدیث میں آئے ہیں مگر یہ نام زیادہ مشہور ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے مصحف میں فاتحہ، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس یہ تین سورتیں نہیں ہیں کیونکہ وہ ان کو قرآن شریف کی سورتوں میں شمار نہیں کرتے۔ مگر اور سب صحابہ اس کے مخالف ہیں۔ صحیح مسلم اور نسائی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک دن حضرت جبرئیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ یکایک انہوں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور یہ کہا کہ آج آسمان کا وہ ایک دروازہ کھلا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا تھا۔ اتنے میں ایک فرشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ کو سورۂ فاتحہ اور آمن الرسول سے سورہ کے آخر تک ان آیتوں کے نازل ہونے کی خوش خبری سنانے آیا ہوں کہ یہ آیتیں لانے والے ایسے دو نور ہیں کہ آپ سے پہلے کسی نبی پر نازل نہیں ہوئے۔[3] اس سورہ کے اور بھی بہت سے فضائل حدیث شریف میں آئے ہیں۔

۱-۷- الحمد للہ حمد کے معنے زبان سے تعریف کرنے کے ہیں۔ اللہ تعالٰی نے یہ الفاظ نازل فرما کر اپنے بندوں کو سکھایا ہے کہ وہ اللہ تعالٰی کی تعریف اس طرح کیا کریں۔ رب العالمین رب اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس کے معنی مربی کے ہیں یہ لفظ سوائے اللہ تعالٰی کے کسی مخلوق کی شان میں بغیر نسبت و اضافت کے نہیں استعمال کیا جا سکتا۔ ہاں مخلوق کی شان میں اضافت کے ساتھ استعمال ہو سکتا ہے مثلاً رب الدار کہہ سکتے ہیں جس کے معنے گھر کے مالک کے ہوں گے العالمین عالم کی جمع ہے۔

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۷۔ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۶۔ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۱ و ۹ منی بلحاظ نزول ۵ انجویں سورۃ ہے۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ

تجھی کو ہم بندگی کریں اور تجھی سے مدد چاہیں چلا ہم کو راہ سیدھی راہ اُن کی

أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ ع ۱

جن پر تو نے فضل کیا نہ جن پر غصہ ہوا اور نہ بہکنے والے

اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا سب مخلوقات کو عالم کہتے ہیں۔ آسمان زمین کی آبادی جنگل و دریا میں اللہ تعالیٰ کی طرح طرح کی مخلوقات ہے جن سب کا مربی اور معبود اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے لفظ عالم کو جو خود جمع ہے پھر جمع کر کے فرمایا الرحمن الرحیم صاحب رحمت کے معنوں میں یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نام ہیں مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ کسی چیز کا مالک وہ کہلاتا ہے جس کو اس چیز میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہو۔ قیامت کے دن ہر طرح کی جزا و سزا کا اختیار خاص اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔ اس واسطے اپنے آپ کو اُس دن کا مالک فرمایا ایاك نعبد شروع سورہ سے یہاں تک حمد و ثنا کا ذکر تھا اور حمد و ثنا ممدوح کی غائبانہ حالت میں اعلیٰ درجہ کی حمد و ثنا کہلاتی ہے اس لئے یہاں تک غائب کے صیغے تھے۔ اس آیت سے دعا کی حالت شروع ہوئی اور دُعا میں حاضری مناسب ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے طرز کلام کو بدل دیا ایاكَ نعبدُ کے معنے اس طرز کلام کے موافق یہ ہوئے کہ یا اللہ سوا تیری ذات کے اور کسی کی عبادت ہم نہیں کرتے کیونکہ تو نے ہی ہم کو پیدا کیا اور تیری ہی ہدایت سے ہم کو عبادت کی توفیق ہوئی وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اور یا اللہ ہماری قابل قبول عبادت میں شیطان کا وسوسہ اور خواہش نفسانی ہر طرح سے حارج ہے۔ اس لئے ہم تیری ذات پاک سے قابل قبول عبادت کے ادا ہونے کی مدد چاہتے ہیں کیونکہ جس عبادت میں وسوسہ شیطانی کا دخل ہوگا اس میں نمائش اور ریاکاری کا اور جس عبادت میں خواہش نفسانی ہوگی اُس میں بدعت کا اندیشہ ہے اور عبادت کا یہ اندیشہ اور نقصان بغیر تیری مدد کے رفع نہیں ہو سکتا اھدنا الصراط المستقیم مسند امام احمد اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے بسند معتبر روایت ہے جس میں خود صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ صراط مستقیم کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ صراط مستقیم سے مراد اسلام ہے[1]۔ اس لئے اب کسی دوسری تفسیر کی ضرورت نہیں۔ اس تفسیر کی بنا پر آخر سورۃ تک کی دعا کا حاصل یہ ہے کہ یا اللہ جس طرح تو نے اپنے فضل سے ہم کو اسلام کے راستہ پر لگایا ہے اسی طرح تا قیامت ہم کو اسی راستہ پر قائم اور ثابت قدم رکھ کیونکہ یہ راستہ انبیاء اور ایسے کامل دینداروں کا ہے جن پر تو نے اپنی طرح طرح کی دین اور دنیا کی نعمتیں ختم کی ہیں اور پچھلی امتوں کے جو لوگ راہ راست سے بہک گئے ہیں اور ان کی اسی گمراہی کے سبب سے تو اُن سے ناراض اور اُن پر تیرا غصہ ہے ان کی چال اور روش سے ہم کو بچا۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی امت میں کے وہ لوگ ہیں جو اپنے دین پر قائم رہے[2] مسلم وغیرہ کی صحیح حدیثوں کے موافق سورۃ فاتحہ کے ختم کے بعد آمین کہنا سنت ہے[3]۔ امام مالک۔ شافعی۔ اور احمد کے نزدیک سورۃ فاتحہ کا پڑھنا نماز کا ایک رکن ہے۔ بغیر اس کے ان کے نزدیک نماز نہیں ہوتی۔

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۷۔ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۱ بحوالہ صحیح بخاری و سنن ابو داؤد وغیرہ ۱۔ [3] حافظ ابن کثیر نے آمین رباتی پر صفحہ ۲۹

آیاتہا ۲۸۶ —— (۲) سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ (۸۷) —— رکوعاتہا ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

الٓمّٓ ۝۱ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲

اس کتاب میں کچھ شک نہیں راہ بتاتی ہے ڈر والوں کو

امام ابو حنیفہؒ اس کے مخالف ہیں۔ دلیلیں جانبین کے مذہب کی فقہ کی کتابوں میں ہیں۔ اس سورت کی اول کی آیتوں میں اللہ تعالےٰ کی تعریف اور آخر کی آیتوں میں بندوں کی طرف سے بارگاہ الٰہی میں دعا ہے اسی واسطے حدیث قدسی میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ مجھ میں اور میرے بندوں میں اس سورت کی نصفا نصفی کی تقسیم ہے یہ حدیث قدسی صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ کی روایت سے ہے[۲]۔

**سورۂ بقر**۔ یہ سورۃ مدنی ہے ہاں اس میں کی ایک آیت[۱] وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ (۲۸۱:۲) حجۃ الوداع کے زمانہ میں نازل ہوئی ہے اور یہ پہلی سورۃ ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ آگے اس سورت میں ایک گائے کا قصہ آوے گا اس لئے اس سورت کا نام سورۂ بقر ہے بقر عربی میں گائے کو کہتے ہیں۔ اکثر آیتیں قرآن شریف کی آنحضرت کے زمانہ سفر حج میں اور زمانہ سفر جہاد میں بھی نازل ہوئی ہیں لیکن آیات مکی اور مدنی میں اکثر مفسرین کے نزدیک یہ ایک اصطلاح قرار پا گئی ہے کہ جو حصہ قرآن شریف کا ہجرت سے پہلے اترا ہے اس کو مکی اور جو ہجرت کے بعد اترا ہے اس کو مدنی کہتے ہیں۔ صحیح حدیثوں میں سورۂ بقر اور سورۂ آل عمران کی بڑی فضیلت آئی ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والے پر حشر کے دن سایہ کریں گی[۳]۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ سورۂ بقر پڑھا کرو کہ اس کا پڑھنا موجب برکت اور نہ پڑھنا موجب حسرت ہے[۴]۔ مطلب یہ ہے کہ جب عقبیٰ میں اس کے پڑھنے والوں کو بلند درجہ ملے گا تو اس کا نہ پڑھنے والا حسرت سے پچھتاوے گا کہ ہائے میں نے اس کو کیوں نہ پڑھا سوا اس کے اور بھی فضائل ہیں جو بڑی تفسیروں میں ہیں۔

۱۔۲۔ ق ن ص الٓم طٰسٓ حٰمٓ یہ سب حروف مقطعات کہلاتے ہیں ان کی تفسیر میں خلفا اربعہ اور سلف کا یہی قول ہے۔ کہ مثل

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۴) کے سنت ہونے پر متعدد حدیثیں دلیل میں ذکر کی ہیں از آں جملہ بحوالہ مسند امام احمد سنن ابی داؤد و جامع ترمذی حضرت وائل بن حجرؓ کی یہ حدیث ہے قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فقال آمین مدّ بہا صوتہ و فی روایۃ رفع بہا صوتہ قال الترمذی ہذا حدیث حسن، حاصل اس روایت کا یہ ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ ختم کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے آمین کہا کرتے تھے (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۱) [۱] امام ابو حنیفہؒ سورۃ فاتحہ کو رکن نہیں جانتے لیکن واجب وہ بھی فرماتے ہیں علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار (ص ۲۲۹ — ۲۳۳ ج ۲) میں جانبین کے دلائل پر سیر حاصل بحث کی ہے، تفسیر ابن کثیر میں ائمہ ثلاثہ کی طرف سے مندرجہ ذیل دو حدیثیں ذکر کی گئی ہیں۔ (۱) عن عبادۃ بن الصامت رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب (صحیحین) (۲) عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجزئ صلوٰۃ لا یقرأ فیہا بام القرآن (صحیح ابن خزیمہ و صحیح ابن حبان) دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ بلا سورۂ فاتحہ پڑھے کوئی نماز نہیں ہوتی۔ اور امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ پیش کی گئی ہے لیکن حافظ ابن القیمؒ اعلام الموقعین (ج ۲ ص ۲۳۰) میں لکھتے ہیں لیس ذلک فی الصلوٰۃ وانما ہو بدل من قیام اللیل اھ کہ یہ آیت قیام اللیل کے بارے میں ہے نماز میں قراءت سے اس کا تعلق نہیں۔ [۲] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۰، [۳] مشکوٰۃ ص ۱۸۴ باب فضائل القرآن [۴] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۳ بحوالہ مسند امام احمد عن بریدۃ



[۱] بعد از نزول۔

آیات متشابہات کے ہیں جن کا ذکر آگے آوے گا ان حروف مقطعات کے معنی اور نازل فرمانے کا مطلب خدا ہی کو خوب معلوم ہے نماز روزہ۔ حج زکوٰۃ اور احکام کی آیتوں کے معنے صاف ہیں۔ لیکن یہ متشابہات آیتیں احکام کی آیتوں کے علاوہ ہیں۔ مشرکین مکہ ان متشابہات آیتوں کے معنی بتانے سے بھی باوجود اہل زبان ہونے کے عاجز آگئے۔ اس لئے یہ بھی قرآن شریف کا ایک معجزہ ہے۔ ان آیتوں کا ذکر سورۃ آل عمران میں تفصیل سے آوے گا۔ غرض حروف مقطعات آیات متشابہات عبادات حج میں شیطانوں کو کنکریاں مارنا وغیرہ دین میں اطاعت الٰہی آزمانے کی باتیں ہیں مسلمان آدمی کو ان میں سوائے طاعت الٰہی بجا لانے کے زیادہ بحث کی کیا ضرورت ہے۔ ہجرت سے پہلے قرآن شریف کا جو حصہ مکہ میں نازل ہوا اس کی فصاحت و بلاغت نے اہل مکہ کو قائل کر دیا۔ دس برس تک ایک چھوٹی سی سورت بھی قرآن کے مقابلہ میں بنا کر وہ پیش نہ کر سکے اور تورات و انجیل کے تو اکثر مضمون قرآن شریف میں موجود ہیں۔ اور قرآن شریف کے اکثر مضمون ان کتابوں میں جس کا مطلب یہ ہوا کہ کتاب الٰہی ہونے میں ایک دوسرے کا گواہ ہے اسی واسطے اہل مکہ اور اہل کتاب سب کو مخاطب کر کے خدا تعالےٰ نے یہ فرمایا کہ ان دونوں گروہ میں سے کسی شخص کو اس بات میں شک و شبہ کرنے کا کوئی موقع باقی نہیں ہے کہ یہ قرآن شریف کتاب الٰہی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزماں ہیں کیونکہ نبی امی پر یہ قرآن نازل ہوا ہے اور باتیں اس قرآن میں وہ ہیں کہ امی شخص تو درکنار اہل کتاب بھی بغیر وحی آسمانی کی مدد کے ہرگز وہ باتیں نہیں کہہ سکتے۔ تو اب اس میں کیا شک باقی رہا کہ قرآن شریف معجزہ نبوی ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں۔ بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک نبی کی امت کے ایمان لانے کے موافق ہر نبی کو معجزہ خدا تعالےٰ کی طرف سے دیا گیا ہے اور مجھ کو قرآن شریف کا ایک معجزہ ایسا دیا گیا ہے جس سے مجھ کو امید ہے کہ قیامت کے دن میری پیروی کرنے والے سب سے زیادہ ہوں گے[1]۔ الغرض انسان تو انسان جنات کا اس قرآن کو سن کر اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ۔ ۲ ہم نے سنا ہے ایک قرآن عجب سمجھاتا ہے نیک راہ سو ہم اس پر یقین لائے، کہنا اور حکم جہاد کے نازل ہونے سے پہلے ایک جماعت عظیم کا مسلمان ہو جانا حال کے ضعف اسلام کے زمانہ میں غیر قوم کے لوگوں کا مسلمان ہونا واقعی یہ قرآن کا معجزہ ہے اور یہی صاحب معجزہ کے نبی برحق ہونے کی پوری دلیل ہے ھدی للمتقین متقی وہ لوگ جو اللہ تعالےٰ کی ہر طرح کی نافرمانی سے بچتے ہیں اور اس کی ہر طرح کی اطاعت بجا لاتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے ایک دن پوچھا کہ تقویٰ کے کیا معنے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ کبھی تم ایسا راستہ سے ہو کر گذرے ہو جس میں ہر طرف کثرت سے خاردار درخت ہوں حضرت عمرؓ نے کہا ہاں۔ ابی بن کعبؓ نے کہا پھر تم نے وہاں کیا کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا ہر طرف سے اپنے دامن سمیٹ کر اپنے کپڑوں کو کانٹوں سے بچایا۔ ابی بن کعبؓ نے کہا کہ اللہ تعالےٰ کی نافرمانی سے اسی طرح بچنے کو تقویٰ کہتے ہیں[2]۔ ترمذی ابن ماجہ میں عطیہ سعدی سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص متقیوں کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک بے ڈر کی چیز کو ڈر کی چیز کی دہشت سے نہ چھوڑ دیوے ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[3]۔

---

[1] صحیح بخاری باب فضائل القرآن ج ۲ ص ۷۴۴ طبع دہلی [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۰۔
[3] تفسیر ابن کثیر ص ۴۰ ج ۱ و مشکوٰۃ ص ۲۴۲ باب الکسب و طلب الحلال۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ وَالَّذِيْنَ

جو یقین کرتے ہیں بن دیکھے اور درست کرتے ہیں نماز کو اور ہمارا دیا خرچ کرتے ہیں اور جو

يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ

یقین کرتے ہیں جو کچھ اترا تجھ پر اور جو کچھ اترا تجھ سے پہلے اور آخرت کو وہ یقین جانتے ہیں انہوں

عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ

نے پائی ہے راہ اپنے رب کی اور وہی مراد کو پہنچے وہ جو منکر ہوئے برابر ہے ان کو

ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۶ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۚ

تو ڈراوے یا نہ ڈراوے وہ نہ مانیں گے مہر کردی اللہ نے ان کے دل پر اور ان کے کان پر

وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۷

اور ان کی آنکھوں پر ہے پردہ اور ان کو بڑی مار ہے

ع ۱ / ۷ / ۱

۳ – ۵ – ایمان کا لفظ قرآن شریف میں جہاں اعمال کے لفظ کے ساتھ آیا ہے وہاں اس کے معنی دلی یقین کے ہیں اور جہاں بغیر لفظ اعمال کے آیا ہے وہاں اکثر سلف کے نزدیک اس سے اعتقاد قلبی اور قول زبانی اور عمل مراد ہے۔ عذاب قبر حشر پل صراط۔ جنت و دوزخ یہ سب غیب کے معنوں میں ہیں نماز کے قائم رکھنے سے یہ مراد ہے کہ نماز کے ارکان رکوع سجدہ اچھی طرح سے ادا کیا جاوے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ سے فرض زکوٰۃ نفلی اور خیرات دونوں مراد ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ صلوا کما رایتمونی اصلی یعنی تم اس طرح نماز پڑھا کرو جس طرح سے تم نے مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے[1] اس لئے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی تفصیل حدیث کی کتابوں کے اردو ترجمہ سے یاد کرلیوے اور اس کے موافق نماز پڑھا کرے۔ حاصل یہ ہے کہ جو شخص قرآن شریف کا کتاب الٰہی ہونے کا دل سے یقین جان کر اس کے حکموں کی پابندی کرے یہ قرآن شریف اس کا ہر طرح سے راہبر ہوگا اور اس کو نیک راہ پر لگادے گا یہاں تک کہ ایسا شخص جنت میں راحت و آرام سے رہے گا جس سے بڑھ کر انسان کے لئے کوئی فلاح اور کامیابی نہیں۔ آخرت سے مراد روز آخرت یعنی عقبےٰ ہے۔ عقبےٰ پر ایمان لانے اور یقین کرنے کا ذکر قرآن شریف میں جگہ جگہ اس لئے ہے کہ جب تک عقبےٰ کا پورا یقین نہ ہو عقبےٰ کے اجر اور ثواب کے اعتقاد سے نیک عمل کوئی نہیں کرسکتا۔ اور بغیر اس اعتقاد کے دکھاوے اور ریاکاری سے کچھ کیا بھی تو وہ خدا تعالےٰ کی بارگاہ میں



قبول اور قابل اجر نہیں ہوسکتا۔

۶ – ۷ – علمائے کفر کی چار قسمیں بیان کی ہیں ایک کفر جیسا فرعون کا کفر تھا کہ وہ اللہ کی ذات کا ہی دل و زبان دونوں سے منکر تھا۔ دوسرا کفر اللہ تعالےٰ کو دل سے ماننا زبان سے اقرار نہ کرنا جیسے ابلیس کا کفر تیسرا دل و زبان دونوں سے خدا کو ماننا لیکن اس کا حکم نہ ماننا جیسے ابوطالب اور اہل کتاب کا کفر چوتھا کفر منافقوں کا کہ زبان سے سب کچھ کہنا اور دل میں کچھ نہیں علی بن ابی طلحہ کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت جو تفسیر کے باب میں مفسرین کے نزدیک صحیح مشہور ہے

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۸ باب الاذان للمسافرانا کانوا جماعۃ الخ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ يُخٰدِعُوْنَ

اور ایک لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں ہم یقین لائے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور ان کو یقین نہیں دغابازی کرتے ہیں

اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

اللہ سے اور ایمان والوں سے اور کسی کو دغا نہیں دیتے مگر آپ کو اور نہیں بوجھتے ان کے دل میں

اس میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان آیتوں کے نازل ہونے کا سبب یہ بیان فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رنج تھا کہ باوجود قرآن سنانے اور اس کا مطلب گھڑی گھڑی سمجھانے کے اور باوجود معجزات کے دیکھنے کے اہل مکہ اپنے کفر پر کیوں اڑے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ سب کے سب ایمان کیوں نہیں لاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی تسکین کے لئے یہ آیتیں نازل فرمائیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے علم میں جن لوگوں کا حالت کفر پر مرنا ٹھہر چکا ہے ان کے دلوں میں حق بات کے سمجھنے کی اور ان کے کانوں میں حق بات سننے کی کچھ گنجائش نہیں اور معجزات کے دیکھنے سے ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے[1]۔ ترمذی اور نسائی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر اس گناہ کی شامت سے ایک سیاہ داغ پڑ جاتا ہے۔ اگر اس گناہ سے اس نے توبہ کر لی اور آئندہ گناہوں سے باز رہا تو وہ داغ مٹ گیا اور دل صاف ہو گیا ورنہ یہ داغ روز بروز بڑھتے بڑھتے تمام دل کو گھیر لیتا ہے اسی کو اللہ تعالیٰ نے آیت کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون (۸۳:۱۴) میں دین سے دل کا زنگ فرمایا ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے[2] اور ظاہر بات ہے کہ جب گناہ کی شامت سے دلوں کا یہ حال ہو جاتا ہے تو کفر کی شامت سے دلوں کا یہی حال ہونا چاہیئے کہ اللہ کی طرف سے ان پر مہر لگ گئی ہے نہ ایمان ان میں سما سکتا ہے نہ کفر ان میں سے نکل سکتا ہے۔ بعضے مفسروں نے ان آیتوں کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ کافر لوگ تکبر سے حق بات کی پرواہ نہیں کرتے لیکن یہ مطلب آیت بل طبع اللہ علیہا بکفرہم اور ابوہریرہؓ کی اس حدیث کے مخالف ہے جس کا ذکر اوپر گذرا۔ دنیا میں ایک آقا اپنے دو غلاموں کو خود مختار کر کے کسی کام پر لگائے اور ان کی عادت ان کے چال چلن کے لحاظ سے کام کے ظہور میں آنے سے پہلے اپنے تجربہ فاتی کے سبب سے یہ نتیجہ بتلا دیوے کہ ان دونوں غلاموں میں سے ایک غلام اپنے کام میں کامیاب ہوگا اور دوسرا ناکام تو اس آقا پر کوئی عقل مند شخص یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ اس نے اپنے ایک غلام کو ناکامی پر مجبور کیا۔ اس پاک پروردگار عالم کے پیدا کرنے والے نے انسان کے پیدا کرنے سے پہلے اپنے علم ازلی سے اگر نیک و بد کو جان لیا اور یہی اپنے علم کا نتیجہ لوح محفوظ میں لکھ لیا اور اس کا نام تقدیر رکھا تو جو لوگ اس پاک پروردگار پر مجبور کرنے کا عیب لگاتے ہیں وہ سراپا غلطی پر ہیں۔

۸۔۲۰ شروع سورہ سے یہاں تک چار آیتوں میں خالص مومنوں کا ذکر تھا۔ اور پھر دو آیتوں میں خالص کافروں کا اب ان تیرہ آیتوں میں منافقوں کا ذکر ہے۔ منافق وہ ہے جو زبان سے اچھی بات کہے اور دل میں اس کے بدی ہو۔ منافقوں کا ذکر قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں آنے کے بعد شروع ہوا ہے۔ ہجرت سے پہلے جس قدر حصہ قرآن شریف کا مکہ میں اترا ہے اس میں

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۵ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۶

مَرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝١٠ وَاِذَا قِيْلَ

آزار ہے پھر زیادہ دیا اللہ نے ان کو آزار اور ان کو دکھ کی مار ہے اس پر کہ جھوٹ کہتے تھے اور جب کہئے

لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝١١ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ

ان کو فساد نہ ڈالو ملک میں کہیں ہمارا کام تو سنوار ہے سن رکھو وہی ہیں بگاڑنے والے

لٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝١٢ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ

پر نہیں سمجھتے اور جب کہئے ان کو ایمان میں آؤ جس طرح ایمان میں آئے سب لوگ کہیں کیا ہم اس طرح مسلمان ہوں

السُّفَهَاۗءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاۗءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝١٣ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ

جیسے مسلمان ہوئے بیوقوف سنتا ہے وہی ہیں بیوقوف پر نہیں جانتے اور جب ملاقات کریں مسلمانوں سے کہیں ہم مسلمان ہوئے

وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝١٤ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ

اور جب اکیلے جاویں اپنے شیطانوں پاس کہیں ہم ساتھ ہیں تمہارے ہم تو ہنسی کرتے ہیں اور اللہ ہنسی کرتا ہے

بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝١٥ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠

ان سے اور بڑھاتا ہے ان کو ان کی شرارت میں بہکے ہوئے وہی ہیں جنہوں نے خرید کی راہ کے بدلے گمراہی

فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝١٦ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ

سو نہ نفع لائی ان کی سوداگری اور نہ وہ پائی ان کی مثال جیسے ایک شخص نے سلگائی آگ پھر

اَضَاۗءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ۝١٧ صُمٌّۢ

جب روشن کیا اس کے گرد کو لے گیا اللہ روشنی اور چھوڑا ان کو اندھیروں میں نظر نہیں آتا بہرے ہیں

منافقوں کا ذکر اس واسطے نہیں ہے کہ مکہ میں یا کھلم کھلا مسلمان تھے یا کافر۔ منافق لوگ وہاں نہیں تھے کیونکہ مکہ میں کفار کا غلبہ تھا جس کے سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ہجرت کا حکم ہوا۔ اس اپنے غلبہ کے سبب سے وہاں کے کافر اپنی اصلی حالت پر تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ہجرت کر کے آئے اور اہل اسلام کی جماعت اور قوت بڑھی تو اہل مدینہ میں سے جنکی قسمت میں اللہ تعالے نے اسلام لکھا تھا وہ تو خالص مسلمان ہو گئے لیکن ایک جماعت اہل مدینہ کی ان یہود سے میل جول رکھتی تھی جو مدینہ کے گرد نواح میں رہتے تھے ان یہود کے بہکانے سے یہ اہل مدینہ میں کے کچھ لوگ مسلمانوں کی قوت اور شوکت دیکھ کر جب مسلمانوں سے ملتے تو اپنا جان و مال بچانے کے لئے مسلمانوں کے روبرو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے اور جب اپنے ساتھیوں سے ملتے تو کہتے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو دل لگی کے طور پر اپنا اوپری اسلام ظاہر کر دیتے ہیں۔ انہیں لوگوں کی دغا بازی ظاہر کرنے کو اللہ تعالے نے یہ آیات نازل فرمائیں اور فرمادیا کہ یہ لوگ دغا باز ہیں اور ان کی دغا بازی انہیں کی عقبے خراب کرے گی اور مسلمانوں کو یہ کیا کم عقل بتاتے ہیں انہیں کی عقلوں میں فتور ہے کہ اپنی عقبے خراب کر رہے ہیں اور مسلمانوں کی شوکت کی ترقی روز بروز دیکھ کر ان کے دلوں میں دورنگی اور نفاق کا مرض جو روز بروز بڑھتا جاتا ہے وہ انہیں کو آخر کار دوزخ دکھاوے گا۔ اور کسی کا اس سے کچھ نہیں بگڑ سکتا۔ اور یہ لوگ یہ جو کہتے ہیں کہ ہم تو یہود سے اس غرض سے ملتے ہیں

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَۙ ﴿۱۸﴾ اَوْ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ

گونگے ہیں اندھے سو وہ نہیں پھریں گے یا جیسے مینہ پڑتا آسمان سے اس میں ہیں اندھیرے اور گرج اور بجلی

یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَ اللّٰهُ مُحِیْطٌۢ بِالْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹﴾

ڈالتے انگلیاں اپنی کانوں میں مارے کڑک کے ڈر سے موت کے اور اللہ گھیر رہا ہے منکروں کو

یَكَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِیْهِ ۙۗ وَ اِذَاۤ اَظْلَمَ عَلَیْهِمْ قَامُوْا ؕ

قریب ہے بجلی کہ اچک لے اُن کی آنکھیں جس بار چمکتی ہے ان پر چلتے ہیں اس میں اور جب اندھیرا پڑا کھڑے رہے

وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾

اور اگر چاہے اللہ لے جاوے ان کے کان اور آنکھیں بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ع ۲ ۳

کہ آپس میں ایک طرح کا میل ملاپ رہے۔ کسی فساد کی نیت سے ہم یہ کام نہیں کرتے یہ بالکل جھوٹ ہے۔ دین کے مخالف لوگوں سے میل جول رکھنا ہی ایسی بات ہے کہ اس سے ایک نہ ایک دن ضرور کوئی فساد کھڑا ہو جاوے گا غرض یہ لوگ خرابی مقبلے کا جو سودا کر رہے ہیں اس تجارت میں ان کو سرا یا نقصان ہے نفع کچھ نہیں۔ پھر ان لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے دو مثالیں بیان فرمائیں۔ صحابہ کی ایک جماعت نے فرمایا کہ پہلی مثال منافقوں کے حال سے اس طرح مطابق ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں آنے کے وقت پہلے پہل ان لوگوں نے کچھ نور ایمانی کمایا تھا پھر نفاق کے سبب سے اسی کفر کی تاریکی میں یہ لوگ پھنس گئے۔ دوسری مثال کی مطابقت صحابہ نے منافقوں کے حال سے اس طرح بیان کی ہے کہ بجلی کی آناً فاناً چمک کی طرح مسلمانوں کے دباؤ سے کبھی ان لوگوں میں ایمان کی عارضی جھلک آجاتی ہے اور جس طرح کڑک کی آواز کے ڈر سے کوئی شخص کانوں میں انگلیاں دے کر اپنا ڈر رفع کر لیتا ہے اسی طرح اس عارضی ایمانی جھلک سے مسلمانوں کے ہاتھ سے ان کی جان و مال کی خیر ہو جاتی ہے لیکن اس عارضی ایمان سے کیا ہوتا ہے۔ ان کے دلوں پر تو وہی کفر و نفاق کی گھٹا چھائی ہوئی ہے جس کے سبب سے ان کا انجام برا اور عاقبت برباد ہے۔ نفاق دو طرح کا ہے ایک تو اعتقادی جیسے اسلام کے زور کے وقت ان لوگوں میں تھا دوسرا عملی۔ صحیح حدیثوں میں اس کی نشانیاں جھوٹ بولنا۔ خیانت۔ وعدہ خلافی۔ گالیاں بکنا۔ عہد شکنی آئی ہیں[۱]۔ اخیر کو اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو یہ بھی جتلا دیا کہ اپنے جن اعضا کے بھروسہ پر یہ منافق چالاکیاں اور دغا بازیاں کرتے ہیں اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ چاہے تو ان کے اعضا کو بالکل بیکار کر دیوے۔ پھر یہ اپنے گھروں میں بالکل اپاہج بن کر بیٹھ جاویں۔ اور ان کی چالاکیاں اور دغا بازیاں ان کے آگے آجاویں۔ ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رعد ایک فرشتہ ہے جو بادلوں کو ہانکتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں آگ کا کوڑا ہے۔ بادلوں کے ہانکنے میں اس کوڑے کا کوئی کَس جو جھڑ جاتا ہے وہ بجلی ہے اور کڑک اس فرشتے کی آواز ہے جو بادلوں کو ہانکنے کے وقت اس کے منہ سے نکلتی ہے[۲]۔ اس حدیث کی سند میں اگرچہ کچھ کلام ہے لیکن اکثر علماء مفسرین نے رعد و کڑک و بجلی کی تفسیر اسی حدیث کے موافق کی ہے۔

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۰ [۲] ترمذی مطبع مجتبائی دہلی تفسیر سورۃ الرعد ج ۲ ص ۱۴۰۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱعْبُدُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُمْ وَٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾

اے لوگو بندگی کرو اپنے رب کی جس نے بنایا تم کو اور اگلوں کو شاید تم پرہیزگاری کرو

ٱلَّذِى جَعَلَ لَكُمُ ٱلْأَرْضَ فِرَٰشًا وَٱلسَّمَآءَ بِنَآءً وَأَنزَلَ مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجَ بِهِۦ

جس نے بنا دیا تم کو زمین بچھونا اور آسمان چھت اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے

مِنَ ٱلثَّمَرَٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا۟ لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٢﴾ وَإِن كُنتُمْ فِى

میوے کھانا تمہارا سو نہ ٹھہراؤ اللہ کے برابر کسی کو اور تم جانتے ہو اور اگر ہو تم

رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا۟ بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِۦ وَٱدْعُوا۟ شُهَدَآءَكُم مِّن دُونِ

شک میں اس کلام سے جو اتارا ہم نے اپنے بندے پر تو لے آؤ ایک سورت اسی قسم کی اور بلاؤ جن کو حاضر کرتے ہو اللہ کے سوائے

ٱللَّهِ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا۟ وَلَن تَفْعَلُوا۟ فَٱتَّقُوا۟ ٱلنَّارَ ٱلَّتِى وَقُودُهَا

اگر تم سچے ہو پھر اگر نہ کرو اور البتہ نہ کرو گے تو بچو اس آگ سے جس کی چھپٹیاں ہیں

۲۱-۲۲- حاصل یہ ہے کہ جب خالق رازق وہی ایک ذات وحدہٗ لاشریک ہے تو اس کو چھوڑ کر دوسرے کو پوجنا اس کی تعظیم اور عبادت میں دوسرے کو شریک کرنا بڑی نادانی اور ناشکر گذاری ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی نافرمانی اور گناہ دنیا میں نہیں ہے صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے اس کی تعظیم اور عبادت میں کسی کو شریک کرنا اس سے بڑھ کر کوئی گناہ دنیا میں نہیں ہے[۱]۔ اسی واسطے اللہ چاہے تو اور گناہوں کو بغیر توبہ کے معاف کر دیوے لیکن شرک بغیر خالص توبہ اور بغیر خالص عبادت الٰہی کے ہرگز نہیں معاف ہو سکتا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعود اور سلف نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مکہ کے بت پرستوں منافقوں اور اہل کتاب سب کو ملا کر خالص عبادت الٰہی کی اور جس خالص توحید الٰہی کی ترغیب نبی آخر الزمان والے تھے اس کے اتباع کی تاکید ان سب کو فرمائی ہے وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ لوگ ذرا غور کریں تو ان کو خود معلوم ہو جاوے گا کہ انسان اور اس کی راحت کا سامان سب کچھ جب خدا تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے تو خالص اس کی بندگی انسان کو لازم ہے۔

۲۳-۲۴- اسلام کے بڑے دو ہی جزو ہیں۔ ایک توحید دوسرے تسلیم رسالت اول آیت میں توحید الٰہی کا ذکر تھا اس آیت میں اللہ کے رسول کی رسالت کی تسلیم کا حکم ہے اور رسول کے سچے ہونے کی دلیل یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ قرآن قریش کی زبان میں اترا ہے اور مکہ میں دس برس تک برابر قرآن اترتا رہا۔ اور قریش کو اپنی فصاحت و بلاغت کا بھی بڑا دعویٰ تھا اور ان کو دس سے لے کر ایک سورۂ قرآن کی مانند بنا کر لانے کو کہا بھی گیا مگر سب عاجز ہو جانے کے اور کچھ ان سے نہ ہو سکا جس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ نبی برحق ہیں۔ اور جو کلام ان پر اترتا ہے وہ بے شک کلام الٰہی ہے کیوں کہ انسان اور جنات سب مل کر اس جیسا کلام بنانے سے عاجز ہیں۔ اس پر بھی ان نبی کے برحق ہونے اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے سے جو شخص شک و شبہ میں رہے گا تو اپنے آپ کو دوزخ سے بچانے کی وہ فکر کر لیوے مسند امام احمد اور

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۷۔

النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٤﴾ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ

آدمی اور پتھر تیار ہے منکروں کے واسطے اور خوشی سنا ان کو جو یقین لائے اور کئے کام نیک کہ ان

لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا ھٰذَا الَّذِيْ

کے لئے ہیں باغ بہتی ہیں نیچے ان کے ندیاں جس بار ملے ان کو وہاں کا کوئی میوہ کھانے کو کہیں یہ وہی ہے

رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڎ وَّھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥﴾

جو ملا تھا ہم کو آگے اور لائے گا میوہ ان کے پاس ایک طرح کا اور ان کے لئے ہیں وہاں عورتیں ستھری اور ان کو وہاں ہمیشہ رہنا ہے

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ دوزخ کی آگ کی حرارت دنیا کی آگ سے انہتر حصہ بڑھ کر ہے[1] کسی جیتے آدمی کو دنیا کی آگ میں ڈال دیا جاوے تو ایک دم بھر بھی اس کی برداشت نہ ہوگی۔ جو لوگ توحید الٰہی اور تسلیم رسالت میں کوتاہی کرتے ہیں معلوم نہیں پورے ستر حصے حرارت والی آگ کی برداشت کروڑوں برس ان سے کیونکر ہوگی۔ نعوذ باللہ منہا یہ جو فرمایا کہ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ یعنے آگ منکروں کے لئے تیار کی جا چکی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ اس وقت تیار موجود ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ دوزخ کو خاص قیامت کے دن پیدا کیا جاوے گا وہ غلطی پر ہیں۔ سوا اس آیت کے ان کی غلطی اور آیتوں اور حدیثوں[2] سے بھی نکلتی ہے ؛

**۲۵**- قرآن شریف میں جہاں کافروں کا ذکر آتا ہے اس سے پہلے یا اس کے بعد مومنوں کا ذکر ضرور آتا ہے تاکہ عقبےٰ کی راحت و کلفت کا حال ساتھ کے ساتھ معلوم ہو جائے۔ ایک حال کے مقابلہ کی آیتیں دوسری جگہ ڈھونڈنی نہ پڑیں۔ قرآن شریف کے بیان کی اور خوبیوں میں سے یہ بھی ایک بیان مطلب کی خوبی ہے۔ اسی طرز بیان کے موافق اوپر کافروں کے انجام کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں مومنوں کا ذکر فرمایا ہے جنت کی راحتوں دوزخ کے عذابوں کے بیان میں اس قدر کثرت سے صحیح حدیثیں ہیں کہ ان کو بیان کرنا مشکل ہے۔ اسی واسطے صحیح حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جنت کی نعمتیں نہ کبھی آنکھ نے دیکھیں نہ کان نے سنیں۔ نہ کسی کے دل پر ان کا تصور گذر سکتا ہے[3] یہ حدیث صحیحین وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آئی ہے۔ بھلا جو نعمتیں دیکھنے سننے اور وہم و گمان سے باہر ہوں کسی زبان یا قلم کی کیا طاقت کہ ان کو تفصیل وار بیان کر سکے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو جنت نصیب کرے اس وقت ان راحتوں اور نعمتوں کی تفصیل معلوم ہوگی۔ ایمان کے ساتھ نیک کاموں کے ذکر سے معلوم ہوا کہ جنت جب ملے گی کہ ایمان اور نیک عمل دونوں ہوں۔ جنت کی نہروں کے کنارے نہیں ہیں۔ برابر زمین پر جاری ہیں۔ ان میں سے پانی دودھ شہد شراب جنتی لوگ بلا دقت لے سکیں گے۔ جنت کی بیبیاں حیض اور نفاس سے پاک ہوں گی اس لئے ان کو ستھری فرمایا جنت کے میوے دنیا کے میووں سے مزہ میں بالکل الگ ہوں گے فقط۔ ان کے نام دنیا کے میووں جیسے ہوں گے۔ اس لئے جنتی لوگ ان کو پہلے پہل دنیا کے میووں کے مشابہ سمجھیں گے۔ صحیحین وغیرہ میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جا چکیں گے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے

[1] صحیح بخاری باب صفۃ النار و انہا مخلوقۃ ج ۱ ص ۴۶۲ ہم [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۶۱ میں یہ احادیث مذکور ہیں۔ [3] صحیح بخاری باب ما جاء فی صفۃ الجنۃ و انہا مخلوقۃ ج ۱ ص ۴۶۰ ؛

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِىٓ أَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ

اللہ کچھ شرماتا نہیں کہ بیان کرے کوئی مثال ایک مچھر کی یا اس سے اوپر پھر جو یقین رکھتے ہیں سو جانتے ہیں

أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ

کہ وہ ٹھیک ہے ان کے رب کا کہا اور جو منکر ہیں سو کہتے ہیں کیا غرض تھی اللہ کو اس مثال سے گمراہ کرتا ہے

بِهِ كَثِيرًا ۙ وَّيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفٰسِقِينَ ﴿۲۶﴾ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ

اس سے بہتیرے اللہ راہ پر لاتا ہے اس سے بہتیرے اور گمراہ کرتا ہے انہیں کو جو بے حکم ہیں جو توڑتے ہیں

عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ ۖ وَيَقْطَعُونَ مَآ أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ أَنْ يُّوصَلَ وَيُفْسِدُونَ

قرار اللہ کا مضبوط کئے پیچھے اور توڑتے ہیں جو چیز اللہ نے فرمائی جوڑنی اور فساد کرتے ہیں

فِي الْأَرْضِ ۚ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۲۷﴾

ملک میں انہیں کو آیا نقصان

ایک فرشتہ یہ آواز دیوے گا کہ اب موت نہیں جو شخص جس حال میں ہے ہمیشہ اسی حال میں رہے گا۔ دنیا کی ہر نعمت کو ہردم زوال لگا ہوا ہے۔ جنت کی نعمتوں میں یہ کتنی بڑی خوبی ہے کہ ان کو زوال نہیں۔

۲۶-۲۷- اس مدنی سورت میں منافقین اور ان کے ساتھی یہود کے ذکر کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے دو مثالیں بیان فرمائی تھیں۔ ایک جنگل اور اندھیرے میں آگ سلگانے کی دوسری کڑک اور بجلی کی۔ اور اس سورت سے پہلے مکہ میں جو قرآن کا حصہ نازل ہوا تھا اس میں مکھی مکڑی اور مکڑی کے گھر کی مثالیں تھیں۔ قرآن شریف کے منکر لوگ اس پر یہ طعن کرتے تھے کہ جس کلام میں ایسی حقیر چیزوں کا ذکر ہو وہ کلام الٰہی کیونکر ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کا جواب دیا ہے کہ مخلوق ہونے میں حقیر اور صاحب شان چیزیں سب برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے جس چیز کی چاہے مثال بیان کرے اس پر طعن نافہمی ہے۔ ترمذی میں سہل بن سعد سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ساری دنیا کی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی کا دنیا میں نہ ملتا۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح غریب کہا ہے[2]۔ ترمذی کے اس قول کا یہ مطلب ہے کہ یہ حدیث کئی طریق سے آئی ہے جس میں ایک طریق غریب بھی ہے مگر حسن اور صحیح طریق سے اس غریب طریق کو بھی توت ہو جاتی ہے۔ محدثین کے نزدیک غریب حدیث وہ ہے جس کو کسی ثقہ سے ایک منفرد شخص روایت کرے۔ الغرض اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دنیا کی مخلوقات مچھر کے پر سے بھی زیادہ حقیر ہے۔ اہل دنیا کے نزدیک کوئی چیز دنیا کی صاحب شان ہوئی تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کیا حقیقت ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قرآن کے کلام الٰہی نہ ہونے کا شبہ جو ان قرآن کے منکر لوگوں کو تھا اس کو تو اللہ تعالیٰ نے یوں رفع فرما دیا کہ تم سب لوگ اگر اس قرآن کو انسان کا کلام جانتے ہو تو تم بھی ایسا کچھ بنا کر لے آؤ اس میں تو یہ لوگ بالکل عاجز اور لاجواب ہو گئے۔ اب جو نافہمی کے سبب سے

[1] صحیح بخاری طبع مع المطابع باب صفۃ الجنۃ والنار ج ۲ ص ۹۶۹ [2] جامع ترمذی مجتبائی ج ۲ ص ۵۶ باب ما جاء فی ہوان الدنیا علی اللہ تعالیٰ۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ

تم کس طرح منکر ہو اللہ سے اور تھے تم مردے پھر اس نے تم کو جلایا پھر تم کو مارتا ہے پھر جلاوے گا پھر اسی پاس

تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ

الٹے جاؤ گے وہی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب پھر چڑھ گیا آسمان کو تو ٹھیک کیا ان کو

ان لوگوں کی یہ باتیں تھیں ان کا جواب بھی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دے دیا۔ اور فرما دیا کہ جو لوگ راستہ پر آگئے ہیں اور قرآن کو وحی آسمانی اور جن پر یہ وحی اتری ہے ان کو اللہ کا سچا رسول جانتے ہیں ان کو تو اللہ تعالیٰ کی ہر ایک مثال سے ایک ہدایت ہوتی ہے۔ مثلاً اندھیرے میں آگ سلگانے اور اس کے پھر بجھ جانے کی مثال سے ان کو یہ ہدایت ہوئی کہ منافقوں کا زور چند روز میں گھٹ جاوے گا اور مکڑی اور اس کے ناپائیدار گھر کی مثال سے یہ کہ خانۂ کعبہ بلکہ جزیرۂ عرب بُت پرستی سے جلد پاک وصاف ہو جائے گا۔ اور آخیر کو ایسا ہی ہوا۔ جو لوگ اغوائے شیطانی سے کجی پر ہیں ان کی کجی اور گمراہی اس طرح کی مثالوں سے اور بڑھتی ہے۔ مثلاً یہی ان کی گمراہی ہے کہ کہتے ہیں کہ اس طرح کی مثالیں کلام الٰہی میں نہیں ہو سکتیں اور یہ نہیں بتلاتے کہ کیوں نہیں ہو سکتیں۔ غرض ان لوگوں کی کج روی اور گمراہی قرآن شریف کی مثالوں کے باب میں محض سرکشی اور نافرمانی کے سبب سے تھی۔ اس لئے ان لوگوں کو بے حکم فرمایا۔ کیوں کہ قرآن کو کلام الٰہی جاننے میں تو ان کو ایک سیدھی بات اللہ تعالیٰ نے بتلادی تھی کہ تم لوگ اگر اس کو کلام انسانی جانتے ہو تو تم بھی ایسا کچھ بنا لاؤ۔ جب اُس میں یہ سب عاجز رہے تو قرآن شریف کو کلام الٰہی جاننے اور اس کی مثالوں سے عبرت پکڑنے میں کسی کو کوئی عذر کا موقع باقی نہیں رہا تھا۔ بدعہد لوگوں سے مراد یہود لوگ ہیں کہ تورات میں اُن سے نبی آخرالزمان کی اطاعت کا عہد لیا گیا تھا انہوں نے اُس عہد کو پورا نہیں کیا۔ اور منافقوں کو بھی بہکا کر اپنے ساتھ کر لیا کہ مسلمانوں کی مجلس میں وہ مسلمان ہونے کا عہد کرتے ہیں اور مسلمانوں کی مجلس سے الگ ہوتے ہی وہ عہد توڑ ڈالتے ہیں صلہ رحمی سے مراد قرابت داری کا سلوک ہے۔ لیکن اس میں سے اہل مکہ کی ایک طرح کی مذمت نکلتی ہے کہ باوجود قرابت داری کے انہوں نے وہ قطع رحمی کی کہ اللہ کے نبی اور ان کے ساتھیوں کو مکہ چھوڑنا پڑا۔ ان لوگوں کی یہی باتیں تھیں جس سے اللہ کی زمین میں طرح طرح کے فساد بپا ہوتے اور ان فسادات کے رفع کرنے کی غرض سے آخر جہاد کا حکم نازل ہوا۔ اخیر کو اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا کہ ان باتوں سے اور کسی کا کچھ نہیں بگڑتا۔ ان کی ان باتوں سے انہیں کو نقصان پہنچے گا۔ اللہ سچا ہے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ ان باتوں سے یہ لوگ دین ودنیا کے نقصان میں پڑ گئے۔ ان کا دنیا کا نقصان تو اُس زمانہ کے مسلمانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اکثر کج روی والے لوگ قتل ہو گئے ان کے جورو بچے لونڈی غلام بن گئے۔ ان کے مال غارت ہو گئے۔ اور جلاوطن ہو گئے اسی طرح ان کا عاقبت کا نقصان بھی قیامت میں سب کی آنکھوں کے سامنے آجاوے گا۔

۲۸-۲۹۔ اوپر یہود اور منافقوں کی بدعہدی کا ذکر تھا کہ کفر عنادی کے سبب سے یہود نے تورات کے عہد کو پورا نہیں کیا بلکہ نبی آخرالزمان کے اوصاف کو چھپا کر منافقوں کو طرح طرح سے بہکایا اور ان کو بھی یہ بدعہدی سکھائی کہ مسلمانوں

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٩﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي

سات آسمان اور وہ ہر چیز سے واقف ہے اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو مجھ کو بنانا ہے

الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ

زمین میں ایک نائب بولے کیا تو مقرر کرے گا اس میں جو شخص فساد کرے وہاں اور کرے خون اور ہم پڑھتے ہیں

بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٠﴾

تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری ذات پاک کو فرمایا مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔

کے روبرو وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں اور اپنی خاص مجلسوں میں اس زبانی عہد سے بھی پھر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمانوں سے دل لگی کرتے تھے۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں فرقوں کو جتلایا کہ پیدا ہونے سے پہلے یہ لوگ مٹی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ان کی راحت کی چیزیں جو کچھ دنیا میں ہیں ان سب کو پیدا کیا سب چیز کا ذرا ذرا سا حال اس کو معلوم ہے۔ اپنے علم میں جس قدر عمر ان لوگوں کی اس نے لکھی ہے اس کے ختم ہو جانے کے بعد ان کو مارے گا اور پھر حشر کے دن ان کو زندہ کر کے ذرہ ذرہ کا ان سے حساب لیوے گا۔ غرض لوگوں سے اپنے دل کی کفر و نفاق کی باتیں چھپا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اس سے ان کی کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے صحیح بخاری میں روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی شخص نے راس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ بعضی آیتوں میں آسمان کے پیدا کرنے کا ذکر زمین کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور بعضی آیتوں میں زمین کے پیدا کرنے کے بعد اس کا کیا سبب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ زمین ایک تودہ کے طور پر آسمان سے پہلے پیدا ہوئی ہے اور اس کا پھیلانا آسمان کے پیدا کرنے کے بعد ہوا ہے[1]۔ سوائے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اور سلف نے بھی یہی فرمایا ہے اور اسی قول سے مختلف آیات قرآنی میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔ سورہ حٰم السجدہ اور سورۂ والنازعات میں اس کی تفصیل اور زیادہ آوے گی۔

(۳۰) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور اور سلف سے اس قصہ کی روایات جو آئی ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے دو ہزار برس پہلے زمین پر جنات رہتے تھے انہوں نے زمین پر طرح طرح کے فساد کئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ایک گروہ کو جنات کی تنبیہ اور سرکوبی کے لئے بھیجا۔ ان فرشتوں نے جنات کو مار کر دریا کے ٹاپوؤں اور جزیروں میں نکال دیا[2]۔ اب بنی آدم کی پیدائش کا حال سن کر فرشتوں نے اسی قیاس پر یہ بات کہی تھی کہ جنات کی طرح بنی آدم بھی زمین میں فساد پھیلا دیں گے لیکن فرشتوں کی یہ بات کچھ اعتراض کے طور پر نہیں تھی کیونکہ خلاف مرضی اللہ تعالیٰ کے وہ کوئی بات منہ سے نکالنے میں معصوم ہیں صرف پیدائش بنی آدم کی حکمت دریافت کرنے کو انہوں نے یہ بات کہی تھی اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں کوئی خفگی ظاہر نہیں فرمائی بلکہ اتنا ہی فرمایا کہ بنی آدم کی پیدائش کی حکمت جو مجھ کو معلوم ہے اس کو تم نہیں جانتے جس کا مطلب یہ تھا کہ بنی آدم کی پیدائش سے زمین میں فقط فساد ہی نہیں پھیلے گا بلکہ ان میں انبیاء صدیق شہید صلحا بھی ہوں گے جن سے زمین میں اللہ کا دین

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۶۸ [2] تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ ابن ابی حاتم عبداللہ بن عمروؓ سے واللہ اعلم۔ ج [3] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۷۰۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ

اور سکھائے آدم کو نام سارے پھر وہ دکھائے فرشتوں کو کہا بتاؤ مجھ کو نام ان کے اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾

تم سچے وہ بولے توسب سے نرالا ہے نہیں معلوم ہم کو مگر جتنا تو نے سکھایا۔ تو ہی ہے اصل دانا پختہ کار

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ

کہا اے آدم بتادے ان کو نام ان کے پھر جب اس نے بتادئے نام ان کے فرمایا میں نے نہ کہا تھا تم کو مجھ کو معلوم ہیں

غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَاِذْ قُلْنَا

پردے آسمان اور زمین کے اور معلوم ہے جو تم ظاہر کرو اور جو چھپاتے ہو اور جب ہم نے کہا

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو پس سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے قبول نہ رکھا اور تکبر کیا اور وہ تھا منکروں میں کا

---

پھیلے گا اور پھر اخیر کو اللہ کی جنت آباد ہوگی۔

۳۱-۳۳-آیت فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ (۱۵-۲۹) سے اور شفاعت کی انس بن مالکؓ کی بخاری و مسلم وغیرہ کی اس حدیث سے جس میں یہ ذکر ہے کہ میدان محشر میں لوگ حضرت آدم کے پاس سب انبیاء سے پہلے جاکر یہ کہیں گے کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو یہ عزت دی ہے کہ فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا ہے اور آسمان وزمین کی سب چیزوں کے نام آپ کو سکھائے ہیں اس عزت کے سبب سے اللہ تعالےٰ آپ کی شفاعت منظور فرماویگا۔ اور اسی طرح کی اور آیات و احادیث کے سبب سے اس پر تو سب مفسرین سلف کا اتفاق ہے کہ حضرت آدم کے اصل قصہ میں ملائکہ کے سجدہ کے بعد حضرت آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے گئے ہیں مگر تلاوت قرآن میں یہ دونوں آیتیں آگے پیچھے اس واسطے اللہ تعالےٰ نے رکھی ہیں انی اعلم مالا تعلمون اور وعلم آدم الاسماء کلہا یہ دونوں آیتیں مل کر علم الٰہی کی آیتیں ایک سلسلہ میں ہوجاویں اسی شفاعت کی حدیث میں ہے وعلمك اسماء کل شئ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم کو اللہ تعالےٰ نے ساری مخلوقات کے نام سکھائے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ ما تبدون سے مراد فرشتوں کا وہی قول ہے کہ بنی آدم کے پیدا کرنے سے خون ریزی ہوگی اور طرح طرح کا فساد زمین میں پھیلے گا اور تکتمون سے ابلیس کا وہ تکبر مقصود ہے جو اس نے اپنے دل میں چھپا رکھا تھا۔

۳۴- صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور ابلیس آگ کے شعلہ سے پیدا کیا گیا ہے[۲] اور انسان کی پیدائش تو تم لوگوں کو خود معلوم ہے یعنی مٹی اور پھر منی سے ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ تم لوگ اُلٹے ہاتھ سے مت کھایا کرو اور پانی بھی اُلٹے ہاتھ سے نہ پیا کرو کہ اُلٹے ہاتھ سے کھانے پینے کی عادت شیطان کی ہے[۳] سوا ان حدیثوں کے اور

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۷۳ وصحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۱ باب صفة الجنة والنار وغیرہ [۲] صحیح مسلم طبع اصح المطابع ج ۲ ص ۴۱۳ [۳] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۷۲ آداب الطعام

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا

اور کہا ہم نے اے آدم بس تو اور تیری عورت جنت میں اور کھاؤ اس میں سے محظوظ ہو کر جس جگہ چاہو اور نزدیک نہ جاؤ

هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ

اس درخت کے پھر تم بے انصاف ہو گے پھر ڈگایا اُن کو شیطان نے اس سے پھر نکالا ان کو وہاں سے جس آرام میں تھے

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

اور کہا ہم نے تم سب اترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ اور تم کو زمین میں ٹھہرنا ہے اور کام چلانا ایک مدت تک

بھی صحیح حدیثیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس کی پیدائش فرشتوں کی پیدائش سے بالکل الگ ہے۔ کھانا، پینا، مباشرت ان باتوں سے فرشتے پاک ہیں اور شیطان میں یہ سب باتیں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے سلف میں سے جس جماعت نے یہ کہا ہے کہ ابلیس ملائکہ کی طرح نوری جسم کا نہیں بلکہ جنات کی طرح ناری جسم کا ہے[1]۔ یہی قول صحیح ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (۱۸: ۵۰) کے اور صحیح حدیثوں کے موافق ہے۔ اس قول کے سوا جو کچھ اقوال ہیں وہ بنی اسرائیل سے لئے گئے ہیں جن کا کچھ اعتبار نہیں کیونکہ وہ ملعون خود خدا تعالیٰ کے روبرو کہہ چکا ہے خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (۷: ۱۲)۔ جس طرح کا سجدہ ملائکہ نے اللہ کے حکم سے حضرت آدمؑ کو کیا اسی طرح سلام کی طرح کا سجدہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اگلی شریعتوں میں جائز تھا جیسا کہ سورۂ یوسف میں حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا حضرت یوسف کو سجدہ کرنے کا ذکر ہے مگر اب شریعت محمدی میں سوا اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ کا مطلب یہ ہے کہ علم الٰہی میں یہ امر پہلے ہی قرار پا چکا تھا کہ اگرچہ اپنی عبادت کے سبب سے ابلیس گروہ جنات میں سے نکل کر وہ ملائکہ میں چندے داخل ہو جاوے گا لیکن انجام اس کا نافرمانی کے سبب سے کفر پر ہو گا۔

۳۵ ۔ ۳۶۔ ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کے جنت میں جانے سے پہلے حوا پیدا ہوئی ہیں اور پھر دونوں کو جنت میں رہنے کا حکم ہوا ہے لیکن حضرت عبد اللہ بن عباسؓ عبد اللہ بن مسعودؓ اور صحابہ کی ایک جماعت کا قول ہے کہ پہلے تن تنہا حضرت آدم کو جنت میں رہنے کا حکم ہوا تھا۔ حضرت آدم جنت میں رہتے تھے مگر تنہائی کے سبب سے اکثر گھبرایا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت آدم جب سو رہے تھے تو اُن کی نیند کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا کو حضرت آدم کی بائیں پسلی سے پیدا کر دیا[2]۔ اور ان دونوں کو جنت میں رہنے کا حکم دیا۔ بخاری مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پسلی کی ہڈی سے پیدا ہونے کے سبب سے پسلی کی ہڈی کی طرح ہر عورت کے مزاج میں ایک کجی ہے جو کوئی اس کجی کو جھیل کر عورت کو نرمی سے رکھے گا اس کی تو گذر ہو جاوے گی ورنہ گذر مشکل ہو گی[3]۔ مفسروں نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ جس جنت میں حضرت آدم و حوا کو رہنے کا حکم ہوا تھا وہ وہی آسمان پر کی جنت ہے جس میں نیک لوگ قیامت کے دن جاویں گے۔ یا زمین پر کوئی اور باغ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا۔ سلف کی بڑی جماعت کا یہی قول ہے کہ وہی آسمان پر کی جنت تھی جس درخت کے پھل کے کھانے سے

---

[1] کما رواہ ابن جریر عن الحسن تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۷۷، [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۷۹، [3] صحیح بخاری طبع اصح المطابع ج ۲ ص ۷۷۹ باب مدارۃ مع النساء الخ

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا

پس سیکھ لیں آدم نے اپنے رب سے کئی باتیں پھر متوجہ ہوا اس پر بے شک وہی ہے معاف کرنے والا مہربان ہم نے کہا تم اترو

مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

یہاں سے سارے پھر کبھی پہنچے تم کو میری طرف سے راہ کی خبر تو جو کوئی چلا میرے بتائے پر نہ ڈر ہوگا ان کو اور نہ ان کو

يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

غم اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری نشانیاں وہ ہیں دوزخ کے لوگ وہ اسی میں رہ پڑے

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حوا کو منع کیا تھا اس میں بھی بڑا اختلاف ہے کہ وہ کونسا درخت تھا لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ وہ گیہوں کا درخت تھا[1]۔ شیطان نے حضرت آدم و حوا کو کیونکر بہکایا اس کی کیفیت اور سانپ کا ذکر یہ سب تفصیل سورۂ اعراف میں آوے گی۔ حاکم کی روایت میں جس کو حاکم نے صحیح کہا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت آدم جنت میں عصر سے مغرب تک رہے[2]۔ مگر ہزار برس کے دن کے حساب سے یہ دنیا کے ایک سو تیس دن ہوئے۔ بعضے لوگوں نے یہ شبہ کیا ہے کہ اللہ کی خفگی کے بعد شیطان کو آسمان پر جنت میں جانا منع تھا پھر وہاں تک حضرت آدم کو بہکانے کیوں کر گیا اس کا جواب سلف نے یہ دیا ہے کہ جس طرح خفگی سے پہلے شیطان آسمان پر عزت حرمت سے رہتا تھا اس طرح سے خفگی کے بعد وہاں جانا منع ہے جب تک انسان کے دم میں دم ہے بہکانے کے لئے شیطان کو وہاں جانے کی ممانعت نہ تھی۔

۳۷۔ اکثر سلف کے نزدیک وہ کلمات یہ تھے رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ[3] توبہ کا وقت زیست کی ناامیدی سے پہلے ہے۔ توبہ میں تین باتیں ضروری ہیں۔ ایک تو جو گناہ ہو گیا ہے اس پر سچے دل سے نادم اور پشیمان ہونا۔ دوسرے توبہ کے وقت دل میں خوب یہ ٹھان لینا کہ آئندہ گناہ سے باز رہوں گا۔ تیسرے توبہ کے بعد دل میں گناہ سے ایک نفرت کا پیدا ہو جانا۔

۳۸۔۳۹۔ جو علما حضرت آدم کے قصہ میں سانپ کی شراکت کو صحیح کہتے ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ جو فرشتے جنت کے دروازے پر تعینات ہیں وہ شیطان کو جنت میں نہیں جانے دیتے تھے۔ اس لئے شیطان سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں گیا اور حضرت آدم و حوا کو بہکایا۔ ان کا یہ قول ہے کہ حضرت آدم حوا ابلیس سانپ ان چاروں کو اِهْبِطُوْا مِنْهَا فرمایا ہے اور جو علما سانپ کی شراکت قرار نہیں دیتے وہ آیت میں سانپ کے ذکر کو شامل نہیں رکھتے۔ اس باب کی روایات کا پورا ذکر سورۂ اعراف میں آوے گا کیوں کہ وہاں شیطان کا پورا قصہ ہے۔ اخیر آیت میں اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو جو قیامت تک پیدا ہوگی یہ جتلا دیا ہے کہ ان کو نیک راستہ پر لگانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام لے کر اللہ کے رسول آویں گے۔ جس کسی نے اللہ کے رسولوں کی اطاعت کی اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے موافق عمل کیا اگرچہ قیامت کے دن میدان محشر کی گرمی۔ پیاس۔ حساب۔ پل صراط پر گذرنا۔ نامۂ اعمال کا تولا جانا یہ بڑے بڑے

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۷۹۔ [2] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۵۴۲ طبع حیدرآباد دکن۔ [3] جیسا کہ سورہ اعراف (۷-۲۳) میں ان کلمات کا ذکر آتا ہے۔ ع

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ

اے بنی اسرائیل یاد کرو احسان میرا جو میں نے کیا تم پر اور پورا کرو قرار میرا تو میں پورا کروں گا

بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْھَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا

قرار تمہارا اور میرا ہی ڈر رکھو اور مانو جو کچھ اتارا میں نے سچ بتاتا تمہارے پاس والی کتاب کو اور مت ہو تم

اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

پہلے منکر اس کے اور نہ لو میری آیتوں پر مول تھوڑا اور مجھی سے بچتے رہو

خوفناک مقام ہیں مگر دل سے رسول کی اطاعت کرنے والے لوگوں کو یہ سب مقام اللہ تعالیٰ آسان کر دیوے گا۔ اور آخرت میں ان کو کچھ خوف و غم نہ ہوگا۔ بلکہ جنت میں وہ اپنی ہمیشہ کی زندگی بڑے عیش سے بسر کریں گے۔ ہاں جو لوگ دنیا میں اللہ کے رسول کی اطاعت سے منحرف اور اللہ کے احکام کے منکر رہویں گے ہمیشہ میں ہمیشہ کے لئے اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کا حال مختصر طور پر ذکر فرمایا ہے۔ بخاری و مسلم کی متفق علیہ اور منفرد اور حدیث کی کتابوں کی صحیح روایتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں جو فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ پل صراط پر سے گذر کر قیامت کے دن لوگ جنت میں جاویں گے اور اپنے اپنے عمل کے موافق کچھ لوگ پلک جھپکانے میں اور کچھ بجلی کی طرح اور کچھ لوگ ہوا اور پرند جانوروں یا تیز گھوڑوں کی طرح پل صراط پر سے گذر جاویں گے[1] اس آیت میں اس قسم کے اہل جنت کا ذکر ہے۔ لیکن ان حدیثوں کے موافق اس دن بعضے گنہگار اہل کلمہ ایسے بھی ہوں گے جو اپنے گناہوں کی شامت سے پل صراط سے دوزخ میں جا پڑیں گے اور جو لوگ شرک کی حالت میں نہیں مرے وہ شفاعت کے سبب سے آخر کو دوزخ سے نکل کر جنت میں جاویں گے۔ پل صراط کی آیتوں میں پل صراط کا اور شفاعت کی آیتوں میں ان لوگوں کا ذکر تفصیل کے ساتھ آئے گا۔

۴۰-۴۱۔ اسرائیل حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کا نام ہے۔ بنی اسرائیل اور یہود حضرت یعقوبؑ کی اولاد کو کہتے ہیں۔ اسرائیل کے معنی ہیں اللہ کا بندہ۔ اِن آیتوں میں ان یہود کا ذکر ہے جو مدینہ کے اطراف میں بستے تھے جن سے مدینہ کے منافق لوگ سازش رکھتے تھے۔ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تھے۔ انہوں نے بنی اسرائیل کو فرعون کی قید سے چھڑایا اور ملک شام میں ان کو آباد کیا یہی ملک حضرت یعقوبؑ کا وطن ہے جب حضرت یوسف مصر کو گئے تھے تو ان کے سبب سے اور اولاد یعقوب کا بھی مصر کو جانا ہوا تھا پھر حضرت یوسف کی وفات کے بعد یہ لوگ فرعون کی قید میں پھنس گئے۔ فرعون ان سے قیدیوں کی طرح ذلیل کام لیتا تھا۔ اور نہایت ذلت سے ان کو رکھتا۔ آخر حضرت موسیٰ کے عہد نبوت میں فرعون اور اس کا لشکر سب غرق ہو کر مر گئے اور بنی اسرائیل کو اس بلا سے نجات ہوئی۔ پھر حضرت موسیٰ پر تورات نازل ہوئی جس میں نبی آخر الزمان کی نشانیاں تھیں اور نبی آخر الزمان کی اطاعت کا عہد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کو مخاطب ٹھہرا کر اپنی نعمتوں کے یاد دلانے کے بعد اسی عہد کا ذکر ان آیتوں میں کیا ہے

[1] مشکوٰۃ ص ۴۹۵ باب الحوض والشفاعۃ۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۴۲﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ

اور مت ملاؤ صحیح میں غلط اور مت چھپاؤ سچ کو جان کر اور کھڑی کرو نماز

وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿۴۳﴾

اور دیا کرو زکوٰۃ اور جھکو ساتھ جھکنے والوں کے

مکہ کے اطراف میں یہود نہیں تھے اس لئے جو حصہ قرآن کا مکہ میں نازل ہوا ہے اس میں یہود کا ذکر نہیں ہے۔ ہجرت کے بعد یہ پہلا فرقہ یہود کا ہے جس کو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے مخاطب ٹھہرایا ہے اس لئے ان کو پہلا کافر فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے جس طرح ان کو قرآن پر ایمان لانے کو کہا گیا ہے ان کو اس پر ایمان لانا چاہئے کیونکہ اس قرآن کی تصدیق خود تورات میں موجود ہے اور اگر یہ لوگ قرآن کے منکر ہوئے تو ان کے دیکھا دیکھی ان کے بعد شام کے ملک کے اور بھی یہود لوگ قرآن کے منکر ہوں گے مگر اول کافر بھی کہلائیں گے کس لئے کہ جو لوگ ان کے بعد منکر ہوں گے وہ ان کے ہی پیرو ہوں گے اور کعب بن اشرف وغیرہ علماء و رؤسا یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیاں جو تورات میں تھیں ان کو اس لئے چھپاتے تھے کہ جاہل یہود لوگ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیویں گے تو آپ کی طرف ان کا میلان طبع ہو جاوے گا اور اس جاہل فرقہ یہود سے علمائے یہود کو جو کچھ منفعت دنیوی ہے وہ بند ہو جاوے گی۔ اسی تھوڑے سے لالچ کو اللہ تعالیٰ نے تورات کی آیتوں کا تھوڑا مول فرمایا ہے اور اس لالچ کے سبب سے جو وبال ان پر پڑ جاوے گا اس سے ان کو ڈرایا ہے۔ صحیحین میں ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص دنیا میں ایسے ہیں جن کو دوہرا اجر ملے گا۔ ایک اہل کتاب میں کا وہ شخص جس نے اپنے نبی اور کتاب کو بھی مانا اور قرآن کو اللہ کا کلام اور مجھ کو بھی اللہ کا رسول جانا۔ دوسرا وہ غلام جس نے اپنے آقا کو خوش رکھا اور اللہ تعالیٰ کا بھی حق ادا کیا۔ تیسرا وہ شخص جس نے اپنی لونڈی کو اچھی طرح تربیت کیا اور پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا[1]۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہود تورات کے عہد پر قائم رہتے تو اللہ تعالیٰ دوہرے اجر کا اپنا عہد ان سے پورا کرتا لیکن وہ اپنے عہد پر قائم نہیں رہے۔ اس واسطے وہ دین و دنیا کی رسوائی میں پھنس گئے۔ دنیا میں اکثر ان میں کے جلاوطن کئے گئے اور کچھ قتل ہو گئے دین میں تو ٹھکانا ان کا دوزخ ہے۔

۴۲، ۴۳۔ تورات میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کی جو آیتیں تھیں ان کو یہود نے بدل ڈالا تھا اور بعضے مفسروں کا قول ہے کہ یہود لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ اخیر زمانہ میں دجال جو آوے گا وہ نبی آخر الزمان ہوگا۔ تورات کی آیتیں اس کی شان میں ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کے کلام میں اپنی طرف سے جھوٹی باتیں نہ ملاؤ۔ اور دنیا کے تھوڑے سے لالچ کے لئے حق بات کو نہ چھپاؤ کہ جان بوجھ کر حق بات کا چھپانا بڑے وبال کی بات ہے۔ پھر فرمایا کہ تورات کے معاہدہ کے موافق نبی آخر الزمان کی اطاعت قبول کر کے قرآن کے حکم کے موافق نماز اور زکوٰۃ ادا کرو کہ تورات کے نماز اور زکوٰۃ کے احکام شریعت محمدی سے اب منسوخ ہیں ان احکام کے موافق نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے اب تم کو کچھ عقبےٰ کا فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ شریعت موسوی کی نماز میں رکوع نہیں ہے اور شریعت موسوی میں زکوٰۃ مال کا

[1] صحیح بخاری اصح المطابع ج اص ۲۰ باب تعلیم الرجل امتہ۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا

کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو آپ کو اور تم پڑھتے ہو کتاب کیا پھر نہیں

تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

بوجھتے۔

چہارم حصہ ہے۔ یہ احکام اب قائم نہیں ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت انس رضؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دجال کے ساتھ اصفہان کے یہود کا ستر ہزار کا لشکر ہوگا[1]۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعضے مفسروں کے قول کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے یہود نے تورات کی آیتوں کے معنے میں یہ جو غلطی ڈال دی ہے۔ کہ تورات میں جو نبی آخر الزمان کے اوصاف کی آیتیں ہیں وہ دجال کے شان میں ہیں۔ یہ غلطی یہود میں دجال کے وقت تک قائم رہے گی۔ حالانکہ آخری کو دجال کا دعوئے خدائی کا ہوگا۔ نبوت کا دعویٰ وہ اس وقت نہیں کرے گا۔ مگر شیطان کے بہکانے سے جو غلط بات کسی قوم میں جم جاتی ہے پھر وہ مشکل سے جاتی ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کو ترمذی نے حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص عالم کو کوئی دین کا مسئلہ معلوم ہو اور وہ اس کو چھپائے تو ایسے شخص کے منہ میں قیامت کے دن آگ کی لگام دی جاوے گی[2]۔

۴۴۔ علمائے یہود اپنی قوم کے جاہل لوگوں کو نیک کام کرنے کی نصیحت تورات کے موافق کرتے تھے اور خود آپ اُسی نیک کام کے کرنے کے پابند نہ ہوتے تھے۔ اُن میں یہ بات بھی تھی کہ یوں کہنے کو تو تورات کی آیتوں کے موافق عمل کرنے کو اپنی قوم کے لوگوں سے کہتے تھے مگر تورات میں نبی آخر الزمان کی نشانیوں کی جو آیتیں تھیں ان کو چھپاتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ تنبیہ فرمائی۔ صحیحین میں اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میں ایک شخص کی انتڑیاں باہر نکلی ہوئی پڑی ہوں گی اور وہ اپنی انتڑیوں کے گرد پھرتا ہوگا اور عذاب میں مبتلا ہوگا۔ دوزخی لوگ اُس سے کہویں گے کہ اے شخص تو تو ہم کو نیک کاموں کی نصیحت کیا کرتا تھا۔ وہ کہوے گا ہاں یہ تو سچ ہے مگر میں اس نصیحت کے موافق عمل نہیں کرتا تھا[3]۔ مسند امام احمد اور صحیح ابن حبان میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹھ آگ کی قینچیوں سے دوزخ کے فرشتے کاٹ رہے ہیں۔ آپ نے حضرت جبرائیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت جبرائیل نے جواب دیا یہ آپ کی امت کے وہ عالم ہیں جو لوگوں کو تو نیک کام کرنے کی نصیحت کرتے تھے اور خود نیک کام کرنے میں غفلت کرتے تھے[4]۔ ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے علماء طرح طرح کا عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کے علما کو اس بلا سے بچنے کی توفیق دیوے۔ آمین ؛

[1] صحیح مسلم طبع اصح المطابع دہلی ج ۲ ص ۴۰۵ باب فی بقیۃ من احادیث الدجال [2] جامع ترمذی طبع مجتبائی باب ماجاء فی کتمان العلم ج ۲ ص ۸۹

[3] صحیح بخاری طبع اصح المطابع دہلی ج ۱ ص ۴۶۲ باب صفۃ النار وانہا مخلوقۃ [4] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۸۶

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿٤٥﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ

اور قوت پکڑو محنت سہارنے سے اور نماز سے اور البتہ وہ بھاری ہے مگر انہیں پر جن کے دل پگھلے ہیں۔ جن کو خیال ہے

اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿٤٦﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ

کہ ان کو ملنا ہے اپنے رب سے اور ان کو اسی طرف لوٹ جانا اے بنی اسرائیل یاد کرو احسان میرا جو

اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾

میں نے تم پر کیا اور وہ جو میں نے تم کو بڑا کیا جہان کے لوگوں پر

ع ۵

۴۵-۴۶-اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود کو ان کی چند بری خصلتوں سے روکا تھا۔ اب اس آیت میں عام طور پر ارشاد ہے کہ انسان کو اپنی بری خصلتوں سے باز رہنے کے لئے دو چیزوں سے مدد لینی چاہئے۔ اول تو صبر یعنی شریعت میں جو باتیں منع ہیں ان کے کرنے سے اپنے جی کو روکنا۔ دوسری چیز نماز ہے کہ آدمی کی بری خصلتیں چھڑا دیتی ہے۔ دل کی پریشانی دور کر دیتی ہے۔ مسند امام احمد میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اس طرح پر آیا کہ وہ رات کو تو نماز پڑھتا ہے اور دن کو چوری کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی نماز اس کی چوری کی عادت چھڑا دیوے گی[1] مسند امام احمد اور ابوداؤد میں حذیفہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دل جب کسی بات سے پریشان ہوتا تو آپ نماز پڑھا کرتے تھے[2]۔ پھر فرمایا کہ اس طرح کی نماز جس سے بری خصلت چھوٹ جاوے اور دل کی پریشانی رفع ہو جاوے اُن ہی لوگوں کی ہے جو نماز پڑھتے وقت خدا کا خوف دل میں رکھتے ہیں اور یہ اعتقاد ان کے دل میں جما ہوا ہوتا ہے کہ ان کو ایک روز خدا کے روبرو جانا ہے اور یہ نماز ان کے نامۂ اعمال میں لکھی جا کر اس روز خدا کے روبرو تولی جاوے گی جس تول میں اس کا عیب و صواب سب کھل جاوے گا۔ اور جو لوگ اوپری دل سے نماز پڑھتے ہیں ان کی نمازیں یہ خصلتیں تو کجا اُن پر تو نماز بار ہو جاتی ہے۔ نہ وقت کی پابندی ان سے ہو سکتی ہے نہ رکوع سجود کے لئے ان کو وقت ملتا ہے۔ اور نہ ایسی نماز سے ان کو کچھ فائدہ ہے۔ صحابہ کا قول ہے کہ جس شخص کی نماز اس کو بدی سے نہ روکے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ ایسے شخص نے گویا نماز ہی نہیں پڑھی کیوں کہ بجائے قربت الٰہی کے ایسی نماز کے سبب سے ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ سے اور دوری نصیب ہوگی۔ اور ایسے ثواب عذاب کے مسئلہ میں صحابہ نے جو کچھ کہا ہے وہ اللہ کے رسول سے سن کر کہا ہے +

۴۷- ایک مدت تک اولاد یعقوب میں نبوت بادشاہت اور بڑی بڑی نعمتیں اللہ تعالیٰ کی رہی ہیں حال کے بنی اسرائیل کو جو نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ منورہ کے گرد و نواح میں رہتے تھے ان کے بزرگوں کی حالت یاد دلانے کے لئے اور اس حالت سے ان حال کے یہود کو قائل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں تاکہ یہ لوگ ذرا اپنے دل میں شرمائیں کہ وہ اللہ جس نے آج ان کو نبی زادے اور بادشاہزادے ہونے کا فخر عنایت فرمایا

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۱۵ تفسیر آیت ان الصلوٰۃ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر الآیۃ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۸۷ و مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۸ طبع قدیم مصر

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا

اور بچو اس دن سے کہ کام نہ آوے کوئی شخص کسی کے ایک ذرہ بھر اور قبول نہ ہو اس کی طرف سے سفارش اور نہ لیں اس کے

عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

بدلے میں کچھ اور نہ ان کو مدد پہنچے

اس فخر کی شکر گذاری کیا یہی ہے کہ اللہ کے رسول سے طرح طرح کی مخالفتیں کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں یہ لوگ پھنسے ہوئے ہیں۔ کیا اپنے بزرگوں کے قصہ میں کی یہ بات ان کو یاد نہیں کہ فرعون جیسے صاحب حشمت مصر کے بادشاہ کو رسول وقت کی مخالفت نے کیا دن دکھایا۔ ان کی کیا اصل ہے کہ رسول وقت کی مخالفت کر کے یہ دنیا میں شاد و آباد رہ سکتے ہیں۔ اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ سورہ حشر کی تفسیر میں معلوم ہو جاوے گا کہ رسول وقت کی مخالفت نے اِن لوگوں کو بھی وہی دن دکھایا جس سے فرعون کا قصہ یاد دلا کر اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈرایا تھا۔ تاریخی پچھلے کسی واقعہ کو حال کے کسی واقعہ کا نتیجہ جتلانے کے لئے پیش کرنا یہ ثبوت مطلب کا ایک عمدہ طریقہ ہے قرآن شریف میں پچھلے قصے اکثر ایسے محل پر ذکر کئے گئے ہیں۔ مسند امام احمد اور صحیح ابن حبان وغیرہ میں بسند معتبر جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی سوائے شریعت محمدی کی تابعداری کے اور کوئی چارہ نہ ہوتا۔[1] اور ترمذی وغیرہ میں معتبر سند سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ نبی آخرالزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پچھلی سب امتوں سے بہتر ہے۔[2] اس لئے اس آیت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ حضرت موسیٰ حضرت آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت ابراہیم سے افضل ہیں یا حضرت موسیٰ کی امت نبی آخرالزمان کی امت سے افضل ہے بلکہ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ کے یہ معنی ہیں کہ اس زمانہ کے صاحب فضیلت بنی اسرائیل تھے۔ کیوں کہ نبوت بادشاہت سب کچھ اُن کے ہی گھر میں تھا۔

۴۸۔ بنی اسرائیل تورات کی آیتیں بدلنے اور چھپانے میں اللہ تعالیٰ کے رسول کو نہ جاننے میں اللہ تعالیٰ کی طرح طرح کی نافرمانی کرتے تھے اور اس پر یہ کہتے تھے کہ ہم لوگ نبی زادے ہیں۔ دنیا میں اگر کوئی بُرا کام ہم سے ہو بھی جائے گا تو ہمارے بڑے قیامت کے دن اللہ کی جناب میں ہماری شفاعت کر کے ہم کو دوزخ سے بچا لیویں گے۔ بنی اسرائیل کی اس بے بنیاد توقع کو جڑ سے اکھیڑ دینے کی تنبیہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرما دیا کہ اس دن بے مرضی اللہ تعالیٰ کے کوئی کسی کی کسی طرح کی مدد یا سفارش نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ ان کے بڑوں کے بڑے ابراہیم علیہ السلام خود اپنے باپ کی شفاعت نہ کر سکیں گے۔ پھر ان کا تو کیا ذکر ہے۔ ترمذی وغیرہ میں معتبر سند سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ سوائے شرک کے اور کبیرہ گناہ کر کے بغیر توبہ کے مرجاویں گے قیامت کے دن ان کی شفاعت ہوگی۔[3] رہا شرک اس کو تو اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ

---

[1] مشکوۃ بروایت جابر باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص ۳۰ [2] ترمذی مجتبائی فی تفسیر آیۃ کنتم خیر امۃ اخرجت ج ۲ ص ۱۲۹ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۹۰ [3] ترمذی طبع مجتبائی ج ۲ ص ۷۴۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ

اور جب چھڑا دیا ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے دیتے تم کو بڑی تکلیف ذبح کرتے تمہارے بیٹے

وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ

اور جیتی رکھتے تمہاری عورتیں اور اس میں مدد ہوئی تمہارے رب کی بڑی اور جب ہم نے چیرا تمہارے پیٹھنے کے ساتھ

فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

دریا کو پھر بچا دیا تم کو اور ڈبو دیا فرعون کے لوگوں کو اور تم دیکھتے تھے۔

لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ (۴-۴۸) جو لوگ قبر پرستی پیر پرستی ریا کاری کے سبب سے کسی طرح کے شرک جلی یا خفی میں گرفتار ہیں ان کو اپنے عقیدے اور عمل کی اصلاح جلدی بلکہ بہت جلدی کرنی چاہئے۔ ورنہ قیامت کے دن سوا پچھتاوے کے اور ان کو کچھ چارہ نہ ہوگا۔ اور اس دن کا پچھتانا کچھ کام نہ آوے گا۔

۴۹-۵۰۔ یہ پورا قصہ تو سورہ طٰہٰ سورہ شعراء اور قصص میں آوے گا۔ ان آیتوں کا مطلب سمجھنے کے قابل اس قصہ کا حاصل یہ ہے کہ فرعون نے ایک خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی ہے جس سے سوا بنی اسرائیل کے محلہ کے اور مصر کے سب گھر جل گئے۔ اس نے نجومیوں سے اپنے اس خواب کی تعبیر پوچھی انہوں نے یہ تعبیر بتلائی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے اس کے سبب سے فرعون کی سلطنت کو زوال ہو جاوے گا۔ فرعون نے اس تعبیر سے بچنے کے لئے یہ تدبیر کی کہ اس تاریخ سے بنی اسرائیل میں جس قدر لڑکے پیدا ہوں اُن کے مار ڈالنے کا اور جس قدر لڑکیاں پیدا ہوں ان کو چھوڑ دینے کا حکم دیا مگر تقدیر الٰہی کے آگے آدمی کی کیا تدبیر چل سکتی ہے۔ آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور خود فرعون کے گھر میں انہوں نے پرورش پائی اور حضرت موسیٰ کے نبی ہونے کے بعد فرعون کی ظلم و زیادتی سے بچنے کے لئے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو یہ حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے ان کے اصلی وطن ملک شام کو لے جاؤ تو حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے موافق ایک رات بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے کوچ کر دیا اور فرعون نے اس خبر کو سنتے ہی کئی لاکھ آدمیوں کا لشکر لے کر ان کا پیچھا کیا اور دریائے قلزم پر بنی اسرائیل سے آملا۔ حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اپنا عصا دریا کے پانی پر مارو۔ اس کے موافق حضرت موسیٰؑ نے عمل کیا اور اس سے دریا میں خشک راستہ پیدا ہو گیا۔ اس راستہ سے حضرت موسیٰؑ تو مع بنی اسرائیل کے دریا پار ہو گئے۔ فرعون نے اس راستہ سے جب دریا پار ہونے کا قصد کیا تو اس کے بیچ دریا میں پہنچ جانے کے بعد دریا کا پاٹ مل گیا اور فرعون اپنے لشکر سمیت ڈوب کر ہلاک ہو گیا اور فرعون کے ہاتھ سے بنی اسرائیل کو نجات ہو گئی۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود کو ان آیتوں میں یہ پچھلا قصہ اس لئے یاد دلایا گیا ہے کہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل بجا لاویں اور رسول وقت کی مخالفت چھوڑ کر ان کی اطاعت پر قائم ہو جاویں گے تو اطاعت رسول وقت کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہر وقت ان کے بزرگوں کی مدد کی ہے اسی طرح ان کی مدد کی جاوے گی۔ اور اگر اسی مخالفت رسول اور نافرمانی الٰہی پر یہ لوگ اڑے رہے تو ایک دن فرعون اور فرعونیوں کا سا نتیجہ ان کی آنکھوں کے سامنے آ جاوے گا۔ حضرت یعقوب کا اصلی وطن ملک شام ہے۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۵۱ ثُمَّ

اور جب ہم نے وعدہ کیا موسےٰ سے چالیس رات کا پھر تم نے بنالیا بچھڑا اس کے پیچھے اور تم بے انصاف ہو پھر

عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۵۲ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ

معاف کیا ہم نے تم کو اس پر بھی شاید تم احسان مانو اور جب دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور چکوتی

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۵۳ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ

شاید کہ تم راہ پاؤ اور جب کہا موسےٰ نے اپنی قوم کو اے قوم تم نے نقصان کیا اپنا یہ بچھڑا

الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ

بنانے کر اب توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف اور مار ڈالو اپنی اپنی جان یہ بہتر ہے تم کو اپنے خالق کے پاس پھر متوجہ ہوا تم پر

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۵۴ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً

بر حق وہی ہے معاف کرنے والا مہربان اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم یقین نہ کریں گے تیرا جب تک نہ دیکھیں اللہ کو سامنے

فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝۵۵ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۵۶

پھر لیا تم کو بجلی نے اور تم دیکھتے تھے پھر اٹھا کھڑا کیا ہم نے تم کو مرے پیچھے شاید تم احسان مانو

حضرت یوسف جب مصر میں تھے اس وقت حضرت یعقوب کے کنبے میں سے اور لوگ بھی مصر میں جا کر رہے۔ حضرت یوسف کی وفات کے بعد فرعون کی عملداری میں یہ لوگ عام رعیت کی طرح مصر میں رہتے تھے اور جب سے فرعون نے وہ خواب دیکھا تھا اس وقت سے جھنجھلا کر بنی اسرائیل پر طرح طرح کی سختیاں شروع کر دی تھیں۔ اسی واسطے اللہ تعالےٰ نے حضرت موسےٰ کو حکم دیا تھا کہ تم بنی اسرائیل کو ان کے اصلی وطن ملک شام کو پہنچا دو۔ قرآن شریف میں پچھلے قصے جس طرح کسی حال کے مطلب کے ثابت کرنے کے لئے ذکر کئے جاتے ہیں اسی طرح یہ ہر ایک قصہ نبی آخر الزمان کی نبوت کے ثبوت میں ذکر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ باوجود اُمی ہونے کے یہ آپ کو پچھلی کتابوں کے قصے بغیر غیبی مدد کے نہیں آسکتے تھے۔ مسند امام احمدؒ بخاری مسلم نسائی و ابن ماجہ میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آئے تو معلوم ہوا کہ مدینے کے گرد و نواح میں جو یہود لوگ رہتے ہیں وہ عاشورے کے دن کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ آپ نے اس روزہ کا سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آج ہی کے دن فرعون ڈوب کر ہلاک ہوا۔ اور اس کے ہاتھ سے بنی اسرائیل کو اس دن سے نجات ہوئی اللہ تعالےٰ کی اس نعمت کے شکریہ میں حضرت موسےٰ علیہ السلام نے آج کے روز روزہ رکھا تھا اس لئے یہ لوگ بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان لوگوں سے مجھ کو حضرت موسےٰ کے شریک حال ہونے کا زیادہ حق ہے۔ یہ فرما کر خود آپ نے بھی عاشورے کے دن کا روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا[1]۔

۵۱-۵۶- پورا قصہ تو سورۃ اعراف اور طٰہٰ میں آوے گا۔ ان آیتوں کا مطلب سمجھنے کے لئے اس قصے کا حاصل یہ ہے کہ جب فرعون

[1] تفسیر ابن کثیر ج اص ۹۰ و صحیح بخاری ص ۲۶۸ ج ا باب صیام یوم عاشوراء۔

کے ہاتھ سے بنی اسرائیل کو نجات ہوگئی تو بنی اسرائیل کو راہ راست پر چلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ وہ کوہ طور پر آن کر چالیس راتیں رہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں تو پھر ان پر تورات نازل کی جاوے گی۔ اس حکم کے موافق حضرت موسیٰ حضرت ہارون کو اپنے خلیفہ کے طور پر بنی اسرائیل کی نگرانی کے لئے چھوڑ کر خود کوہ طور پر چلے گئے۔ بنی اسرائیل جس رات مصر سے نکلے اس رات فرعونیوں سے ایک شادی کا بہانہ کر کے تمام رات سفر کی تیاری کے لئے جاگتے رہے اور اس شادی کے حیلہ سے انہوں نے فرعونیوں سے کچھ گہنا پاتا بھی مانگ لیا تاکہ فرعونیوں کو شادی کا یقین ہو جاوے اور خلاف عادت رات بھر جاگنے کا سبب کسی فرعونی کو معلوم نہ ہوسکے۔ اسی رات کی صبح کو فرعون اور فرعونی تو سب ہلاک ہوگئے۔ اس لئے اس زیور کا کوئی طلب گار باقی نہ رہا۔ اور زیور جوں کا توں بنی اسرائیل کے پاس رہا۔ حضرت موسیٰ کے کوہ طور پر جانے کے بعد حضرت ہارون کو جو اس زیور کا خیال آیا تو انہوں نے بنی اسرائیل سے کہا یہ زیور پرائی امانت ہے اس کا تم لوگوں کے پاس رہنا مناسب نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ کے واپس آنے تک تم زمین میں ایک گڑھا کھود کر اس زیور کو دبا دو۔ حضرت موسیٰ کے آنے پر اس زیور کا کچھ فیصلہ ہو جاوے گا۔ بنی اسرائیل نے ایسا ہی کیا لیکن بنی اسرائیل میں سامری نام کا جو ایک سنار تھا اس نے اس زیور کو اس گڑھے میں سے نکال کر گلا دیا اور اس کا ایک بچھڑا گھڑا اور فرعون کے ڈوبنے کے وقت یا حضرت موسیٰ کے کوہ طور بلائے جانے کے وقت حضرت جبرائیل کے گھوڑے کے سم کے نیچے کی ذرا سی مٹی جو اس نے اٹھا رکھی تھی وہ اس بچھڑے کے منہ میں ڈال دی جس سے وہ بچھڑا بولنے لگا اور آٹھ ہزار بنی اسرائیل نے اس بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ سامری نے یہ مٹی اس لئے اٹھائی تھی کہ اس کی نظر پڑ گئی تھی۔ کہ حضرت جبرئیل کے گھوڑے کا سم جہاں پڑتا تھا وہاں ہری گھانس نکل آتی تھی اس نے یہ سوچ کر کہ اس مٹی کو جہاں ڈالا جاوے گا ضرور کچھ نہ کچھ اثر دکھاوے گی۔ یہ مٹی بچھڑے کے منہ میں ڈال دی اور علم ازلی میں جو واقعہ ٹھہر چکا تھا وہ اس مٹی کے ڈالنے سے پیش آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر سے واپس آکر جب یہ حال دیکھا تو حضرت ہارون علیہ السلام بنی اسرائیل اور سامری پر بہت خفا ہوئے۔ اور اس بچھڑے کو توڑ کر چورا چورا کر ڈالا اور دریا میں پھینک دیا اور بنی اسرائیل میں کے ستر آدمی اچھے نیک چھانٹ کر پھر کوہ طور پر بنی اسرائیل کی توبہ کی سفارش کے لئے گئے اور جب اللہ تعالیٰ سے حضرت موسیٰ کی ہم کلامی ہوئی تو ان ستر آدمیوں نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کی خواہش کی۔ اور اس ناممکن خواہش کی گستاخی کی سزا میں ان پر بجلی گری اور مر گئے اور پھر حضرت موسیٰ کی دعا سے زندہ ہوئے اور بچھڑا پوجنے والوں کی سزا یہ قرار پائی کہ ان کو قتل کیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تورات کے لئے جانے میں اور ضمنی قصے جو پیدا ہوئے تھے آیتوں کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجانے کی غرض سے ان سب کو ایک جگہ بیان کر دیا گیا ہے۔ وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ کی تفسیر میں اس پر تو سلف کا اتفاق ہے کہ مراد کتاب سے اس آیت میں تورات ہے۔ لیکن فرقان کی تفسیر میں علماء سلف کے چند قول ہیں اوسط یہی قول ہے کہ فرقان سے مراد عصا ید بیضا وغیرہ حضرت موسیٰ کے معجزات ہیں اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ مثل اور انبیاء کے اللہ تعالیٰ نے علاوہ کتاب آسمانی کے اور معجزات بھی موسیٰ کو دیئے کہ معجزات کو دیکھ کر ان کے نبی برحق ہونے کا جلدی یقین ہو جاوے۔ جیسا کہ عصا کا معجزہ دیکھ کر حضرت موسیٰ کو نبی جان لینے کا۔ جادوگروں کا حال آگے آوے گا۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ وَمَا

اور سایہ کیا ہم نے تم پر ابر کا اور اتارا تم پر من اور سلویٰ کھاؤ ستھری چیزیں جو دیں ہم نے تم کو اور

ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ

ہمارا کچھ نقصان نہ کیا پر اپنا ہی نقصان کرتے رہے اور جب کہا ہم نے داخل ہو اس شہر میں اور کھاتے پھرو اس میں جہاں

شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾

چاہو محظوظ ہو کر اور داخل ہو دروازے میں سجدہ کر کر اور کہو گناہ اترے تو بخشیں ہم تم کو تقصیریں تمہاری اور زیادہ بھی دیں گے نیکی کرنے والوں کو

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ

پھر بدل لی بے انصافوں نے اور بات سوائے اس کے جو کہہ دی تھی ان کو پھر اتارا ہم نے بے انصافوں پر عذاب آسمان سے

بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٥٩﴾ ۞ وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانفَجَرَتْ

ان کی بے حکمی پر اور جب پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کے واسطے تو کہا ہم نے مار اپنے عصا سے پتھر کو پھر بہ نکلے

مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا

اس سے بارہ چشمے پہچان لیا ہر قوم نے گھاٹ اپنا کھاؤ اور پیو روزی اللہ کی اور نہ

تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٦٠﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ

پھرو ملک میں فساد مچاتے اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہم نہ ٹھہریں گے ایک کھانے پر سو پکار

لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ مِن بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۖ

ہمارے واسطے اپنے رب کو کہ نکال دے ہم کو جو اگتا ہے زمین سے زمین کا ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز

قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُم مَّا سَأَلْتُمْ ۗ

بولا کیا تم چاہتے ہو ایک چیز جو ادنیٰ ہے بدلے ایک چیز کے جو بہتر ہے اترو کسی شہر میں تو تم کو ملے جو مانگتے ہو

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا

اور ڈالی گئی ان پر ذلت اور محتاجی اور کما لائے غصہ اللہ کا یہ اس لئے کہ وہ تھے

يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٦١﴾

نہ مانتے حکم اللہ کے اور خون کرتے نبیوں کا ناحق یہ اس سے کہ بے حکم تھے اور حد پر نہ رہتے تھے۔

۵۷۔۶۱۔ پورا قصہ تو سورۂ مائدہ میں آئے گا مگر ان آیتوں کا مطلب اس قصہ کے اس قدر خلاصہ سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ بیت المقدس میں اس زمانہ میں جب کہ بنی اسرائیل مصر سے نکلے تھے قوم عاد کے بقیہ لوگ بستے تھے جو عمالقہ قوم کے نام سے مشہور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر عمالقہ قوم سے لڑو۔ اللہ کے حکم سے یہ بستی فتح ہو جائے گی اور اس میں بنی اسرائیل بس جائیں گے۔ یہ کنعانی عمالقہ نام کے لوگ قوی اور صاحب جسامت تھے ان کا حال سن کر بنی اسرائیل نے ان کے ساتھ لڑنے سے انکار کیا۔ اس شرارت اور گستاخی کی سزا میں ملک شام اور مصر کے درمیان

کے ایک جنگل میں چالیس برس تک بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے قید کردیا۔ دھوپ کے وقت اس جنگل میں ان پر ایک ابر کا سایہ ہوتا تھا من وسلویٰ ان کی غذا تھی۔ حضرت موسیٰ کے معجزہ سے ایک پتھر پر عصا مارنے سے آدمیوں اور جانوروں کی ضرورت کے موافق پانی نکلتا تھا۔ اس جنگل میں من اور سلویٰ کھاتے کھاتے اکتا کر بنی اسرائیل نے پیاز ولہسن وغیرہ کھانے کی چیزوں کی خواہش کی تھی بعضے مفسروں کا قول ہے کہ یہ ابر کا سایہ قید کے جنگل میں نہیں تھا بلکہ مصر سے نکل کر بنی اسرائیل جب ملک شام کو جا رہے تھے یہ سایہ اس وقت تھا مگر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی نسائی کی روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابر کا سایہ قید کے جنگل میں تھا[1] مفسرین نے لکھا ہے کہ من تو ترنجبین کا نام ہے اور سلویٰ ایک قسم کے جانور تھے جو بنی اسرائیل کے پڑاؤ کی جگہ آجاتے تھے۔ اور بنی اسرائیل بلا دقت ان کو پکڑ لیتے اور ذبح کر کے کھا لیتے تھے۔ سوائے ابوداؤد کے صحاح ستہ میں جو روایت ہے کہ کھنبی من کی قسم سے ہے[2]۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح بنی اسرائیل کو وہ کھانا بلا دقت بہم پہنچ جاتا تھا اسی طرح کھنبی بغیر کسی کے بونے کے پیدا ہو جاتی ہے۔

سورۂ رعد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (۱۳:۱۱) جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس قوم پر اپنی کریمی سے کچھ انعام واحسان کرتا ہے تو جب تک اس قوم کے لوگ خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہ کریں۔ اس وقت تک وہ انعام واحسان الٰہی قائم رہتا ہے۔ آخر رکوع تک ان آیتوں کا حاصل مطلب بھی یہی ہے کہ باوجود اللہ تعالیٰ کے طرح طرح کے احسانات کے جب کہ بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کے ساتھ حد سے زیادہ بدسلوکی کی یہاں تک کہ ان کو شہید کر ڈالا اور عمالقہ کی بستی جب فتح ہوگئی تو جس طرح سے ان کو اس بستی میں داخل ہونے کا حکم تھا اس حکم کے بجا لانے میں انہوں نے نافرمانی کی اور من وسلویٰ جو بغیر محنت ومشقت کے ان کو کھانے کو ملتا تھا اس کی ناشکری کر کے انہوں نے یہ کہا کہ اس ایک کھانے سے ہمارا دل نہیں بھرتا۔ غرض اس طرح کی ان کی نافرمانیوں سے اللہ تعالیٰ کا ان پر غصہ ہوا اور وہ بے محنت ومشقت کا کھانا بند ہو کر ہمیشہ کی ذلت وخواری ان کے پیچھے لگ گئی۔ چنانچہ اب یہود لوگ جہاں نظر آتے ہیں ان میں خوش حال بہت کم ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے موافق قیامت تک اس قوم کا یہی حال رہے گا۔ اسی مضمون کو مختصر طور پر اس آیت میں فرمایا ہے کہ انہوں نے ہمارا کچھ نہیں کیا یہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے۔ مسند امام احمد میں بسند معتبر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے بڑھ کر عذاب اس شخص پر ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے کسی نبی کو قتل کرے۔ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی اس کو قتل کرے[3]۔ اس سے معلوم ہوا کہ علاوہ دنیا کے مواخذہ کے قیامت کے دن حضرت زکریاؑ ویحییٰؑ اور اور انبیاء کے قتل کے مواخذہ میں یہود پر بڑا عذاب ہوگا۔ ان آیتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہوں کے سبب سے اللہ تعالیٰ کا طرح طرح کا عذاب نازل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو گناہ سے بچاوے تاکہ اللہ تعالیٰ کی ہر ایک طرح کی بلا سے دنیا میں امن رہے۔ جب عمالقہ کی بستی فتح ہوئی تو حکم تھا کہ اس بستی کے دروازہ میں شکریہ کا سجدہ کر کے جاؤ اور حطۃ کا لفظ کہو جس کے معنے گناہوں کے زائل ہو جانے کے ہیں۔ بنی اسرائیل نے یہ شرارت کی کہ بجائے سجدہ کے تو چوتڑوں کے بل گھسکنے لگے اور بجائے حطۃ کے حنطۃ کہا جس کے معنے "گیہوں" کے ہیں۔ اس شرارت کے وبال سے

[1] تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۹۴ و [2] ترمذی ابواب الطب ج ۲ ص ۲۸ و تفسیر ابن کثیر ص ۹۵۔۹۴ [3] تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۱۰۲۔۱۰۳

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

بات یوں ہے کہ جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصرانی اور صابئین جو کوئی یقین لایا اللہ پر اور پچھلے دن پر

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

اور کام کیا نیک تو ان کو ہے ان کی مزدوری اپنے رب کے پاس اور نہ ان کو ڈر ہے اور نہ وہ غم کھائیں

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ

اور جب لیا ہم نے قرار تم سے اور اونچا کیا تم پر پہاڑ پکڑو جو ہم نے دیا زور سے اور یاد کرتے رہو جو اس میں ہے

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ ۖ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ

شاید تم کو ڈر ہو پھر تم پھر گئے اس کے بعد سو اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی مہر

لَكُنتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾

تو تم خراب ہوتے

ان میں طاعون پھیلا اور دو پہر کے عرصہ میں ستر ہزار کے قریب آدمی ہلاک ہو گئے۔

۶۲- یہود اپنے آپ کو حق پر بتلاتے تھے اور نصاریٰ اپنے آپ کو اور صابی لوگ کسی رسول کے پیرو نہیں وہ اپنے آپ کو حق پر کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا حق پر وہی ہے اور اسی کو اللہ کے نزدیک اجر پانے کا حق ہے اور وہی قیامت کے دن اجر پاوے گا۔ جو اللہ پر ایمان لاوے اور اللہ پر ایمان لانا اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہر وقت کے مناسب حال جو اللہ کی شریعت ہر ایک اللہ کے رسول لاتے ہیں اس شریعت کی پیروی کی جاوے۔ صحیحین میں حضرت جبرئیل کے قصہ کی جو حدیث ہے اس میں حضرت جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سائل بن کر پوچھا ہے کہ ایمان کیا چیز ہے؛ آپ نے جو جواب دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے سب رسولوں اور آسمانی کتابوں کے یقین کو ایمان کہتے ہیں[1]۔ اس آیت میں جو لفظ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ کا آیا ہے اس کی یہ حدیث تفسیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں نبی آخر الزمان اور قرآن پر ایمان لانے کے بغیر کسی دین والے شخص کی نجات نہیں ہو سکتی۔ اسی واسطے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت جو مسلم میں ہے اس میں آپ نے صاف فرمایا ہے کہ کوئی شخص خواہ یہودی ہو یا نصرانی میرا حال سن کر مجھ پر ایمان نہ لائے گا تو ایسے شخص کا ٹھکانا دوزخ ہے[2]۔

۶۳-۶۴- یہ پورا قصہ تو سورہ اعراف میں آئے گا حاصل اس کا یہ ہے کہ فرعون کے ہلاک ہو جانے کے بعد پہلے تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ خواہش ظاہر کی کہ اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے کچھ احکام اللہ تعالیٰ کی عبادت کے طریقے بتلانے کے ہم پر نازل ہو جائیں تو اپنے دشمن فرعون سے نجات پانے کے شکریہ میں ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت اُن احکام الٰہی کے موافق خوب دل لگا کر کریں گے۔ جب تورات نازل ہوئی تو کہنے لگے کہ یہ احکام سخت ہیں۔ ان کے موافق تو ہم سے عمل نہیں ہو سکتا اس پر حضرت جبرئیل نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک پہاڑ جڑ سے اکھیڑ کر بنی اسرائیل کے سروں پر

[1] صحیح بخاری طبع دہلی ج ۱ ص ۱۲ [2] مشکوۃ جلد اول کتاب الایمان ج ۱ ص ۱۲ و صحیح مسلم ص ۸۶ ج ۱ باب وجوب الایمان الخ

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۶۵﴾

اور جان چکے ہو جنہوں نے تم میں زیادتی کی ہفتے کے دن میں تو ہم نے کہا ہو جاؤ بندر پھٹکارے

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى

پھر ہم نے وہ دہشت رکھی اس شہر کے اوپر والوں کو اور پیچھے والوں کو اور نصیحت رکھی ڈر والوں کو اور جب کہا موسےٰ نے

لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ

اپنی قوم کو اللہ فرماتا ہے تم کو کہ ذبح کرو ایک گائے بولے کیا تو ہم کو پکڑتا ہے ٹھٹھے میں کہا پناہ اللہ کی

اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾

اس بات سے میں ہوں ناداںوں میں

اس کا سایہ ڈالا اور یہ کہا کہ اگر تم لوگ کتاب الٰہی کے موافق عمل کرنے سے انکار کرو گے تو یہ پہاڑ تمہارے سروں پر پٹخ دیا جائے گا۔ حضرت جبرئیل کے اس ڈرانے سے آخر بنی اسرائیل نے تورات پر عمل کرنے کا عہد کیا۔ اللہ تعالٰے نے اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود کو وہ بات یاد دلائی ہے کہ جس تورات پر ایسی سختی سے عمل کرنے کا عہد تمہارے بڑوں سے لیا جا چکا ہے اسی تورات میں نبی آخر الزمان کے اوصاف اور ان پر ایمان لانے کا عہد موجود ہے۔ تم لوگ جو اس عہد کے پورا کرنے میں طرح طرح کے فریب حیلے اور بدعہدی کر رہے ہو اس کا وبال ایک نہ ایک دن تمہارے اوپر پڑنے والا ہے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ یہ وبال آخر کو ان لوگوں پر پڑا جس کا ذکر سورہ حشر میں آئے گا۔

۶۵-۶۶۔ یہ ایک دوسرا قصہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود کو یاد دلایا گیا ہے۔ یہ قصہ بھی سارا تو سورہ اعراف میں آئے گا۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ دریا کے کنارے ایک بستی ایلہ نام کی تھی جس میں کچھ یہود رہتے تھے۔ ہفتہ کے دن یہود کو سوائے عبادت کے اور سب کام حرام ہیں۔ اس لئے ان یہود کو جو ایلہ میں دریا کے کنارے رہتے تھے ہفتے کے دن مچھلیاں پکڑنی حرام تھیں لیکن انہوں نے طرح طرح کے حیلے نکال کر آخر ہفتے کے دن مچھلیاں پکڑیں اور اسی نافرمانی کی سزا میں ان پر یہ عذاب آیا کہ وہ آدمی سے بندر ہو گئے تا کہ اس بستی کے آس پاس جو یہود رہتے تھے ان بندروں کا حال دیکھ کر ان کو عبرت اور اللہ سے ڈرنے والوں کو نصیحت ہو۔ حال کے یہود جو تورات کی آیتوں کے عمل کرنے میں طرح طرح کے حیلے اور فریب گانٹھ رہے تھے ان کو اس قصہ کے انجام سے ڈرایا گیا تھا مگر ان کو سورہ حشر کا انجام آخر کو ان کے ڈھیٹ پنے نے دکھایا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے صحیح روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو تم اس طرح کے حیلوں میں نہ پڑو جس طرح یہود نے بعضے حیلوں سے حرام کو حلال کر لیا[۱]۔ اس حدیث میں حیلوں کی ممانعت ہے۔

۶۷۔ سلف کی تفسیروں میں یہ قصہ مختلف لفظوں سے نقل کیا گیا ہے مگر تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے اس قصہ کا حاصل یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بڑا مالدار تھا۔ اس کے کوئی اولاد نہیں تھی فقط ایک اس کا بھتیجا غریب سا تھا اس مالدار شخص کے مرنے کے بعد یہی اس کا بھتیجا اس کا وارث ٹھہرتا تھا۔ مال کے جلدی سے ہاتھ آ جانے

[۱] تفسیر ابن کثیر ج اص ۱۰۷

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ

بولے پکار ہمارے واسطے رب اپنے کو کہ بیان کردے ہم کو وہ کیسی ہے کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی نہ بن بیاہی میانہ ہے

بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ

ان کے بیچ اب کرو جو تم کو حکم ہے بولے کہ پکار ہمارے واسطے اپنے رب کو کہ بیان کر دے ہم کو کیسا ہے رنگ اس کا کہا وہ فرماتا ہے

إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ

وہ ایک گائے ہے زرد ڈہڈہا اس کا رنگ خوش آتی ہے دیکھنے والوں کو بولے پکار ہمارے واسطے رب اپنے کو بیان کر دے ہم کو کس قسم میں ہے وہ گائے

کے لالچ سے اس کے اس بھتیجے نے موقع دیکھ کر اپنے چچا کو مار ڈالا۔ اور پاس کے ایک گاؤں کے دروازہ پر لاش ڈال دی۔ اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آن کر اپنے چچا کے خون کا دعوےٰ کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ایک گائے کے ذبح کرنے کا اور اس گائے کے گوشت کا ایک ٹکڑا اس مقتول شخص کے جسم پر مارنے کا حکم دیا۔[1] پہلے تو بنی اسرائیل نے یہ سمجھا کہ گائے کے ذبح کرنے کا ذکر حضرت موسیٰ نے دل لگی سے کیا ہے کیونکہ مقتول شخص کے قاتل کا حال دریافت کرنے اور گائے ذبح کرنے میں کچھ تعلق نہیں پایا جاتا لیکن ان کو جب یہ معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے تو انہوں نے بڑے جھگڑے اس گائے کی صفتیں دریافت کرنے میں نکالے جن سے وہ گائے خالص صفتوں کی ایک گائے ہوگئی آخر ان صفتوں کی ایک گائے بہم پہنچی اور وہ ذبح کی گئی اور اس کا ایک ٹکڑا اس مقتول شخص کے جسم پر مارا جس سے تھوڑی دیر کے لئے وہ مقتول شخص زندہ ہوا اور اس نے اپنے بھتیجے کو اپنا قاتل بتلایا اور پھر مر گیا۔ اس ٹکڑے کا حال کہ وہ کس جگہ کا ٹکڑا تھا کسی صحیح روایت میں نہیں ہے اس لئے جن تفسیروں میں اس ٹکڑے کو خصوصیت کے نام سے کر ذکر کیا ہے وہ اہل کتاب کی روایتوں کی بنا پر ہے جن روایتوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود کو یہ قصہ اس لئے یاد دلایا گیا ہے کہ گائے کے ذبح کے حکم میں طرح طرح کے جھگڑے نکالنے سے جس طرح ان کے بڑے ایک سختی اور مشکل میں پھنس گئے اسی طرح نبی آخر الزماں کی فرماں برداری کے حکم میں یہ لوگ طرح طرح کے جھگڑے جو نکالتے ہیں یہ بات ان کے حق میں مضر ہے اور آخر کو یہ لوگ اس سے کسی نہ کسی سختی میں پھنس جائیں گے۔ اور نبی آخر الزمان کے اوصاف کی آیتوں کے چھپانے میں یہ لوگ طرح طرح کے حیلے جو کر رہے ہیں یہ ان کے حیلے چھپ نہیں سکتے۔ بلکہ ایک دن یہ حیلے اسی طرح کھل جائیں گے جس طرح آخر کو ان کے بڑوں میں اس قاتل کا حیلہ کھل گیا۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے گائے کے ذبح کا ذکر پہلے اور مقتول کے قتل کا ذکر بعد کو فرمایا ہے تاکہ قصہ میں جو تنبیہ کا ذکر ہے وہ پہلے آجاوے۔ مسند امام احمد میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص ایک ٹھوس پتھر کے اندر گھس کر بھی کوئی کام کرے تو اس کا وہ کام ایک نہ ایک دن لوگوں پر کھل جائے گا۔[2] حاکم نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔[3]

۶۸-۷۱۔ تفسیر ابن جریر میں بسند صحیح حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے جھگڑوں سے

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۰۸-۱۰۹۔ [2] مشکوٰۃ ص ۴۵۶ باب الریاء والسمعۃ الفصل الثالث۔ [3] مستدرک حاکم ص ۳۱۴ ج ۴ کتاب الرقاق بروایت ابی سعید الخدریؓ

إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا ۖ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا

گائیوں میں شبہ پڑا ہے ہم کو اور ہم اللہ نے چاہا تو راہ پالیں گے کہا وہ فرماتا ہے وہ ایک گائے ہے

ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ

محنت والی نہیں کہ باہتی ہو زمین کو یا پانی دیتی ہو کھیت کو بدن سے پوری ہے داغ کچھ نہیں اس میں بولے اب لایا تو

بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾ ع وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّارَأْتُمْ فِيهَا ۖ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ

ٹھیک بات پھر اس کو ذبح کیا اور لگتے نہ تھے کہ کریں گے اور جب تم نے مار ڈالا تھا ایک شخص پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے اور اللہ کو نکالنا ہے

مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٧٢﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذَلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ

جو تم چھپاتے تھے پھر ہم نے کہا مارو اس مردہ کو اس گائے کا ایک ٹکڑا اسی طرح جلا دے گا اللہ مردے اور دکھاتا ہے تم کو اپنے نمونے

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٧٣﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ

شاید کہ تم سمجھو پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اس سبب کے بعد سو وہ ہیں جیسے پتھر یا اس سے بھی سخت

وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ

اور پتھروں میں تو وہ بھی ہیں جن سے پھوٹتی ہیں نہریں اور ان میں تو وہ بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور نکلتا ہے ان سے پانی اور ان میں

مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٧٤﴾

تو وہ بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے

اس گائے کے اوصاف سخت ہو گئے۔ اگر وہ لوگ بغیر ان جھگڑوں کے ایک معمولی گائے ذبح کر لیتے تو یہ مشکل پیش نہ آتی۔ اس گائے کی بیش قیمتی کی جو روایتیں ہیں وہ اہل کتاب سے لی گئی ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ عکرمہ سے بسند صحیح جو روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین اشرفی کو یہ گائے خریدی گئی تھی[1]۔

۷۱-۷۳۔ شروع قصہ کا یہی ہے مگر حسن تنبیہ کے لئے قصے کی ترتیب بدلی گئی ہے اس کا ذکر اوپر گذر چکا۔ اس سورت میں مردہ کے زندہ ہونے کا ذکر پانچ آیتوں میں جگہ جگہ آیا ہے تاکہ منکرین حشر کے دل میں اچھی طرح یہ جم جائے کہ جس طرح ان مُردوں کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا اسی طرح سب مُردے حشر کے دن زندہ کئے جائیں گے اور یہود لوگ اگرچہ حشر کے منکر نہیں ہیں لیکن حشر کے ذکر سے اُن کے دل میں یہ بات جم جاوے کہ آخر حشر نیک و بد کے حساب و سزا و جزا کے لئے ہے۔ پھر حشر کی اصلی غرض کو بھول کر عقبے کے مضر کام کرنا بڑی نادانی کی بات ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقلمند وہ شخص ہے جو اپنے نفس پر قادر ہو کر دنیا میں موت کے مابعد کاموں میں لگا ہے اور نادان وہ ہے جو نفس کے تابع ہو کر دنیا میں موت کے مابعد کی باتوں کو بھول جائے[2]۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے[3]۔

۷۴۔ تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب اس شخص نے تھوڑی دیر

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۱۰ [2] مشکوٰۃ جلد ثانی باب استحباب المال والعمر والطاعۃ ص ۴۵۱ [3] جامع ترمذی ص ۶۹ ج ۲۔

کے لئے زندہ ہوکر اپنے قاتل کا نام بتلادیا اور پھر وہ مرگیا تو اس کے قاتل اور اس کے ساتھیوں نے اس پر بھی اس شخص کے قول کو جھٹلادیا۔ اور اس کے قتل سے صاف انکار کردیا[1]۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ان یہود لوگوں کے دل بالکل پتھر یا پتھر سے بھی زیادہ ایسے سخت ہوگئے ہیں کہ پتھر میں جو نرمی کی باتیں کچھ پائی جاتی ہیں اس قدر نرمی بھی ان کے دلوں میں باقی نہیں رہی۔ ابن کثیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب تیرہ برس کا عرصہ قرآن شریف کو نازل ہوتے ہوئے ہوگیا اور مسلمانوں کے دل پر قرآن شریف کی نصیحتوں کا اثر کامل طور سے خدا تعالیٰ نے نہیں دیکھا تو سورہ حدید کی آیت وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ (۵۷:۱۶) اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی[2]۔ امد کے معنے مدت کے ہیں۔ اور حاصل مطلب اس سورہ حدید کی آیت کا یہ ہے کہ اہل کتاب میں تو مدت سے کوئی نبی نہیں ہے۔ جدید وحی کے ذریعہ سے اب کوئی نصیحت ان پر نازل نہیں ہوتی۔ نبی آخر الزمان پر قرآن شریف کے ذریعہ سے جو نصیحتیں نازل ہوتی ہیں ان کو یہ اہل کتاب مانتے نہیں اس سبب سے ان کے دل سخت ہوگئے۔ لیکن اے مسلمانو! تم میں تو نبی موجود ہے روز جدید نصیحتیں قرآن شریف کے ذریعہ سے نازل ہوتی ہیں۔ تم کو اہل کتاب کی طرح سخت دل نہیں ہونا چاہئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبوت کا زمانہ دور ہو جانے سے امت کے دل سخت ہوجاتے ہیں۔ اسی واسطے آپ نے خیر القرون قرنی فرمایا۔ یہ دوری نبوت اور نزدیکی قیامت کا زمانہ اب ہم لوگوں کا ہے۔ ہم کو چاہئے کہ قرآن شریف اور حدیث کی پرانی نصیحتوں کو نیا خیال کریں۔ اور پڑھنے سے سننے سے جس طرح ممکن ہو ان نصیحتوں کے اثر سے اپنے دلوں کو نرم کرتے رہیں۔ ورنہ بڑی خرابی ہے۔ ترمذی اور مؤطا میں جو روایتیں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ باتیں کرنے سے آدمی کا دل سخت ہوجاتا ہے[3]۔ اس لئے بہت سی صحیح حدیثوں میں خاموشی کی بڑی تعریف اور فضیلت آئی ہے۔ پتھروں کی کچھ حالتیں جو ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں بعضے مفسروں نے طرح طرح کی تاویلیں کی ہیں۔ لیکن ان تاویلوں کی کچھ ضرورت نہیں ہے آیت وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ (۱۷:۴۴) اور صحیح مسلم کی اس روایت نے جس میں آپ نے فرمایا ہے میں اس پتھر کو خوب پہچانتا ہوں جو نبوت سے پہلے مجھ سے سلام علیک کیا کرتا تھا[4]۔ اور اس قسم کی اور آیات اور احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے پتھر اور پتھر جیسی اور بے جان چیزوں میں ایک طرح کی سمجھ دی ہے جو ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ یہ جو چیز ہماری سمجھ سے باہر ہے اس کی صحیح تاویل ہم کیا کرسکتے ہیں اخیر آیتوں پر اللہ تعالیٰ نے یہود کو یہ تنبیہ کی ہے کہ اپنی سخت دلی کے سبب سے جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ غافل نہیں ہے اس کو سب خبر ہے۔ وہ وقت مقررہ آنے والا ہے کہ ایک دن ان کی پوری خبر لی جائے گی۔ سورہ حشر کی تفسیر میں معلوم ہوگا کہ دنیا میں تو وہ وقت آچکا عقبیٰ کا مؤاخذہ ابھی ان سے باقی ہے جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہوگا ۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۱۲۔ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۱۰ تفسیر سورت الحدید۔ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۱۱۴ ج ۱ و جامع ترمذی ج ۲ ص ۶۳ باب ماجاء فی حفظ اللسان [4] ابن کثیر ج ۱ ص ۱۱۳ و صحیح مسلم ص ۲۴۵ ج ۲

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ

اب کیا تم اے مسلمانو توقع رکھتے ہو کہ وہ مانیں تمہاری بات اور ایک لوگ تھے ان میں کے کہ سنتے تھے کلام اللہ کا پھر اس کو بدل ڈالتے تھے

مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا

بعد سمجھ لینے کے اور وہ اس کو جانتے تھے اور جب ملتے ہیں مسلمانوں سے کہتے ہیں مسلمان ہوئے اور جب اکیلے ہوتے ہیں

بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا

ایک دوسرے پاس کہتے ہیں تم کیوں کہہ دیتے ہو ان سے جو کھولا ہے اللہ نے تم پر کہ جھٹلا دیں تم کو اس سے تمہارے رب کے آگے کیا تم کو

تَعْقِلُونَ ﴿٧٦﴾ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٧﴾

عقل نہیں کیا اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ کو معلوم ہے جو چھپاتے ہیں اور جو کھولتے ہیں

۷۵۔۷۷۔ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی سخت دلی کا ذکر فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ مدینے کی اطراف میں جو یہود رہتے ہیں ان کے بڑوں سے یہ بات چلی آتی ہے کہ جوں جوں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں یہ لوگ دیکھتے ہیں ان کے دل اور سخت ہوتے جاتے ہیں۔ اب مدینہ کے اطراف کے یہود لوگ صحابہ سے اکثر ملتے جلتے رہتے تھے جس سے صحابہ کو یہ توقع ہوتی تھی کہ ملنے جلنے کا اثر شاید یہ ہو کہ رفتہ رفتہ حق بات ان کے دل میں گھر کر جاوے اور راہ راست پر آن کر یہ لوگ شرع محمدی کے تابع ہو جائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ ان یہود لوگوں سے شرع محمدی کے تابع ہو جانے کی توقع بالکل بے سود ہے۔ انہوں نے تو شریعت موسوی کا بھی یہ کھوج اکھویا ہے کہ تورات کی اکثر آیتیں بدل کر حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرا رکھا ہے۔ اور ان میں کے بعض لوگ مسلمانوں سے میل جول کے وقت شرع محمدی کے حق ہونے کا اقرار جو کرتے ہیں وہ منافق ہیں۔ ان کے اس اقرار زبانی کا اثر ان کے دل پر کچھ نہیں ہے۔ یہاں مسلمانوں کے روبرو تو یہ لوگ کچھ باتیں ایسی کرتے ہیں جس سے مسلمانوں کو ان کے راہ راست پر آجانے کا دھوکہ ہوتا ہے۔ لیکن جب یہ سب لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں تو وہاں ان کے علماء ان کے سردار ان کو یہ پٹی پڑھاتے ہیں کہ مسلمانوں سے میل جول کے وقت اپنے دین موسوی کے بھید کی کوئی ایسی بات مسلمانوں سے مت کہا کرو جس سے ان کو ہمیں قائل کرنے کا موقع ملے۔ اس پٹی پڑھانے کے بعد یہ لوگ اپنے زبانی اقرار پر پچھتاتے ہیں اتحدثونھم بما فتح اللہ علیکم کی تفسیر میں مجاہد نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن یہود بنی قریظہ کو سوروں اور بندروں کے اور بچھڑا پوجنے والوں کے بھائی کہا تھا[۱]۔ یہود کے علماء اور سرداروں نے اپنی قوم کے ان لوگوں سے جو مدینہ میں آتے جاتے اور مسلمانوں سے ملتے رہتے تھے اس لئے یہ کہا تھا کہ اپنے دین کے بھید کی کوئی بات مسلمانوں سے مت کہا کرو۔ مسلمانوں کو یہ کیا معلوم تھا کہ یہود میں کے کچھ لوگ عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر سابق کے زمانہ میں بندر اور سور ہو گئے ہیں۔ یا یہود میں کچھ لوگوں نے بچھڑے کی پوجا بھی کسی زمانے میں کی تھی۔ آخر تم ہی لوگوں کے منہ سے یہ بات کبھی نہ کبھی نکلی ہوگی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہود کے علماء کو قائل کرنے

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۱۷

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ

اور ایک ان میں سے اَن پڑھ ہیں خبر نہیں رکھتے کتاب کی مگر باندھ لیں اپنی آرزوئیں اور اُن پاس نہیں مگر اپنے خیال سو خرابی ہے ان کی جو

يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا

لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے پھر کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے کہ لیویں اس پر مول تھوڑا

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ

سو خرابی ان کو اپنے ہاتھ کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کو اپنی کمائی سے اور کہتے ہیں ہم کو آگ نہ لگے گی۔

إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ أَمْ

مگر کئی دن گنتی کے تو کہہ کیا لے چکے ہو اللہ کے یہاں سے قرار تو البتہ خلاف نہ کرے گا اللہ اپنا قرار یا

تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾

جوڑتے ہو اللہ پر جو معلوم نہیں رکھتے

کے لئے یہ فرمایا کہ یہ لوگ یہود کے علماء کہلاتے ہیں اُن کو اتنا بھی شعور نہیں کہ ان کی اس ایک بات پر کیا منحصر ہے تورات کے بھید کی سینکڑوں باتیں مسلمانوں کو اُن کے نبی کے ذریعہ سے اور نبی کو وحی الٰہی کے ذریعہ سے روزانہ معلوم ہوتی جاتی ہیں۔ یہ ایک بات یہود میں کا کوئی شخص مسلمانوں سے کہہ دیتا تو اس کی یہ سینکڑوں باتیں کہاں سے بن جاتیں مگر یہ شعور ان لوگوں کو ہوتا تو کیوں کر ہوتا۔ بدبختی اصلی کے سبب سے ان کی عقل ان کا شعور سب کچھ زائل ہو گیا ہے ۰

۷۸-۷۹۔ ان آیتوں میں یہود کے اَن پڑھ اور علماء دونوں فرقوں کا حال ہے۔ اَن پڑھ فرقہ کا تو یہ کہ انہوں نے اپنے گروہ کے علماء سے جو کچھ گھڑی گھڑائی باتیں سُن لی ہیں وہی ان کا دین و ایمان ہے سوا اُن باتوں کے ان کو کچھ معلوم نہیں کہ تورات کیا ہے اور اس میں کیا احکام الٰہی ہیں۔ دوسرا فرقہ ان کے علماء کا ہے جنہوں نے اپنی طرف سے اپنے ہاتھوں سے کچھ جھوٹ مصنوعی باتیں جعل سازی سے کتاب الٰہی میں لکھ دی ہیں اور ان باتوں کو اللہ تعالیٰ کا حکم بتاتے ہیں اور جاہل لوگوں کو بہکا کر اس ذریعہ سے کچھ کما کھاتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ جھوٹ اور یہ لقمہ حرام ایک دن ان کو خرابی میں ڈالے گا ۰

۸۰۔ علماء یہود میں دو باتیں زیادہ مشہور تھیں ایک تو یہ کہ دنیا کی عمر سات ہزار برس کی ہے۔ اگر ہم کو عذاب ہوا بھی تو فی ہزار ایک دن کا عذاب ہوگا۔ اور آٹھویں دن ہم سب جنت میں چلے جائیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر سات دن سے بڑھ کر ہم کو عذاب ہوا تو چالیس دن سے بڑھ کر کسی طرح نہ ہوگا۔ کیوں کہ یہ وہ مدت ہے جس میں ہمارے بڑوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ کم شہرت کی تیسری یہ بات بھی یہود کی زبان پر تھی کہ دوزخ کے منہ کی چوڑائی چالیس برس کے راستہ کی ہے۔ زیادہ عذاب ہم کو ہوا تو اسی مدت تک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ تم ان یہود کے جھوٹے علماء سے

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓــَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا
کیوں نہیں جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے سو وہی ہیں لوگ دوزخ کے وہ اسی میں

خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا
وہ پڑے اور جو یقین لائے اور عمل کئے نیک وہ لوگ ہیں جنت کے وہ اسی میں

خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ
رہ پڑے اور جب ہم نے لیا اقرار بنی اسرائیل کا بندگی نہ کریو مگر اللہ کی اور ماں باپ سے

اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا
سلوک نیک اور قرابت والے سے اور یتیموں سے اور محتاجوں سے اور کہیو لوگوں کو نیک بات اور کھڑی رکھیو نماز کو اور دیتے رہو

الزَّكٰوةَ ۗ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾
زکوٰۃ پھر پھر گئے تم مگر تھوڑے تم میں سے اور تم منہ پھیرنے والے ہو

دریافت کرو کہ ان کے پاس اِن جھوٹی باتوں کی کیا سند ہے اور سند نہ بتلائیں گے۔ تو اللہ کے دین میں ایسی جھوٹی باتیں بنانے کا وبال ایک دن اِن پر آنے والا ہے ؎

۸۱،۸۲۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان آیتوں میں گناہ کے معنے شرک کے لئے ہیں[1] اور آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ جو شخص یہود کی طرح کے شرک اور کفر اور گناہوں میں ہمیشہ مبتلا رہ کر بغیر توبہ کے مرجائے گا۔ تو وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ یہ تفسیر بہت سی صحیح حدیثوں کے موافق ہے جن کا مطلب یہ ہے کہ جو مومن گنہگار بغیر توبہ کے مرجائے گا وہ اخیر کو جنت میں جائے گا۔ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا[2] ؎

۸۳۔ یہ تو اوپر گذر چکا ہے کہ بنی اسرائیل کے سر پر پہاڑ کھڑا کرکے ان سے تورات کے مسئلوں پر عمل کرنے کا عہد لیا گیا ہے۔ یہود کے قائل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں تورات کے آٹھ مسئلے ذکر کرکے فرمایا ہے کہ باوجود ایسے سخت عہد کے سوا چند آدمیوں کے تم سب اِن مسئلوں پر عمل نہیں کرتے اور اپنے عہد سے پھر گئے ہو۔ اور پھر آگے جاکر فرمایا کہ جو کوئی ایسے کام کرے اس کی یہی سزا ہے کہ دنیا میں وہ طرح طرح سے رسوا ہوگا اور عقبےٰ میں سخت عذاب بھگتے گا۔ ان مسئلوں میں پہلا مسئلہ توحید کا ہے کہ اللہ کو وحدہ لاشریک لہ جاننا اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا یہ حکم اللہ تعالیٰ نے ہر ایک رسول کی امت کو دیا ہے چنانچہ سورہ نحل میں فرمایا ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (۳۶:۱۶) جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا بھر کی تمام امتوں میں جو رسول اللہ تعالیٰ نے بھیجے ہیں ان کی امتوں کو یہی بات سمجھانے کو بھیجے ہیں کہ اللہ ہی کی خالص عبادت کریں اور شرک سے دور رہیں۔ سوا اللہ تعالیٰ کے جس چیز کی پوجا کی جاوے اس کو عربی میں طاغوت کہتے ہیں۔ صحیحین میں حضرت معاذؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کا حق اس کے بندوں پر یہ ہے کہ

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۱۹ ج ۱ [2] بشرطیکہ شرک سے مجتنب رہا ہو ؎

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ لَا تَسۡفِكُوۡنَ دِمَآءَكُمۡ وَلَا تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ ثُمَّ

جب لیا ہم نے اقرار تمہارا کہ نہ کرو گے خون آپس میں اور نہ نکال دو گے اپنوں کو اپنے وطن سے پھر

اَقۡرَرۡتُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَتُخۡرِجُوۡنَ فَرِيۡقًا مِّنۡكُمۡ

تم نے اقرار کیا اور تم مانتے ہو پھر تم ویسے ہی خون کرتے ہو آپس میں اور نکال دیتے ہو اپنے ایک فرقے کو

مِّنۡ دِيَارِهِمۡ تَظٰهَرُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَاِنۡ يَّاۡتُوۡكُمۡ اُسٰرٰى تُفٰدُوۡهُمۡ

ان کے وطن سے چڑھائی کرتے ہو اُن پر گناہ سے اور ظلم سے اور اگر وہی آویں تمہارے پاس کسی کی قید میں پڑے تو ان کی

وہ اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے اس حق کے ادا ہونے کے بعد بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنے ایسے بندوں کو دوزخ کے عذاب سے بچا تا ہے۔ شرک ایک تو ظاہری ہے کہ آدمی سوا اللہ کے کسی چیز کی پوجا کرے۔ دوسرا چھپا ہوا چھوٹا شرک ریاکاری ہے کہ لوگوں کے دکھاوے کے لئے آدمی اللہ کی عبادت کرے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کا حق پیدا کرنے کے لئے انسان کو دونوں طرح کے شرک سے بچنا چاہئے۔ مسند امام احمدؒ میں محمود بن لبید کی صحیح سند سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو اپنی امت کے چھوٹے شرک کا بڑا خوف ہے۔ صحابہ نے پوچھا چھوٹا شرک کیا ہے۔ آپ نے فرمایا ریاکاری[۱]۔ یہود میں سے جب تورات ضائع ہوگئی تو حضرت جبرئیل نے حضرت عزیر کو تورات یاد کرادی اور حضرت عزیر نے بنی اسرائیل کو اپنی یاد سے ساری تورات لکھوادی اس پر یہود حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا کہنے لگے اور ایسے بڑے توحید کے عہد پر قائم نہیں رہے جس کا مفصل ذکر سورہ توبہ میں آئے گا۔ اسی طرح اور مسئلوں کا عہد انہوں نے چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور ماں باپ کے سبب سے ہر ایک انسان پرورش پاتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ ماں باپ کے حق کا ذکر کیا ہے۔ مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے ماں باپ کو یا فقط ماں یا فقط باپ کو ان کے بڑھاپے کی حالت میں زندہ پایا اور پھر بھی ان کی خدمت کے اجر میں اس شخص نے جنت حاصل نہ کی تو ایسا شخص بڑا بدنصیب ہے[۲]۔ لوگوں سے نیک بات کہنے میں وعظ و نصیحت بھی داخل ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص ہاتھ یا زبان سے خلاف شرع بات کو منع نہ کر سکے تو ضعیف درجہ ایمان کا یہ ہے کہ دل سے اس خلاف شرع بات کو برا جانے[۳]۔ اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں سے نیک بات کہنے میں وعظ نصیحت کا خیال رکھنا ایمان کی نشانی ہے۔

۸۴-۸۵۔ مدینہ میں اوس و خزرج دو بڑے قبیلے رہتے تھے۔ اسلام سے پہلے ان دونوں قبیلوں میں سخت عداوت تھی

---

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۲ کتاب اللباس [۲] مشکوٰۃ ص ۴۵۴ باب الریاء، فصل تیسری [۳] صحیح مسلم باب فضل صلۃ اصدقاء الاب والام ونحوھا ج ۲ ص ۳۱۴ طبع دہلی [۴] صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۱

وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ ۚ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاءُ

حالانکہ حرام ہے تم پر ان کا نکال دینا پھر کیا مانتے ہو تھوڑی کتاب اور منکر ہو تھوڑی کے پھر کچھ سزا نہیں

مَنْ يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ

اس کی جو کوئی تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن پہنچائے جاویں سخت سے سخت

الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٨٥﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا

عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے وہی ہیں جنہوں نے خرید کی دنیا کی زندگی

بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٨٦﴾ ع

آخرت دے کر سو نہ ہلکا ہوگا اُن پر عذاب اور نہ ان کو مدد پہنچے گی

اور مدینہ کے اطراف میں یہود کے تین قبیلے بنی قینقاع بنی نضیر اور بنی قریظہ رہتے تھے۔ بنی قینقاع اور بنی نضیر کی عرب کے خزرج قبیلہ سے دوستی تھی اور بنی قریظہ کی اوس قبیلہ سے۔ جب یہ دونوں قبیلے عرب کے آپس میں لڑتے تو یہود بھی اپنے اپنے دوست قبیلہ کے ساتھ ہو کر لڑتے اور ایک طرف کے یہودیوں کے ہاتھ سے دوسری طرف کے یہودی مارے جاتے اور اگر ایک طرف کے یہودی دوسری طرف گرفتار ہو جاتے تو تورات کے حکم کے موافق چھوڑوائی کی رقم دے کر اپنے قیدیوں کو ضرور یہودی چھڑا لیتے۔ اللہ تعالےٰ نے ان آیتوں میں یہود کو قائل کیا کہ تورات میں جس طرح ایک یہودی کا دوسرے یہودی قیدی کی چھڑوائی دے کر چھوڑا لینے کا حکم ہے اسی طرح یہودیوں کی آپس کی لڑائی آپس کی جلا وطنی حرام ہے۔ پھر تورات کی بعض آیتوں پر اپنی مرضی کے موافق عمل کرنا اور بعض آیتوں پر عمل نہ کرنا یہ کونسی دینداری ہے۔ پھر فرمایا جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہے۔ بلکہ دنیا کی رسوائی عقبےٰ کا عذاب تمہاری سزا اللہ تعالےٰ کے نزدیک قرار پا چکی ہے دنیا کی رسوائی تو ہو چکی بنی قریظہ قتل ہوئے۔ بنی نضیر بنی قینقاع جلا وطن کئے گئے۔ عقبےٰ کا عذاب باقی ہے جس کا ذکر آگے کی آیت میں ہے۔

۸۶۔ اس آیت میں یہود اپنے اعمال کے سبب سے جس ٹوٹے میں پڑ گئے اس کا ذکر اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے اپنی عاقبت ہاتھ سے دے کر دنیا حاصل کی جو چند روزہ ہے۔ لیکن اس بداعمالی کے سبب سے عقبےٰ میں ان لوگوں پر ایسا عذاب ہوگا جس کی سختی میں کبھی کچھ کمی نہ ہوگی۔ اور وہاں ان کا کوئی مددگار بھی پیدا نہ ہوگا۔ صحیحین میں نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سب دوزخیوں سے کم عذاب جس شخص پر ہوگا اس کو آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی جس سے اس کا بھیجا کھول جائے گا[1]۔ پھر جن لوگوں کے حق میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ ان کو سخت عذاب ہوگا اور ان کے عذاب میں کبھی کچھ تخفیف نہ ہوگی۔ ان کا کیا حال ہوگا۔ خدا اپنے عذاب کی بلا سے سب کو محفوظ رکھے اور ایسے اعمال کی توفیق دے جس سے اس کے عذاب سے محفوظ رہنے کا حق ہم کو حاصل ہو۔

[1] صحیح بخاری باب صفۃ الجنۃ والنار ج ۲ ص ۹۷۱۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور پے درپے بھیجے پیچھے اس کے رسول اور دیئے عیسےٰ مریم کے بیٹے کو

الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ اَفَكُلَّمَا جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ

معجزے صریح اور قوت دی اس کو روح پاک سے پھر بھلا جب تم پاس لایا کوئی رسول جو نہ چاہا تمہارے جی نے

اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿٨٧﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ

تم تکبر کرنے لگے پھر ایک جماعت کو جھٹلایا اور ایک جماعت کو مار ڈالتے اور کہتے ہیں ہمارے دل پر غلاف ہیں یوں نہیں لعنت کی ہے

اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾

اللہ نے ان کے انکار سے سو کم یقین لاتے ہیں

۸۷۔ حضرت موسےٰ اور حضرت عیسےٰ کے مابین ایک ہزار نوسو پچیس برس[۱۹۲۵] کے زمانہ میں کتاب تو وہی تورات ہی رہی مگر حضرت زکریا یونس یحییٰ داؤد سلیمان علیہم السلام اور اور نبی اللہ تعالےٰ نے تورات کے احکام قائم رکھنے کے لیے متواتر بھیجے۔ اور ان انبیاء نے جب کبھی بنی اسرائیل کو تورات کے احکام کی پابندی پر زیادہ مجبور کیا اور برخلاف کتاب الٰہی کے جو باتیں یہود نے رائج کر رکھی تھیں اُن سے ان کو روکا تو انہوں نے ان کے ساتھ بدسلوکی کر کے بعضوں کو ان میں سے شہید کیا اور بعضوں کے ساتھ سخت مخالفت سے پیش آئے۔ روح القدس کی تفسیر میں صحیح قول یہی ہے کہ روح القدس سے مراد یہاں حضرت جبرئیل[۱] ہیں کہ وہ ہر وقت حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے ساتھ رہتے تھے اور سورہ آل عمران میں آئے گا کہ حضرت عیسےٰ نے تورات کے کچھ احکام مثلاً چربی اور اونٹ کے گوشت کے حرام ہونے کو اللہ کے حکم سے منسوخ بھی کیا۔ یہود کا تو یہ عقیدہ تھا کہ تورات کے احکام قیامت تک کبھی منسوخ نہیں ہوں گے۔ حضرت عیسےٰ کے جدید معجزات سے اور تورات کے بعض احکام کی منسوخی سے انہوں نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے سخت مخالفت شروع کی یہاں تک کہ آخر ان کے شہید کرنے پر مستعد ہوئے جس کا تفصیلی قصہ سورہ النساء میں آئے گا۔

۸۸۔ سورہ حٰم السجدہ میں یہود کے اس قول کی طرح اہل مکہ کا قول اللہ تعالےٰ نے یوں فرمایا ہے وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ (۴۱: ۵) جس کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد تم اپنے دین پہ ہو ہم اپنے دین پر رہیں گے کیونکہ غیر دین کی بات نہ ہمارے دل سمجھ سکتے ہیں نہ ہمارے کان سن سکتے ہیں۔ نہ ہم میں اور غیر دین میں جو پردہ حائل ہے وہ اٹھ سکتا ہے۔ حاصل مطلب ان دونوں قولوں کا یہ ہے کہ غیر دین کی بات ہم پر کسی طرح اثر نہیں کرتی۔ اللہ تعالےٰ نے اہل مکہ کے قول کا تو یہ جواب دیا کہ یہ لوگ عقبےٰ کے منکر ہیں۔ اس سبب سے ایسی باتیں کرتے ہیں۔ اور یہاں یہود کے اس قول کا جو جواب اللہ تعالےٰ نے دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اہل کتاب اور عقبےٰ کے قائل ہو کر جو منکرین حشر کی سی باتیں کرنے میں تو ان پر

[۱] صحیح بخاری طبع دہلی ج اص ۴۵۶ و ۸۵۷ و ابوداؤد و ترمذی و صحیح ابن حبان بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج اص ۱۲۲۔۱۲۳۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ

اور جب ان کو پہنچی کتاب اللہ کی طرف سے سچا بتاتی ان پاس والوں کو اور پہلے سے فتح مانگتے تھے

عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا

کافروں پر پھر جب پہنچا ان کو جو پہچان رکھا تھا اس سے منکر ہوئے سو لعنت ہے اللہ کی منکروں پر برے مول

اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ

خرید کیا اپنی جان کو کہ منکر ہوئے اللہ کے اتارے کلام سے اس ضد پر کہ اتارے اللہ اپنے فضل سے جس پر

يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

چاہے اپنے بندوں میں سے سو کما لائے غصہ پر غصہ اور منکروں پر عذاب ہے ذلت کا

خدا کی لعنت اور پھٹکار ہے جس پھٹکار کا اثر یہ ہے کہ اہل مکہ میں کی تو ایک جماعت راہ راست پر آگئی ہے اور ان میں کے ابھی تھوڑے سے لوگ راہ راست پر آئے ہیں۔

۸۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف تورات میں دیکھ کر یہود لوگ اللہ تعالیٰ سے نبی آخرالزمان کے جلد پیدا ہونے کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اور جن مشرکوں سے ان کی مخالفت تھی اُن سے یہ کہا بھی کرتے تھے کہ بہت جلد نبی آخرالزمان کا زمانہ آنے والا ہے اس وقت ہم اُن نبی کے ساتھ ہو کر تم سے دل کھول کر لڑیں گے اور تم کو خوب قتل کریں گے۔ اور آگے آئے گا کہ یہ لوگ نبی آخرالزمان کے پیدا ہونے سے پہلے ان کو ایسا پہچانتے تھے جس طرح ہر ایک باپ اپنے بیٹے کو پہچانتا ہے۔ کیونکہ نبی آخرالزمان کے اوصاف اُن کی کتاب تورات میں صاف صاف تفصیل سے موجود تھے۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوگئے اور مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ میں آگئے اور ان یہود نے قرآن کی آیتیں بھی سنیں جن میں تورات کی تصدیق بھی موجود تھی۔ تو فقط اس حسد سے کہ یہ نبی ہم میں سے کیوں نہیں پیدا ہوئے جان بوجھ کر آپ کی نبوت کے منکر ہوگئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص جان بوجھ کر حق بات کا منکر ہو اس پر خدا کی لعنت اور پھٹکار ہے۔ ابن ماجہ وغیرہ میں چند صحابہ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص دین کی کوئی بات جان بوجھ کر چھپائے گا تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی[1]۔

۹۰۔ اللہ تعالیٰ کا غصہ پر غصہ اس لئے ہوا کہ ایک تو ان یہود لوگوں نے اللہ کی کتاب تورات کی آیتوں کو بدل ڈالا دوسرے انجیل کے کتاب الٰہی اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے نبی ہونے کا انکار کیا۔ تیسرے نبی آخرالزمان کو نبی برحق اور قرآن کو کتاب الٰہی جان کر محض اس حسد سے ان کے منکر ہوگئے کہ ہماری قوم میں مدت سے نبوت چلی آتی تھی غیر قوم بنی اسمٰعیل میں یہ نبوت کیوں گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان باتوں سے انہوں نے اور کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔ خود آپ ہی ذلت کے عذاب میں گرفتار ہوئے۔ ذلت کا عذاب اس لئے فرمایا کہ یہود نے اس تکبر نخوت اور خود پسندی کے سبب سے نبی آخرالزمان کی نبوت کا انکار کیا کہ وہ نخوت کی راہ سے اپنے آپ کو اپنی قوم

[1] مشکوٰۃ کتاب العلم ج اص ۳۴ و ابن ماجہ ص ۲۳

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ

اور جب کہئے ان کو مانو اللہ کا اتارا کلام کہیں ہم مانتے ہیں جو اترا ہم پر اور وہ نہیں مانتے جو پیچھے آیا اس سے اور

وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ

وہ اصل تحقیق ہے سچ بتاتا ان پاس والے کو کہہ پھر کیوں مارتے رہے ہو نبی اللہ کے پہلے سے اگر تم

مُؤْمِنِينَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ

ایمان رکھتے تھے. اور آ چکا تم پاس موسیٰ صریح معجزے لے کر پھر تم نے بنا لیا بچھڑا اس کے پیچھے اور تم

ظَالِمُونَ ﴿٩٢﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ

ظالم ہو اور جب ہم نے لیا قرار تمہارا اور اونچا کیا تم پر پہاڑ پکڑو جو ہم نے دیا تم کو زور سے

وَاسْمَعُوا ۖ قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۚ قُلْ بِئْسَمَا

اور سنو بولے سنا ہم نے اور نہ مانا ہم نے اور رچ رہا ان کے دلوں میں وہ بچھڑا مارے کفر کے تو کہہ برا کچھ

يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٩٣﴾

سکھاتا ہے تم کو ایمان تمہارا اگر تم ایمان والے ہو

کو بنی اسمٰعیل سے عالی درجہ سمجھتے تھے۔ ان کے اس تکبر نے اجازت نہیں دی کہ وہ غیر قوم کے نبی کی فرمانبرداری کریں اور یہ بات علم الٰہی میں قرار پا چکی ہے کہ قیامت کے دن ہر صاحب نخوت آدمی کو اس طرح کا عذاب ہوگا جس میں اس کی ذلت ہو۔ چنانچہ مسند امام احمد نسائی اور ترمذی میں معتبر سند سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن متکبر لوگ چیونٹیوں کے جسم کے برابر آدمی کی صورت میں اٹھیں گے۔ اور تمام مخلوقات کی روندان میں آئیں گے تاکہ سب مخلوقات میں ان کی ذلت ہو۔[۱]

۹۱-۹۳۔ اس آیت میں یہود نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ہمارا ایمان حضرت موسیٰ اور تورات پر ایسا مضبوط ہے کہ غیر دین کے انکار پر ہم مجبور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس دعوے کو کئی طرح جھٹلایا۔ ایک تو یہ کہ جب قرآن میں تورات کی تصدیق موجود ہے تو جس کا ایمان تورات پر مضبوط ہوگا وہ قرآن کا منکر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن کا انکار اس صورت میں تورات کے سچے ہونے کا گویا انکار ہے۔ دوسرے یہ کہ جس کا ایمان تورات پر مضبوط تھا اس نے ان انبیاء کو کیوں شہید کیا جو تورات کے احکام کی مضبوطی کے لئے آتے تھے۔ تیسرے یہ کہ جس کا ایمان موسیٰ علیہ السلام پر مضبوط تھا تو اس نے بچھڑے کی پوجا کیوں کی۔ کیا موسیٰ نے ان کو اس پوجا کے لئے کہا تھا۔ چوتھے یہ کہ جس وقت پہاڑ سر پر لایا جا کر تورات کے موافق عمل کرنے کا عہد لیا گیا تھا اس وقت تمہارے بڑوں نے چپکے سے وَعَصَيْنَا کہا تھا پھر تمہارا ایمان تورات پر کیونکر مضبوط ہو سکتا ہے۔ حاصل یہ کہ تم کو تو تورات پر مضبوط ایمان کا لانا کیا نصیب ہوگا تمہارے بڑے بھی اس سے محروم تھے۔ پھر فرمایا کہ اگر تم لوگ اپنے دعوے کے موافق ایمان دار ہو اور تمہارا ایمان تم کو یہی سکھاتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو تو تمہارے ایمان کی

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۲۵ و مشکوٰۃ ص ۴۳۴ باب الغضب والکبر۔

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ

ترجمہ اگر تم کو ملنا ہے گھر آخرت کا اللہ کے یہاں الگ سوائے اور لوگوں کے تو تم مرنے کی آرزو کرو

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۹۵﴾

اگر سچ کہتے ہو اور یہ آرزو کبھی نہ کریں گے جس واسطے آگے بھیج چکے ہیں ہاتھ ان کے اور اللہ خوب جانتا ہے گنہگاروں کو

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ

اور تو دیکھے ان کو سب لوگوں سے زیادہ حریص جینے کے اور شریک پکڑنے والوں سے بھی ایک ایک چاہتا ہے کہ عمر پاوے

أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۹۶﴾

ہزار برس اور کچھ اس کو سرکا نہ دے گا عذاب سے اتنا جینا اور اللہ دیکھتا ہے جو کرتے ہیں

تعلیم نہایت نالائق تعلیم ہے بلکہ ایمانداری کیا یہ تو عین بے ایمانی ہے۔ ابن ماجہ اور ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہدایت کے بعد گمراہ وہی قوم ہوتی ہے جو دین میں زبردستی کے جھگڑوں میں پڑ جائے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے[۱]۔ زبردستی کے جھگڑے اسی طرح کے ہوتے ہیں جس طرح حق بات کے معلوم ہو جانے کے بعد بھی یہود لوگ زبردستی کے روز کے جھگڑے سے حق بات کے ٹالنے کی غرض سے لگاتے تھے۔ امت محمدیہ کے علماء کو اس طرح کے جھگڑوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔

۹۴-۹۶۔ اس سورت میں آگے آئے گا کہ یہود کہتے تھے لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا اور سورہ مائدہ میں آئے گا کہ تورات کی آیت کو بدل ڈالا تھا اور کہتے تھے نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ان کے ان قولوں کا مطلب یہ تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں سوا ہمارے اور کوئی جنت میں ہرگز نہیں جائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہود سے موت کی بددعا کا مباہلہ کرنے کو تیار ہوئے۔ لیکن یہود تو اپنے دل میں سمجھتے تھے کہ مباہلہ کریں گے تو اپنے جھوٹ کے سبب سے غارت ہو جائیں گے۔ مباہلہ کی صورت یہ ہے کہ جب دو فریق میں زبانی بحث سے کوئی بات طے نہ ہو تو ہر ایک فریق جھوٹے فریق پر بددعا کرتا ہے۔ سورہ آل عمران میں مباہلہ کی آیت آئے گی جو نجران کے نصاریٰ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مباہلہ کرنا چاہا تھا لیکن وہ نصرانی لوگ مباہلہ پر راضی نہیں ہوئے۔ جس طرح اس آیت میں یہود لوگ جھوٹے فریق کی موت کی بددعا پر راضی نہیں ہوئے مباہلہ کو تمنا کے لفظ سے اس آیت میں اس لئے ذکر فرمایا ہے کہ ہر فریق جھوٹے فریق کی ہلاکت کی تمنا کرتا ہے۔ مشرکین سے مراد اس آیت میں پارسی لوگ ہیں کہ ان کی قوم میں ہزار برس کے جینے کی دعا کا رواج ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنی بداعمالی کے سبب سے موت کے مباہلہ پر تو ہرگز راضی نہ ہوں گے کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ ان کے عیش کا مدار دنیا کی زندگی پر ہے لیکن شیطان کی طرح اگر ہزار ہا برس بھی یہ لوگ جی گئے تو ایک دن آخر مریں گے اور عذاب عقبیٰ میں گرفتار ہوں گے۔ اور عذاب عقبیٰ کے جو کام یہ لوگ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہیں۔

[۱] الترغیب ص ۴۰ ج ۱

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

تو کہہ جو کوئی ہوگا دشمن جبریل کا سو اس نے تو اتارا ہے یہ کلام تیرے دل پر اللہ کے حکم سے سچ بتاتا ہے اس کلام کو جو اس کے آگے ہے

وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ

اور راہ دکھاتا اور خوشی سناتا ایمان والوں کو جو کوئی ہوگا دشمن اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبریل

وَمِيْكٰىلَ فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ

اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے ان کافروں کا اور ہم نے اتاریں تیری طرف آیتیں واضح اور منکر نہ ہوں گے ان سے

إِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ أَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

مگر وہی جو بے حکم ہیں کیا اور جب باندھیں گے ایک قرار پھینک دے گی اس کو ایک جماعت ان میں سے بلکہ وہ اکثر یقین نہیں کرتے

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا

اور جب پہنچا ان کو رسول اللہ کی طرف سے سچ بتاتا ان پاس والی کتاب کو پھینک دی ایک جماعت نے کتاب پانے والوں

الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ

میں کتاب اللہ کی اپنی پیٹھ کے پیچھے گویا ان کو معلوم نہیں اور پیچھے لگے اس علم کے جو پڑھتے شیطان

۹۷۔۹۸۔ جب سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر تورات کے چند احکام کے منسوخ ہونے کی وحی حضرت جبرئیل لائے اور ہر وقت مدد کے طور پر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے ساتھ رہنے لگے اس وقت سے یہود لوگ حضرت جبرئیل کو اپنا دشمن جانتے تھے اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو یہود نے چند باتیں آپ سے پوچھیں ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ آپ پر وحی کون سا فرشتہ لاتا ہے اس کا جواب آپ نے دیا کہ جس طرح اور انبیاء پر حضرت جبرئیل وحی لاتے رہے اسی طرح مجھ پر بھی وہی وحی لاتے ہیں۔ یہ سُنکر یہود نے کہا کہ حضرت جبرئیل کو ہم لوگ پہلے سے اپنا دشمن جانتے ہیں۔ اس لئے ہم اسلام قبول نہیں کر سکتے۔ اگر اور کوئی فرشتہ آپ کا رفیق ہوتا تو ہم آپ پر ایمان لاتے۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور فرمایا کہ جبرئیل کا وحی لانا اللہ کے حکم سے ہے کہ وہ ملائکہ میں اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر بھی جو کوئی اللہ کے فرشتوں اور رسولوں کا دشمن ہوگا اللہ اس کا دشمن ہے۔

۹۹۔۱۰۳۔ بعضے یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا کہ حضرت موسیٰ کے عصا اور ید بیضا کی طرح آپ کو کوئی صریح اور صاف معجزہ نہیں ملا۔ پھر ہم آپ کو کیونکر اللہ کا رسول جان لیویں۔ اسی گفتگو میں بعضے یہود نے یہ بھی کہا تھا کہ تورات میں ایسا کوئی عہد نہیں ہے جس سے ہم لوگوں پر نبی آخر الزمان کی مدد لازم ہو۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور یہود کی پہلی بات کا جواب تو یہ دیا کہ ان لوگوں کی وہ باتیں جو سوا ان کے علماء کے دوسرے کسی کو معلوم نہیں جب کہ نبی آخر الزمان پر قرآن کے ذریعہ سے روزانہ نازل ہوتی ہیں اور نبی آخر الزمان باوجود اُمّی ہونے کے ان باتوں کی ایسی صحیح اطلاع اُن لوگوں کو دیتے ہیں جن کو یہ لوگ اپنی کتاب آسمانی کے مطابق پاتے ہیں تو پھر نبی آخر الزمان کے نبی اور قرآن کے کتاب آسمانی ہونے کے لئے ان لوگوں کو اور کیا معجزہ درکار ہے۔ اور دوسری بات کا جواب یہ دیا

عَلٰی مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ

سلطنت میں سلیمان کی اور کفر نہیں کیا سلیمان نے لیکن شیطانوں نے کفر کیا لوگوں کو سکھاتے تھے جادو

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی يَقُوْلَآ

جو اترا دو فرشتوں پر بابل میں ہاروت اور ماروت پر اور وہ دو سکھاتے کسی کو جب تک نہ کہتے

اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا

کہ ہم تو ہیں آزمانے کو سو مت کافر ہو پھر ان سے سیکھتے جس چیز سے جدائی ڈالتے ہیں مرد میں اور اسکی عورت میں اور وہ

هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ ۭ وَلَقَدْ

اس سے کسی کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے بغیر اذن اللہ کے اور سیکھتے ہیں جس سے ان کو نقصان ہے اور نفع نہیں اور جان

عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڜ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا

چکے کہ جو کوئی اس کا خریدار ہو اس کو آخرت میں نہیں کچھ حصہ اور بہت بری چیز ہے جس پر بیچا اپنی جان کو اور اگر

يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۲ وَلَوْ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۳

ان کو سمجھ ہوتی اور اگر وہ یقین لاتے اور پرہیز رکھتے تو بدلا تھا اللہ کے یہاں سے بہتر اگر ان کو سمجھ ہوتی

کہ نبی آخرالزماں کی فرماں برداری اور مدد کے عہد کو یہ لوگ خوب جانتے ہیں لیکن یہ ان لوگوں کی عادت ہے کہ اپنے عہد پر یہ لوگ قائم نہیں رہتے۔ یہ اس لئے فرمایا کہ عہد تورات میں موجود ہے جس کا ذکر سورہ اعراف کی آیت اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ (۷:۱۵۷) میں ہے پھر فرمایا کہ ان کی بدعہدی کا سبب یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی کتاب تورات کو تو بالکل ایسا چھوڑ دیا ہے کہ اس سے جان بوجھ کر انجان بن گئے ہیں۔ اور سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں جن و انس کے میل جول سے جادو کی جو بہت لگ گئی تھی اسی کو انہوں نے اپنا دین سمجھ رکھا ہے: اور جادو کے رواج کو یہ لوگ سلیمان علیہ السلام کی طرف جو منسوب کرتے ہیں یہ بات ان لوگوں کی بالکل غلط ہے۔ یہ جادو تو شیاطین اور ہاروت ماروت کے سبب سے پھیلا ہے ہاروت ماروت کے قصہ کا [illegible] یہ ہے کہ بنی آدم کے طرح طرح کے گناہ دیکھ کر ملائکہ نے خدا تعالٰے کے روبرو بنی آدم پر کچھ طعن کی تھی اللہ تعالٰے نے فرمایا اگر بنی آدم کی سی خواہشیں نفسانی تم میں ہوتیں تو تمہارا بھی گناہوں سے بچنا دشوار تھا۔ ملائکہ نے جواب دیا کہ ہم تو یا اللہ تیری نافرمانی ایسی کبھی نہ کریں گے جیسی نافرمانی بنی آدم کرتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالٰے نے ملائکہ میں کے بڑے عابد دو فرشتے جن کا نام ہاروت ماروت تھا چھانٹے اور انسان کی سب خواہشیں ان میں پیدا کرکے کوفی کی سرزمین پر جو ایک جگہ بابل ہے وہاں ان کو بھیجا اور وہاں وہ ایک عورت زہرہ نام بدن کی الفت میں مبتلا ہو کر اس کے کہنے سے شراب پی گئے۔ اور شراب کے نشہ میں زنا کے علاوہ شرک اور قتل نفس کا گناہ بھی ان سے سرزد ہوا۔ اور ان گناہوں کی سزا میں قیامت تک ان پر طرح طرح کا عذاب ہوتا رہے گا۔ یہی دونوں فرشتے لوگوں میں پابندی شریعت کے جانچنے کو پہلے جادو کے سیکھنے سے منع کرتے ہیں۔ پھر جب کوئی شخص زیادہ اصرار کرتا ہے تو اس کو جادو سکھاتے ہیں

ع ۱۲

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَقُولُواْ رَٰعِنَا وَقُولُواْ ٱنظُرْنَا وَٱسْمَعُواْ ۗ وَلِلْكَٰفِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۴﴾

اے ایمان والو تم نہ کہو راعنا اور کہو انظرنا اور سُنتے رہو اور منکروں کو دکھ کی مار ہے

مَّا يَوَدُّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ مِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ وَلَا ٱلْمُشْرِكِينَ أَن يُنَزَّلَ عَلَيْكُم مِّنْ خَيْرٍ مِّن رَّبِّكُمْ

دل نہیں چاہتا ان لوگوں کا جو منکر ہیں کتاب والوں میں اور شرک والوں میں یہ کہ اُترے تم پر کچھ نیک بات

وَٱللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِۦ مَن يَشَآءُ ۚ وَٱللَّهُ ذُو ٱلْفَضْلِ ٱلْعَظِيمِ ﴿۱۰۵﴾

تمہارے رب سے اور اللہ خاص کرتا ہے اپنی مہر سے جسے چاہے۔ اور اللہ بڑا فضل رکھتا ہے ۔

ہاروت ماروت کے اس قصہ کے صحیح ہونے کا اکثر علمائے مفسرین نے انکار کیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس قصہ کی روایتیں ایک رسالہ میں جمع کی ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قصہ کی روایت درجہ صحت تک پہنچتی ہے۔ اور اس قصہ کی اصل ہے[1]۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ قصہ حضرت ادریسؑ کے زمانہ میں ہوا ہے اور اسی زمانہ میں ایک عورت زہرہ ایسی خوبصورت تھی جیسے تاروں میں زہرہ تارہ خوبصورت ہے۔ فرقہ معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ سرے سے دنیا میں جادو کا وجود ہی نہیں ہے۔ لیکن قرآن شریف میں چند جگہ جو جادو کا ذکر ہے وہ اور صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی وہ حدیث جس میں لبید بن عاصم کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرنے کا قصہ ہے[2]۔ اہل سنت کے مذہب کی تائید کے لئے کافی ہے۔ رہا جادو کا سیکھنا اس میں امام ابوحنیفہ و مالک و احمد کا یہ مذہب ہے[3] کہ جادو کا سیکھنا کفر اور سیکھنے کے بعد جو شخص جادو کا ایک دفعہ بھی عمل کرے اس کی سزا قتل ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ کے عمل سے نہیں بلکہ عادت کے طور پر چند دفعہ جادو کا عمل کرنے سے ایسا شخص واجب القتل ٹھہرتا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ سے جو روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جادو کا سیکھنا کبیرہ گناہ ہے[3]۔ اور ترمذی کی جندب کی روایت میں آپ نے جادوگر کی حد قتل قرار دی ہے[4]۔ ان حدیثوں میں مطابقت پیدا کرنے کے لئے علماء نے کہا ہے کہ اگر بغیر دخل تقدیر الٰہی کے کوئی شخص جادو میں مستقل تاثیر کا اعتقاد رکھے تو کفر ہے ورنہ کبیرہ گناہ ہے۔ امام رازی نے معجزہ اور جادو کا فرق پہچاننے کی غرض سے جادو کے سیکھنے کو واجب لکھا ہے اور علماء نے اس پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو صحابہ ضرور جادو سیکھتے[5]۔ آیۃ الکرسی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس میں رد سحر کا ایک خاص اثر اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔

۱۰۴-۱۰۵۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان لوگوں کو راعنا کے لفظ کے کہنے سے منع کیا کیونکہ ظاہری معنی تو اس لفظ کے یہ ہیں کہ اے نبی اللہ کے ہماری طرف بھی متوجہ ہو جس وقت صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سے دوبارہ کوئی بات پوچھنی چاہتے تھے۔

---

[1] حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (کتاب الطب - باب السحر) میں ایسے ہی لکھا ہے (ص ۴۴۳ ج ۵ طبع دہلی) لیکن اس بارے میں درست تحقیق حافظ ابن کثیرؒ کی ہے کہ یہ مرفوع حدیث نہیں بلکہ اسرائیلی روایت ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دراصل یہ روایت کعب احبار سے اخذ کی ہے۔ چنانچہ ایک سند میں اس کا ذکر بھی ہے جس کو ذکر کر کے حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں، فهذا اصح واثبت الى عبدالله بن عمر ..... فدار الحديث يرجع الى نقل كعب الاحبار عن كتب بني اسرائيل (ص ۱۳۸ ج ۱) بنا بریں زہرہ والی کہانی بے اصل ہے [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۴۸ و صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۷ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۰ [4] ترمذی ج ۱ ص ۱۷۶ ابواب الحدود۔ [5] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۴۵ ۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ

جو موقوف کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں تو بھیجتے ہیں اس سے بہتر یا اسکی برابر کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر

قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

قادر ہے۔ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمان اور زمین کی اور نہیں تمہارا سوا اللہ کے

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾

کوئی حمایتی اور مدد والا

اس وقت آپ کی توجہ اپنی طرف مصروف کرنے کے لئے یہ لفظ کہا کرتے تھے لیکن یہود نے اس لفظ کو جب مسلمانوں سے سُن تو خود بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کرتے وقت اس لفظ کو کہنا شروع کر دیا مگر یہ لوگ زبان کو دانتوں میں دبا کر عداوت کے سبب سے اس طرح اس لفظ کو بولتے تھے جس کے معنے نبی کی شان کے مخالف تھے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو تو آئندہ اس لفظ کے بولنے سے روک دیا اور فرمایا کہ یہود لوگ اپنے کفر کے سبب سے ایسی باتیں کرتے ہیں جن کے سبب سے ایک دن سخت عذاب میں پکڑے جائیں گے اور اللہ نے جب تک چاہا نبوت کو بنی اسرائیل میں رکھا اور اب وہ نبوت بنی اسمٰعیل میں آگئی۔ ان کو اس پر عداوت کا کچھ حق نہیں ہے یہ تو اللہ کی نعمت ہے وہ جس کو چاہے دے دے۔

۱۰۶-۱۰۷۔ یہود کا یہ اعتقاد تھا کہ تورات کے احکام قیامت تک کبھی منسوخ نہیں ہوں گے۔ اسی اعتقاد کی وجہ سے انہوں نے انجیل کا کتاب الٰہی ہونا تسلیم نہیں کیا کیونکہ اس سے ان کو تورات کے بعضے احکام کا منسوخ ہو جانا تسلیم کرنا پڑتا تھا اب جبکہ قرآن شریف کی بعضی آیتیں بعضی آیتوں سے منسوخ ہوئیں تو یہود لوگ مسلمانوں سے طرح طرح کی حجتیں اس باب میں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کلام الٰہی کبھی منسوخ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالےٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے سو کرے۔ اپنے بندوں کے حالات کی مصلحت سے جو احکام اس کو مناسب معلوم ہوئے اس نے سب سے پہلے صاحب شریعت نبی حضرت نوح سے لے کر حضرت موسےٰ علیہ السلام تک وہ احکام نازل فرمائے اور پھر مصلحت وقت کے موافق ان احکام میں ترمیم کر کے تورات نازل فرمائی۔ اگر یہود کا یہ اعتقاد صحیح ہوتا کہ کلام الٰہی کبھی منسوخ نہیں ہوتا تو پچھلی شریعتوں کے احکام منسوخ ہو کر تورات کیوں کر نازل ہوتی۔ غرض یہود کا یہ اعتقاد ان کا گھڑا ہوا ایک اعتقاد ہے کسی حکم الٰہی کے موافق نہیں ہے اسی غلط اعتقاد نے عیسےٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان بدنصیبوں کو انجیل پر عمل نہیں کرنے دیا اور یہی غلط اعتقاد قرآن پر عمل کرنے سے ان کو روک رہا ہے یہ کام بندوں کا نہیں ہے کہ اللہ کی ہر وقت کی مصلحت میں دخل دیویں کیونکہ بندوں کو ہر وقت کی مصلحت کا علم نہیں ہے۔ پھر نامعلوم بات میں کوئی کیا دخل دے سکتا اور اگر دخل دیا بھی تو وہ صحیح کیسے ہو سکتا ہے بلکہ بے جا دخل کا یہ نتیجہ ہوتا ہے جو ان لوگوں کا ہوا کہ دو شریعتوں سے منکر ہو گئے اور طرح طرح کے عذاب میں اس انکار کے سبب سے پھنس گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے حکم سے کوئی تبدیل امر دینی میں ہو جاوے تو اس کو ناسخ و منسوخ کہتے ہیں جو پہلے کا حکم دوسرے جدید حکم سے بدل جاوے ان میں پہلے حکم کو منسوخ

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ

کیا تم مسلمان بھی چاہتے ہو کہ سوال شروع کرو اپنے رسول سے جیسے سوال ہو چکے ہیں موسے سے پہلے اور جو کوئی انکار لیوے

بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾

بدلے یقین کے وہ بھولا سیدھی راہ سے

اور جدید دوسرے حکم کو ناسخ کہا جاتا ہے مثلاً اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ منسوخ ہے اور لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اس کا ناسخ ہے۔ اب منسوخ آیتوں میں بعضی آیتیں تو ایسی ہیں کہ جن کا حکم منسوخ ہو گیا ہے اور قرآن شریف میں ان کی تلاوت باقی ہے جیسے وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ اور بعضی آیتیں ایسی ہیں جن کی تلاوت باقی نہیں ہے مگر حکم باقی ہے جیسے اذا زنی الشیخ والشیخۃ فارجموھما۔ ناسخ و منسوخ کی یہ سب قسمیں اور ان کی مثالیں اصول تفسیر اور اصول فقہ کی کتابوں میں بالتفصیل ہیں اور بھولی ہوئی آیتیں وہی ہیں جن کی تلاوت کا حکم کچھ بھی باقی نہیں ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابو موسےٰ اشعری رضؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم لوگ سورہ بولۃ کی برابر کی ایک سورت قرآن شریف کی سورتوں میں پڑھا کرتے تھے مگر وہ اب یاد نہیں رہی [1] ناسخ آیت کبھی تو محنت و مشقت کے کم ہو جانے میں منسوخ آیت سے بہتر ہوتی ہے۔ جیسے تہجد کی نماز فرض ہونے کی منسوخی اور کبھی ثواب کے بڑھ جانے میں بہتر ہوتی ہے جیسے عاشورے کے دن کے روزے کے بدلے میں رمضان کے روزے۔ اور کبھی ناسخ و منسوخ دونوں برابر کے درجہ میں ہوتے ہیں جیسے بیت المقدس کی جانب کا قبلہ منسوخ ہو کر کعبہ کی جانب قبلہ کا قرار پانا کہ ثواب اور مشقت میں دونوں برابر ہیں۔ اکثر علماء کا یہ مذہب ہے کہ صحیح حدیث سے قرآن شریف کی آیت منسوخ ہو سکتی ہے۔ تفصیل اس مسئلہ کی اصول فقہ کی کتابوں میں ہے۔ اگرچہ بعضے علماء نے منسوخ آیتوں کی تعداد بیس آیتوں کی بتلائی ہے۔ لیکن شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے الفوز الکبیر میں بڑی بحث کے بعد صرف پانچ آیتیں منسوخ قرار دی ہیں جن کی تفصیل احسن الفوائد کے مقدمہ میں اور اس تفسیر کے مقدمہ میں بتلا دی گئی ہے۔

۱۰۸۔ یہود کے بہکانے سے بعضے مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر ضروری باتیں پوچھتے تھے اور قرآن شریف کے نازل ہونے کے زمانہ میں جو کچھ کوئی پوچھتا تھا اس کا جواب قرآن شریف کی کسی آیت کے ذریعہ سے ضرور نازل ہوتا تھا اور غیر ضروری سوال کی صورت میں کوئی سخت حکم اگر ایسا نازل ہو جاتا جس کی تعمیل میں کوئی دشواری پیش آتی یا کوئی حلال چیز مسلمانوں پر حرام ہو جاتی تو بڑی خرابی کی بات تھی۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو اس کثرت سوال سے روکا اور فرمایا کہ کیا تمہارا ارادہ یہ ہے کہ تم بھی بنی اسرائیل کی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر گھڑی غیر ضروری باتیں پوچھنے کی عادت ڈال لو۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ بنی اسرائیل کی ہر گھڑی کی پوچھ گچھ سے ان پر بعضے احکام ایسے نازل ہو گئے کہ ان کی تعمیل میں پھر انہوں نے تساہل کیا جس کے سبب سے وہ گمراہی میں پڑ گئے۔ صحیحین میں مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے

[1] تفسیر اتقان طبع مصر ج ۲ ص ۲۵۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ

دل چاہتا ہے بہت کتاب والوں کا کسی طرح تم کو پھیر کر مسلمان ہوئے پیچھے کافر کریں حسد کر کر اپنی

أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ

اندر سے بعد اس کے کہ کھل چکا اُن پر حق سو تم درگذر کرو اور خیال میں نہ لاؤ جب تک بھیجے اللہ اپنا حکم

اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم

اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور کھڑی رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور جو آگے بھیجو گے اپنے واسطے

مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٠﴾ وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ

بھلائی وہ پاؤ گے اللہ کے پاس اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے اور کہتے ہیں ہرگز نہ جاویں گے جنت میں

إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١١١﴾

مگر جو ہوں گے یہود یا نصاریٰ یہ آرزوئیں باندھ لی ہیں انہوں نے تو کہہ لے آؤ سند اپنی اگر تم سچے ہو

بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

کیوں نہیں جس نے تابع کیا مُنہ اپنا اللہ کے اور وہ نیکی پر ہے اسی کو ہے مزدوری اس کی اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ ان کو

جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر ضروری کثرت سوال سے منع کیا اور فرمایا کہ پچھلی امتوں کے لوگ کثرت سوال سے طرح طرح کی ہلاکت میں پڑ گئے ہیں[1]۔

۱۰۹۔۱۱۰۔ باوجود امی ہونے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہود کو ایسی باتوں کی خبر دیتے تھے جو اُن کی تورات کے بالکل موافق ہوتی تھیں اور دنیا کے لالچ سے اگرچہ انہوں نے تورات کی ان آیتوں کو بدل ڈالا تھا جن میں نبی آخر الزمان کے اوصاف کا ذکر تھا لیکن اپنے دل میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی آخر الزمان ہونے کے قائل تھے۔ فقط اس حسد سے کہ نبی آخر الزمان اُن کی قوم بنی اسرائیل میں کیوں نہیں ہوئے۔ جہاں تک ان کا بس چلتا تھا مسلمانوں کو اُن کے دین سے بچلانے میں کمی نہ کرتے تھے۔ اسی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اِن آیتوں میں فرما کر یہ فرمایا ہے کہ یہود کی ہر طرح کی عداوت کی باتوں پر اس وقت تک صبر اور درگذر کرو جب تک اللہ کا کوئی حکم اخیر نازل ہو اور ہر حال میں نماز زکوٰۃ اس طرح کے نیک کاموں میں لگے رہو کہ اللہ اپنے بندوں کے عملوں کو دیکھتا ہے اور ایک دن سب عملوں کی سزا جزا دے گا۔ یہود کے حق میں حسب وعدہ اللہ کا حکم اخیر اپنے وقت مقررہ پر نازل ہوا جس سے مدینہ کے گرد و نواح کے سب یہود برباد ہو گئے کیونکہ کچھ قتل کر دئے گئے اور کچھ مدینہ کے نواح میں سے نکال دئے گئے۔ درگذر کی سب آیتیں ایک وقت معین تک تامل کرنے کی غرض سے نازل ہوئی تھیں۔ اس لئے صحیح مذہب یہی ہے کہ جہاد کے حکم سے کوئی درگذر کا حکم منسوخ نہیں ہے۔

۱۱۱۔۱۱۲۔ باوجود طرح طرح کی نافرمانیوں میں گرفتار ہونے کے اہل کتاب کا یہ دعویٰ تھا کہ یہود اپنے آپ کو جنتی اور سب کو دوزخی کہتے تھے۔ اور یہی دعویٰ نصرانیوں کا اپنی قوم کے حق میں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن دونوں کے غلط دعوے کو بے سند

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۵۲ ج ۱۔

يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ

غم ہے ‏ اور یہود نے کہا ‏ نصاریٰ نہیں ‏ کچھ ‏ راہ ‏ پر ‏ اور نصاریٰ نے ‏ کہا ‏ یہود نہیں

الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ

کچھ ‏ راہ ‏ پر ‏ اور وہ سب پڑھتے ہیں ‏ کتاب ‏ اسی طرح ‏ کہی ان لوگوں نے جن ‏ پاس علم نہیں ‏ انہیں کی

قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١١٣﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ

سی بات ‏ اب اللہ ‏ حکم کریگا ‏ ان میں ‏ قیامت کے دن ‏ جس بات ‏ میں ‏ جھگڑتے ‏ تھے ‏ اور اس سے ظالم کون ہے

مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِي خَرَابِهَا ۭ أُولٰٓئِكَ مَا كَانَ

جس نے ‏ منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ پڑھئے ‏ وہاں ‏ نام اس کا ‏ اور دوڑا اس کے اجاڑنے کو ‏ ایسوں کو نہیں پہنچتا کہ وہ

لَهُمْ أَنْ يَّدْخُلُوهَا إِلَّا خَآئِفِينَ ۬ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

اللہ کی مسجدوں میں قدم رکھ سکیں گھر ڈرتے ہوئے ‏ ان کو ‏ دنیا میں ‏ ذلت ہے ‏ اور ان کو ‏ آخرت میں ‏ بڑی

عَظِيمٌ ﴿١١٤﴾

مار ‏ ہے

قرار دے کر فرمایا کہ جنت میں جانے اور حشر کے دغدغہ سے بے خوف رہنے کے قابل وہی شخص ہے جس کا عمل حکم الٰہی کے موافق اور خالص لوجہ اللہ ہوگا جس کے عمل میں یہ دو شرطیں نہیں وہ جنت میں کیا جا سکتا ہے۔ جنت خدا کی ہے کسی کی میراث نہیں کہ بغیر مرضی خدا کے زبردستی جنت میں گھس جاوے۔

۱۱۳۔ نجران ایک جگہ ہے وہاں کے کچھ نصاریٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے ان کے آنے کی خبر سن کر یہود کے کچھ عالم لوگ اس مجلس میں آئے اور دونوں فریق میں کچھ جھگڑا ہو کر ایک نے دوسرے کے دین کو بے بنیاد بتایا۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ یہ لوگ اہل کتاب ہیں اور ایک فریق کی کتاب میں دوسرے فریق کے دین کی تصدیق موجود ہے پھر بھی عرب کے امی لوگوں کی سی باتیں یہ لوگ اس لئے کرتے ہیں کہ شیطان کے بہکانے سے حق بات کے نہ ماننے میں ان سب کے دل ایک سے ہوگئے ہیں۔ پھر فرمایا کہ حق ناحق کے فیصلہ کے لئے قیامت کا دن مقرر ہے اس دن ان سب کا فیصلہ ہو جائے گا۔

۱۱۴۔ ہجرت کے بعد سنہ ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ ذی قعدہ میں عمرہ کے قصد سے مکہ کا ارادہ کیا اور مشرکین مکہ نے آپ کو مکہ کے اندر نہ جانے دیا بلکہ راستے میں ایک مقام جس کا نام حدیبیہ ہے وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی جماعت کو روک دیا جس کا قصہ سورت انا فتحنا میں آئے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اسی قصہ پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور مسجد الحرام میں ذکر الٰہی سے حج والوں یا عمرہ والوں کو روکنا بھی مسجدوں کو اجاڑنا ہے کیونکہ مسجدوں کی آبادی یہی ذکر الٰہی ہے۔ سورہ توبہ میں آئے گا۔ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ الخ (۱۸) جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ مسجدیں ان ہی لوگوں سے آباد ہیں جو مسجدوں میں نماز پڑھتے ہیں

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۱۱۵)

اور اللہ ہی کی ہے مشرق اور مغرب سو جس طرف تم منہ کرو وہ وہاں ہی متوجہ ہے اللہ بے شک اللہ گنجائش رکھنے والا ہے سب خبر رکھتا ہے۔

جس سے یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ مسجدوں میں کسی کو ذکر الٰہی سے روکتے ہیں وہ گویا مسجدوں کے اجاڑنے کے درپے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ بعضے مفسروں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اہل مکہ نے قصہ حدیبیہ کے وقت مسجد الحرام کے اجاڑنے کا کوئی کام نہیں کیا فقط آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو مکہ کے اندر جانے سے روکا تھا سورہ توبہ کی اس آیت کے مطلب سے ان مفسروں کا یہ اعتراض صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اور ترجمہ کے اس جملہ کا کہ ایسوں کو نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ کی مسجدوں میں قدم رکھ سکیں مگر ڈرتے ہوئے یہ مطلب ہے کہ اب تو ان مشرکین مکہ نے رسول اور ان کے ساتھ والوں کو عمرہ سے روکا ہے قریب وہ وقت آتا ہے۔ کہ یہ مشرک لوگ مسجد الحرام میں ڈرتے ہوئے گھسا کریں گے۔ اللہ سچا ہے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد مکہ فتح ہو گیا اور مسجد الحرام میں جانے اور طواف کرنے سے مشرک لوگ روک دئے گئے۔ اور صلح والے مشرکوں میں سے کوئی شخص فتح مکہ کے بعد اگر مسجد الحرام میں جاتا بھی تھا تو اس کو یہ خوف لگا رہتا تھا کہ کسی سبب سے اس کو مسلمانوں کے ہاتھ سے کوئی ضرر نہ پہنچ جاوے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو یہ بشارت تھی جس کا ظہور فتح مکہ کے وقت ہوا اس سے بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کی شان میں ہے۔ دنیا کی ذلت تو فتح مکہ کے وقت ان مشرکوں نے دیکھ لی کہ جن بتوں کو یہ لوگ خدا کا شریک گنتے تھے وہ توڑے جا کر مسلمانوں کے پیروں میں روندے گئے عقبٰے کا عذاب جو مشرکوں پر ہوگا وہ بھی قیامت کے دن سب کی آنکھوں کے سامنے آجائے گا ؛

۱۱۵۔ ہجرت کے بعد جب اللہ تعالےٰ کے حکم سے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی جاتی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو مکہ کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھنے کا کسی قدر رنج رہتا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول اور مسلمانوں کی تسلی کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور فرمایا کہ اللہ کے حکم سے جدھر نماز پڑھی جاوے ثواب میں سب برابر ہے۔ بیت المقدس ہوا تو کیا مکہ ہوا تو کیا۔ کعبہ کو قبلہ ٹھہرانے کا وقت جو علم الٰہی میں مقرر تھا جب وہ آگیا تو کعبہ کو قبلہ ٹھہرانے کا حکم جو نازل ہوا۔ وہ آگے آئے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یوں بھی روایت ہے کہ جب کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم آیا۔ اور ادھر منہ کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے نماز پڑھنی شروع کی تو بیت المقدس کی طرف کا قبلہ قائم نہ رکھنے پر یہود طرح طرح کا اعتراض کرتے تھے۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالےٰ مشرق اور مغرب سارے جہان کا مالک ہے اس کے حکم سے جدھر نماز پڑھی جاوے وہ قبول کرے گا۔ اور اجر دیوے گا۔ مسلم ترمذی وغیرہ میں جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفل نماز سفر میں سواری پر آدمی پڑھے تو یہ آیت اس باب میں نازل ہوئی ہے کہ اس طرح کی نفلی نماز سواری کے جانور کا جدھر منہ ہو ادھر ہو سکتی ہے۔ احسن الفوائد کے مقدمہ میں اور اسی تفسیر کے مقدمہ میں یہ امر بیان کر دیا گیا ہے کہ کبھی چند سبب جمع ہو کر ان

سلہ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۵۸ و بحوالہ صحیح مسلم وغیرہ ؛

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

اور کہتے ہیں اللہ رکھتا ہے اولاد وہ سب سے نرالا بلکہ اس کا مال ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں سب اس کے آگے ادب سے ہیں

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

نیا بنانے والا آسمان اور زمین کا اور جب حکم کرتا ہے ایک کام کا تو یہی کہتا ہے اس کو کہ ہو وہ ہوتا ہے

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ

کہنے لگے جن کو علم نہیں کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ یا ہم کو آئے کوئی آیت اسی طرح کہہ چکے ہیں ان سے

قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

اگلے انہیں کی سی بات ایک سے ہیں دل بھی ان کے ہم نے بیان کر دیں نشانیاں واسطے ان لوگوں کے جن کو یقین ہے۔

سب کے حکم کے طور پر ایک آیت نازل ہوتی ہے اور ایسی آیتوں کی شان نزول میں سلف کی چند روایتیں ہوتی ہیں۔ کسی روایت میں ایک سبب نزول کا ہوتا ہے اور کسی میں دوسرا۔ یہ آیت بھی اسی قسم کی ہے۔

۱۱۶۔۱۱۷۔ یہود حضرت عزیر کو نصاریٰ نے حضرت عیسےٰ کو اللہ کا بیٹا اور مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان سب کو جھٹلایا۔ حاصل معنی آیت کے یہ ہیں کہ باپ اور اولاد میں کچھ مناسبت ضرور ہے۔ اللہ کی ذات پاک تو نرالی ہے۔ زمین آسمان۔ عزیر۔ مسیح۔ ملائکہ سب کچھ اس کا پیدا کیا ہوا عالم ہے۔ خالق اور مخلوق میں کیا مناسبت ہے جو مخلوقات میں سے کسی کو اس ذات پاک کی بی بی اور کسی کو اولاد قرار دیا جاوے اس طرح کی بات کا منہ سے نکالنا اس طرح کا ایک بہتان ہے جس سے آسمان پھٹ کر گر سے تو گر سکتا ہے پہاڑ جگہ سے ہل جاویں تو ہل سکتے ہیں۔ صحیحین اور صحیح بخاری وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان نے مجھ کو جھٹلایا اور مجھ کو گالیاں دیں جھٹلایا تو یوں کہ میں اپنے کلام میں اس کو ایک دفعہ مار کر پھر جلانے کی خبر دیتا ہوں اور وہ اس بات کو جھٹلاتا ہے اور گالیاں یہ دیں کہ وہ مجھ کو صاحب اولاد قرار دیتا ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بڑا بردبار ہے۔ لوگ اس کے بیٹا بیٹی ٹھہراتے ہیں اور وہ ان کو رزق اور تندرستی دیتا ہے[۱]۔

۱۱۸۔ قتادہ کے قول کے موافق یہ آیت مشرکین مکہ کی شان میں ہے اور آیت وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا (۲۱-۲۵) سے اس قول کی تائید بھی ہوتی ہے کیونکہ اس مکی سورت سورۂ فرقان کی اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ مشرکین مکہ جن کو حشر کا اقرار امید نہیں ہے یہ کہتے ہیں کہ اے محمد تمہاری نبوت کی تصدیق کوئی فرشتہ یا خود خدا ہمارے پاس آن کر کیوں نہیں کہہ دیتے۔ اس صورت میں ان سے اگلوں سے مراد اہل کتاب ہیں اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ مشرکین عرب اور اہل کتاب ان سب کا بہکانے والا ابلیس علیہ اللعنۃ ہے جو ایک سی باتیں ان کے دلوں میں ڈالتا ہے اس لئے یہ سب ایک سی باتیں کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ان کی یہ باتیں محض جہل اور عناد کے سبب سے ہیں ورنہ تصدیق

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۶۰ و صحیح بخاری ص ۷۴۳، ج ۲ کتاب التفسیر

إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ تَرْضٰى

ہم نے بھیجا ہے تجھ کو ٹھیک بات لیکر خوشی اور ڈر سنانے کو اور تجھ سے پوچھ نہیں دوزخ والوں کی ہرگز راضی نہ ہوں گے

عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۗ

تجھ سے یہود اور نصاریٰ جب تک تابع نہ ہو تو ان کے دین کا تو کہہ جو راہ اللہ دکھائے وہی راہ ہے

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ

کبھی تو چلا ان کی پسند پر بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے

وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۗ أُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۗ

حمایت کرنے والا اور نہ مددگار جن کو ہم نے دی ہے کتاب وہ اس کو پڑھتے ہیں جو حق ہے پڑھنے کا وہ اس پر یقین لاتے ہیں

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

اور جو کوئی منکر ہوگا اس سے سو انہیں کو نقصان ہے ؏

رسول میں صاحب یقین کے لئے اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام میں نشانیاں تو کافی بیان کردی ہیں۔ مثلاً قرآن کے کتاب الٰہی ہونے کی یہ نشانی ان سب کے لئے کیا کم ہے کہ قریش باوجود تقاضے کے ایسا کلام بنانے سے عاجز ہیں۔ اور اہل کتاب جن کتابوں کو کتاب الٰہی جانتے ہیں ان کی پوری تصدیق قرآن میں موجود ہے اور ان نشانیوں سے قرآن جب کلام الٰہی ہے تو جس اللہ کے رسول پر یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوتا ہے اس کے رسول برحق ہونے میں کوئی صاحب عقل شک و شبہ نہیں کرسکتا۔

۱۱۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کبھی اس بات کا رنج ہوتا تھا کہ باوجود کامل فہمائش اور کافی دلیلوں کے اہل عرب اور اہل کتاب میں کے بہکے ہوئے لوگ راہ راست پر کیوں نہیں آتے اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کا یہ رنج رفع کرنے کو یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ باوجود فہمائش کے جو لوگ راہ راست پر نہیں آتے ان کے باب میں قیامت کے دن تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ راہ راست پر کیوں نہیں آئے۔ راہ راست بتلانا خدا کا کام ہے تمہارا کام صرف اتنا ہی ہے کہ راہ راست والوں کو نجات اخروی کی خوش خبری کی اور گمراہوں کو خرابی عقبےٰ کی آیتیں سنانے کی کوشش کرتے رہو۔ اس کے بعد علم الٰہی میں جن لوگوں کا راہ راست پر نہ آنا اور ان سے دوزخ کھرا جانا قرار پاچکا ہے وہ تو آخر ہو کر رہے گا۔

۱۲۰-۱۲۱۔ اہل کتاب ملنے جلنے کے وقت کبھی کبھی مسلمانوں سے ایسی باتیں ظاہر میں کرتے تھے جن سے توقع ہوتی تھی کہ شاید وہ راہ راست پر آجائیں گے۔ اللہ تعالےٰ نے اہل کتاب کے دل کا حال اپنے رسول کو جتلایا کہ وہ لوگ اپنے ہی دین کو راہ راست سمجھتے ہیں۔ اس لئے جب تک انسان ان جیسا نہ ہوجائے وہ لوگ ہرگز رضامند نہیں ہوسکتے اس واسطے ان لوگوں کی ظاہری باتیں دل سے نہیں ہیں محض اوپری ہیں اللہ کو معلوم ہے کہ ان لوگوں نے اپنے دین کے اکثر احکام کو بدل ڈالا ہے اور کچھ احکام ان کے دین کے منسوخ ہوگئے ہیں۔ اس بات کے معلوم ہوجانے کے بعد

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

اے بنی اسرائیل یاد کرو احسان میرا جو میں نے تم پر کیا اور وہ کہ بڑا کیا تم کو سارے جہان پر

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا

اور بچو اس دن سے نہ کام آوے کوئی شخص کسی شخص کو ایک ذرہ اور نہ قبول ہو اس کی طرف سے بدلا اور نہ کام آوے اس کے

شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ

سفارش اور نہ ان کو مدد پہنچے جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں پھر اس نے وہ پوری کیں فرمایا

اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

میں تجھ کو کروں گا سب لوگوں کا پیشوا بولا اور میری اولاد میں کہا نہیں پہنچتا میرا اقرار بے انصافوں کو ؛

بھی اُن جیسا جو کوئی ہو جائے گا اس سے اللہ تعالےٰ مواخذہ کرے گا۔ اور اللہ کے مؤاخذہ سے اس کو کوئی نہ بچا سکے گا۔ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو مخاطب ٹھہرا کر امت کے لوگوں کو یہ بات سُنائی ہے۔ آخر آیت میں جو اہل کتاب راہ راست پر آگئے تھے اللہ تعالےٰ نے ان کے حق میں فرمایا کہ وہ کتاب الٰہی کو اس طرح پڑھتے ہیں جو پڑھنے کا حق ہے۔ مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ اس کی آیتوں میں کچھ ردوبدل نہیں کرتے بلکہ اس کے احکام کے پورے پابند ہیں۔ پھر فرمایا جو لوگ اس ڈھنگ پر نہیں وہ ٹوٹے میں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ چند روزہ دنیا کے لئے انھوں نے اپنی عقبےٰ برباد کی۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ٹوٹا ہوگا؛

۱۲۲-۱۲۳- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود ان نعمتوں کو بھول گئے تھے جو اللہ تعالےٰ نے ان کے بڑوں پر کی تھیں جن کے سبب سے وہ نبی زادے اور بادشاہزادے کہلاتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے جگہ جگہ ان کو ہوشیار کرنے کے لئے پہلے یا بنی اسرائیل کے لفظ سے ان کو مخاطب کیا ہے اور پھر اپنی نعمتوں کو یاد دلایا ہے تاکہ وہ سمجھ جائیں کہ جو اللہ نعمتوں کے دینے پر قادر ہے وہ ایک دم میں اپنی نعمتیں چھین لینے پر بھی قادر ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک تو اللہ کے رسول ہیں جن بات کو ان کے دل خوب ہی جانتے ہیں کیونکہ اس پر ان کی کتاب پوری گواہی دیتی ہے۔ دوسرے وہ ان کے چچازاد بھائی بھی ہیں۔ اتنی مدت اولاد اسحاق میں نبوت رہی اب اگر بنی اسمٰعیل میں ایک نبی ہوئے تو اس پر ان کو اس قدر حسد کیوں ہے جس کے سبب سے اللہ کی نافرمانی اور اس سے اپنی بربادی کے یہ لوگ دن بدن درپے ہوتے جاتے ہیں۔ باوجود اللہ کی اس قدر فہمائش کے یہود نے اللہ تعالےٰ کی نصیحت کو نہ مانا ؛

۱۲۴- مشرکین مکہ اہل کتاب سب کا سلسلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملتا ہے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ سب مانتے تھے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر ان میں سے کوئی نہ تھا۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حال اور ملت ابراہیمی کا حال بیان فرمایا کہ یہ سب لوگ قائل ہوں۔ بنی اسرائیل کو یہ دعوےٰ تھا کہ ہم اولاد ابراہیم میں ہیں اور اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ نبوت اُن کے ہی گھر میں رہے گی۔ اللہ تعالےٰ نے اس کا جواب دیا کہ وعدہ الٰہی کے موافق نبوت تو اب بھی ابراہیم علیہ السلام کے گھرانہ میں ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ

جب ٹھہرایا ہم نے یہ گھر کعبہ اجتماع کی جگہ لوگوں کے لئے اور پناہ اور کر رکھو جہاں کھڑا ہو ابراہیم نماز کی جگہ۔

اسحٰق و اسمٰعیل اپنے دونوں بیٹوں کے حق میں نبوت کی دعا کی تھی وہ قبول ہوئی اور ایک مدت تک اولاد اسحاق میں اس دعا کے اثر سے نبوت رہی۔ اب بنی اسمٰعیل میں آئی۔ یہ کیا بے انصافی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کی اولاد میں ہمیشہ کے لئے اس دعائے ابراہیمی کا اثر باقی رہے۔ اور ایک بیٹے کی اولاد ہمیشہ کے لئے اس دعا کے اثر سے محروم رہے۔ اس طرح کی بے انصافی سے تو استحقاق نبوت ہو تو بھی زائل ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے جو عہدہ کیا ہے خود اس میں یہ موجود ہے کہ اولاد ابراہیمی میں بے انصافوں کو اللہ کا عہد نبوت نہیں پہنچ سکتا۔ مشرکین مکہ کو یہ دعوے تھا کہ ہم اولاد ابراہیم علیہ السلام ہونے کے علاوہ اُس گھر کے خدمت گار ہیں جو ہمارے دادا ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے اور ملت ابراہیمی اس طریقہ کا نام ہے جس پر ہم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے جواب میں فرمایا وَعَهِدْنَا اِلٰى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تو پہلے ہی اپنے گھر کو ہر طرح کی نجاست سے پاک وصاف رکھنے کا عہد ابراہیم و اسمٰعیل دونوں سے لے لیا تھا اور اس خاندان میں۔ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ کی وصیت بھی اس عہد کے موافق چلی آتی تھی۔ تم نے اللہ کے گھر میں بت پرستی کے شرک کی نجاست پھیلا رکھی تھی۔ جن دادا کے یہ لوگ اپنے آپ کو پوتے کہتے ہیں اُن دادا کا حال کیا ان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے تو نمرود کے بتوں کو توڑا اور اپنے آپ کو اس پر آگ میں ڈالے جانے کا مستحق ٹھہرایا۔ دادا وہ بتوں کے دشمن پوتے وہ بتوں کے غلام خانہ زاد۔ غرض عہد ابراہیمی وصیت ابراہیمی طریقہ ابراہیمی سب کو بالائے طاق رکھ کر تم کو اولاد ابراہیم ہونے کا کیا فخر ہے پوتا وہ ہے جو دادا کے طریقہ پر ہو نہ وہ جو دادا کے طریقہ کو مٹائے وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ میں کلمات سے مراد امامت نبوت اور ملت ابراہیمی کے وہ سب احکام ہیں جو دس صحیفوں کے ذریعہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئے تھے۔

مثابةً للناس کے معنے لوگوں کے اکٹھے ہونے کی جگہ امن سے مراد بے کھٹکے رہنا لوٹ کھسوٹ دشمن کی چڑھائی کسی بات کا کچھ اندیشہ نہیں۔ بعضے علماء نے اس آیت سے یہ مطلب نکالا ہے کہ اگر کوئی مجرم حرم میں امن کے ارادہ سے جا بیٹھے تو اس پر حد قائم نہیں ہو سکتی لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اس کو کھانے پینے سے یہاں تک تنگ کیا جاوے کہ وہ حرم سے باہر آجاوے پھر اس پر حد شرعی قائم کی جاوے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی حرم کی یہ عظمت تھی کہ وہاں کوئی کسی کو نہیں ستاتا تھا صحیحین وغیرہ میں جو صحیح حدیثیں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں اور بھی امن کی باتیں ہیں وہاں حرم کی حد میں شکار حرام ہے۔ وہاں کی گری پڑی چیز وہی شخص اٹھا سکتا ہے جو اس کو مالک تک پہنچا دے وہاں کی گھاس تک نہیں کاٹی جاتی۔ فتح مکہ کے وقت خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں کچھ تھوڑی دیر کے لئے لڑائی اور قتل کی اجازت خدا تعالیٰ کی طرف سے مل گئی تھی۔ پھر قیامت تک وہی بات قائم ہو گئی[1] مکہ کی یہ عظمت دنیا کے

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۵ کتاب المغازی۔

وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ

کہہ دیا ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ پاک رکھو گھر میرا واسطے طواف والوں اعتکاف والوں رکوع

السُّجُودِ ﴿١٢٥﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ

سجدہ کرنے والوں کے جب کہا ابراہیم نے اے رب کر اس کو شہر امن کا رزق دے اس کے لوگوں کو

الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ قَالَ وَمَن كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ

میوے جو کوئی ان میں یقین لائے اللہ پر اور پچھلے دن پر فرمایا اور جو کوئی منکر ہے اس کو بھی فائدہ دونگا تھوڑے دنوں پھر

أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٢٦﴾ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ

اس کو قید کر بلاؤں گا دوزخ کے عذاب میں اور بری جگہ پہنچ رہے اور جب اٹھانے لگا ابراہیم بنیادیں اس

الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٢٧﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا

گھر کی اور اسمٰعیل اے رب قبول کر ہم سے تو ہی ہے اصل سنتا جانتا اے رب کر ہم کو

مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ

حکم بردار اپنا اور ہماری اولاد میں بھی ایک امت حکم بردار اپنی اور جتا ہم کو دستور حج کرنے کے اور معاف کر ہم کو

إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾

تو ہی ہے اصل معاف کرنے والا مہربان

پیدا ہونے کے وقت سے ہے۔ مگر ابراہیم علیہ السلام نے یہ عظمت لوگوں کو دوبارہ جتلائی ہے۔ ہجرت کے بعد یہی عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدینہ منورہ کے دونوں پہاڑوں کے مابین جتنی زمین ہے اس کی فرمائی ہے[1] جس کا مطلب یہ ہے کہ جو باتیں حدِ حرم کے اندر جائز نہیں ہیں وہ مدینہ منورہ کی اس قدر زمین پر بھی ناجائز ہیں۔ رہی یہ بات کہ ان دونوں متبرک مقاموں میں مکہ افضل ہے یا مدینہ۔ جمہور کے نزدیک مکہ افضل ہے لیکن امام مالک کا اس میں اختلاف ہے مگر بات یہی ہے کہ مکہ اللہ کا گھر ہے اور مدینہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ مقام ابراہیم اس پتھر کا نام ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں یہ پتھر کعبہ کی ایک دیوار میں لگا ہوا تھا حضرت عمرؓ نے اس کو وہاں سے نکال کر اس جگہ رکھ دیا جہاں اب وہ موجود ہے۔ حج کے وقت طواف سے فارغ ہونے کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے دو نفل کا پڑھنا سنت ہے۔ بخاری اور مسلم کی روایتوں میں ان نفلوں کا ذکر ہے[2]۔ حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق جو آیات قرآنی نازل ہوئی ہیں ان میں یہ آیت بھی داخل ہے کیونکہ حضرت عمرؓ نے مقام ابراہیم کو مصلےٰ ٹھہرانے کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بخاری اور مسلم وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان میں یہ شانِ نزول بیان کی گئی ہے[3]۔

۱۲۵ تا ۱۲۸ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ کے گھر کو پاک رکھنے سے یہ مراد ہے

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۷۳-۱۷۴، [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۷۰، [3] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۶۹ و صحیح بخاری ص ۵۸ ج ۱

کہ شرک کی باتوں بُت پرستی وغیرہ سے اس کو پاک رکھا جاوے[4]۔ سورہ حج کی آیت وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا (۲۲:۲۶) سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس تفسیر کی پوری تائید ہوتی ہے کیوں کہ معنی اس آیت کے یہ ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ بنانے کے لئے وہ خالی جگہ اس ہدایت سے بتلائی گئی تھی کہ وہ اس گھر کو ایسی خالص توحید کی نیت سے بناویں کہ یہ گھر بُت پرستی سے پاک رہے اور جب خالی جگہ پر کعبہ بن گیا اور آیندہ نسل ابراہیمی سے بستی بڑھ کر وہاں ایک شہر آباد ہونے کی امید حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہوگئی تو اس ہدایت الٰہی کے موافق وہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی جس کا ذکر سورہ ابراہیم میں ان لفظوں سے ہے وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ (۱۴:۳۵) مطلب اس دعا کا یہ ہے کہ یا اللہ اس جگہ کو امن کی جگہ بنا دے اور مجھ کو اور میری اولاد کو بُت پرستی کی بلا سے بچا جو بلا اس جگہ کے گرد و نواح میں کثرت سے پھیل رہی ہے جس نے بہتوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ اس تفسیر میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ قرآن شریف میں پچھلے قصے محض قصہ کے طور پر نہیں ذکر کئے جاتے بلکہ اُن کے ذکر سے زمانہ نزول قرآن کا کوئی مطلب تاریخی دلیل سے ثابت کیا جاتا ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ ذکر مشرکین مکہ کی اس تنبیہ کے لئے ہے کہ اگرچہ بنائے کعبہ کے وقت سے ہی مکہ میں شرک نہ پھیلنے کا اہتمام تھا مگر اغوائے شیطانی سے وہاں بُت پرستی پھیل گئی ہے اور اس شرک کے دفع کرنے کے ارادے سے اللہ نے نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا ہے اور خواہ نرمی سے ہو خواہ سختی سے اللہ کا یہ ارادہ وقت مقررہ پر ضرور پورا ہوگا اور دعائے ابراہیمی کا اثر مکہ میں جس طرح پہلے تھا وہی پھر قائم ہو جائے گا۔ اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے آخر کو مکہ کیا کل جزیرۂ عرب سے بُت پرستی ایسی گئی کہ جس کے آنے کا خوف اب قیامت تک جاتا رہا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان جزیرۂ عرب کی بُت پرستی سے تو اب مایوس ہو گیا ہاں جزیرۂ عرب میں اس کا اسی قدر کام باقی رہ گیا ہے کہ وہ مسلمانوں کو آپس میں لڑائے گا[1]۔ قسطلانی میں ہے کہ کعبہ دس دفعہ بنایا گیا ہے پہلے دفعہ فرشتوں نے بنایا پھر حضرت آدم نے پھر شیث نے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر قوم عمالقہ کے لوگوں نے پھر قوم جرہم کے ایک شخص نے جس کا نام حارث بن مضاض تھا پھر قصی نے جو پانچویں پیڑی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دادا تھا پھر قریش نے پھر ابن زبیر نے پھر حجاج نے یہی عمارت اخیر تک رہے گی[2]۔ صحیحین وغیرہ میں روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ یاجوج ماجوج کے نکلنے کے بعد جب حج عمرہ موقوف ہو جائے گا تو ایک سوکھی سوکھی پنڈلیوں والا حبشی اس کو ڈھا دے گا[3]۔ نبوت کی دعا میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منع کیا تھا کہ ظالم ناانصاف اولاد کے لئے نبوت کی دعا نہ مانگی جائے۔ اسی خیال سے یہاں کشائش رزق کی دعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فقط ایماندار اولاد کے لئے کشائش رزق کی دعا کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں کشائش رزق دنیوی

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۱۷۱۔ [2] مشکوٰۃ باب الوسوسہ ج ا ص ۱۹۔ [3] تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۱۷۲-۱۷۳۔ [4] تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۱۸۳۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

اے رب ہمارے اٹھا ان میں ایک رسول انہیں میں کا پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھلاوے ان کو کتاب اور پکی باتیں

وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾ وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ

اور سنوارے ان کو تو ہے اصل زبردست حکمت والا کون پسند نہ رکھے دین ابراہیم کا مگر جو بے وقوف ہو

نَفْسَهُ ۚ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٣٠﴾ إِذْ قَالَ

اپنے جی سے ہم نے اس کو خاص کیا دنیا میں اور وہ آخرت میں نیک ہے جب کہا

لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٣١﴾ وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ

اس کو اس کے رب نے حکم بردار ہو بولا میں حکم میں آیا جہان کے صاحب کے یہی وصیت کر گیا ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب

---

ہیں اس قید کے لگانے کی ضرورت نہیں۔ اس دعا کے مستحق رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور امت مسلمہ آپ کی امت اور حکمت آپ کی سنت مسند امام احمد وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ انبیاء کے گروہ میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اپنی دعا میں کیا ہے پھر اور نبیوں نے آپ کے پیدا ہونے اور نبی آخرالزمان ہونے کی خبر دی ہے[1]۔

۱۲۹۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا یہ خاتمہ ہے جو انہوں نے اپنی اس اولاد اور اولادالاولاد کے لئے کی تھی جو مکہ میں سکونت کرنے والی تھی ابوالعالیہ قتادہ وغیرہ سلف نے کہا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اہل حرم میں سے ایک رسول کے پیدا ہونے کی دعا کی تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ تمہاری دعا تو قبول ہو گئی لیکن اس دعا کے اثر کا ظہور آخری زمانہ میں ہوگا۔ اور سلف کے اس قول کی تائید عرباض بن ساریہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام احمد ابن ماجہ اور بیہقی نے سند معتبر سے روایت کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم کے پیدا ہونے سے پہلے اگرچہ میرا نام لوح محفوظ میں خاتم النبیین لکھا ہوا تھا لیکن انبیاء کے گروہ میں میرے نام کی شہرت پانے کی ابتدا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے[2]۔ مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ نوشتہ لوح محفوظ کے موافق حضرت ابراہیم کی دعا کے جواب میں پہلے پہل اللہ تعالےٰ نے نبی آخرالزمان کے پیدا ہونے کی بشارت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی اور پھر تورات اور انجیل کے نازل ہونے کے بعد یہ بشارت انبیاء نے بنی اسرائیل میں متواتر ہو گئی آیت میں کتاب کے معنے قرآن ہیں الحکمۃ کے معنے سنت رسول کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا یہ ہے کہ وہ رسول ایسا ہو کہ کتاب و حکمت لوگوں کو سکھلاوے اور یہ ظاہر بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن و سنت یہی دو چیزیں صحابہ کو سکھائی ہیں۔

۱۳۰۔۱۳۲ سورہ نحل میں آئے گا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ جس کا مطلب یہ ہے کہ ملت ابراہیمی میں پوری توحید تھی اس لئے

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۸۴۔

[2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۸۴۔

يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ

اے بیٹو اللہ نے چن کر دیا ہے تم کو دین پھر نہ مریو تم مگر مسلمانی پر کیا تم حاضر تھے

اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ

جس وقت پہنچی یعقوب کو موت جب کہا اپنے بیٹوں کو تم کیا پوجوگے بعد میرے بولے ہم بندگی کریں گے

اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾

تیرے اور تیرے باپ دادوں کے رب کو ابراہیم و اسمٰعیل و اسحاق وہی ایک رب ہے اور ہم اسی کے حکم پر ہیں

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

وہ ایک جماعت تھی گذر گئی ان کا ہے جو کما گئے تمہارا ہے جو تم کماؤ گے اور تم سے پوچھ نہیں ان کے کام کی +

ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ اہل مکہ کا سا یا حال کے یہود و نصاریٰ کا سا ہرگز نہیں تھا کیوں کہ اہل مکہ تو صریح صریح بُت پرست ہیں اور اہل کتاب نے بھی طرح طرح کی شرک اور بدعت کی باتیں نکال رکھی ہیں حالانکہ ابراہیم علیہ السلام تو ابتدائے عمر سے شرک سے بیزار رہے اس شرک کی بیزاری کے سبب سے انہوں نے اپنے باپ اور قوم کو چھوڑ دیا اور صاف کہہ دیا اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ (۶۔۷۸) جس کا پورا قصہ سورہ انعام میں آئے گا۔ غرض شرک میں مبتلا ہو کر جو یہ لوگ اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا پیرو بتلاتے ہیں اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ یہ لوگ ملت ابراہیمی پر تو کسی طرح نہیں ہو سکتے بلکہ یہ لوگ تو ملت ابراہیمی کے مخالف اور اس سے پھرے ہوئے ہیں اور جس ملت کو یہ لوگ قابل پیروی جانتے ہیں اور پھر اعمال ایسے کرتے ہیں جو اس کے بالکل خلاف ہیں تو یہ ان کی کم عقلی اور بے وقوفی ہے پھر اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے دین دنیا میں عالی مرتبہ ہونے کا اور اُن کی فرماں برداری کا اور انہوں نے اپنی اولاد کو توحید پر مرتے دم تک قائم رہنے کی جو وصیت کی تھی اس کا ذکر فرمایا تاکہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کی فرماں برداری اور وصیت کے مخالف ہیں +

۱۳۳۔۱۳۴۔ اوپر کی آیت میں حضرت ابراہیمؑ کی وصیت کا ذکر تھا اور اس آیت میں حضرت یعقوبؑ نے اپنے آخری وقت پر اپنی اولاد سے توحید پر رہنے کا اقرار جو بطور وصیت کے لیا تھا اور اس اقرار میں حضرت یعقوبؑ کے چچا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے اسی توحید پر قائم رہنے کا ذکر ہے جس سے اولاد یعقوبؑ اور اولاد اسمٰعیلؑ دونوں کو قائل کرنا مقصود ہے کہ ان دونوں میں سے ایک بھی اپنے بڑوں کے طریقہ پر نہیں ہے اور جب تک یہ لوگ اپنے بڑوں کے طریقہ پر نہ ہوں قیامت کے دن بڑوں کے نیک عمل ان کے کام نہیں آسکتے اس دن تو ہر ایک کو اپنے اپنے عمل کی جُدا جُدا جواب دہی کرنی پڑے گی۔ چنانچہ معاذ بن جبلؓ سے ترمذی وغیرہ میں معتبر سند سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار باتوں کی جواب دہی کے لئے ہر ایک شخص کو قیامت کے دن خدا تعالےٰ کے روبرو ضرور کھڑا رہنا پڑے گا ایک تو یہ کہ نیک عمل دنیا میں کیا کیا دوسرے یہ کہ عمر کن کن کاموں میں صرف کی۔ تیسرے جوانی میں کیا کیا۔ چوتھے روپیہ پیسہ کس کس طریقہ سے کمایا اور کہاں کہاں خرچ کیا۔[۱] یہود نے ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[۱] الترغیب والترہیب ج ۲ص ۱۹۶ طبع مصر ۱۳۵۲ھ۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ

کہتے ہیں ہو جاؤ یہود یا نصاریٰ تو راہ پر آؤ تو کہہ نہیں ہم نے پکڑی ہے راہ ابراہیم کی جو ایک طرف کا تھا اور نہ تھا

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۞ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ

شریک کرنے والوں میں تم کہو ہم نے یقین کیا اللہ کو اور جو اترا ہم کو اور جو اترا ابراہیم و

اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ

اسمٰعیل و اسحاق و یعقوب اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو ملا

سے کہا تھا کہ یعقوب علیہ السلام نے ہم کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی ہے اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور آیت کے مضمون سے اہل مکہ اہل کتاب دونوں کو قائل کیا عرب میں چچا کو باپ کہنے کا دستور ہے اس لئے حضرت یعقوبؑ کی اولاد نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اپنا باپ کہا۔

۱۳۵۔ یہود اپنے دین کو بلا اسطہ بتلا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہمارے دین کو اختیار کرلو کہ دنیا میں نجات کا طریقہ ہے تو یہی ہے اسی طرح نصاریٰ بھی کہتے تھے اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا ان کو جواب دیا جائے کہ ہم تو ملت ابراہیمی کے پیرو ہیں جس میں کسی طرح کے شرک کا لگاؤ نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ تم دونوں فرقوں نے اپنے دین کو بگاڑ کر شرکی دین کر رکھا ہے اس لئے تمہارا دین ابراہیمی ملت نہیں ہے ملت ابراہیمی تو حنیفی ہے جس کے معنے شرک کو چھوڑ کر توحید اور خالص اطاعت الٰہی کی طرف رجوع کرنے کے ہیں۔ بت پرستی سے بیزار ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے وطن کو باپ کو قوم کو سب کچھ چھوڑا اور اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۶۔۷۹ کہہ کر توحید اور خالص اطاعت الٰہی کو اختیار کیا اس لئے حضرت ابراہیم کو حنیف اور ملت ابراہیمی کو ملت حنیفی کہتے ہیں۔ پہلے صاحب شریعت نبی حضرت نوح علیہ السلام ہیں اور خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں شریعت اعتقادی میں سب انبیاء ایک ہیں شریعت اعتقادی کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالےٰ کو وحدہٗ لاشریک لہ جاننا اور اس کی ذات صفات اور عبادت میں کسی کو اس اعتقاد کے موافق شریک نہ کرنا۔ ہاں ہر امت کے حال کے موافق شریعت عملی جس کے معنے طریقہ عبادت کے ہیں وہ ہر نبی کا جدا ہے۔ سورہ الشوریٰ میں اس شریعت اعتقادی اور شریعت عملی کا ذکر آئے گا۔ بخاری وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم سب انبیاء علاتی بھائی ہیں[1] جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سب انبیاء کے اصول توحیدی ایک ہی ہیں شریعت تفصیلی میں البتہ مختلف ہیں جس سے حلال و حرام وغیرہ امور تفصیلی ہر وقت کی مصلحت سے بدلتے رہتے ہیں۔ اصول توحیدی کبھی نہیں بدلے گئے اصول توحیدی وہی شریعت اعتقادی ہے جس کا ذکر اوپر گذرا۔ اور سورہ شوریٰ۔ حٰم۔ عسق میں تفصیل سے آئے گا۔

۱۳۶۔ یہود و نصاریٰ کے دین میں ایک یہ بھی عیب تھا اور اب بھی موجود ہے کہ وہ سب انبیاء کو نہیں مانتے یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اور نبی آخر الزمان کے منکر ہیں نصاریٰ نبی آخر الزمان کے منکر ہیں اس لئے اللہ تعالےٰ نے امت محمدیہ کو فرمایا

[1] مشکوٰۃ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء ج ۲ ص ۵۰۹ و صحیح بخاری ص ۴۹۰ ج ۱ کتاب الانبیاء۔

النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿١٣٦﴾ فَاِنْ

سب پیغمبروں کو اپنے رب سے ہم فرق نہیں کرتے ایک میں ان سب سے اور ہم اسی کے حکم پر ہیں پھر اگر

اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ

وہ بھی یقین لاویں جس طرح پر تم یقین لائے ہو تو راہ پاویں اور اگر پھر جاویں تو اب وہی ہیں ضد پر

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣٧﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ

سو اب کفایت ہے تیری طرف سے ان کو اللہ اور وہی ہے سنتا جانتا ہم نے لیا رنگ اللہ کا اور کس کا رنگ اللہ سے بہتر

صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿١٣٨﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ

اور ہم اسی کی بندگی پر ہیں کہہ کیا اب تم جھگڑتے ہو ہم سے اللہ میں اور وہی ہے رب ہمارا اور رب تمہارا

کہ تم پر جو قرآن اُترا ہے اس پر ایمان لا کر عمل بھی اس کے موافق کرو اور اعتقاد میں سب انبیاء کو حق پر جانو یہود اور نصاریٰ کی طرح بعضے انبیاء کو ماننا اور بعضے کو نہ ماننا کسی طرح ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ توحید ہر نبی کے دین میں ہے اس سبب سے ایک نبی کے انکار سے بھی توحید کا انکار لازم آجاتا ہے جو عین کفر کا عقیدہ ہے جس طرح بنی اسمٰعیل میں قبائل ہیں اسی طرح بنی اسرائیل میں بھی اسباط ہیں سوائے حضرت نوح ہود صالح شعیب لوط ابراہیم اسحاق یعقوب اسمٰعیل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور سب صاحب شریعت نبی اسباط بنی اسرائیل میں سے ہوئے ہیں ؛

۱۳۷-۱۳۸- اوپر ملت ابراہیمی کا ذکر فرما کر اس آیت میں مسلمانوں کو یہ فہمایش ہے کہ اگر تمہاری طرح اہل کتاب بھی راہ راست پر آن کر سب کتب آسمانی اور انبیاء پر ایمان لاویں اور ملت ابراہیمی کے پورے پابند ہوجاویں تو جان لینا کہ انہوں نے ہدایت الٰہی کا راستہ پالیا اور اگر ایسا نہ ہو تو اُن کی ہٹ دہری ہے اور اس ہٹ دہری کے سبب سے وہ تم سے مخالفت کریں تو کچھ خوف نہ کرو تمہاری مدد کے لئے اللہ کافی ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے ان اہل کتاب میں سے کچھ تو قتل کئے گئے اور کچھ جلاوطن ہوئے اور بعضوں کو جزیہ دینا پڑا۔ نافع کہتے ہیں میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ شہادت کے وقت حضرت عثمانؓ کا خون اسی آیت فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ پر گرا تھا[1]۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رنگ سے مراد اس آیت میں اللہ کا دین ہے[2] اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ نصاریٰ نے اگرچہ یہ طریقہ نکالا ہے کہ وہ جس کو عیسائی کرتے ہیں تو زرد رنگ میں اُس کو نہلاتے ہیں لیکن اے مسلمانو! تم کو اللہ کی توحید کا رنگ ہاتھ سے نہ دینا چاہئے کہ یہ اللہ کا رنگ ہے اور اللہ سے بہتر کسی کا رنگ نہیں ہے اور اہل کتاب سے کہہ دو کہ ہم تو ملت ابراہیمی کے موافق خاص اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے ہیں اس لئے ہم کو اسی کا رنگ کافی ہے ؛

۱۳۹-۱۴۱- اہل کتاب کی اس بات کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے جو انہوں نے کہی تھی کہ كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم تم سب ایک خدا کے بندے اور فرمانبردار ہیں پھر تم جو اپنے آپ کو صاحب ہدایت اور اوروں کو گمراہ سمجھتے ہو اس کی دلیل تمہارے پاس کیا ہے رہی ہماری دلیل وہ خود تمہاری کتابیں ہیں جن میں یہ

[1] و [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۸۸ +

وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ

اور ہم کو ہے عمل ہمارا اور تم کو ہے عمل تمہارا اور ہم اسی کے ہیں لیے کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم

اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۗ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ

اسمٰعیل اسحاق یعقوب اور اس کی اولاد یہود تھے یا نصاریٰ کہہ تم کو خبر زیادہ ہے

اَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

یا اللہ کو اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے چھپائی گواہی جو تھی پاس اس کے اللہ سے اور اللہ بے خبر نہیں

تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْــَٔلُوْنَ

تمہارے کام سے وہ ایک جماعت تھی گذر گئی ان کا ہوا جو وہ کما گئے تمہارا ہے جو تم کماؤ گے اور تم سے پوچھ نہیں

عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

ان کے کام کی

موجود ہے کہ نبی آخرالزماں کے پیدا ہونے اور نبی ہوجانے کے بعد اور کوئی دین قائم نہیں رہ سکتا اگرچہ تم نے اپنی کتابوں کی وہ آیتیں بدل ڈالی ہیں لیکن تمہارے علماء میں کے عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ جو اسلام لے آئے ہیں وہ تم کو ہر وقت قائل کرتے ہیں اس پر بھی تم کو کچھ حجت ہے۔ تو ہمارا کیا ہمارے آگے آئے گا اور تمہارا تمہارے آگے مگر اتنی بات ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی خالص عبادت کرتے ہیں اور تم شرک کرتے ہو اور تم یہ جو کہتے ہو کہ ابراہیم اسمٰعیل، اسحٰق، و یعقوب تمہارے دین پر تھے یہ بالکل خدا تعالیٰ کے نزدیک غلط ہے جس کی تفصیل اوپر گذر چکی کہ یہ لوگ ملت ابراہیمی پر تھے اور خود تمہاری کتابوں میں بھی اس بات کی گواہی موجود ہے کہ یہ لوگ ملت ابراہیمی پر تھے اب تم جان بوجھ کر خدا تعالیٰ کے دین کی اس گواہی کو چھپاتے ہو یہ تمہاری بڑی بے انصافی ہے۔ ہاں اب یہ تو بتاؤ کہ تم اہل کتاب ہو کر جس بات کی خبر خود خدا تعالیٰ نے جب دے دی اس کو جو جھٹلاتے رہے ہو تو کیا تمہارا علم کچھ خدا سے بھی بڑھا ہوا ہے پھر یہ فرمایا کہ جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اس کی اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے وہ اس سے غافل نہیں ہے ایک دن اس کا مؤاخذہ ہونے والا ہے اور پھر دوبارہ اس بات کو یاد دلایا جو اوپر کی آیتوں میں فرمائی تھی کہ قیامت کے دن ہر ایک کے اعمال اس کے ساتھ ہوں گے پچھلے لوگوں کے اعمال کے گھڑی گھڑی کے حوالہ سے ان کو کیا فائدہ ہے اور پھر وہ حوالہ بھی غلط جو اور وبال کا سبب ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی صحیح مسلم کی حدیث اوپر گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی جو کوئی نبی آخر الزمان کے زمانہ میں ہوگا اور نبی آخر الزمان پر ایمان نہ لائے گا اس کا ٹھکانا دوزخ ہے[۱] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی آخرالزمان کے نبی ہوجانے کے بعد اہل کتاب کو سوائے پیروی شریعت محمدی کے اور کچھ چارہ نہیں ہے۔ اس حدیث کی تائید سورہ آل عمران کی آیت وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۴ و صحیح مسلم ص ۸۶ ج ۱ کتاب الایمان

مِنَ الْخٰسِرِیْنَ دو سے ہوتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مصلحت الہی کے موافق دین اسلام کے مقابلہ میں اور کوئی دین اس آخر زمانہ میں قابل قبول الہی نہیں ہے سب کو یہی دین اب اختیار کرنا چاہئے جو کوئی اس کے خلاف کرے گا وہ عقبےٰ میں نقصان اٹھائے گا۔ کیوں کہ عقبےٰ میں وہی شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جو مرضیٔ الٰہی کے موافق کام کرے حاکم کے خلافِ مرضی اور خلافِ قانون کوئی کام کرنا اسی کا نام جرم ہے ؛

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ

اب کہیں گے بیوقوف لوگ کا ہے پر پھر گئے مسلمان اپنے قبلے سے جس پر تھے تو کہہ اللہ کی ہے مشرق

وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (۱۴۲) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً

اور مغرب چلاوے جس کو چاہے سیدھی راہ اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت

وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا

معتدل کہ تم ہو بتانے والے لوگوں پر اور رسول ہو تم پر بتانے والا اور وہ

الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ؕ

قبلہ جو ہم نے ٹھہرایا جس پر تو تھا، نہیں مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جاوے گا الٹے پاؤں

وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ؕ

اور یہ بات بھاری ہوئی مگر ان پر جن کو راہ دی اللہ نے اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع کرے تمہارا یقین لانا

إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ (۱۴۳)

البتہ اللہ لوگوں پر شفقت رکھتا ہے مہربان

۱۴۲-۱۴۳- صحیح بخاری میں براء بن عازبؓ[1] سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ سترہ مہینے تک اللہ تعالےٰ کے حکم سے بیت المقدس کو قبلہ ٹھہرا کر نماز پڑھی لیکن آپ کو اس بات کی بڑی خوشی تھی کہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم جلدی سے ہو جاوے کیونکہ آپ ملت ابراہیمی پر تھے اس لئے اس ملت کے قبلہ کی آپ کو آرزو تھی۔ اور اس سولہ سترہ مہینے میں دس مہینے کے قریب مدینہ منورہ کے قیام کے ہیں۔ باقی مکہ کے کیونکہ قریش کے طرح طرح کے جھگڑوں کے سبب سے آپ کے قیام مکہ ہی کے زمانہ میں آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہو گیا تھا۔ اب حکم تبدیل قبلہ سے پہلے اللہ تعالےٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ اور فرمایا کہ تبدیل قبلہ کے بعد مخالف لوگ طرح طرح کی باتیں بنائیں گے۔ لیکن ان کی باتوں کا کچھ خیال نہیں کرنا چاہئے۔ مشرق مغرب سب جہتیں اللہ کی ہیں جس امت کا جدھر وہ چاہے قبلہ ٹھہرا سکتا ہے۔ پھر فرمایا جس طرح وسط زمین کعبہ کو اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کا قبلہ ٹھہرایا ہے اسی طرح اس امت کو اس نے سب امتوں میں معتدل ٹھہرایا ہے۔ تاکہ یہ امت سب انبیاء کے ساتھ ایک اعتدال کا درجہ رکھے اور قیامت کے دن اور انبیاء کی تائید میں ان کی امتوں کے مقابلہ میں شہادت ادا کرے۔ مسند امام احمد بخاری ترمذی وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ سوا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور نبیوں کی امتیں اپنے نبیوں کو قیامت کے دن خدا تعالےٰ کے روبرو جھٹلائیں گی۔ اور یہ کہیں گے کہ ہم کو کسی نبی نے خدا کا حکم نہیں پہنچایا ورنہ ہم ضرور اس کے موافق چلتے، انبیاء کہیں گے کہ یا اللہ ہم نے ان کو تیرا حکم پہنچا دیا۔ لیکن انہوں نے اس کو نہیں مانا اب یہ جھوٹ بولتے ہیں اگرچہ خدا تعالےٰ عالم الغیب ہے۔

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر ج ۲ ص ۶۴۵ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۸۹۔

اس سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔ لیکن ان منکر امتوں کو قائل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں سے فرمائے گا کہ تم اپنے بیان کی تائید میں کوئی شہادت پیش کر سکتے ہو وہ امت محمدیہ کو اپنا گواہ قرار دیں گے۔ وہ پہلی امتیں کہیں گی یا اللہ یہ لوگ تو ہم سے بہت پیچھے دنیا میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کو ہمارے حال کی کیا خبر ہے امت محمدیہ کے لوگ کہیں گے کہ یا اللہ تو نے ہمارے نبی آخر الزمان پر جو قرآن اتارا تھا اس میں پہلے نبیوں کا اور پہلی امتوں کا سب ذکر ہے اس واسطے ہم تیرے کلام کی اور تیرے رسولوں کے سچے ہونے کی گواہی دیتے ہیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امت کی بیان کی تصدیق فرمائیں گے[1]۔ اور اس طرح کی شہادت پر یہ معاملہ تصفیہ پائے گا۔ اس معاملہ اور اس شہادت کا ذکر اس آیت میں ہے پھر فرمایا کہ اس تبدیل قبلہ میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اس سے جو لوگ اطاعت رسول میں پکے اور ثابت قدم ہیں ان کا اور جو لوگ کچے ہیں ان کا حال کھل جائے گا کیونکہ ثابت قدم لوگوں کو تو ہر طرح فرماں برداری حکم الٰہی اور اطاعت رسول سے کام رہتا ہے۔ کسی حکم الٰہی کا رد و بدل اگر خدا کی طرف سے ہو تو ان کا یقین اللہ کے رسول کے سچے ہونے کا اور بڑھ جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ایک نور ہدایت جوڑے رکھا ہے اس سے وہ سمجھ لیتے ہیں کہ جو شخص اپنی طرف سے کوئی بات کہتا ہے تو اس کو اکثر اپنی بات کی پچ ہوتی ہے یہ بلاشک اللہ کے رسول ہیں بیچ میں کچھ دخل نہیں دیتے۔ اللہ کا جیسا حکم آتا ہے وہ ہم کو سنا دیتے ہیں۔ ہاں جو لوگ کچے ہیں ان کو ایسے موقع پر طرح طرح کے شک و شبہے پیدا ہو جاتے ہیں سلف نے اپنی تفسیروں میں لکھا ہے کہ کچھ لوگ اس تبدیل قبلہ کے حکم سے شک و شبہ میں پڑ کر صاف مرتد ہو گئے۔ ترمذی وغیرہ میں صحیح روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف قبلہ بدل جانے سے پہلے جن چند صحابہ کا انتقال ہو گیا تھا ان کی نماز کے قبول ہونے اور افضل ہونے نہ ہونے کا ذکر صحابہ میں اکثر ہوا کرتا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ آیت کا ٹکڑا نازل فرمایا[2]۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے کعبہ کے قبلہ قرار پانے سے پہلے بیت المقدس کی طرف اللہ کے حکم سے نماز پڑھی ہے۔ ان کی نماز کا اجر پورا ملے گا۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہود کے قبلہ کا ذکر تورات اور نصاریٰ کے قبلہ کا ذکر انجیل میں نہیں ہے بلکہ دونوں گروہ کا قبلہ ان کے علماء کا ٹھہرایا ہوا ہے۔ امت محمدیہ کو ایک فخر یہ بھی ہے کہ ان کا قبلہ خود خدا کا ٹھہرایا ہوا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کی ابتدا سے قیامت تک جو کچھ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے موافق ہونے والا تھا اس کو دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے[3] اس لئے اس آیت میں یہ جو فرمایا کہ لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ اس کے یہ معنے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے علم ازلی کے موافق مطیع اور مرتد کا ظہور دنیا میں ہو جاوے۔ ورنہ خدا تعالیٰ کے علم ازلی میں تو سب کچھ ازل سے ٹھہرا ہوا ہے اور دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے وہ سب کچھ لکھا بھی جا چکا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سزا جزا کا

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۵ کتاب التفسیر۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۰ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۲ [3] صحیح مسلم ص ۳۳۵ کتاب القدر

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ

ہم دیکھتے ہیں پھر جانا تیرے منہ کا آسمان میں سو البتہ پھیریں گے تجھ کو جس قبلے کی طرف تو راضی ہے اب پھیر منہ اپنا

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ

طرف مسجد الحرام کے اور جس جگہ تم ہوا کرو پھیرو منہ اسی کی طرف جن کو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ (۱۴۴)

ملی ہے کتاب البتہ جانتے ہیں کہ یہی بات ٹھیک ہے ان کے رب کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو کرتے ہیں اور

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ

اگر تو لاوے کتاب والوں پاس ساری نشانیاں نہ چلیں گے تیرے قبلے پر اور تو بھی نہ مانے ان کا

قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

قبلہ اور نہ ان میں ایک مانتا ہے دوسرے کا قبلہ اور کبھی تو چلا ان کی پسند پر بعد اس علم کے

---

مدار ہر چیز کے دنیوی ظہور پر رکھا ہے اپنے علم غیب پر نہیں رکھا آیات قرآنی میں جہاں کہیں علم الٰہی کا ذکر ایسے موقع پر آسے گا جیسا کہ اس آیت میں ہے تو اس کے یہی معنے ہوں گے جو یہاں بیان کئے گئے ہیں۔

۱۴۴۔ شطر کے معنے جہت کے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خاص کعبہ مسجد الحرام میں نماز پڑھنے والوں کا قبلہ ہے اور حد حرم کے اندر رہنے والوں کا قبلہ مسجد الحرام ہے اور جہت حرم سب روئے زمین کے رہنے والوں کا قبلہ ہے[1]۔ امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مذہب اسی حدیث کے موافق ہے۔ بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس کی سند کو ضعیف بتلایا ہے لیکن یہ حدیث کئی سندوں سے روایت کی گئی جس سے ایک سند کو دوسری سند سے قوت ہو جاتی ہے۔ اس لئے تین اماموں نے اپنے مذہب کا مدار اس حدیث پر رکھا ہے صحیح بخاری صحیح مسلم وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ حالت سفر میں نفل نماز سواری پر جدھر سواری کا منہ ہو ادھر ہو جاتی ہے[2] اسی طرح فرض نماز حالت خوف میں اور حالت سفر میں قبلہ کے مشتبہ ہو جانے کی صورت میں بغیر جہت کعبہ کے ہو جاتی ہے پھر فرمایا کہ ان اہل کتاب کو یہ تبدیلی قبلہ کا مسئلہ اچھی طرح معلوم ہے کیونکہ صفات نبی آخر الزمان کی آیتوں میں یہ مسئلہ ان کی کتابوں میں موجود ہے لیکن فقط اس حسد سے کہ نبی آخر الزمان ان کی قوم بنی اسرائیل میں سے کیوں نہیں ہوئے۔ انہوں نے ان آیتوں کو جو بدل ڈالا ہے اس کو اور ان کے اس طرح کے اور سب کاموں کو اللہ خوب جانتا ہے۔ وقت مقررہ کی دیر ہے اس کے آتے ہی ان کی پوری ٹھہر لی جائے گی۔

۱۴۵۔ جو شخص حقیقت میں حق پسند ہوتا ہے مگر کبھی کسی حق بات کے سمجھنے میں اس کو کوئی شبہ پڑ جاتا ہے۔ تو جب اس کا وہ شبہ رفع ہو جاتا ہے تو پھر وہ شخص فوراً راہ راست پر آ جاتا ہے۔ لیکن جب کوئی شخص ضد یا حسد سے

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۳ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۸ باب توجہوا القبلۃ حیث کان۔

مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ

جو تجھ کو پہنچا تو بے شک تو بھی ہے بے انصافوں میں جن کو دی ہے ہم نے کتاب وہ پہچانتے ہیں

كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ

وہ بات جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور ایک فرقہ ان میں کا چھپاتا ہے حق کو جان کر حق

مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

وہی ہے جو تیرا رب کہے سو نہ ہو تو شک لانے والوں میں

حق بات کے سمجھنے کا سرے سے قصد ہی نہیں کرتا تو اس کا راہ راست پر آنا مشکل ہے۔ اہل کتاب کا کفر کسی شک و شبہ کے سبب سے نہیں تھا بلکہ وہ جس طرح غیر کی اولاد میں سے اپنی اولاد کو پہچان سکتے تھے اسی طرح ان اوصاف سے جو ان کی کتابوں میں تھے نبی آخرالزماں کو پہچانتے تھے۔ لیکن انہوں نے اس حسد سے کہ نبی آخرالزمان ان کی قوم میں کیوں نہیں پیدا ہوئے اللہ کی کتاب کی آیتوں کو بدل ڈالا اور اسی ضد و حسد سے وہ باوجود نبی کے معجزات کے دیکھنے کے راہ راست پر نہیں آتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی تسکین کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور فرمایا کہ ان لوگوں کا کفر عنادی ہے ان کو سینکڑوں معجزے بھی دکھلائے جائیں تو کچھ فائدہ نہیں کیونکہ جب تک یہ لوگ اپنے عناد کو نہ چھوڑیں گے وہ عناد کبھی ان کو نہ چھوڑے گا کہ یہ حق بات کو سمجھیں اور راہ راست پر آجائیں اور کعبہ کو قبلہ تسلیم کریں پھر فرمایا کہ تمہارا قبلہ خدا کی طرف سے ٹھہر چکا ہے اس واسطے تم بھی مثل سابق کے اب بیت المقدس کو قبلہ نہیں بنا سکتے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب ٹھہرا کر امت کے لوگوں کو بطور تنبیہ کے یہ سنایا کہ اللہ کی طرف سے ایک حکم آجانے کے بعد اب اگر کوئی مسلمان شخص اہل کتاب کے بہکانے میں آجائے گا تو وہ بڑا ناانصاف ہے اگرچہ اس تنبیہ کا تعلق عام مسلمانوں سے ہے۔ لیکن تبدیل قبلہ کے حکم سے چند مسلمان بہک کر جو مرتد ہو گئے ان سے اس تنبیہ کا تعلق زیادہ ہے۔

۱۴۶-۱۴۷- پہلی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علامتیں بہت صراحت سے تھیں اس لئے اہل کتاب ان علامتوں سے آپ کو اس طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے تھے۔ لیکن نبی آخرالزمان کے بنی اسرائیل میں پیدا نہ ہونے سے ان لوگوں کو حضرت سے ایک دشمنی سی ہو گئی تھی جس کے سبب سے ان لوگوں نے وہ علامتیں بدل ڈالی تھیں اور آپ کی نبوت کے انکار کرنے پر کمر باندھ لی تھی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر فرمایا کہ اگرچہ اصل کتابیں تو ان لوگوں نے بدل ڈالی ہیں مگر جب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جتلا دیا ہے تو کسی مسلمان کو اس میں کچھ شک و شبہ نہیں کرنا چاہیے کہ نبی آخرالزمان کی پوری علامتیں اہل کتاب کی کتابوں میں موجود ہیں مستدرک حاکم، صحیح ابن حبان، مسند ابی یعلے ابن ماجہ میں صحیح روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص دین کی کوئی بات جان بوجھ کر چھپائے گا اور اس کے نفع سے لوگوں کو محروم رکھے گا قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی[۱]

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۰۰ و مستدرک حاکم ص ۱۰۱ کتاب العلم و ابن ماجہ مغول ۱

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ

ہر کسی کو ایک طرف ہے جدھر وہ منہ کرتا ہے سو تم سبقت چاہو نیکیوں میں جس جگہ تم ہو گے اللہ تم کو

جَمِيعًا إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤٨﴾

اکٹھا کر لاوے گا بے شک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے ۔

۱۴۸۔ قبلہ کی تبدیلی کے بعد اہل کتاب اور اہل مکہ طرح طرح کی باتیں بناتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ ہر ایک امت کا ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ لوگ منہ کرتے ہیں یہود کا قبلہ۔ مثلاً بیت المقدس ہے نصاریٰ کا مشرق اور مسلمانوں کا قبلہ جب تک حکم تھا بیت المقدس رہا اب ان کا قبلہ کعبہ قرار پایا ہے قبلہ کا مسئلہ اس قدر بڑھانا اور اس میں ہر وقت بحث کرنا کچھ فائدہ کی بات نہیں ہے۔ دین کی بڑی بڑی باتیں مثلاً اہل مکہ کا شرک کو چھوڑ کر اسلام لانا اہل کتاب کا اپنی کتابوں پر پورا عمل کر کے نبی آخر الزمان پہ ایمان لانا ان باتوں میں سبقت کرنی چاہئے کہ یہ باتیں نجات عقبےٰ کا موجب اور اصل دین ہیں۔ اصل دین سے بے خبر رہ کر قبلہ کے مسئلہ کی طرح طرح چھوٹی چھوٹی باتوں میں بحث اور ان کی پابندی سے عقیدہ شرکیہ کی یا انکار کتاب الٰہی کی کیا اصلاح ہو سکتی ہے سورہ فرقان میں فرمایا وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا (۲۵۔۲۳) جس کا حاصل یہ ہے کہ بغیر اصلاح عقیدہ کے مشرکین مکہ یا اہل کتاب چھوٹے چھوٹے سے کچھ نیک عمل کریں گے تو ان کا کچھ اجر نہ پاویں گے بلکہ ان کے وہ نیک عمل قیامت کے دن اس طرح اُڑ جائیں گے جس طرح تیز ہوا میں غبار اڑ جاتا ہے۔ صحیحین کی حضرت معاذؓ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں اور اللہ کے اس حق کے ادا ہو جانے کے بعد بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہوگا کہ وہ ان کو دوزخ کے عذاب سے بچائے[1]۔ اس سے معلوم ہوا کہ بغیر اصلاح عقیدہ شرکیہ کے بندہ اپنا کوئی حق اللہ کی بارگاہ سے نہیں پا سکتا۔ اسی واسطے آخر آیت میں فرمایا کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ ہر طرح کے عقیدہ اور عمل والوں کو سب کو ایک دن جہاں وہ ہوں وہاں سے اکٹھا کر دے تاکہ ہر ایک گروہ کے عقیدے اور عمل کا نتیجہ اس کے سامنے آجائے۔ حضرت معاذؓ کی دوسری روایت معتبر سند سے مستدرک حاکم میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کا دین خالص اور عقیدہ اچھا ہے اس کو نیک عمل تھوڑا سا بھی کافی ہے[2]۔ مطلب یہ ہے کہ توحید کے ساتھ تھوڑا عمل بھی بہت کام دے گا۔ ورنہ بہت سے اعمال بھی ہوا میں اُڑ جائیں گے۔ حاصل یہ کہ اس دن کے پیش آنے سے پہلے جس طرح حکم دیا گیا ہے دین کی اصولی اعتقادی باتوں میں ہر ایک گروہ کو سبقت کرنی چاہئے۔ کیونکہ بغیر اس سبقت کے چھوٹی باتوں کا اجر اس دن ہوا میں اڑ جائے گا یہ اعتقادی باتیں وہ ہیں جن کا ذکر آیت لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ میں آئے گا ۔

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۲ کتاب اللباس ۔ [2] الترغیب والترہیب طبع مصر ۱۳۲۴ھ ج ۱ ص ۱۳ باب الترغیب فی الاخلاص و الصدق والنیۃ الصالحۃ ۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ

اور جس جگہ سے تو نکلے منہ کر طرف مسجد الحرام کے اور یہی تحقیق ہے تیرے رب کی طرف سے

وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے جہاں سے تو نکلے منہ کر طرف مسجد

الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ

الحرام کے اور جس جگہ تم ہوا کرو منہ کرو اسی کی طرف تاکہ نہ رہے لوگوں کو تم سے جھگڑنے کی جگہ

إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ

مگر جو ان میں بے انصاف ہیں سو ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور اس واسطے کہ پورا کروں میں تم پر فضل اپنا اور تاکہ

تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾

تم راہ پاؤ

۱۴۹-۱۵۰- قرآن شریف میں یہ پہلا حکم ناسخ ہے جس سے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم منسوخ ہوا ہے۔ یہ اوپر گذر چکا ہے کہ یہود میں جہالت اور غلط باتیں رواج پکڑ گئی تھیں ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ احکام الٰہی میں سے کوئی حکم کبھی منسوخ نہیں ہوتا اپنے اس غلط اعتقاد کی وجہ سے تبدیل قبلہ کے باب میں وہ لوگ طرح طرح سے مسلمانوں کو بہکاتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس حکم کے نازل فرمانے میں یہ اہتمام فرمایا کہ تمہید کے طور پر پہلے آیت سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ نازل فرما کر مسلمانوں کو ہوشیار کر دیا اور اب حکم تبدیل قبلہ کو بھی تاکید کے طور پر دو دفعہ فرمایا تورات میں جہاں نبی آخرالزمان کی اور علامتوں اور نشانیوں کا ذکر تھا وہاں ایک علامت تبدیل قبلہ کی بھی تھی اس واسطے فرمایا کہ تبدیل قبلہ کے بعد تا انصافی سے اہل کتاب کو باتیں بنانے کے سوا تورات کے حوالہ سے کچھ بحث کرنے کا موقع باقی نہیں رہا پھر فرمایا اگر ان میں سے کوئی شخص کچھ غلط حجت کرے بھی تو اس کا کچھ خوف نہیں کرنا چاہئے بلکہ خوف تو ہر مسلمان کو اس بات کا چاہئے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی مخالفت نہ ہو جائے۔ کہ اس کا عذاب بھگتنا پڑے حالانکہ اس کا عذاب انسان کی برداشت سے باہر اور بہت سخت ہے ترمذی وغیرہ کی روایت سے حضرت ابوذرؓ کی حدیث مشہور ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے یہ فرمایا کہ عذاب الٰہی کا جو حال مجھ کو معلوم ہے اگر وہ حال تم لوگوں کو معلوم ہو جاوے تو تمہاری ہنسی بالکل کم ہو جائے اور تم اپنے گھروں اور اہل و عیال کو چھوڑ کر جنگل کو نکل جاؤ۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے[1]۔ جو لائق عمل ہے اس لئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان کو بہ نسبت اور کسی کی مخالفت کے خوف کے اللہ کے حکم کی مخالفت سے اس کے عذاب کا بڑا خوف کرنا چاہئے نعمت الٰہی کے پورا کرنے کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح

[1] جامع ترمذی (مجتبائی) ج ۲ ص ۵۵ کتاب الزہد۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ

جیسا بھیجا ہم نے تم میں رسول تم ہی میں کا پڑھتا ہے تمہارے پاس آیتیں ہماری اور تم کو سنوارتا ہے اور سکھاتا ہے کتاب

وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ

اور حکمت اور سکھاتا ہے تم کو جو تم نہ جانتے تھے سو تم یاد رکھو مجھ کو میں یاد رکھوں گا تم کو اور احسان مانو میرا

وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ ع

اور ناشکری مت کرو ؁

سے تم لوگ ملت ابراہیمی کی نعمت پر تھے جو شرک سے بالکل پاک وصاف ہے اسی طرح قبلہ ابراہیمی کا حکم نازل ہوجانے سے وہ نعمت اب پوری ہوگئی ؁

۱۵۱-۱۵۲- یہ آیت پہلی آیت کے متعلق ہے اور معنے آیت کے یہ ہیں کہ جس طرح اللہ تعالےٰ نے ملت ابراہیمی کی نعمت تم کو عطا کی اسی طرح اس کی یہ بھی نعمت ہے کہ وہ ملت تمہاری قوم بنی اسمٰعیل میں کی نبی کی معرفت تم کو عطا ہوئی تاکہ غیر قوم کی اطاعت کا روکاؤ باقی نہ رہے ؁

قرآن شریف میں جہاں کتاب وحکمت کے دونو لفظ ایک جگہ آئے ہیں ان کی تفسیر سلف نے قرآن۔ اور حدیث سے کی ہے اور اس تفسیر کی تائید مقدام بن معدیکرب رضؓ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو مسند امام احمد اور ابوداؤد و ابن ماجہ میں معتبر سند سے آئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو قرآن اور قرآن کے ساتھ ہی قرآن کی مانند حدیث اللہ کی طرف سے دی گئی ہے[1] معنی اس حدیث کے علماء نے یہ بیان کئے ہیں کہ فقط قرآن کے سیکھ لینے سے مسلمان آدمی کو دین کی طرف سے بے پرواہی نہیں ہوسکتی۔ جب تک اللہ کی رسول کی حدیث کو آدمی نہ سیکھے کیونکہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ارکان دین کے اکثر مسئلے قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ نے مختصر طور پر ذکر فرما کر ان کا تفصیلی بیان اپنے رسول کے سپرد کیا چنانچہ سورہ نحل میں فرمایا وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (۱۶: ۴۴) مطلب آیت کا یہ ہے کہ قرآن کی جو آیتیں ایسی ہوں کہ ان میں تفصیل کی ضرورت ہو تو تم اے نبی اللہ کے ان آیتوں کی تفصیل قول سے فعل سے اچھی طرح امت کے لوگوں کو سمجھا دو تاکہ وہ لوگ قرآن کی آیتوں کے معنے میں فکر اور غور کرسکیں اس حکم کے موافق اللہ کے رسول نے قول کے موقع پر قول سے اور فعل کے موقع پر فعل سے قرآن کا مطلب بخوبی اپنے صحابہ کو اور صحابہ نے تابعیوں کو سمجھا دیا جو سلسلہ بہ سلسلہ آج تک چلا آتا ہے اور اسی کو قرآن کی تفسیر کہتے ہیں تفسیر قولی کی مثال مثلاً جب سورہ الانعام کی یہ آیت اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ۶:۸۲ نازل ہوئی تو آپ نے فرما دیا کہ ظلم سے مراد اس آیت میں شرک ہے[2] بخاری مسلم ترمذی وغیرہ میں اس تفسیر کی روایتیں ہیں تفسیر فعلی کی مثال مثلاً ایک شخص نے اوقات نماز کا ذکر جو قرآن شریف میں ہے اس کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

[1] مشکوٰۃ ص ۲۹ باب الاعتصام الخ وابوداؤد ص ۶۳۲ ج ۲۔ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۵۳

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱسْتَعِينُوا۟ بِٱلصَّبْرِ وَٱلصَّلَوٰةِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴿١٥٣﴾ وَلَا تَقُولُوا۟

اے ایمان والو قوت پکڑو ثابت رہنے سے اور نماز سے بے شک اللہ ساتھ ہے صبر والوں کے نہ کہو

لِمَن يُقْتَلُ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أَمْوَٰتٌۢ ۚ بَلْ أَحْيَآءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ﴿١٥٤﴾

جو کوئی مارا جائے اللہ کی راہ میں کہ وہ مردے ہیں بلکہ زندے ہیں لیکن تم کو خبر نہیں ہے۔

پوچھی آپ نے اس سائل کو زبانی کچھ جواب نہیں دیا بلکہ اس کو دو روز تک اپنے ساتھ نماز میں شریک رکھ کر پہلے دن پنج گانہ نماز اول وقت پڑھی اور دوسرے دن آخری وقت پر اور پھر اس سائل کو سمجھا دیا کہ نماز کا وقت دونوں دن کے وقتوں کے مابین ہے یہ روایت صحیح مسلم وغیرہ میں ہے[1] یہ جو فرمایا کہ تم یاد رکھو مجھ کو میں یاد رکھوں تم کو اس کی تفسیر اس حدیث قدسی میں آئی ہے جس کو بخاری مسلم وغیرہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے جس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں اگر وہ مجھ کو اپنے دل میں یاد کرے گا تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کروں گا اور اگر وہ مجھ کو انسانوں کی مجلس میں یاد کرے گا تو میں اس کو ملائکہ کی مجلس میں یاد کروں گا جو انسانوں کی مجلس سے بہتر ہے اور جس قدر وہ مجھ سے قریب ہوگا میں اس سے زیادہ قریب ہوں گا اور وہ میری راہ میں پاؤں چل کر آوے گا تو میں اس کی مدد کے لئے دوڑ کر آنے کو تیار ہوں[2] جو نعمت خدا نے اس کو خدا کی مرضی کے موافق کام میں لانا اس نعمت کا شکر ہے اور خلاف مرضی کفران نعمت ۔

۱۵۳-۱۵۴-صحیح مسلم میں صہیب رومی سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان آدمی کو ہر طرح بھلائی پہنچ سکتی ہے اگر وہ نعمت کے وقت شکر اور مصیبت کے وقت صبر کرے[3] پہلی آیت میں شکر نعمت کا ارشاد تھا اور اس آیت میں مصیبت کے وقت صبر کا ارشاد ہے اس لئے کہ انسان کی دو ہی حالتیں ہیں یا وہ صاحب نعمت ہوگا یا صاحب مصیبت ان دونوں حالتوں کے باہمی تعلق کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے صبر کا ذکر شکر نعمت کے بعد فرمایا تاکہ یہ آیت پہلی آیت کا ایک جز قرار پاکر شکر اور صبر کا حکم ایک جگہ ہو جاوے۔ مسند امام احمدؒ ابوداؤد وغیرہ میں جو معتبر سند سے روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی رنج و غم کا موقع پیش آتا تھا تو آپ اس رنج و غم کو ٹالنے کے لئے نماز پڑھنے میں مصروف ہو جاتے تھے[4]۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح صبر کرنے سے مصیبت ہلکی ہو جاتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نماز میں ایک اثر مصیبت کے ہلکا کر دینے کا رکھا ہے اور اسی مناسبت کے سبب سے اپنے کلام پاک میں نماز کو صبر کے ساتھ ذکر فرمایا ہے مصیبت کے وقت صبر کرنے کی فضیلت میں اور صبر کے اجر میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ مصیبت کے وقت صبر کے علاوہ مامور شرعی کے ادا کرنے اور ممنوع شرعی سے بچنے میں بھی خواہش انسانی کو روکنا اور صبر کرنا پڑتا ہے اس لئے صبر ہر عبادت کا گویا ایک جز ہے۔ جہاد میں طرح طرح کی تکلیفات پر آخری درجہ جان دینے کی تکلیف پر

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۲۳ باب اوقات الصلوٰۃ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۶ و مشکوٰۃ ص ۱۹۶ باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ۔
[3] صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۳ باب فی احادیث متفرقۃ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۶ [4] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۶۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ

اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو کچھ ایک ڈر سے اور بھوک سے اور نقصان سے مالوں کے اور جانوں کے اور میووں کے

وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾

اور خوشی سنا صبر کرنے والوں کو جب پہونچے ان کو کچھ مصیبت کہیں ہم اللہ کے مال ہیں ہم کو اسکی طرف پھر جانا ہے

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾

ایسے لوگ انہیں پر شاباشیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں راہ پر

صبر درکار ہوتا ہے شہید لوگ اس صبر کے متحمل ہوئے اور خدا کی راہ میں اپنی جان دی اسی تعلق اور مناسبت کے لحاظ سے صبر کی آیت میں شہیدوں کا ذکر فرمایا تاکہ اور لوگ بھی اس قدر صبر کا تحمل اختیار کریں کہ خدا کی راہ میں درجہ شہادت کا حاصل کر کے شہیدوں کے مرتبہ کو پہنچیں صحیح بخاری صحیح مسلم ترمذی وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد کوئی جنت کی نعمتوں کو چھوڑ کر جنت سے نکلنا اور پھر دنیا میں آنا پسند نہ کرے گا۔ مگر شہید لوگوں کی یہ تمنا ہوگی کہ اگر وہ دس دفعہ دنیا میں آن کر خدا کی راہ میں شہید ہوں تو بھی ان کی آرزو پوری نہ ہو[1] شہادت کے سبب سے بڑے بڑے درجہ بارگاہ الٰہی سے جو شہیدوں کو ملیں گے ان کے بڑھانے کی حرص میں شہیدوں کو دوبارہ دنیا میں آنے اور پھر شہید ہونے کی تمنا ہوگی صحیح مسلم ترمذی وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ اب قیامت سے پہلے ہر ایک شہید کی روح ایک خوبصورت سبز جانور کے پوٹے میں ہے وہ سبز جانور جنت میں۔ سارا دن جہاں چاہتے ہیں طرح طرح کے جنت کے میوے کھاتے پھرتے ہیں اور شام کو عرش کے نیچے ایک قسم کی قندیلیں لٹک رہی ہیں ان میں بسیرا لیتے ہیں[2] چودہ صحابہ بدر کی لڑائی میں جو شہید ہو گئے تھے موافق لوگ ان کا افسوس کرتے تھے اور مخالف لوگ کہتے تھے کہ ان مرنے والوں نے مفت اپنی جانیں کھوئیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمادیا کہ مرنا تو ایک نہ ایک دن سب کو ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان کا دینا ہمیشہ کی زندگی کا حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ شہداء عنداللہ اب بھی زندہ ہیں اچھی سے اچھی غذا پاتے ہیں۔ لیکن تم لوگوں کو ان کی زندگی کا حال معلوم نہیں کیونکہ وہ تم سے جدا ہو گئے ہیں اور علاوہ حال کے زندگی کے جنت میں بھی پھر اپنے اصلی جسم سے داخل ہو کر ہمیشہ زندہ رہیں گے ؛

۱۵۵۔۱۵۷۔ اوپر کی آیت میں مصیبت کے وقت صبر اور نماز سے مدد لینے کا ذکر فرما کر اسی کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں جو اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے جو شخص مصیبت کے وقت صبر کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق اس کو پورا اجر دے گا سورہ الزمر میں آئے گا إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ (۳۹: ۱۰) جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر نیکی کا اجر دس درجہ سے لے کر سات سو تک ہے

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۵ باب تمنی المجاہد ان یرجع الی الدنیا [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۷

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ

صفا اور مروہ جو ہیں نشان ہیں اللہ کے پھر جو کوئی حج کرے اس گھر کا یا زیارت تو گناہ نہیں اس کو

أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ (۱۵۸)

کہ طواف کرے ان دونوں میں اور جو کوئی شوق سے کرے کچھ نیکی تو اللہ قدر دان ہے سب جانتا ۔

مگر صبر جیسی مشکل چیز ہے اسی طرح اس کا ثواب بھی اندازہ سے باہر ہے صحیح ابن حبان وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضہ سے بسند معتبر روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالے اپنے بعضے بندوں کو عقبےٰ میں بڑا درجہ دینا چاہتا ہے لیکن ان بندوں کے اعمال اس درجہ کے قابل نہیں ہوتے اس لئے ان کو بعضی مصیبتوں سے آزماتا ہے اور جب وہ بندے ان مصیبتوں کے وقت صابر رہتے ہیں تو ان کے صبر کے اجر میں اللہ تعالے ان اپنے بندوں کو عقبےٰ کے اس بڑے درجہ کے قابل کر دیتا ہے[۱]۔ اسی طرح مصیبت کے وقت صبر کر لے سے گناہوں کے معاف ہونے کی حدیثیں بہت سی ہیں[۲]۔ حاصل یہ ہے کہ دنیا میں اکثر اچھے لوگ مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تاکہ مصیبت کے وقت صبر کرنے سے ان کا درجہ بڑھے ان کے گناہ معاف ہوں۔ اس لئے مسلمان آدمی کو مصیبت سے گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ ایسے وقت پر صبر اور نماز سے مدد لینی چاہئے۔ مال کا نقصان یہ ہے کہ مثلاً کسی تجارت میں گھاٹا آجاوے یا کوئی چوری ہو جاوے جان کا نقصان رشتہ داروں یا دوستوں کا مر جانا خوف سے مراد دشمنوں کا خوف ہے بھوک سے مراد محتاجی و قحط میوہ کا نقصان باغ کے پیڑوں میں پھل کا نہ آنا یا کم آنا یا اولاد کی موت کیونکہ اولاد کو بھی پھل کہتے ہیں۔ چنانچہ ترمذی وغیرہ میں ابوموسےٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی مسلمان شخص کی اولاد کا انتقال ہو جاتا ہے تو اللہ تعالے ملک الموت سے فرماتا ہے کہ جس وقت تو نے میرے بندے کے دل کے پھل کو اس سے چھین لیا تو اس میرے بندے نے کیا کہا فرشتہ جواب دیتا ہے یا اللہ اس وقت تیرے بندہ نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھی اور تیری تعریف کی نہ کچھ بے صبری کی نہ کوئی ناجائز کلمہ منہ سے نکالا اس پر اللہ تعالے فرماتا ہے اچھا ایسے بندہ کے لئے جنت میں ایک گھر تیار کرو اور اس کا نام اللہ کی تعریف کا گھر رکھو ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے[۳]۔ جو قابل اعتبار ہے اور مسند امام احمد کی روایت سے ترمذی کی روایت کو ایک طرح کی تقویت بھی حاصل ہو گئی ہے۔ غرض صابروں کو بڑا اجر عقبےٰ میں ملنے والا ہے۔ اسی واسطے آخر آیت میں فرمایا کہ ان لوگوں پر اللہ کی رحمت پدرحمت ہے اور انہیں لوگوں نے عقبےٰ کی نجات کا راستہ ڈھونڈ لیا ہے ۔

۱۵۸۔ اساف و نائلہ دو شخص تھے انہوں نے کعبہ کے اندر زنا کیا اللہ تعالے نے ان کو پتھر کا کر دیا اس وقت کے لوگوں نے ان دونوں پتھروں کی مورتوں کو کعبہ کے باہر رکھ دیا تھا تاکہ لوگ ان کو دیکھ کر عبرت پکڑیں پھر رفتہ رفتہ وہ صفا و مروہ

[۱] الترغیب والترہیب ص ۶۵ و ج ۲ ۱۳۴۴ھ مصر [۲] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۶۵ طبع مصر ۔
[۳] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۸ ۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي

جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اتارا صاف اور راہ کے نشان بعد اس کے کہ ہم ان کو کھول چکے لوگوں کیواسطے

الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا

کتاب میں ان کو لعنت دیتا ہے اللہ اور لعنت دیتے ہیں سب لعنت کرنیوالے مگر جنھوں نے توبہ کی اور سنوارا اور بیان کردیا

فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ

تو ان کو معاف کرتا ہوں اور میں ہوں معاف کرنے والا مہربان جو لوگ منکر ہوئے اور منکر ہی مرگئے ان پی

كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٦١﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ

پر ہے لعنت اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی رہ پڑے اس میں

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿١٦٢﴾

نہ ہلکا ہوگا ان پر عذاب اور نہ ان کو فرصت ملے گی

پر اس طرح سے رکھ دئے گئے کہ صفا پر اساف کو رکھ دیا اور مروہ پر نائلہ کو اور مثل اور بتوں کے ان کی بھی پوجا ہونے لگی اسلام کے بعد لوگوں کو اس وجہ سے صفا و مروہ کے مابین دوڑنے میں تامل ہوا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کو عبادات حج جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکھائے گئے ہیں صفا و مروہ کا دوڑنا بھی انہیں میں سے ہے کیونکہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا پانی کی تلاش میں ان پہاڑوں کے مابین زمزم کا چشمہ نکلنے سے پہلے دوڑی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کو حج کی عبادت میں داخل کردیا ہے۔ حج کے دنوں میں جو وہاں بت رکھ دئے گئے تھے تو اس سے اصل عبادت کی ادائے میں ان بتوں کے اٹھ جانے کے بعد کوئی حرج واقع نہیں ہوسکتا۔ صفامروہ کے دوڑنے کو بعضے علماء نے حج کا رکن قرار دیا ہے۔ اور بعضوں نے اس کو مستحب کہا ہے حجۃ الوداع میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صفا و مروہ کے مابین دوڑے اور عبادات حج کو ادا کرتے وقت آپ نے صحابہ سے یہ فرمایا تھا خذوا عنی مناسککم[۱] جس کا مطلب یہ ہے کہ عبادات حج کو تفصیل وار تمہارے سامنے میں نے اس لئے ادا کیا ہے کہ تم لوگ بھی ان کو مجھ سے سیکھ لو اس صورت میں صفا و مروہ کے مابین دوڑنے کی سنت فعلی ہونے میں تو کسی طرح شک و شبہ باقی نہیں رہ سکتا لیکن بعض روایتوں میں یوں آیا ہے ان اللہ کتب علیکم السعی[۲] جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ذمہ ذائے صفا و مروہ دوڑنے کی لکھ دی ہے ان روایتوں سے ان علماء سلف کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے جو صفا و مروہ کے مابین دوڑنے کو حج کا ایک رکن کہتے ہیں ومن تطوع خیرا فان اللہ شاکر علیم کے یہ معنے ہیں کہ صفا و مروہ کے مابین کے دوڑنے پر کچھ منحصر نہیں ہے حکم شرع کے موافق جو نیک کام جس نیک نیت سے کیا جاتا ہے وہ اللہ کو سب معلوم ہے اور ایک دن بارگاہ الٰہی سے اس کا اجر تم کو ملنے والا ہے۔

۱۵۹-۱۶۲- یہ آیت ان اہل کتاب کی شان میں ہے جنہوں نے تورات و انجیل کی آیتیں چھپائیں اور نبی آخر الزمان کی نشانیوں

[۱] تفسیر ابن کثیر ج اص ۱۹۹ [۲] ایضاً

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ

اور تمہارا رب اکیلا رب ہے کسی کو اس کے سوا پوجنا نہیں بڑا مہربان ہے رحم والا آسمان اور

الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَ

زمین کا بنانا اور رات دن کا بدلتے آنا کشتی جو لے کر چلتی ہے دریا میں جو چیزیں کام آویں لوگوں کو اور

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ

وہ جو اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر جلایا اس سے زمین کو مرگئے پیچھے اور بکھیرے اس میں سب قسم

دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

کے جانور اور پھیرنا ہواؤں کا اور ابر جو حکم کا تابع ہے درمیان آسمان اور زمین کے ان میں نمونے ہیں عقل مند لوگوں کو

اور صفتوں کو عام لوگوں پر ظاہر نہیں ہونے دیا اب ان میں سے جو لوگ اس حال پر بغیر توبہ کے مر گئے فرمایا وہ تو ملعون ہیں ہاں جنہوں نے توبہ کر لی ان کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول کر لی حدیث میں آیا ہے کہ عالم کے حق میں زمین و آسمان اور ملائکہ مغفرت کی دعا کرتے ہیں[1]۔ یہ اس لئے ہے کہ عالم علم پڑھ کر خود بھی راستہ پر آئے گا۔ اور لوگوں کو بھی نیک راہ سکھائے گا۔ جس عالم نے علم پڑھ کر پھر جاہلوں کے سے کام کئے اور اسی حال میں بغیر توبہ کے مر گیا تو یہی مخلوق اللہ کی اس پر لعنت کرے گی کیوں کہ ایسے عالم نے ان کی دعا مغفرت بالکل رائگاں کر دی اور جن مغفرت کے کاموں کی اس عالم سے توقع تھی مرتے دم تک اس نے وہ کام نہیں کئے۔ لیکن آیت میں علماء اہل کتاب کا ذکر ہے جن میں سوائے بدعملی کے کفر بھی تھا۔ مسلمان گنہ گار پر بالخصوص معین طرح سے تو لعنت جائز نہیں ہے ہاں عام طور پر جیسے حدیث میں عام چوری کرنے، سود کھانے والے پر لعنت آئی وہ عام لعنت جائز ہے یہ تو دنیا کی لعنت ہوئی یہ بھی آیا ہے کہ دوزخ میں جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور مخلوق الٰہی سب کافر پر لعنت کریں گے۔

۱۶۳۔ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی صفت پوچھی تھی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور حدیث میں آیا ہے کہ اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ یہ حدیث ابوداؤد و ترمذی و مسند امام احمد و ابن ماجہ میں ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ لیکن اس کی سند میں ایک راوی شہر بن حوشب ہے جس کو اکثر علماء نے ضعیف بتایا ہے مگر امام احمد اور یحییٰ ابن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے[2]۔ معنے آیت کے یہ ہیں کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے اس کی ذات و صفات میں کوئی شریک نہیں ہے۔

۱۶۴۔ تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں معتبر سند سے ان آیتوں کی شان نزول جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے لکھی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ قریش نے ایک دفعہ آنحضرتؐ سے کہا کہ آپ کی دعا سے اگر یہ مکہ کا صفا پہاڑ سونے کا

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۹۳ باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ بروایت قیس بن کثیر عن ابی الدرداء۔ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۰۲۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

بعضے لوگ ہیں جو پکڑتے اللہ کے سوا اوروں کو دوست ان کی محبت رکھتے ہیں جیسے محبت اللہ کی اور ایمان والوں کو

اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا

اس سے زیادہ ہے محبت اللہ کی اور کبھی دیکھیں بے انصاف اس وقت کو جب دیکھیں گے عذاب کہ سارا زور اللہ کو ہے۔

ہو جاوے تو ہم لوگ آپ پر ایمان لے آئیں گے اور اس سونے سے ہتھیار اور گھوڑے خرید کر کے آپ کے ساتھ جہاد کریں گے اس پر آپ نے قریش سے مضبوط وعدہ ایمان کا لیا اور اللہ تعالےٰ سے صفا پہاڑ کے سونے کے ہو جانے کی دعا کی حضرت جبرئیل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اللہ تعالےٰ کا یہ پیغام پہنچایا کہ صفا پہاڑ کے سونے کے ہو جانے کے بعد اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے تو ان پر بہت سخت عذاب نازل کیا جائے گا اگر یہ شرط ان کو منظور ہے تو صفا پہاڑ کو ابھی سونے کا کر دیا جائے گا اس پر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ یا اللہ ان لوگوں کو اور مجھ کو اسی حال پہ چھوڑ دیا جائے رفتہ رفتہ میں ان کو دعوت اسلام پہنچاتا رہوں گا اسی پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی مضمون آیت میں جو تنبیہ ہے اس کا حاصل یہ ہے صفا پہاڑ کا سونے کا ہو جانا دور از عقل خیال کر کے ان لوگوں نے اپنے ایمان لانے کو جو اس پہ منحصر رکھا ہے عقل مند کے لئے اس سے بڑھ کر دور از عقل نشانیاں اللہ تعالےٰ کی قدرت کی دنیا میں موجود ہیں۔ مثلاً آسمان کا بلاستون قائم ہونا اور تاروں کا اس خوبی کے ساتھ اس میں معلق ہونا ہوا کا بادلوں کو اکٹھا کرنا اور موسم پر ہر سال ضرورت کے موافق مینہ کا برسنا اور اس سے طرح طرح کی پیداوار کا زمین سے حاصل ہونا زمین کی خاصیت تو یہ ہے کہ اس میں جو چیز دبائی جاتی ہے وہ خاک ہو جاتی ہے یہاں تک کہ لوہا جیسی سخت چیز کا بھی زمین میں وہی حال ہے۔ لیکن بحکم خدا جب بیج اس میں دبایا جائے تو بجائے خاک ہو جانے کے وہ اُگتا ہے پھلتا ہے پھولتا ہے کیا یہ بات زمین کی خاصیت میں اللہ تعالےٰ نے نہیں رکھی ہے کہ اس خاصیت کے سبب سے زمین کے اندر ہی اندر مٹی اور پتھر سونا ہو جاتے ہیں اور جگہ جگہ زمین میں سونے کی کان نکلتی ہے جو سونا دنیا بھر میں برتا جاتا ہے اس خاصیت کے اثر سے ایک صفا پہاڑ سونے کا ہو جائے تو کیا اچنبھے کی بات ہے اور اس پر ایمان کا لانا کیا منحصر ہو سکتا ہے بلکہ وہ تو اتنی بات ہے کہ جس طرح اور سونے کی کانیں زمین میں ہیں اسی طرح یہ بھی ایک کان گنی جائے گی اگر یہ لوگ اللہ کی قدرت کے نمونے دیکھ کر اس کو پہچاننا اور اس پر ایمان لانا چاہتے ہیں تو ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں نمونے اللہ کی قدرت کے عقل مند کے لئے ایسے دنیا میں موجود ہیں جس طرح کی چند باتیں اس آیت میں ذکر کی گئیں ہیں۔

۱۶۵ -- ۱۶۷ -- اوپر کی آیت میں اللہ تعالےٰ نے جو اپنی قدرت اور وحدانیت کی نشانیاں بتائیں ان نشانیوں کو دیکھ کر قریش

لہ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۰۲۔

وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ

اور اللہ کی مار سخت ہے جب الگ ہو جائیں جن کے ساتھ ہوئے تھے اپنے ساتھ والوں سے اور دیکھیں عذاب

وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا

اور ٹوٹ جائیں ان کے سب طرف کے علاقے اور کہیں گے ساتھ پکڑنے والے کاش کہ ہم کو دوسری بار زندگی ہو تو ہم الگ ہو جائیں ان سے

تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ

جیسے یہ الگ ہو گئے ہم سے اس طرح دکھاتا ہے اللہ ان کو کام ان کے افسوس دلانے کو اور ان کو نکلنا نہیں

النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ڮ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ

آگ سے لوگو کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے جو حلال ہے ستھرا اور نہ چلو قدموں پر شیطان کے

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْۗءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا

وہ تمہارا دشمن ہے صریح وہ تو یہی حکم کرے گا تم کو برے کام اور بے حیائی کا اور یہ کہ جھوٹ بولو اللہ پر جو تم کو

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

معلوم نہیں

ایمان نہ لائے اور اپنے شرک پر اڑے رہے تو ان کے شرک کا دنیا اور آخرت میں جو انجام ہے اس کی حالت فرمانے کی غرض سے یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔ دنیا میں ان کے شرک کے سبب سے بدر کی لڑائی میں وہ رسوائی اُن کی ہوئی جس کی تفصیل جنگ بدر کے قصہ میں آئے گی کہ بڑے لوگ اُن میں کے کچھ قتل ہو گئے اور کچھ قید، سب عزت خاک میں مل گئی اور آخرت میں اس شرک کی بدولت ان کے لئے وہ عذاب مہیا ہو رہا ہے کہ اگر وہ عذاب دنیا میں نظر آ جاوے تو سب شرک و کفر بھول جائیں اور اللہ کو ہی معبود حقیقی جاننے لگیں دنیا میں مجبوری کا ایمان اللہ کو پسند نہیں ہے۔ اس لئے وہ عذاب اللہ نے آخرت پر منحصر رکھا ہے اور دنیا میں اس عذاب کی یاد دہی اُن کو کر دی ہے تاکہ اس عذاب کے حال سے وہ بے خبر اور غافل نہ رہیں آخرت میں سوا اس عذاب کے یہ اور شرمندگی ہے کہ اللہ کے سوا جن کو انہوں نے معبود ٹھہرایا تھا۔ وہ ان سے بیزاری ظاہر کریں گے اور اس بیزاری سے ان کا دل یہاں تک جلے گا کہ ان کو یہ کہنا پڑے گا کہ کاش ایک دفعہ دنیا میں ہم پھر جاتے اور ہم بھی اپنے جھوٹے معبودوں سے بیزاری ظاہر کر کے اُن کو ایسا ذلیل اور رسوا کرتے جس طرح انہوں نے ہم کو ذلیل اور رسوا کیا ہے آخرت میں اِن مشرکوں کے جھوٹے معبود اور سب جھوٹے معبودوں کا سرگروہ شیطان جس طرح اپنے ہوا خواہوں سے بیزاری ظاہر کریں گے اس کو اللہ تعالیٰ نے سورہ سبا اور سورہ ابراہیم میں تفصیل سے ذکر فرمایا ہے دونوں سورتوں میں یہ ذکر آئے گا۔

۱۶۸ تا ۱۶۹۔ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے معبود حقیقی اور خالق مخلوقات ہونے کا ذکر فرما کر اس آیت میں اپنے رازق مطلق ہونے کا ذکر فرمایا ہے مشرکین مکہ نے اپنے رسم و رواج کے طور پر بعضے جانوروں کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا تھا

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ

اور جب ان کو کہئے چلو اس پر جو نازل کیا اللہ نے کہیں نہیں ہم چلیں گے اس پر جس پر دیکھا اپنے باپ دادوں کو بھلا اگرچہ

آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي

ان کے باپ دادے نہ عقل رکھتے ہوں کچھ نہ راہ کی خبر اور مثال ان منکروں کی جیسے مثال ایک شخص

يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾

کی کہ چلاتا ہے ایک چیز کو جو کچھ نہیں سنتی سوائے پکارنا اور چلانا بہرے گونگے اندھے ہیں سو ان کو عقل نہیں

مثلاً وہ جانور جن کو وہ سانڈ کے طور پر یا اس کے کان چیر کر چھوڑ دیتے تھے یا وہ اونٹ جس کے نطفہ سے دس جھول بچوں کے پیدا ہو چکے ہوں یا اونٹنی کے پیٹ میں بعضے بچوں کو مردوں کے لئے مخصوص ٹھہرا تے تھے عورتوں کو وہ گوشت نہیں کھانے دیتے تھے سورہ مائدہ اور انعام میں اس کا ذکر تفصیل سے آئے گا۔ اصل تو ان کی تنبیہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ لیکن اب بھی جو شخص جان دار یا غیر جان دار حلال چیز کو قسم یا نذر مان کر اپنے اوپر حرام ٹھہرائے یا حرام چیز کو حلال چیز کی طرح کام میں لائے تو وہ اس آیت کے حکم میں داخل ہے چنانچہ ایک شخص نے مسروق تابعی کے زمانہ میں اپنے لڑکے کی قربانی کرنے کی نذر مانی تو انہوں نے بجائے اس لڑکے کے ایک بکری ذبح کرنے کا فتویٰ دیا اور کہا کہ شیطان کی پیروی جس کا ذکر اس آیت میں ہے ایسی ہی نذر ہے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک روز پیوسی کا جما ہوا دودھ نمک سے کھا رہے تھے ایک شخص اور آ گیا انہوں نے اس کو بھی صلاح کھانے کی کی اس نے انکار کیا۔ آپ نے پوچھا کیا تیرا روزہ ہے اس نے کہا نہیں میں نے اپنے جی سے عہد کر لیا ہے کہ میں پیوسی نہ کھاؤں گا آپ نے فرمایا جس شیطان کی پیروی کا آیت میں ذکر ہے وہ اسی طرح کی پیروی ہے صحیح مسلم میں عیاض بن حمارؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو چیزیں میں نے اپنے بندوں پر حلال کی تھیں۔ شیطان کے بہکانے سے وہ انہوں نے اپنے اوپر حرام کر لیں ہیں[1]۔

۱۷۰-۱۷۱۔ یہود اور مشرکین سے جب اسلام لانے اور قرآن شریف کے موافق چلنے کو کہا جاتا تھا تو وہ یہ جواب دیتے تھے کہ ہم تو اپنے بڑوں کے قدم بقدم چلیں گے ان کی تنبیہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ ان لوگوں کی مثال جانوروں کی سی ہے جس طرح ان کا چرواہا ان کو آواز دیتا ہے تو وہ اس آواز کے مطلب کو تو کچھ سمجھتے نہیں صرف آواز کی آواز سن لیتے ہیں اسی طرح ان لوگوں کے کانوں میں یہ آواز ہی بسی ہوئی ہے کہ جس طریقہ پر یہ لوگ ہیں وہ ان کے باپ دادا کا طریقہ ہے نیک و بد اور حق ناحق کے امتیاز سے انہوں نے جانوروں کی طرح اپنی زبان آنکھ کان کو بیکار کر رکھا ہے یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ دین کی کوئی حق بات معلوم ہو جانے کے بعد کوئی شخص تو می رسم و رواج پر اڑا رہے گا تو وہ شیوہ انسانیت سے باہر ہے انسان کا کام ہمیشہ حق بات کا دریافت کرنا اور اس دریافت میں اپنے حواس صرف کرنا

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۰۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (۱۷۲)

اے ایمان والو کھاؤ ستھری چیزیں جو ہم نے تم کو روزی دی ہیں اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کے بندے ہو

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ

یہی حرام کیا ہے تم پر مردار اور خون اور گوشت سور کا اور جس پر پکارا اللہ کے سوا کا پھر جو کوئی

اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۷۳)

بے بس ہو نہ بے حکمی کرتا ہے نہ زیادتی تو اس پر نہیں گناہ تحقیق اللہ بخشنے والا ہے مہربان

ہے نہ کہ حیوانوں کی طرح ایک ناحق بات پر بلا دریافت اڑے رہنا۔

۱۷۲۔ اکل حلال دنیا میں ہر مسلمان کے لئے بڑی چیز ہے کوئی عبادت اور کوئی دعا بغیر غذائے حلال کے قبول نہیں ہوتی مسند امام احمد بن حنبل اور مسلم اور ترمذی میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ پاک ہے بدوں پاک چیز کے اور کوئی چیز اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتی۔[1] بعضے لوگ رات دن یا اللہ یا اللہ کہہ کر گڑگڑا کر طرح طرح کی دعائیں اللہ کی جناب میں کرتے ہیں اور طرح طرح کی حاجتوں کا روا ہونا اس کی بارگاہ سے چاہتے ہیں اور جب ان کی حاجت روا نہیں ہوتی تو مایوس ہو کر دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا کرتے ہیں کہ ہماری دعا قبول کیوں نہیں ہوتی حالانکہ ان کی قوت بسری رزق حلال سے جب تک نہ ہو ان کی دعا کیا عبادت بھی اللہ کی بارگاہ میں ہرگز قبول نہ ہوگی۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے جس طرح اپنے رسولوں کو قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ کی آیت یا ایھا الرسل کلوا من الطیبات (۲۳: ۵۱) میں غذائے حلال کی تاکید اور حکم فرمایا ہے اسی طرح اس آیت میں عام مسلمان لوگوں کو اس کی تاکید اور اس کا حکم فرمایا ہے۔ تاکہ غذائے حلال سے رسولوں کے کلام میں تو یہ اثر پیدا ہو کہ امت کو جو کچھ وہ نصیحت کریں وہ با تاثیر ہو اور مسلمان لوگوں کے کلام میں غذائے حلال سے یہ اثر ہو کہ بطور دعا یا بطور عبادت کے جو بات اُن کے منہ سے نکلے وہ مقبول اور رائگاں نہ جائے۔

۱۷۳۔ اس سے اوپر کی آیت میں اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو یہ فرمایا تھا کہ جو کچھ ہم نے دیا ہے وہ کھاؤ اور شکر کرو اس آیت میں اس دی ہوئی چیزوں میں سے جو کچھ دنیا دار الامتحان میں امتحان کے طور پر اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں پر حرام کیا ہے اس کا ذکر فرمایا ہے۔ اس آیت میں فقط مردار کا لفظ فرمایا ہے اور سورہ مائدہ میں مردار کی تفصیل فرمائی ہے کہ مردار خواہ اپنی موت سے ہو یا گلا گھونٹنے سے یا لاٹھی وغیرہ کے مارنے سے یا اوپر سے گر پڑنے سے یا ایک جانور کے دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے یا کسی درندہ جانور کے کھا جانے سے سورہ مائدہ میں اس کی تفصیل زیادہ آئے گی۔ اور قرآن شریف میں تو مردار اور خون کو مطلق طور پر حرام فرمایا ہے۔ مگر حدیث شریف میں اس کی صراحت ہے کہ مرداروں میں سے دو مردار۔ مچھلی۔ اور ٹڈی۔ اور خون میں سے دو خون کلیجی اور تلی

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۰۵

حلال ہیں مسند امام احمد بن حنبل اور ابن ماجہ اور حاکم کی مستدرک ۔ اور مسند امام شافعی اور دار قطنی میں بسند معتبر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے یہ روایت آئی ہے[۱]۔ اور لہو کو یہاں اس آیت میں تو مطلق فرمایا ہے ۔ مگر سورہ الانعام میں اس کی یہ صراحت فرما دی ہے کہ وہ لہو حرام ہے جو ذبح کے وقت رگوں میں سے نکل کر بہتا ہے[۲]۔ اور صحیح حدیثوں میں صاف آچکا ہے کہ گوشت میں مخلوط خون حلال ہے اور یہ جو فرمایا "جو کچھ پکارا جائے اوپر اس کے سوا خدا کے" اس سے مراد یہ ہے کہ کسی جانور کے ذبح کے وقت سوا اللہ کے اور کسی کا نام لے کر اس کو ذبح کیا جائے جس طرح مشرکین مکہ بتوں کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے یا ذبح سے پہلے سوا اللہ کے کسی اور شخص کی تعظیم کی غرض سے کسی جانور کو اس شخص کے نام کا ٹھہرا کر ذبح کیا جائے اور ذبح کے وقت بطور عادت اور رسم کے اللہ کا نام لیا جائے یہ سب حرام ہے[۳]۔ صحابہ اور تابعین نے اس آیت کی تفسیر اس طرح سمجھی ہے جس طرح کا مطلب اوپر بیان ہوا ہے اور اسی طرح صحابہ نے فتوے دیئے ہیں چنانچہ حضرت عائشہؓ سے کسی شخص نے مسئلہ پوچھا کہ عجمی لوگ اپنی عید میں جو جانور ذبح کرتے ہیں اور ان جانوروں کا گوشت مسلمانوں کو تحفہ کے طور پر بھیجتے ہیں وہ گوشت کھانا چاہیئے یا نہیں آپ نے فرمایا کہ نہیں[۴]۔ اہل کتاب کے ذبیحہ کا ذکر اور اس میں علماء کا جو کچھ اختلاف ہے اس کا ذکر تفصیل سے سورہ مائدہ میں آئے گا ۔ لیکن حاصل کلام اس بارہ میں حضرت علیؓ کا یہ فتویٰ ہے کہ اگر معلوم ہو جائے کہ کسی اہل کتاب نے اللہ کے نام کے سوا جانور کو مثلاً مسیح کے نام پر ذبح کیا ہے تو بموجب اس آیت کے حرام ہے اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ اہل کتاب نے کس کے نام سے یہ جانور ذبح کیا ہے تو وہ گوشت مسلمان کو بموجب آیت وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم (۵:۵) کے جائز ہے ۔ یہ ذکر اس وقت کے اہل کتاب کے ذبیحہ کا تھا جب کہ معلوم ہو گیا ہے کہ اب گلا گھونٹ کر بھی اہل کتاب لوگ جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں تو منخنقہ کی صاف حرمت سورہ مائدہ میں مذکور ہونے سے وہ گوشت قطعی حرام ہے یہ جو فرمایا کہ جو کوئی بے بس ہو اس سے مراد یہ ہے کہ اس بے بسی کی حالت میں جس سبب بھوک کے جان کا خوف ہو حرام چیزوں کی حرمت بقدر جان بچانے کے اٹھ جاتی ہے اسی واسطے علماء نے کہا ہے کہ اس طرح کا بے بس آدمی مردار چیز کو بھون کر یا پکا کر نہ کھائے تاکہ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ سے حد سے زیادہ مردار کا کھانا جو منع ہے بھنے ہوئے یا پکے ہوئے حرام گوشت کو مزہ دار ہونے کی وجہ سے آدمی زیادہ نہ کھا جائے ۔ اور اس منع کی وعید میں داخل نہ ہو جائے علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ ایسی حالت میں جان بچانے کے لئے تین لقموں کی حد ہے اس حد سے نہیں بڑھنا چاہیے مسروق بن اجدع ہمدانی کوفی طبقہ تابعین کے ایک بڑے عالم ہیں انہوں نے فتویٰ دیا ہے کہ بے بسی کی حالت میں جو کوئی حرام چیز نہ کھائے گا اور اس نہ کھانے کے سبب سے اپنی جان کو ضائع کرے گا تو وہ شخص دوزخی ہے یہ جو فرمایا نہ بے حکمی کرنا نہ زیادتی تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ

---

[۱و۲] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۰۵ [۳] اس مسئلہ پر شاہ عبد العزیز صاحب دہلویؒ نے تفسیر عزیزی جنباتی جلد ۱ ص ۶۱۰ و ۶۱۱ میں بڑی تفصیل اور مدلل بحث کی ہے [۴] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۰۵۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ

جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ نازل کی اللہ نے کتاب لیتے ہیں اس پر مول تھوڑا وہ

مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ

نہیں کھاتے اپنے پیٹ میں مگر آگ نہ بات کرے گا ان سے اللہ دن قیامت کے اور نہ ستھرا کرے گا اور ان کے

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۴﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ

لئے ہے دکھ کی مار وہی ہیں جنہوں نے خریدی گمراہی بدلے راہ کے اور مار بدلے مہر کے

فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ الَّذِينَ

سو کیا سہار ہے ان کو آگ پر یہ اس واسطے کہ اللہ نے اتاری کتاب سچی اور جنہوں نے

اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۱۷۶﴾

کئی راہیں نکالیں کتاب میں وہ ضد میں دور پڑے ہیں

نے فرمایا ہے حلال چیز کے ملتے ہوئے جو حرام چیز کی طرف دوڑے یا جو حرام کو بے بسی میں حلال کی طرح پیٹ بھر کے کھائے۔ آخر آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو بخشنے والا اس لئے فرمایا کہ ضرورت کے وقت حرام چیز کے مؤاخذہ کو اس نے بخش دیا اور مہربان اس لئے فرمایا کہ براہ مہربانی اس نے ضرورت کے وقت حرام کو جائز فرمایا۔

۱۷۴-۱۷۶- یہود لوگ آنحضرت کے زمانہ سے پہلے بڑے عالم وقت کہلاتے تھے اور ان کی قوم کے جاہل لوگوں نے ان کے نقد اور غلے کے وظیفے مقرر کر رکھے تھے اور عرب بھی یہود کے بزرگوں کی تعظیم کرتے تھے اور اس تعظیم کے سبب سے ہمیشہ تحفے یہود کو بھیجتے رہتے تھے آنحضرت کے نبی ہونے کے بعد یہود نے آپ کے ان اصلی اوصاف کو جو تورات میں مذکور تھے اس خوف سے چھپا ڈالا کہ آپ کے اصلی اوصاف لوگوں پر کھل جائیں گے تو لوگ آپ کو نبی برحق جان کر آپ کی طرف رجوع کریں گے اور ہم کو پھر کوئی نہیں پوچھنے کا اور ہماری آمدنی بالکل بند ہو جائے گی یہود کی اس حرکت کی مذمت میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیتیں قرآن شریف میں نازل فرمائی ہیں منجملہ ان کے یہ بھی ایک آیت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تھوڑے لالچ کے مقابل میں انہوں نے حق بات کو چھپا کر اپنے پیٹ میں آگ بھری ہے اور اللہ ان سے ایسا ناخوش ہے کہ قیامت کے دن ان سے بات نہ کرے گا اور لوگ بھی جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت گنہگار ہیں ان کی نسبت بھی حدیث شریف میں یہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے بات نہیں کرے گا۔ چنانچہ صحیح مسلم نسائی تفسیر ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بدکار بڈھے اور جھوٹ بولنے والے بادشاہ اور فقیر مغرور سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہ کرے گا[۱]

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۰۶

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ

نیکی یہی نہیں کہ منہ کرو اپنے مشرق یا مغرب کی طرف لیکن نیکی وہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ ۚ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي

پر اور پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر اور دے مال اس کی محبت پر ناتے

الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَأَقَامَ

والوں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور راہ کے مسافر کو اور مانگنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں اور کھڑی

الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ ۚ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۚ وَالصَّابِرِينَ فِي

رکھے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنے والے اپنے اقرار کو جب قول کریں اور ٹھہرنے والے

الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿١٧٧﴾

سختی میں اور تکلیف میں اور وقت لڑائی کے۔ وہی لوگ ہیں جو سچے ہوئے اور وہی بچاؤ میں آئے

مطلب اس سے یہ ہے کہ اس قسم کی کوئی بات اللہ تعالیٰ ان گنہ گاروں سے نہ کرے گا جس سے ان کی نجات ہو ورنہ گنہ گاروں سے اللہ کا جھڑک کر بولنا تو قرآن اور حدیث میں اکثر جگہ آیا ہے یہ آیت اور اس قسم کی اور آیتیں علمائے یہود کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ مگر اب بھی اس امت میں سے کوئی مفتی لالچ یا رعایت کے سبب سے خلاف شریعت فتویٰ دے گا یا کوئی حاکم ایسا فیصلہ کرے گا تو وہ اس حکم میں داخل ہے۔

۱۷۷۔ جب قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف بدلا تو کچھ مسلمان اس بدل بدل قبلہ سے متردد ہو کر آپس میں قبلہ کی بابت چرچے کرتے تھے کہ دونوں قبلوں میں کونسا قبلہ بہتر تھا۔ اور یہود اور نصاریٰ بھی اپنے اپنے قبلہ کے اچھے ہونے کی بحثیں کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ قبلہ تو فقط سجدہ کرنے کا ایک واسطہ ہے یہ واسطہ جس زمانہ میں جو کچھ اللہ کی طرف سے ٹھہرا دیا گیا وہی کافی ہے اس واسطے پر بھلائی منحصر نہیں ہے۔ اصل بھلائی کی باتیں یہ ہیں کہ اللہ پر اور پیغمبروں پر اور اللہ کے فرشتوں پر اور کتابوں پر پورا ایمان ہو نہ یہ کہ جیسے یہود نصاریٰ ہیں کہ ایک تورات کو جیں مانتے اور دوسرے انجیل کو۔ اور قرآن اور نبی آخر الزمان کے دونوں منکر ہیں اور ملائکہ پر ایمان کا یہ حال ہے کہ یہود لوگ جبرئیل کو اپنا دشمن بتلاتے ہیں اور مسلمانوں کو عہد کا ذکر فرما کر گویا یہ ہدایت کی کہ تم اللہ پر ایمان لا کر اس کے حکم کی اطاعت کرنے کا جب عہد کر چکے تو جس قبلہ کی طرف منہ کرنے کا اس کا حکم ہو اس کی بلا تردد اطاعت کرو اور پھر تکمیل ایمان کی اور باتوں کی ہدایت فرمائی جیسے نماز۔ زکوٰۃ۔ نفلی صدقہ ایفائے عہد۔ علیٰ حُبِّہٖ میں دو مطلب نکلتے ہیں یا تو یہ خالص اللہ کی محبت میں مال خرچ کیا جائے ریا کا اس میں کچھ دخل نہ ہو۔ اس صورت میں حُبِّہٖ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ٹھہرے گا یا یہ کہ صدقہ میں ایسی چیز دی جائے جس چیز کی محبت صدقہ دینے والے کے دل میں ہو پڑی گری دل سے اتری ہوئی چیز نہ دی جائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کچھ محتاج نہیں ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلْقِصَاصُ فِى ٱلْقَتْلَى ۖ ٱلْحُرُّ بِٱلْحُرِّ وَٱلْعَبْدُ بِٱلْعَبْدِ وَ

اے ایمان والو حکم ہوا تم پر برابر بدلا لینے کا مارے گیوں میں صاحب کے بدلے صاحب غلام کے بدلے غلام اور

ٱلْأُنثَىٰ بِٱلْأُنثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِىَ لَهُۥ مِنْ أَخِيهِ شَىْءٌ فَٱتِّبَاعٌۢ بِٱلْمَعْرُوفِ وَأَدَآءٌ إِلَيْهِ

عورت کے بدلے عورت پھر جس کو معاف ہوا اس کے بھائی کی طرف سے کچھ تو چاہیے مرضی پر چلنا موافق دستور کے اور پہنچانا اس کو

بِإِحْسَٰنٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ ٱعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُۥ عَذَابٌ

نیکی سے یہ آسانی ہوئی تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی پھر جو کوئی زیادتی کرے بعد اس کے تو اس کو دکھ کی

أَلِيمٌ ﴿١٧٨﴾ وَلَكُمْ فِى ٱلْقِصَاصِ حَيَوٰةٌ يَٰٓأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٧٩﴾

مار ہے اور تم کو قصاص میں زندگی ہے اے عقل مندو شاید تم بچتے رہو

دنیا میں سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے وہ تو فقط دل کے خلوص کو آزماتا ہے اور دل کا خلوص اللہ کے ساتھ جب ہی ہوگا کہ اللہ کی راہ میں اچھی سے اچھی چیز کو آدمی عزیز نہ جانے یہاں تک کہ جان کو بھی اللہ کی راہ میں فدا کرنے میں دریغ نہ کرے مال تو کیا چیز ہے یہ خلوص قلب کا درجہ آدمی کو پورا ایمان حاصل ہونے کے بعد عطا ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابی ذرؓ نے ایک روز آنحضرت سے پوچھا کہ حضرت ایمان کیا چیز ہے آپ نے اوپر کی آیت پڑھ دی پھر ایک روز انہوں نے حضرت سے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ ایمان یہ چیز ہے کہ جب آدمی ایمان دار کوئی نیک کام کرے تو اس نیک کام کے ادا ہو جانے پر اندر سے اس کا دل شاد ہو جائے اور برے کام پر دل اندر سے ناراض ہو۔[1] اگرچہ ابوذرؓ کی اس حدیث کی سند میں کلام ہے مگر ابو امامہؓ کی روایت مسند امام احمد وغیرہ میں اس کے قریب ہے دونوں روایتیں مل کر ایک قوی روایت بن جاتی ہے اب آپ کے اُن دونوں ارشادوں سے یہ مطلب نکلا کہ اس آیت میں جو باتیں مذکور ہیں وہ تکمیل ایمان کی باتیں ہیں اور خلوص ایمان کی یہ نشانی ہے کہ دین کا کام ادا تو ہاتھ پیر سے ہو مگر اثر اس کا دل پر پیدا ہونے لگے ہر ایک آدمی کا دل اس کے پہلو میں ہے مخبر صادق نے خلوص ایمان کی یہ ایسی اچھی نشانی بتائی ہے کہ ہر ایک آدمی جب چاہے اپنے دل کا حال غور کر کے اپنے ایمان کے کامل اور ناکامل ہونے کا اندازہ کر سکتا ہے عہد کو پورا کرنا جس طرح متقی کی علامت اس آیت میں ہے اسی طرح صحیح حدیثوں میں منافق کی علامت عہد شکنی ہے

۱۷۸-۱۷۹۔ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے طرح طرح کی بے عنوانیاں قصاص اور خون بہا میں رائج تھیں چنانچہ مدینہ منورہ کے گرد نواح میں دو قبیلے بنی قریظہ اور بنی نضیر تھے ان دونوں میں لڑائی ہوئی۔ بنی نضیر اس لڑائی میں غالب آئے انہوں نے اس دن سے یہ قرارداد قبیلہ مغلوب سے ٹھہرائی تھی کہ اگر قبیلہ غالب کا کوئی شخص فرد مغلوب کے لوگوں کے ہاتھ سے مارا جائے تو اس کا خون بہا قبیلہ مغلوب کو دوگنا دینا پڑے گا۔

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۰۷ تفسیر ابن کثیر میں جو روایت درج ہے اس میں حضرت ابوذرؓ نے حضور علیہ السلام سے خود نہیں بلکہ ان کی موجودگی میں کسی دوسرے شخص نے سوال کیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۰۹

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ

حکم ہوا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں سے موت اگر کچھ مال چھوڑے کہ دلوا مرے ماں باپ کو اور

الْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا

ناتے والوں کو دستور سے ضرور ہے پرہیزگاروں کو پھر جو کوئی اس کو بدلے بعد اس کے کہ سن چکا تو اس کا

اور فرقہ غالب کے لوگوں کے ہاتھ سے فرقہ مغلوب کا کوئی مارا جاوے تو خود اکہرا خون بہا فرقہ مغلوب کو دیں گے۔ اور اپنے قبیلہ کے مقتول کا قصاص بھی جائز رکھا تھا اور قبیلہ مغلوب میں فقط خون بہا جائز رکھا تھا اور بعضے قبیلوں میں یہ عہد تھا کہ اپنے غلام کے قصاص میں آزاد شخص کو قتل کرتے تھے اور عورت کے قصاص میں مرد کو قتل کرتے تھے اور مقابل کے قبیلہ کو ان حقوق سے محروم رکھتے تھے ان بے عنوانیوں کو روکنے کے لئے اللہ تعالٰے نے یہ آیت نازل فرمائی اور سورہ مائدہ میں النفس بالنفس کی آیت[1] اس آیت کا حکم منسوخ ہے اس آیت کے حکم سے عورت کے معاوضہ میں مرد قاتل کا اور غلام کے معاوضہ میں آزاد شخص قاتل کا قصاص کیا جا سکتا ہے صرف اس قدر مسئلہ اجماعی ہے کہ خود آقا کو اس کے غلام کے معاوضہ میں قصاص نہیں کیا جاتا اس اجماع کی دلیلیں قاضی شوکانی نے نیل الاوطار میں بالتفصیل بیان کی ہیں[1]۔ اور کافر شخص مقتول کے معاوضہ میں مسلمان کا قصاص یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ بخاری میں حضرت علی رضؓ کی جو یہ روایت ہے کہ مسلمان کو کافر شخص کے معاوضہ میں نہ قتل کیا جاوے[2]۔ اس کی بنا پر جمہور کا مذہب اس حدیث کے موافق ہے۔ مگر امام ابوحنیفہؒ اس کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کہ سورہ مائدہ کی آیت میں النفس بالنفس عام ہے اس واسطے مسلمان کو کافر کے معاوضہ میں قتل کیا جا سکتا ہے اور علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ آیت مجمل ہے اور حدیث لایقتل مسلم بکافر میں جس کو بخاری وغیرہ نے حضرت علی رضؓ سے روایت کیا ہے اس مجمل کی صراحت آئی ہے اس لئے اس صراحت کا ماننا ضرور ہے[3]۔ اسی طرح شخص کو کئی شخص مل کر مار ڈالیں تو ایک شخص کے معاوضہ میں کئی شخصوں کو قتل کرنا یہ مسئلہ بھی صحابہ کا اختلافی ہے جس کی تفصیل حدیث کی شرح کی کتابوں میں ہے۔ اس آیت میں یہ جو ارشاد ہے کہ حکم قصاص باعث زندگی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ قصاص کا حکم لوگوں کو قتل سے روکے گا اور اپنی جان کے خوف سے کسی کو کوئی بے جا قتل نہ کرے گا اور اس آیت میں تخفیف کا حکم یہ ہے کہ اور امتوں میں دیت کا حکم قتل عمد میں نہیں تھا اب دیت لینے کے بعد جو شخص قاتل کو قتل کرے تو فرمایا کہ اس کو عذاب ہوگا بأساء کے معنے محتاجگی کے ہیں ضراء کے معنے بیماری کے اور حین البأس کے معنے جہاد کے۔

۱۸۰-۱۸۲۔ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ اہل قرابت کو چھوڑ کر اپنے نام نمود کے لئے مرتے وقت وصیت کر جاتے تھے کہ ان کا مال غیروں کو ملے ابتدائے اسلام میں اللہ تعالٰے نے اس طریقہ کو روکنے کے لئے یہ

[1] نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۵۶-۱۶۰ طبع منیریہ مصر [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۱۰ [3] نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۵۳ و صحیح بخاری ص ۱۰۲۱ ج ۲

اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۱۸۱) فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا
گناہ انہیں پر ہے جنہوں نے بدلا بے شک اللہ ہے سنتا جانتا پھر جو کوئی ڈرا دلانے والے کی طرف داری سے

اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۸۲)
یا گناہ سے پھر ان میں صلح کروا دی تو اس پر گناہ نہیں البتہ اللہ بخشنے والا ہے مہربان ؃

آیت نازل فرمائی جس سے ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے وصیت فرض تھی پھر سورہ نساء میں میراث کا حکم نازل ہو کر وصیت کے فرض ہونے کا حکم اب منسوخ ہے مستحب کے طور پر جو شخص چاہے اپنے مال کے تیسرے حصہ تک وصیت کر سکتا ہے تیسرے حصہ سے زیادہ مال کی وصیت منع ہے تاکہ وارثوں کے حصے جو اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء میں ٹھہرائے ہیں ان میں وصیت کے سبب سے کمی نہ پڑ جائے۔ صحیحین میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مال کے تیسرے حصہ سے زیادہ مال کی وصیت سے روکا ہے[1]۔ اسی طرح مسند امام احمد نسائی ابوداؤد میں معتبر سند سے ابو زید انصاری کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے سب مال کی وصیت کی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ حال سنا تو فرمایا کہ اگر اس شخص کے دفن سے پہلے مجھ کو خبر ہوتی تو میں اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیتا[2]۔ اس واسطے اکثر علمائے دین کا یہ قول ہے کہ جس شخص کا کوئی وارث موجود ہو اس کو ثلث مال سے زیادہ مال کی وصیت کسی طرح جائز نہیں ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وصیت کرنے والے شخص اور اوپر والوں کو ہدایت کر دی ہے وصیت کرنے والے کو یہ کہ وصیت اچھی طرح کرے کسی کو کم کسی کو زیادہ مال نہ وصیت کر جائے اوپر والوں کو یہ کہ اگر وصیت کرنے والا چوک جائے یا جان بوجھ کر حق تلفی کرے تو اوپر والے اس کی اصلاح کر دیں۔ وصیت میں حق تلفی کرنا بڑا گناہ ہے ابو داؤد اور ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بعضے مسلمان مرد اور عورتیں عمر بھر نیک کام کرتے ہیں اور مرتے وقت وصیت میں حق تلفی کر کے اپنی عاقبت خراب کر لیتے ہیں ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے[3]۔ شاید غریب اس لئے کہا ہے کہ اس کی سند میں شہر بن حوشب ضعیف ہے لیکن اوپر گذر چکا ہے کہ امام احمد اور یحییٰ بن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے[4]۔ غرض غیروں کے نام وصیت کرنے کا جو رواج اور دستور اہل عرب میں تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت سے توڑ کر اہل قرابت کا حق رفتہ رفتہ جمایا پہلے اہل قرابت کے نام وصیت کرنے کا حکم دیا پھر اس کو منسوخ فرما کر اہل قرابت کے حصے سورہ نساء میں ٹھہرا دئے تاکہ قدیم دستور کو ایک دفعہ ہی چھوڑنا لوگوں کو شاق نہ گذرے اسی طرح پہلے حکم کی منسوخی میں خواہ وہ ایک آیت کی دوسری آیت سے منسوخی ہو یا ایک شریعت کی دوسری شریعت سے بہت بڑی حکمت اور وقتی مصلحت ہوتی ہے جو غور کرنے سے کھلتی ہے ؃

[1] صحیح بخاری ص ۹۹۷ جلد ۲ باب میراث البنات و تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۱ جلد ۱ [2] ابوداؤد ص ۵۵۲ کتاب العتق۔
[3] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۱۳ و جامع ترمذی ص ۳۴ ج ۲ ابواب الوصایا [4] تہذیب التہذیب ص ۳۷۱ ج ۴

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

اے ایمان والو حکم ہوا تم پر روزے کا جیسے حکم ہوا تم سے اگلوں پر شاید تم

تَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾ أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ

پرہیزگار ہو جاؤ کئی دن ہیں گنتی کے پھر جو کوئی تم میں بیمار ہو یا سفر میں تو گنتی چاہئے اور دنوں

أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ۚ وَ

سے اور جن کو طاقت ہے تو بدلا چاہئے ایک فقیر کا کھانا پھر جو کوئی شوق سے کرے نیکی تو اس کو بہتر ہے اور

أَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۴﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ

روزہ رکھو تو تمہارا بھلا ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو مہینہ رمضان کا جس میں اترا قرآن

هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ

ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور کھلی نشانیاں راہ کی اور فیصلے پھر جو کوئی پاوے تم میں سے یہ مہینہ

فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ

روزہ رکھے اس مہینے کا اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں تو گنتی چاہئے اور دنوں سے اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی

وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۸۵﴾

نہیں چاہتا ہے تم پر مشکل اور اس واسطے کہ پوری کرو گنتی اور بڑائی کرو اللہ کی اس پر کہ تم کو راہ بتائی شاید تم احسان مانو

۱۸۳-۱۸۵- ارکان دین میں سے روزہ دوسرا رکن ہے دوسرا رکن اس سبب سے اس کو کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے اور آپ کو معراج ہوئی تھی جس کا ذکر سورہ بنی اسرائیل میں آئے گا تو نماز اسی رات فرض ہو چکی تھی جس کی تفصیل صحیحین کی حدیث میں ہے کہ پچاس نمازیں فرض ہوئیں اور حضرت موسیٰ کی صلاح سے آنحضرت نے اللہ تعالیٰ سے تخفیف کی خواہش کی اور آخر کو رات دن میں یہ پانچ وقت کی نمازیں باقی رہیں[۱] اب روزہ اس آیت سے ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوا ابتدائے اسلام میں اختیار دیا گیا تھا کہ جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے ہر روزہ کے عوض میں دونوں وقت ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ پھر اس حکم سے کہ پھر جو پائے تم میں یہ مہینہ تو روزہ رکھے فدیہ کا حکم منسوخ ہو گیا مریض اور مسافر کا ذکر اس آیت میں دو دفعہ اس واسطے ہوا ہے کہ پہلی دفعہ فدیہ کے حکم کے ساتھ مریض اور مسافر کا ذکر ہو کر جب وہ فدیہ کا حکم منسوخ ہو گیا تو یہ شبہ پڑتا تھا کہ شاید فدیہ کے حکم کی منسوخی کے ساتھ مریض اور مسافر کا بھی حکم منسوخ ہو گیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے دوسری دفعہ مریض اور مسافر کا ذکر فرما کر صراحت فرما دی کہ مریض اور مسافر کی قضا کا حکم منسوخ نہیں ہوا بلکہ باقی ہے۔ روزہ کی فضیلت میں بہت حدیثیں آئی ہیں مسند امام احمد بن حنبل صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضہ کی روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اور نیکیوں کا ثواب دس درجہ سے سات سو تک لکھنے کا فرشتوں کو حکم ہے مگر روزہ کے

[۱] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱ باب کیف فرضت الصلوٰۃ۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ

اور جب تجھ سے پوچھیں بندے میرے مجھ کو تو میں نزدیک ہوں پہنچتا ہوں پکارتے کی پکار کو جس وقت پکارتا ہے

فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

تو چاہئے کہ حکم مانیں میرا اور یقین لاویں مجھ پر شاید نیک راہ پر آئیں

ثواب کے لئے اللہ تعالٰی نے فرشتوں سے کہہ دیا ہے کہ تم کوئی درجہ ثواب کا روزہ کے اجر میں نہ قائم کرنا روزہ کا ثواب میں خود اپنی ذات سے قیامت کے دن دوں گا[1]۔ اور رمضان کے مہینے کی بزرگی میں بھی بہت حدیثیں وارد ہیں یہاں تک کہ ساری آسمانی کتابیں اللہ تعالٰی نے بوجہ بزرگی اس مہینے کے اسی مہینے میں نازل فرمائیں ہیں[2]۔ مسند امام احمد بن حنبل اور طبرانی اور بیہقی میں معتبر سند سے یہ روایت رمضان کی فضیلت میں آئی ہے اس لئے آدمی کو چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے رمضان کے روزے اسی مہینے میں رکھے ورنہ قضا کی صورت میں خود مہینہ رمضان کی جو فضیلت ہے وہ ہاتھ سے جاتی رہے گی۔ بہت عمر رسیدہ آدمی جو روزہ کی طاقت نہ رکھتا ہو ہر روزہ کے عوض میں کسی محتاج کو کھانا کھلا دے اور روزہ نہ رکھے تو جائز ہے حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کا بھی یہی حکم بعض علماء کے نزدیک ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کے ذمہ قضا ہی ہے۔ اللہ کی بڑائی کرنے کے یہ معنے ہیں کہ عبادت سے فارغ ہونے کے بعد اللہ کا ذکر کرے جیسے بعد ختم رمضان کے عید کے دن تکبیر کا حکم حدیث میں آیا ہے ۔

۱۸۶۔ بعضے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ اللہ تعالٰی پاس ہے یا دور اگر وہ پاس ہو تو ہم چپکے چپکے اس سے دعا مانگا کریں اور اگر دور ہو تو چلا کر دعا مانگا کریں اس پر اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی اور ہدایت فرمادی کہ جو کوئی اللہ کی اطاعت پوری کرے گا اور اللہ کے حکم کو مانے گا اللہ اس سے قریب ہے۔ اور اس کی ہر خواہش کا جواب دینے اور اس کی دعا قبول کرنے کو موجود ہے اوپر سے یہ آیت روزہ کے ذکر میں تھی ابھی روزہ کا ذکر پورا نہیں ہوا تھا کہ بیچ میں اللہ تعالٰی نے یہ دعا کا ذکر فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دعا کو روزہ کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے۔ جس کی وجہ سے روزہ دار کی دعا بہ نسبت بے روزہ دار کے زیادہ قبول ہوتی ہے۔ ترمذی ابن ماجہ نسائی اور مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تین شخص حاکم عادل اور روزہ دار اور مظلوم کی دعا رائیگاں نہیں جاتی بلکہ ان کے دعا کے لئے فوراً آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالٰی اپنی عزت اور جلال کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ میں تمہاری ضرور مدد کروں گا فقط وقت مقررہ کے آنے کی دیر ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے[3]۔ اور جس طرح اللہ تعالٰی نے اس آیت میں قبولیت دعا کے لئے شرط ٹھہرائی ہے کہ دعا کرنے والا اللہ کا مطیع اور احکام الٰہی کا پابند ہو اسی طرح حدیث میں تفصیل سے مقبولیت دعا کے شرائط وارد ہوئے ہیں مثلاً اکل حلال

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶۳ و ۳۶۴ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۱۶ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۱۹ ۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ

حلال ہوا تم کو روزے کی رات میں بے پردہ ہونا اپنی عورتوں سے وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو ان کی اللہ نے

اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَ

معلوم کیا کہ تم اپنی چوری کرتے تھے سو معاف کیا تم کو اور در گذر کی تم سے پھر اب ملو ان سے اور

ابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ

چاہو جو لکھ دیا اللہ نے تم کو اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف نظر آوے تم کو دھاری سفید جدی دھاری

الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ

سیاہ سے فجر کے پھر پورا کرو روزہ رات تک اور نہ لگو ان سے جب کہ

قبولیت میں دیر ہونے سے مایوس نہ ہونا کیوں کہ تقدیر الٰہی میں ہر کام کا وقت مقرر ہے اور دعا کے پہلے اللہ کی حمد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کا ہونا حضور قلب سے دعا کا مانگنا ممنوعات شرعیہ کی دعا نہ مانگنا ان شرائط کے ساتھ جو دعا ہو اس کی نسبت سند معتبر سے جو مسند امام احمد مستدرک حاکم مسند ابی یعلیٰ وغیرہ میں روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ ایسی دعا یا تو فوراً قبول ہو جاتی ہے اور اگر مصلحت الٰہی میں وہ دعا اس شخص کے لئے فائدہ مند نہیں ہے تو کوئی برائی اس شخص سے ٹل جاتی ہے اور آخرت میں اس شخص کے لئے ایک اجر اس دعا کا مقرر ہو جاتا ہے[1]۔ انسان اپنے نیک و بد کے انجام کے جاننے سے ایسا بے خبر اور غافل ہے کہ بہت سی چیزیں یہ اپنے حق میں بہتر جان کر ان کے ظہور کی آرزو کرتا ہے۔ مگر علم الٰہی میں ان چیزوں کا ظہور اس شخص کے لئے مضر ہوتا ہے۔ اس لئے مصلحت الٰہی میں اس کی آرزو پوری کرنے کے قابل نہیں ہوتی مثلاً ایک شخص کی دوسرے شخص سے دشمنی ہوتی ہے اس دشمنی کی وجہ سے یہ شخص اپنے دشمن کی ہلاکت کی دعا مانگتا ہے اور علم الٰہی میں یہ بات قرار پائی ہوئی ہوتی ہے کہ یہی دشمن دوست ہو جائے گا اور اس بد دعا کرنے والے شخص کو بہت بڑا نفع پہونچائے گا۔ اس واسطے مصلحت الٰہی میں اس شخص کی دعا قبول کرنے کے قابل نہیں قرار پاتی دعا کی فضیلت میں بہت سی صحیح حدیثیں آئی ہیں بعض صحیح روایتوں میں یہ بھی ہے کہ آدمی کی تقدیر میں جو برائی لکھی ہے وہ دعا کے اثر سے ٹل سکتی ہے[2]؛



۱۸۷۔ جب رمضان شریعت کے روزے فرض ہوئے تو ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ عشاء کی نماز سے پہلے جس کسی کو جو کچھ کھانا پینا ہوتا تھا وہ کھا پی لیتا تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد پھر کھانا پینا مباشرت سب کچھ حرام ہو جاتا تھا۔ اسی طرح عشاء کی نماز سے پہلے اگر کسی کی آنکھ لگ جاتی تو عشاء کی نماز سے پہلے ہی یہ سب چیزیں حرام ہو جاتی تھیں۔ یہ حکم صحابہ کرام پر بہت شاق ہوا اور اس حکم کی پابندی میں رخنہ پڑنے لگا۔

[1] تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۲۱۸ [2] مشکوٰۃ ص ۱۹۵ کتاب الدعوات

عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ

اعتکاف بیٹھے ہو مسجدوں میں یہ حدیں باندھی ہیں اللہ کی سو ان کے نزدیک نہ جاؤ اس طرح بیان کرتا ہے اللہ اپنی آیتیں

لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

لوگوں کو شاید وہ بچتے رہیں ۔

قیس بن صرمہؓ ایک صحابی تھے وہ روزہ کھول کر بغیر کھانا کھانے کے ایک دفعہ سو گئے اور دوسرے دن روزہ پر روزہ رکھنے کے سبب سے دوپہر کے وقت ان کو غش آگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سب صحابہ نے ان کے حال پر بڑا تاسف کیا اور بعضے صحابہ سو جانے کے بعد پھر رات کو اٹھ کر مباشرت کی جرأت کر بیٹھے اس رخنہ کے رفع کرنے کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور صبح صادق کے شروع تک یہ چیزیں حلال فرما دیں۔ جس میں سحری کا کھانا بھی داخل ہے حدیث شریف میں سحری کے کھانے کی بہت فضیلت آئی ہے کہ سحری کے کھانے والوں کے لئے فرشتے رحمت کی دعا مانگتے ہیں[۱]۔ اور صحیح مسلم کی عمرو بن عاصؓ کی روایت میں یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ اہل کتاب کے روزوں میں اور ہمارے روزوں میں اتنا ہی فرق ہے کہ ان کے روزوں میں سحری نہ تھی[۲]۔ اور اس کھانے کا نام آپ نے غذائے مبارک رکھا تھا[۳]۔ اور فرماتے تھے کہ جو کوئی سحری کو کھانا نہ کھائے تو فقط پانی ہی پی لیا کرے تاکہ سحری کی برکت سے محروم نہ رہے[۴] افطار میں جلدی کرنا اور سحری میں دیر کرنا یہ بھی سنت ہے[۵]۔ صحابہ کا مقولہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں سحری کر لینے کے بعد پچاس آیتیں قرآن شریف کی پڑھنے میں صبح کی نماز کا وقت ہو جاتا تھا[۶]۔ ایک اجالا آسمان پر صبح کاذب کا بہت رات سے ہو جاتا ہے اس پر سحری کا کھانا بند نہیں ہوتا یہ اجالا آسمان کے طول میں ایک لمبے ستون کی طرح ہوتا ہے سحری کا کھانا صبح صادق پر بند ہوتا ہے جو آسمان کے کنارے پر آسمان کے عرض کی طرف پیدا ہوتی ہے۔ پھیلتی جاتی ہے۔ اور اونچی جگہ پر اس کی روشنی کا عکس پڑتا ہے اور اس میں کسی قدر سرخی بھی ہوتی ہے اور صبح صادق تک اللہ تعالیٰ نے مباشرت کی جو اجازت دی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مباشرت کے بعد فوراً صبح صادق ہو جائے اور حالت ناپاکی میں روزہ کی نیت کر کے کوئی شخص روزہ رکھے اور پھر صبح کو نہائے تو اس کے روزہ میں کوئی فتور نہیں پڑتا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ سے صحیحین میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مباشرت کی وجہ سے نہانے کی حاجت ہوتی تھی اور صبح کو آپ نہا کر روزہ رکھا کرتے تھے[۷] اور مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مجھ کو ناپاکی کی حالت میں صبح ہو جاتی ہے۔ اور پھر میں روزہ رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں بھی تو ایسا کیا کرتا ہوں اس شخص نے کہا کہ آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ اللہ معاف

۱؎ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۱ ۲؎ صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵۰ باب فضل السحور الخ ۳؎ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۲ ۴؎ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۱ ۵؎ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۲ ۶؎ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۱ ۷؎ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۲ و صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵۲ باب صحۃ الصوم الخ۔

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ
اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں تک کہ کھا جاؤ کاٹ کر لوگوں کے

أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِىَ
مال میں سے مارے گناہ کے اور تم کو معلوم ہے تجھ سے تو پوچھتے ہیں چاند کا نیا نکلنا تو کہہ یہ وقت

مَوَٰقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۗ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَن تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ
ٹھہرے ہیں واسطے لوگوں کے اور واسطے حج کے اور نیکی یہ نہیں کہ آؤ گھروں میں چھت پر سے لیکن

الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٨٩﴾
نیکی وہی جو کوئی بچتا رہے اور گھروں میں آؤ دروازوں سے اور اللہ سے ڈرتے رہو شاید تم مراد کو پہنچو

کر چکا ہے آپ کو ہم لوگوں سے کیا نسبت ہے آپ نے جواب دیا کہ میں بہ نسبت تمہارے خدا سے زیادہ ڈرتا ہوں[۱] اور اس حدیث کے مخالف حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک یہ حدیث کہ جب صبح کی اذان ہو جاتے اور کوئی شخص ناپاکی کی حالت میں ہو تو وہ شخص اس دن روزہ نہ رکھے اِس فتوے سے آخرت کو حضرت ابو ہریرہؓ نے رجوع کیا ہے اور پہلے حدیث کے موافق اجماع منعقد ہو چکا ہے[۲]۔ اعتکاف کی حالت میں مباشرت منع ہے اعتکاف میں بعض کے نزدیک روزہ شرط ہے اور سنت یہ ہے کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف ہو[۳]۔ روزوں کے آخر پر اللہ تعالےٰ نے اعتکاف کا ذکر فرمایا۔ اللہ تعالےٰ کی عبادت کے لئے کسی خاص جگہ میں بیٹھنے کو شرع میں اعتکاف کہتے ہیں۔ جامع مسجد میں اعتکاف اولیٰ ہے۔

۱۸۸۔ اوپر کی آیت میں کھانے پینے کا ذکر آیا تھا اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے قید لگا دی کہ اسی مال کے کھانے پینے کی اجازت تم کو دی گئی ہے جو حق طور پر ہو اور شریعت نے اس کا کھانا پینا اور برتنا تمہارے لئے جائز رکھا ہو اور آپس میں ایک شخص دوسرے کا مال آپس کی خیانت یا حاکموں سے خلاف واقع کرا کے ہرگز نہ کھائے آپس کی خیانت کی صورتیں یہ ہیں کہ مثلاً کسی کی امانت لے کر مکر جاتے یا جوئے میں کسی کا مال جیت لیوے یا حاکم ہو کر کسی محکوم سے رشوت لے لیوے اور حاکموں سے خلاف واقع فیصلہ کرانے کی صورتیں یہ ہیں کہ جھوٹی قسم یا جھوٹی گواہی دے کر یا دلا کر یا چرب زبانی سے ناحق بات کو حق جتلا کر فیصلہ کرایا جاتے صحیحین میں حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی بشر ہوں بشریت کے سبب سے کسی شخص کی چرب زبانی پر اس شخص کو کچھ مال یا کوئی چیز دلانے کا فیصلہ اگر میں کر دوں گا تو یہ یاد رہے کہ وہ مال اور وہ چیز آخرت میں اس شخص کے لئے آگ کا ٹکڑا ہے[۴]۔ اس حدیث اور اس آیت کے مطلب سے معلوم ہوا کہ حاکم کا ظاہر کا فیصلہ باطن کے ناحق کو حق نہیں کرتا۔

۱۸۹۔ بعضے صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ حضرت چاند کا یہ کیا حال ہے کہ شروع مہینے میں بالکل پتلا ہوتا ہے پھر

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۳ [۲] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۴ [۳] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۵ [۴] صحیح مسلم ص ۷۴ ج ۲ باب الحکم بالظاہر الخ

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿١٩٠﴾

اور لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو لڑتے ہیں تم سے اور نہ زیادتی کرو اللہ نہیں چاہتا زیادتی والوں کو

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ

اور مارو ان کو جہاں پاؤ اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا اور دین سے بچلانا

مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ

مارنے سے زیادہ ہے نہ لڑو ان سے مسجد الحرام پاس جب تک وہ نہ لڑیں تم سے پھر اگر وہ لڑیں

فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿١٩١﴾ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٩٢﴾ وَقَاتِلُوهُمْ

تو ان کو مارو یہی سزا ہے منکروں کی پھر اگر وہ باز آویں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے لڑو ان سے

حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿١٩٣﴾

جب تک دباتی رہے فساد اور حکم رہے اللہ کا پھر اگر وہ باز آویں تو زیادتی نہیں مگر بے انصافوں پر

بڑھتا جاتا ہے پھر گھٹنا شروع ہوتا پھر آخر مہینہ میں کبھی ایک رات کبھی دو راتیں بالکل نکلتا ہی نہیں اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حاصل آیت کا یہ ہے کہ چاند کی اس حالت میں بڑی حکمت ہے اٹھائیس منزلیں اور بارہ برج جن کے علیحدہ نام ہیں چاند کے لئے مقرر کئے گئے ہیں جن کی تفصیل سورہ یونس اور یٰسین میں آئے گی۔ ان میں سے چاند ایک منزل جب طے کرتا ہے تو ایک رات ہوتی ہے اور دو منزلیں اور ایک منزل کا تیسرا حصہ جب طے کرتا ہے تو ایک شبانہ روز ہوتا ہے اور پوری منزلیں اور برج طے کرتا ہے تو ایک مہینہ ہوتا ہے اور سب برجوں کے باراں پھیرے جب کرتا ہے تو ایک سال ہوتا ہے۔ اس مہینہ اور سال پر لوگوں کے ہزارہا دین و دنیا کے کام مثلاً لین دین۔ تجارت کے وعدے۔ عمر حیض و عدت کا حساب۔ موسم حج منحصر ہیں۔ حج کا ذکر خاص کر اللہ تعالےٰ نے دو وجہ سے فرمایا ایک تو یہ کہ اہل مکہ نے چاند کا یہ حساب چھوڑ کر حج کے لئے ایک اپنا فرضی حساب نکال رکھا تھا۔ اس حساب سے کبھی سوا ذوالحجہ کے اور مہینے میں حج کا موسم ٹھہرا لیتے تھے جس کا ذکر سورہ توبہ میں آئے گا۔ چاند کا حساب بتلا کر اللہ تعالےٰ نے اس فرضی حساب کو باطل کر دیا۔ دوسرے اہل مدینہ میں یہ دستور تھا کہ احرام باندھنے کے بعد حالت احرام میں گھر کے دروازہ سے گھر میں نہیں آتے تھے۔ بلکہ یا دیوار پر سے سیڑھی لگا کر یا گھر کی پچھلی دیوار میں نقب لگا کر آیا کرتے تھے اس کو بھی اللہ تعالےٰ نے فرمادیا کہ کوئی شرعی بات اور نیک بات نہیں اس سے معلوم ہوا کہ دین میں جب تک کوئی بات کسی دلیل شرعی سے نہ ثابت ہو وہ نیک بات نہیں قرار پا سکتی اور اللہ اس کو پسند نہیں فرماتا۔ بلکہ وہ بدعت ہے۔ اور ہر مسلمان پر اس کا چھوڑ دینا لازم ہے ؂

۱۹۰-۱۹۳۔ ہجرت سے پہلے جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے تو وسعت اسلام نہ ہونے سے اور مسلمانوں کی جماعت تھوڑی ہونے سے جہاد کا حکم نہ تھا۔ ہجرت کے بعد جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے اور انصار

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا

حرمت کا مہینہ مقابل حرمت کے مہینے کے اور ادب رکھنے میں بدلا ہے پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو

عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

جیسے اس نے زیادتی کی تم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کر اللہ ساتھ ہے پرہیز گاروں کے ؛

لوگوں کے سبب سے مسلمانوں کی جماعت کو غلبہ ہو گیا تو اس آیت میں جہاد کا حکم اترا۔ اور مکہ میں درگذر کرنے کی جتنی آیتیں تھیں وہ سب اس حکم سے منسوخ ہو گئیں۔ اس آیت میں یہ جو ارشاد فرمایا کہ جو تم سے لڑیں ان سے لڑو تو علمار مفسرین کے نزدیک اس کے دو معنے ہیں ایک تو یہ کہ عورتیں۔ بچے۔ بوڑھے جو تم سے لڑنے کے قابل نہیں ان سے مت لڑو اور ان کو مت مارو۔ اس صورت میں یہ آیت کسی دوسری آیت سے منسوخ نہیں ہے۔ دوسرے معنے یہ کہ عورتوں اور بچوں اور بڑھوں کے سوا بھی جو جوان مرد تم سے لڑیں اور مقابلہ کریں ان سے ہی لڑو۔ بلا مقابلہ کرنے والے سے مت لڑو اس صورت میں یہ آیت آگے کی اس آیت سے کہ لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے کفر منسوخ ہے اور مسجد حرام کے نزدیک لڑائی کرنے میں بھی بعضے علمار مفسرین نے اس شرط کو کہ فقط مقابلہ کرنے والے سے ہی حرم کی حد میں رفع شر کی غرض سے لڑو، منسوخ کہا ہے اور ان کے نزدیک حرم کی حد میں بھی مشرکین سے محض ان کے شرک کی وجہ سے لڑائی جائز ہے خواہ مشرک لوگ مقابلہ کریں یا نہ کریں۔ لیکن صحیحین کی اس حدیث کی بنا پر جس میں آپ نے فرما دیا ہے کہ حرم شریف کی حد کے اندر قیامت تک لڑائی حرام ہے۔ فتح مکہ کے دن فقط اپنے رسول کو اللہ تعالیٰ نے ایک گھڑی بھر کے واسطے حرم کی حد میں لڑائی جائز فرمائی تھی[1] یہ مذہب قابل تردد ہے ؛

۱۹۴۔ ہجرت کے چھٹے سال ذیقعدہ کے مہینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے زیارت مکہ کا قصد کیا تھا۔ اور جب مکہ کے قریب ایک جگہ حدیبیہ ہے وہاں آپ کا مقام ہوا تو مشرکین مکہ نے وہاں آکر آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکا۔ آخر صلح اس بات پر ہوئی کہ اس سال تو آپ مدینہ کو واپس ہوں اور آیندہ سال پھر آئیں۔ اور مکہ کی زیارت کریں۔ اس صلح کا نام صلح حدیبیہ ہے اور اس کا ذکر تفصیل سے سورہ انا فتحنا میں آئے گا یہ ذکر اس وقت کا ہے کہ جب تک مکہ کی فتح نہیں ہوئی تھی۔ اور مشرکین مکہ کا زور باقی تھا اب اس صلح کے موافق ہجرت کے ساتویں سال جب آپ نے ذیقعدہ کے مہینے میں زیارت مکہ کا قصد کیا تو صحابہ کرام کے دل میں یہ خدشہ پیدا ہوا کہ اگر اب کے بھی مشرکین مکہ نے صلح کو قائم نہ رکھا اور مکہ میں داخل ہونے سے روکا۔ اور اس پر باہم لڑائی کا موقع پیش آگیا تو ذیقعدہ کے مہینے میں لڑنا پڑے گا۔ حالانکہ رجب، ذیقعدہ، ذوالحجہ، محرم یہ چاروں مہینے حرمت والے کہلاتے ہیں اور ان چاروں مہینوں میں لڑائی منع ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے

[1] تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۲۲۷ ؛

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ ۚۖۛ وَاَحْسِنُوْا ۚۛ اِنَّ اللّٰهَ

اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں اور نیکی کرو بے شک اللہ

یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾

چاہتا ہے نیکی والوں کو

یہ آیت نازل فرمائی اور مسلمانوں کو جتلا دیا کہ اللہ کے عدل اور انصاف میں حرمتوں کا بدلہ ہے جب صلح حدیبیہ کے وقت اسی ذیقعدہ حرمت والے مہینے میں ان مشرکوں نے اس مہینے کی حرمت کو اور حرم کی حد کی حرمت کو قائم نہ رکھا تو اگر لڑائی کا موقع پیش آجائے تو کچھ خدشہ کی بات نہیں ہے اللہ کی طرف سے بدلے کے طور پر تم کو لڑنے کی اجازت ہے۔ مگر اتنا کرنا کہ جس قدر تم پر کسی کی طرف سے زیادتی ہو اتنا ہی اس سے بدلہ لینا بدلہ کی حد سے بڑھ کر زیادتی سے پرہیز کرنا اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

۱۹۵۔ بخاری نے حضرت حذیفہؓ سے جو شان نزول اس آیت کی بتائی ہے اس کی صراحت حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی حدیث میں ہے جس کو ابوداؤد، ترمذی، حاکم، نسائی اور ابن حبان وغیرہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے شرط شیخین پر اس کو صحیح کہا ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم انصار لوگ چند لڑائیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں لڑ چکے تو ایک دن ہم چند انصاروں نے خفیہ طور پر آپس میں مشورہ کیا کہ اب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اہل اسلام بہت ہیں اگر ہم لوگ چند لڑائیوں میں آنحضرتؐ کے ساتھ نہ جائیں تو اس میں ایسا ہوگا کہ مدتوں گھر سے باہر رہنے میں اخراجات جو پڑے ہیں اس کی تلافی ہو جائے گی۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور فرمایا کہ اس طرح کے اخراجات سے ہاتھ کو روکنا موجب ہلاکت ہے۔[1] ایسی ہلاکت میں اپنے آپ کو مت ڈالو۔ اور آئندہ نیک کام میں لگے رہو۔ اس طرح کے برے وسوسوں سے بچو صحابہ کے زمانہ میں یہ ایک بات رائج تھی کہ ایک خاص معاملہ میں ایک آیت نازل ہو کر پھر دوسرا کوئی معاملہ ایسا ہو کہ جس پر اس آیت کا مطلب صادق آتا ہو تو اس دوسرے معاملہ کو بھی آیت کی شان نزول قرار دیتے تھے چنانچہ یہ آیت بھی اسی قسم کی ہے اصل شان نزول تو وہی ہے جو حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابو ایوبؓ سے بیان ہو چکی اب نعمان بن بشیرؓ سے طبرانی کی روایت میں یا اور بعض صحابہ سے تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں شان نزول اس آیت میں یہ امر جو بیان ہوا ہے کہ انصار لوگ صدقہ دیا کرتے تھے ایک سال قحط پڑا تو وہ قحط سے ڈر کر صدقہ سے ہاتھ کو روکنے لگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی یا ایسا شخص جو گناہ کر کے توبہ سے مایوس ہو کر بیٹھ رہے اس کے حق میں یہ آیت اتری ہے یا ایسے مجاہدین جو بلا خرچ جہاد کو چلے جائیں اور وہاں تکلیف اٹھائیں[2] ان کے حق میں یہ آیت اتری ہے مطلب اس سے یہی ہے کہ ان معاملات پر بھی اس آیت کا مضمون صادق آتا ہے۔

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۸ ج ۱ و مستدرک حاکم ص ۲۷۵ ج ۲ [2] یہ تمام روایتیں تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۹ میں درج ہیں۔

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۖ وَلَا تَحْلِقُوا

اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے پھر اگر تم روکے گئے تو جو میسر ہو قربانی بھیجو اور حجامت نہ کرو

رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ

سر کی جب تک پہنچ نہ چکے قربانی اپنے ٹھکانے پر پھر جو کوئی تم میں مریض ہو یا اس کو دکھ دیا اس

رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ وقفة فَمَنْ تَمَتَّعَ

کے سر نے تو بدلہ دیوے روزے یا خیرات یا ذبح کرنا پھر جب تم کو خاطر جمع ہو جو کوئی فائدہ لیوے

بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

عمرہ ملا کر حج کے ساتھ تو جو میسر ہو قربانی پہنچائے پھر جس کو پیدا نہ ہو تو تین روزے رکھے

فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ

حج کے وقت میں اور سات روزے رکھو جب تم پھر کر جاؤ یہ دس ہیں پورے یہ اس کو ہے جس کے گھر والے نہ ہوں

حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾

رہتے مسجد الحرام پاس اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

۲۴ ع ۸

۱۹۶- اس آیت سے حج کا ذکر شروع ہوا حج اسلام کا ایک بڑا رکن ہے حج کی فضیلت میں اور اس وعید کی تاکید میں کہ جس کسی کو قدرت ہو اور وقت پر حج کو نہ جاوے بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں سورہ آل عمران میں یہ آیت وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا سے حج فرض ہوا ہے اور اس آیت میں یہ تاکید ہے کہ حج اور عمرہ کو پورے ارکان کے ساتھ ادا کیا جائے ارکان حج پانچ ہیں احرام عرفات میں جا کر وقت مقررہ پر ٹھہرنا۔ طواف کرنا۔ صفا مروہ کا دوڑنا سر منڈوانا یا بال کتروانا عمرہ میں عرفات میں جاکر ٹھہرنے کے سوا اور بھی باقی کے چار رکن ہیں سیوطی نے لباب النقول فی اسباب النزول[1] میں تفسیر ابن ابی حاتم کے حوالہ سے یہ جو کہا ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کا سوال کرنے آیا تھا۔ اس کے جواب میں یہ آیت اتری ہے۔ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ صحیحین میں جو عمرہ کی بابت سوال کرنے والے شخص کی حدیث ہے اس میں نزول آیت کا ذکر نہیں ہے[2]۔ علماء مفسرین کا اس باب میں بھی اختلاف ہے کہ حج کب اور کونسے سال فرض ہوا ہے بعضے کہتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے حج فرض ہوا ہے۔ مگر یہ قول بالکل شاذ ہے اور بعضے ہجرت کے پانچویں اور بعضے دسویں سال فرضیت حج کے قائل ہیں۔ مگر جمہور مفسرین کا یہ قول ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال حج فرض ہوا ہے۔ اور اسی سال آپ زیارت مکہ کے ارادہ سے مدینہ سے سفر کرکے حدیبیہ تک تشریف لے گئے اور وہاں مشرکین مکہ نے آپ کو روکا اور صلح حدیبیہ ہوئی اور یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص احرام کے بعد روک دیا جائے اور اس سال حج نہ کر سکے تو مقدور کے موافق قربانی کرے

[1] ص ۲۹ طبع مصر ۱۳۵۴ھ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۳۱۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ

حج کے کئی مہینے ہیں معلوم پھر جس نے لازم کرلیا ان میں حج تو نہ بے پردہ ہونا ہے عورت سے، نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑانا

اعلیٰ درجہ قربانی کا اونٹ ہے اور اوسط درجہ گائے اور ادنیٰ درجہ بکری۔ قربانی کرنے والے کا جو مقدور ہو وہی وہ کرے اگرچہ بعض مفسرین کا یہ قول ہے کہ روکنا دشمن کا ہی اس آیت میں مراد ہے مگر صحیح حدیثوں میں یہ صراحت آچکی ہے کہ بیماری بھی آیت کے حکم میں داخل ہے۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زبیرؓ بن عبدالمطلب کی بیٹی ضباعہ رضؓ کے پاس تشریف لائے ضباعہ رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ پوچھا کہ حضرت میرا ارادہ حج کا ہے۔ لیکن مجھ کو بیماری کا دورہ ہوا کرتا ہے آپؐ نے فرمایا کہ تم اس شرط سے حج کا سفر کرو کہ جہاں بیماری کا دورہ ہو گا وہیں رُک جاؤں گی[1] حج اور عمرہ کے ادا کرنے کی تین شکلیں ہیں ایک تو حج کے مہینوں میں حج کا احرام باندھ کر حج کر لیوے اور عمرہ حج کے بعد کرے یا حج سے پہلے سوا حج کے مہینوں کے اور دنوں میں عمرہ کر لیوے حج کے مہینے یہ ہیں۔ شوال۔ ذیقعدہ۔ بس راتیں ذوالحجہ کی دسویں تاریخ ذوالحجہ کی صبح صادق کے شروع ہوتے ہی حج کا موسم پھر باقی نہیں رہتا۔ اس شکل کو افراد کہتے ہیں اور دوسری شکل یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کرے۔ اور پھر احرام کھول ڈالے اور عین حج کے وقت پھر حج کا احرام باندھے اس کو تمتع کہتے ہیں اور اسی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ اس طرح کا شخص ایک جانور کی قربانی کرے یا دس روزے رکھے اور یہ بھی ذکر ہے کہ مسافروں کی راحت کے لئے یہ تمتع جائز ہے اہل مکہ کو یہ تمتع جائز نہیں ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ حج اور عمرہ کا ملا کر احرام حج کے مہینوں میں باندھا جائے اس کو قران کہتے ہیں سر میں جوئیں پڑ جائیں یا اور کوئی دماغی مرض ایسا ہو جس سے سر کے بال منڈانے ضرور ہوں تو بال احرام کی حالت میں منڈانے کا حکم بھی اس آیت میں ہے جو حکم حدیبیہ کے سفر کے وقت کعب بن عجرہ رضؓ صحابی کے جوئیں پڑ جانے کے وقت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے جمہور کے مذہب کے موافق اگرچہ ۶ سنہ ہجری میں حج فرض ہوا ہے۔ لیکن آپ نے فتح مکہ سے پہلے تو اس کراہت کی وجہ سے کہ مکہ اور صفا مروہ میں بت دھرے ہوئے تھے حج نہیں کیا۔ ۸ سنہ ہجری میں فتح مکہ ہو جانے سے بت تو ٹوٹ پھوٹ گئے۔ مگر مشرک لوگ جاہلیت کی رسم کے موافق برہنہ ہو کر طواف کیا کرتے تھے اس لئے ۹ سنہ ہجری میں حضرت ابو بکرؓ اور علیؓ کو آپ نے موسم حج کے وقت مکہ روانہ فرما کر لوگوں کو اعلان کر دیا کہ ۱۰ سنہ ہجری سے کوئی مشرک یا کوئی برہنہ شخص طواف کرنے نہ پائے گا۔ اور اسی سال میں آپ نے حج کیا جس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں۔

۱۹۷۔ جس طرح نماز اور روزہ کا وقت مقرر ہے اسی طرح حج کے مہینے بھی مقرر ہیں اکثر صحابہ اور تابعین اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ حج کے مہینے شروع شوال سے ذوالحجہ کی دسویں کی صبح صادق تک ہیں یہاں تک کہ مقام

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۳۱۔

فِی الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی ز

کسی سے حج میں جو کچھ تم نیکی کروگے وہ اللہ کو معلوم ہے اور خرچ راہ لیا کرو کہ بہتر خرچ راہ یہی گناہ سے بچنا ہے

وقف
صلی اللہ
وسلم

وَاتَّقُوْنِ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ

اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقل مندو نہیں تم پر کچھ گناہ کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا

فَاِذَاۤ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ص وَاذْكُرُوْهُ كَمَا

پھر جب طواف کو چلو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعر الحرام کے اور اس کو یاد کرو جس طرح

عرفات میں داخل ہونے سے پہلے اگر کسی شخص کو صبح صادق ہوجائے گی تو اس کا اس سال کا حج فوت ہوجائے گا۔ مگر امام مالکؒ سے ایک روایت ہے کہ آخر ذی الحجہ تک حج کے مہینوں کی مدت ہے۔ مگر اس سے ان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ذوالحجہ کی دسویں کے بعد بھی حج ہو سکتا ہے بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ ناجائز ہے اور اس ناجائز ہونے کی مدت آخر ذی الحجہ تک ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار عمرے جو ذیقعدہ میں ہوئے ہیں ان کو وہ مخصوصات نبی قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں سنت یہی ہے کہ حج کا احرام بغیر حج کے مہینوں کے جائز نہیں ہے[1]۔ اور یہ ایک اصول حدیث کی مسلم بات ہے کہ صحابی جس روایت کو طریقہ مسنونہ بیان کریں وہ روایت مرفوع حدیث کا حکم رکھتی ہے۔ لیکن بعض علماء نے برس روز تک احرام حج کو جائز رکھا ہے مگر بالاتفاق اولے سب کے نزدیک یہی ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں میں ہی ہونا چاہئے۔ احرام باندھنے کے بعد مباشرت اور خلاف شریعت باتوں سے بموجب حکم اس آیت کے جو شخص بچے گا اسی کا حج مقبول ہونے کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے[2] کچھ لوگ بغیر خرچ کے حج کو چلے جاتے تھے اور پھر لوگوں سے سوال کرکے ان کو تنگ کرتے تھے۔ ان کی تنبیہ میں اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمادیا کہ آئندہ ایسا کرنے سے پرہیز کرو اور اللہ سے ڈرو" اے عقل مندو فرمایا" اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالےٰ سے ڈرنا عقل مندوں کا کام ہے جو خدا سے نڈر ہوکر کچھ کام کرتے ہیں ان کی عقل میں فتور ہے۔ احرام یہ ہے کہ حج یا عمرہ کے شروع کرنے کی نیت کرے اور زبان سے لَبَّیْكَ کہے احرام کے بعد مباشرت، سر کا ڈھانکنا، خوشبو کا ملنا، ناخن کتروانا، شکار کھیلنا، آپس کا لڑائی جھگڑا، بال منڈانے یا کترانے، مرد کو سیا ہوا کپڑا پہننا، عورت کو منہ پر کپڑا ڈالنا یہ سب باتیں منع ہیں ؛

۱۹۸-۲۰۲- صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام سے پہلے موسم حج میں مکہ کے پاس تین بازار لگا کرتے تھے ان میں طرح طرح کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ اور سال بھر کی گذران اکثر لوگوں کی اس خرید و فروخت میں نکل آتی تھی اسلام کے بعد لوگوں کو تردد ہوا کہ اس تجارت کی وجہ سے

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۳۵ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۳۷۔

هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ

تم کو سکھایا اور تم تھے اس سے پہلے راہ بھٹکے پھر طواف کو چلو جہاں سے سب

النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ

لوگ چلیں اور گناہ بخشواؤ اللہ سے اللہ ہے بخشنے والا مہربان پھر جب پورے کر چکو تم اپنے حج کے کام

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا

تو یاد کرو اللہ کو جیسے یاد کرتے تھے تم اپنے باپ دادوں کو بلکہ اس سے زیادہ یاد، پھر کوئی آدمی یہ کہتا ہے اے رب ہمارے دے

فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا

ہم کو دنیا میں اور نہیں ہے اس کو آخرت میں کچھ حصہ اور کوئی ان میں یوں کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں

حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا

خوبی اور آخرت میں خوبی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے یہ لوگ انہیں کو ہے حصہ اپنی

كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

کمائی سے اور اللہ جلد لیتا ہے حساب

ہمارے حج میں کچھ فتور نہ پڑتا ہو بلکہ اس طرح کی تجارت پیشہ اور اجرت پیشہ لوگوں کو دوسرے لوگ یہ کہ اٹھتے تھے کہ تم حاجی نہیں ہو بلکہ تجارت کی غرض سے مکے کو آئے ہو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر اس تردد کو رفع کر دیا[1]۔ اس شان نزول پر اکثر صحابہ کا عمل ہے۔ چنانچہ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ حضرت ہم لوگ مکہ تک اپنے اونٹ کرایہ کر کے آتے ہیں اور اسی ذیل میں ہم حج بھی کر لیا کرتے ہیں لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ تمہارا حج نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں میری طرح ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس طرح کا ذکر کیا تھا اسی وقت یہ آیت اتری اور آپ نے اس قسم کی تجارت واجرت پیشہ لوگوں کو خاص طور پر بلا کر اس آیت کا حکم سنا دیا اور فرما دیا کہ تم لوگ بلاشک حاجی ہو[2]۔ یہ حدیث مسند امام احمد بن حنبلؒ میں بھی ہے اور اس کے طریقے کئی ہیں جس سے حدیث کو صحیح کہا جا سکتا ہے اور صحیح بخاری کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے اس کی پوری تائید بھی ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ احرام کے پہلے اور احرام کے بعد کسی حال میں لوگوں کو تجارت یا اجرت سے منع نہیں کیا کرتے تھے یہ جو فرمایا پھر طواف کو چلو جہاں سے سب لوگ چلیں[3]۔ تفسیر اس کی یہ ہے کہ مکہ سے رات بسے کے راستہ پر عرفات ایک جگہ ہے۔ نویں ذی الحجہ کے زوال کے بعد سے دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے پہلے وہاں جا کر ٹھہرنا حج کا ایک بڑا رکن ہے۔ یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے وقت جب آپ نے لوگوں کو حج کے مسائل بتائے تو تین تین دفعہ

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۸ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۳۹ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۴۰۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ

اور یاد کرو اللہ کو کئی دن گنتی کے پھر جو کوئی جلدی چلا گیا دو دن میں اس پر نہیں گناہ اور جو کوئی

تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

رہ گیا اس پر نہیں گناہ جو کوئی ڈرتا رہے اور تم ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ تم اسی پاس جمع ہو گے

آپ نے فرمایا کہ بڑی چیز حج میں عرفات کا ٹھہرنا ہے قریش لوگ اسلام سے پہلے عرفات تک نہیں جاتے تھے کہ عرفات حرم کی حد سے باہر ہے اس لئے اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ جہاں سے سب لوگ طواف کو چلتے ہیں تم بھی وہیں سے چلا کرو کہ حج میں عرفات کا جانا ضرور ہے یہ اس لئے فرمایا کہ باقی کے ارکان حج اور عمرہ میں مشترک ہیں۔ صرف یہ ایک رکن خاص الخاص حج میں ہی ہے عمرہ میں نہیں ہے جب یہی فوت ہو جائے گا تو خواہ مخواہ حج کا عمرہ رہ جائے گا۔ حاکم کی مستدرک میں مسور بن مخرمہؓ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے وقت عرفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور اسی خطبہ میں فرمایا کہ مشرکین عرفات سے غروب آفتاب کے پہلے اور مزدلفہ سے سورج نکلنے کے بعد واپس ہوا کرتے تھے اب طریقہ اسلامیہ یہ ہے کہ عرفات سے ہم غروب کے بعد اور مزدلفہ سے طلوع سے پہلے منیٰ کو واپس چلے جائیں گے۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح شرط شیخین پر کہا ہے[۱] قریش لوگ اسلام سے پہلے حج سے فارغ ہونے کے بعد اپنی باپ دادا کی مدح میں قصائد پڑھا کرتے تھے اسلام میں اللہ تعالےٰ کو اس طریقہ کا بدلنا منظور نظر ہوا۔ اس لئے اس آیت میں اس طریقہ کو بدل کر حکم فرمادیا کہ حج سے فراغت کے بعد ان مدحیہ قصائد کے پڑھنے کا طریقہ موقوف کر کے اللہ کا ذکر کیا جائے اور اللہ سے ایسی عامانگنی چاہئے جس میں دین دنیا کی بھلائی ہو فقط دنیا کی بہبودی پر گرویدہ نہیں ہونا چاہئے کہ فقط دنیا کی بہبودی کی گرویدگی آدمی کو آخرت سے محروم کر دیتی ہے۔

۲۰۳۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ گنے ہوئے دن چار دن ہیں عید الضحیٰ کا ایک روز اور تین روز اس کے بعد کے اور ایک جماعت صحابہ اور تابعین کا یہی قول ہے[۲] صحیح مسلم و مسند امام احمد وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرما کر یہ فرمایا ہے کہ یہ دن کھانے پینے اور اللہ کی یاد کرنے کے ہیں[۳] موسم حج میں لوگ حشر کی طرح جمع ہوتے ہیں۔ اس لئے حج کے ذکر کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے حشر کے دن کے جمع ہونے کو یاد دلایا اور ان دنوں میں اللہ کا ذکر کرنے سے مراد وہ تکبیرات ہیں جو ان دنوں میں فرض نماز کے بعد کہی جاتی ہیں اور وہ تکبیرات بھی ہیں جو حاجی لوگ شیطانوں کے کنکریاں مارنے کے وقت ان دنوں میں کہتے ہیں اور اسلام سے پہلے بعضے لوگ تو مقام منیٰ سے گیارہویں ذی الحجہ کو چلے آتے تھے اور بعضے بارھویں کو اور جلدی کرنے والے دیر کرنے والوں پر اعتراض کرتے تھے اور وہ ان پر اللہ تعالےٰ نے رفع حرج کے لئے دونوں حالتوں کو جائز فرمادیا۔

[۱] مستدرک حاکم ص ۲۷۷ جلد ۲ [۲] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۴۴-۲۴۵ [۳] صحیح مسلم ص ۳۶۰ جلد ۱ کتاب الصیام

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ

اور بعضا آدمی ہے کہ خوش آتی تجھ کو بات اس کی دنیا کی زندگی میں اور گواہ پکڑتا ہے اللہ کو اپنے دل کی بات پر

وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ

اور وہ سخت جھگڑالو ہے اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو دوڑتا پھرتا ملک میں کہ اس میں ویرانی کرے اور ہلاک کرے کھیتیاں

وَالنَّسْلَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ

اور جانیں اور اللہ خوش نہیں رکھتا فساد کرنا اور جو کہا جاوے اس سے کہ ڈر اللہ سے تو کھینچ لاتا ہے اسکو غرور گناہ پر

فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۗ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

کہ بس ہے اس کو دوزخ اور بری تیاری ہے

۲۰۴-۲۰۶- بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص اخنس بن شریق منافق کی شان میں یہ آیت اتری ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب آتا تھا تو اسلام کی تائید میں بڑی میٹھی باتیں کرتا تھا اور جب آپ کے پاس سے جاتا تھا تو اسلام کی بدخواہی کی باتیں کرتا تھا اور طرح طرح کے جھگڑے اور فساد کھڑے کرتا تھا اور بعضوں نے کہا ہے کہ واقعہ رجیع کی خبر جب مدینہ میں پہونچی تو بعضے منافقوں نے ظاہر میں تو مسلمانوں کی ہمدردی کے کلمات ان شہداء کی شان میں منہ سے نکالے۔ لیکن باطن میں ان شہداء اور مسلمانوں کی ہجو اور مذمت ان کو مقصود تھی اس پر اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کی مذمت میں اور شہداء رجیع کے مدح میں یہ آیت نازل فرمائی واقعہ رجیع کی پوری تفصیل تو بخاری میں ہے حاصل اس واقعہ کا اسی قدر ہے کہ جنگ احد کے بعد دس صحابہ کرام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جاسوسی کے طور پر قریش کی خبر لانے کے لئے روانہ فرمایا تھا اور عاصم بن ثابت صحابی کو باقی کے نو شخصوں پر سردار قرار دیا تھا۔ دن بھر یہ لوگ پہاڑوں میں چھپے رہتے تھے اور رات کو راستہ چلتے تھے ہذیل قبیلہ کے دیہات میں سے ایک گاؤں رجیع ہے وہاں کے پہاڑوں میں ایک روز انہوں نے مقام کیا اور رات کو راستہ چلتے چلتے مدینہ منورہ کی سرزمین کے چھوارے جو ان کے پاس بطور زادراہ کے تھے وہ چھوارے انہوں نے کھا کر گٹھلیاں جنگل میں پھینک دیں ایک عورت اس جنگل میں بکریاں چراتی تھی اس نے بنی لحیان اپنے قبیلہ میں یہ چرچا کیا کہ مدینہ کی سرزمین کے چھواروں کی گٹھلیاں جنگل میں نظر آئی تھیں بنی لحیان نے یہ سُنکر خیال کیا کہ مدینہ کے کچھ لوگ ضرور مخالفانہ اس سرزمین پر آئے ہوں گے اس خیال سے بنی لحیان میں سے سَو آدمی کے قریب ہتھیار باندھ کر مدینہ کے لوگوں کو تلاش میں نکلے اور رجیع مقام کے پاس طرفین کا مقابلہ ہوا پہلے بنی لحیان کے لوگوں نے ان دس شخصوں سے یہ کہا تھا کہ اگر تم ہتھیار ڈال کر ہماری امان میں آجاؤ تو ہم تمہاری جان بخشی کر دیتے ہیں مگر صحابہ کرام کی ہمت ایسی پست ہمتی کی باتوں کو کب گوارا کرتی تھی۔ حضرت عاصم بن ثابتؓ نے صاف فرما دیا کہ ہم کو مشرکوں کی امان ہرگز منظور نہیں آخر لڑائی شروع ہوئی اور عاصم بن ثابت اور چھ شخص ان کے علاوہ یہ سات صحابی تو شہید ہوئے اور تین شخصوں کو مشرکوں نے قید کر لیا عاصم بن ثابتؓ نے جنگ بدر میں

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

اور کوئی آدمی ہے کہ بیچتا ہے اپنی جان تلاش کرتا خوشی اللہ کی اور اللہ شفقت رکھتا ہے بندوں پر

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ

اے ایمان والو داخل ہو مسلمانی میں پورے اور مت چلو قدموں پر شیطان کے وہ

لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

تمہارا صریح دشمن ہے پھر اگر ڈگنے لگو بعد اس کے کہ پہنچے تم کو صاف حکم تو جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ

مشرکوں کے بڑے نامی سرداروں کو قتل کیا تھا اس جلن سے مشرکوں نے چاہا تھا کہ حضرت عاصمؓ کی لاش بہم پہنچا کر کچھ بے ادبی کریں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیاں لاش کے گرداگرد بھیج دیں ان مکھیوں نے لاش کی حفاظت کی اور مشرکین لاش تک نہ پہنچ سکے گرفتار شدہ تین شخصوں کو بھی مکہ میں لے جا کر آخر کو مشرکوں نے شہید کر ڈالا جس میں ایک خبیبؓ بھی تھے جن کے شہید ہونے کا بڑا دردناک واقعہ بخاری اور شرح بخاری میں بالتفصیل مذکور ہے[1]۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ آیت ان دونوں سببوں میں سے خواہ کسی سبب سے یا دونوں سببوں کے مل کر ایک سبب ہو جانے سے نازل ہوئی۔ لیکن آیت کا مضمون عام منافقوں کی شان میں ہے[2] اور آیت کے معنے میں مسلمانوں کو منافقوں کی عادتوں سے پرہیز کرنے اور شہداء رجیع کیسی ہمت اختیار کرنے کی ہدایت ہے۔

۲۰۷۔ ابو یحییٰ صہیبؓ ایک صحابی تھے آنحضرت کی ہجرت فرمانے کے بعد انہوں نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا اور مکہ سے باہر نکلے مشرکوں نے خبر پا کر ان کے روکنے کا قصد کیا اور راستے میں آ کر ان کو روکا انہوں نے روکنے والوں کو مخاطب ٹھہرا کر کہا تمہیں معلوم ہے کہ مکے کے لوگوں میں میں نامی تیرانداز ہوں میں تمہارے قابو کا نہیں ہوں بہتر ہے کہ تم میرا پیچھا نہ کرو اور جو کچھ میرا مال ہے وہ میں نے تم کو دیا۔ جاؤ وہ مال لے لو مشرکین مال لے کر مکہ کو چلے آئے اور حضرت صہیبؓ نے مدینہ کا راستہ پکڑا ابھی یہ مدینہ میں نہیں پہنچے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی حضرت عمرؓ اور چند صحابہ نے اس آیت کو یاد کر کے سرحد مدینہ پر ہی حضرت صہیبؓ کو جا ملے اور ان سے کہا واہ خوب نفع کی تجارت کی انہوں نے کہا اللہ تمہیں دین دنیا کا نفع دے بتاؤ تو سہی کیا بات ہے مجھ کو کونسے تجارت میں نفع ہوا جب حضرت عمرؓ اور اور صحابہ نے ان کو اس آیت کے نازل ہونے کا حال تفصیل وار بتایا بعض مفسرین کا قول ہے کہ شہداء رجیع بلکہ عام مجاہدین کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

۲۰۸۔ ۲۰۹۔ بعض اہل کتاب جو اسلام لے آئے تھے انہوں نے آنحضرتؐ سے ایک دن عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دے دیں تو ہمارا جی چاہتا ہے کہ جس طرح ہفتہ کے دن کی تعظیم ہم لوگ یہود ہو کر ادا کیا کرتے تھے ایک رات ہم پھر وہ رسم ادا کریں اور اسی رات تورات کی چند آیتوں کے موافق عمل کرنے کا ہمارے دین میں حکم تھا وہ بھی بجا لائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ناسخ حکم کے معلوم ہو جانے کے بعد منسوخ حکم پر عمل

[1] صحیح بخاری ص ۵۸۵ باب غزوۃ الرجیع [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۴۶۔

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

زبردست ہے حکمت والا کیا لوگ یہی انتظار رکھتے ہیں کہ آئے ان پر اللہ ابر کے سائبانوں میں اور فرشتے

وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ

اور فیصل ہوئے کام اور اللہ ہی کی طرف رجوع ہے سب کام پوچھ بنی اسرائیل سے کتنی دیں ہم نے ان کو

اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

آیتیں واضح اور جو کوئی بدل ڈالے اللہ کی نعمت بعد اس کے کہ پہنچ چکے اس کو تو اللہ کی مار

الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

سخت ہے ۔

کرنے کا خیال دل میں لانا شیطان کی پیروی ہے اللہ کے حکم کی پیروی نہیں ہے ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ سِلْمْ کے معنے اس آیت میں اسلام کے ہیں ۔

۲۱۰۔ اس قسم کی آیات اور احادیث میں دو مذہب ہیں ایک مذہب تو زمانہ سلف کے متقدمین کا ہے کہ اس طرح کی آیات اور احادیث میں وہ کسی طرح کی تاویل نہیں کرتے بلکہ ان کو ظاہر معنوں میں چھوڑ کر ان کی تلاوت کرتے ہیں ۔ اور ان کی پوری کیفیت اور حالت کو اللہ کے علم پر سونپ دیتے ہیں اور ایک مذہب متاخرین کا ہے جن میں اکثر متاخرین کے فرقہ کے لوگ ہیں اب جن علماء مفسرین نے اپنی تفسیروں کا مدار سلف کے مذہب پر رکھا ہے انہوں نے اس قسم کی آیات کے تحت میں اس مضمون کی حدیثیں بھی نقل کی ہیں اور بلا کیفیت کے ظاہر معنے پر آیت کو زیادہ واضح کر دیا ہےؔ ۔

۲۱۱۔ اوپر یہ تو گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور نبوت سے پہلے یہود لوگ آپ کو اچھی طرح آپ کے اوصاف سے جانتے تھے اور لڑائیوں میں آپ کے نام سے فتح کی دعائیں مانگا کرتے تھے اب جب آپ کے تشریف لانے کے بعد وہ آپ کی نبوت کے منکر ہو گئے تو اللہ تعالٰے نے اپنے نبی کو مخاطب ٹھہرا کر یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ آپ قائل کرنے کے طور پر ان سے ذرا پوچھئے تو سہی کہ سلف سے لے کر اللہ تعالٰے نے ان کو کیا کچھ اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلائیں جن میں کی ہر ایک نشانی خود ایک نعمت ہے یا کسی بڑی نعمت کا سبب ہے مثلاً من و سلوٰی کا آسمان سے اترنا نشان قدرت الٰہی بھی ہے اور خود نعمت بھی ہے اور ہلاکت فرعون ایسی نشانی ہے جو ان کو نعمت اور بادشاہت ملنے کا سبب ہے اور ان نعمتوں کا پوچھنا ان سے اس غرض سے ہے کہ ان کو ان کی پچھلی نعمتوں کے یاد کرنے سے ان کو یہ بھی یاد آجائے کہ نبی آخر الزماں کا پیدا ہونا بھی ایک ایسی بڑی نعمت ہے جس کی پہلے سے ان کو خود آرزو تھی اور اس نعمت کے طفیل سے اپنے دشمنوں پر فتح کی دعائیں مانگتے تھے اگر اس یاد دہی کا بھی ان پر کچھ اثر نہ ہوگا ۔ اور اللہ کی اس نعمت کی قدر نہ کریں گے تو یہ یاد رکھیں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے ۔

ؔ تفسیر ابن جریر ج ۲ ص ۱۸۳ و ۱۸۴ طبع قدیم و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۴۸ و ۲۴۹ اور سلف ہی کا مسلک حق و صواب ہے

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَوٰةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا ۘ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا

رجھایا ہے منکروں کو دنیا کی زندگی پر اور ہنستے ہیں ایمان والوں سے اور پرہیزگار ان سے

فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً

اوپر ہوں گے قیامت کے دن اور اللہ روزی دے جس کو چاہے بے شمار لوگوں کا دین

وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ

ایک ہے پھر بھیجے اللہ نے نبی خوشی اور ڈر سناتے اور اتاری ان کے ساتھ کتاب

بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ

سچی کہ فیصلہ کرے لوگوں میں جس بات میں کہ وہ جھگڑا کریں اور کتاب میں جھگڑا نہیں ڈالا مگر انہوں نے جن کو ملی تھی کتاب

مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا

بعد اس کے کہ ان کو پہنچ چکے صاف حکم آپس کی ضد سے پھر اب راہ دی اللہ نے ایمان والوں کو اس سچی بات کی جس

فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٢١٣﴾

میں وہ جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے اور اللہ چلا دے جس کو چاہے سیدھی راہ

۲۱۲- حضرت بلالؓ اور عمار بن یاسرؓ اور اس طرح کے غریب صحابہ پر کفار ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ یہی کنگال لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں جن کے بھروسہ پر وہ بڑے بڑے شہر فتح کر لینے کا دعویٰ رکھتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور کافروں کو تنبیہ فرمادی کہ تمہارا سارا دارمدار دنیا کی چند روزہ خوش حالی پر ہے اور آخرت کے تم منکر ہو لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہے وہ جس کو چاہتا ہے دنیا کی چند روزہ خوش حالی دے دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے دنیا میں تو اس کو تنگ حال رکھتا ہے مگر عقبیٰ میں اس نے اپنے تنگ حال متقی بندوں کے لئے بڑے بڑے عالی درجہ کے عیش رکھے ہیں۔ اس لئے اب تو تمہیں ان غریب مسلمانوں کا حال دیکھ کر ہنسی آتی ہے۔ جس وقت وہ آخرت جس کے تم منکر ہو بالکل آنکھوں کے سامنے آجائے گی اور وہ عالی درجے جو اللہ تعالیٰ بے حساب بخشش کرنے والے نے ان غریب مسلمانوں کے لئے عقبیٰ میں رکھے ہیں ان کو تم دیکھو گے اور اپنے آپ کو ساتویں زمین کے نیچے دوزخ میں پڑے ہوئے پاؤ گے تو اس وقت تمہیں اس ہنسی کی قدر کھل جائے گی۔

۲۱۳- حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے مابین کے زمانے تک دس قرن گذرے ہیں ان دس قرنوں میں سب لوگ موحد تھے بت پرستی سرزمین پر کہیں نہیں تھی۔ حضرت نوحؑ سے پہلے اس قوم کے چند نیک آدمی مر گئے جو لوگ ان وفات یافتہ لوگوں کے معتقد تھے ان کو ان نیک لوگوں کی وفات کا ان کی صورتیں آنکھوں کے سامنے سے اٹھ جانے کا بڑا صدمہ ہوا شیطان نے موقع پا کر ان لوگوں کے جی میں یہ وسوسہ ڈالا کہ اگر ان مرے ہوئے بزرگ لوگوں کی صورت کے موافق پیتل اور تانبے کی مورتیں بنا کر جہاں عبادت خانوں میں وہ نیک لوگ بیٹھا کرتے تھے

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ

کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر آئے نہیں احوال ان کے جو آگے ہو چکے تم سے

مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى

پہنچی ان کو سختی اور تکلیف اور جھڑ جھڑائے گئے یہاں تک کہنے لگا رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے کب آئے گی

نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ ﴿۲۱۴﴾

مدد اللہ کی اور سن رکھو مدد اللہ کی نزدیک ہے ۔

وہاں وہ مورتیں رکھ لی جائیں اور ان مورتوں کے وہی نام رکھے جائیں جو ان اصل نیک شخصوں کے تھے تو تم لوگوں کا جی بھی عبادت میں ویسا ہی لگے گا جس طرح ان نیک لوگوں کی زندگی میں لگتا تھا اور ان کی صورتیں آنکھوں کے سامنے رہنے سے ان کی وفات کا غم بھی کچھ بھولا رہے گا ان لوگوں نے اس وسوسہ کے موافق وہ مورتیں بنائیں اور رفتہ رفتہ آخر کو ان مورتوں کی پوجا ہونے لگی جو پوجا آج تک بت پرست لوگوں میں قائم ہے اور اس خرابی کی اصلاح کے لئے حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک کے انبیاء آئے ہیں اور جس قدر اللہ تعالٰے کو منظور تھا اس قدر بت پرستی دنیا سے اٹھ بھی گئی۔ مثلاً ایک زمانہ وہ تھا کہ مکہ جو خود اللہ تعالٰے کا گھر کہلاتا ہے وہاں تین سو سے زیادہ بت رکھے ہوئے تھے اور بت پرستوں کے زور کے سبب سے ہر مسلمان کو مکہ سے ہجرت فرض تھی۔ اب اللہ تعالٰے نے وہ زمانہ کر دیا ہے کہ اور شہروں سے ہجرت کر کے مکہ کو جانا موجب اجر ہے اور مکہ تو کیا جزیرہ عرب میں بھی بت پرستی کا نام نہیں رہا۔ اس آیت میں اتنی بات محذوف ہے کہ جب سے لوگوں نے توحید چھوڑ کر بت پرستی اور آپس کا اختلاف شروع کیا اس وقت سے اللہ تعالٰے نے صاحب شریعت انبیاء کو بھیجنا شروع کیا چنانچہ سورہ یونس کی آیت وما کان الناس الا امۃ واحدۃ فاختلفوا (۱۰:۱۹) میں اللہ تعالٰے نے اس محذوف کو ظاہر فرمایا ہے اس لئے حاکم نے اپنی مستدرک میں اسی مضمون کی حدیث کی روایت کی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے[۱]۔ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت بھی یہ ہے[۱] کان الناس امۃ واحدۃ فاختلفوا فبعث اللہ النبیین الایۃ کل نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں[۲] جن میں تین سو تیرہ رسول ہیں۔ پانچ رسول حضرت نوحؑ، ابراہیمؑ، موسٰےؑ، عیسٰےؑ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولوالعزم کہلاتے ہیں[۳] اور صحائف کو ملا کر ایک سو چار کتابیں آسمان سے اتری ہیں ۔

۲۱۴۔ علماء مفسرین نے کہا ہے کہ جنگ احزاب کے دنوں میں جس کو جنگ خندق بھی کہتے ہیں۔ تین دن کے فاقوں کی تکلیف مہینہ بھر تک دشمنوں کی محاصرہ کی تکلیف سخت جاڑہ اور جھاڑوں کے موسم میں مہینہ بھر تک جنگل میں بلاسایہ پڑے رہنے کی تکلیف اس قسم کی تکلیفات سے جب مسلمان بہت ہراساں ہوگئے تو اللہ تعالٰے نے ان کی تسکین کے لئے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ تم پر انوکھی یہ مصیبتیں نہیں آئی ہیں بلکہ تم سے پہلے جو لوگ تھے

(۱) تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۵۰ (۲) مشکوٰۃ ص ۵۱۱ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء (۳) تفسیر ابن کثیر ص ۲۵۱ ج ۲۔

وہ بھی اس قسم کی مصیبتیں جھیل چکے ہیں اور جنت کا عیش اٹھانے کے لئے کچھ مصیبت کا جھیلنا ضرور ہے تاکہ مصیبت کے بعد نعمت کی قدر ہو خندق کی لڑائی اس لڑائی کو اس لئے کہتے ہیں کہ لشکر اسلام کے گرداگرد اس لڑائی میں خندق کھودی گئی تھی اور جنگ احزاب اس لئے کہتے ہیں کہ چند گروہ مشرکوں کے چڑھ کر مدینہ میں اس لڑائی میں آئے تھے اس لڑائی کے قصے کا حاصل یہ ہے کہ بنی نضیر یہود کا ایک قبیلہ تھا جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بوجہ ان کی عہد شکنی کے جلاوطن کردیا تھا جس جلاوطنی کا ذکر سورۂ حشر میں آئے گا۔ اس قبیلہ کے لوگوں نے قریش اور مختلف قبائل سے اپنی عاجزی ظاہر کر کے مدد اور مدینے کی چڑھائی کی خواہش کی اور ان سب قبائل نے بنی نضیر کی خواہش کو مان لیا اور ۵ہجری میں سب قبائل نے جمع ہو کر دس ہزار آدمیوں کی بھیڑ سے مدینہ پر چڑھائی کی۔ مسلمان چھ سات سو کے قریب تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے آنے کی خبر سنکر مدینہ منورہ کے باہر پڑاؤ کیا۔ اور حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے اس پڑاؤ کے گرد خندق کھودی۔ دس دس گز زمین لشکر اسلام کے ہر شخص کے حصے میں آپ نے بانٹ دی تھی۔ ہر شخص اس کو کھودتا تھا۔ اس خندق کے کھودنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو معجزے بھی ظاہر ہوئے۔ ایک تو یہ کہ صحابہ کے خندق کھودنے میں ایک جگہ پر ایسی سخت زمین نکل آئی کہ پھاوڑا وہاں بالکل کام نہیں دیتا تھا۔ ان صحابہ نے آن کر یہ ماجرا آپ کے روبرو بیان کیا آپ نے وہاں جاکر پھاوڑا خود لیا اور پہلے حملے میں تیسرا حصہ اس کھنگر کا کاٹ ڈالا۔ اس کھنگر کے کٹتے وقت اس کے نیچے سے ایک جھلک دھوپ جیسی نکلی اس وقت آپ نے تکبیر زور سے کہی صحابہ نے بھی آپ کے ساتھ تکبیر کہی پھر آپ نے فرمایا اللہ اکبر شام کے ملک کے مکانات مجھ کو یہاں سے نظر آرہے ہیں اور اس ملک کی کنجیاں مجھ کو دے دی گئیں ہیں۔ دوسری دفعہ اسی طرح آپ نے کھنگر کا ٹکڑا پھاوڑا سے توڑا اور ملک فارس کا اور تیسری دفعہ ملک یمن کا ذکر کیا دوسرا معجزہ یہ ہے کہ حضرت جابرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پھاوڑا سے وہ کھنگر توڑتے وقت دیکھا تو آپ کے پیٹ پر پتھر بندھے تھے اور حضرت جابرؓ کو دریافت سے معلوم ہوا کہ آپ کو تین روز کا فاقہ ہے اس حال کی تاب نہ لاکر حضرت جابرؓ اپنے گھر گئے اور ایک بکری جو ان کے گھر میں تھی اس کو ذبح کیا اور تھوڑے سے جو تھے ان کا آٹا بھی اپنی بیوی سے پیسنے کو کہا اور خود پھر لشکر میں آئے اور خفیہ طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ حضرت کچھ کھانا میں نے تیار کرایا ہے آپ نے یہ سنکر آٹھ سو کے قریب لشکر کے سب آدمیوں کو اذن عام حضرت جابر کے گھر پر کھانا کھانے کا دے دیا اور حضرت جابرؓ سے فرمایا کہ جاؤ آٹا ویسا ہی گوندھا ہوا اور ہنڈیہ گوشت کی چولہ پر میرے وہاں آنے تک رہنے دینا۔ میں آتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت جابر کہتے ہیں کہ آپ سب صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کو لائے اور سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور روٹی سالن پھر بچ رہا[۱]۔

[۱] غزوہ خندق کی یہ روایت صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۸ باب غزوۃ الخندق وھی الاحزاب میں ہے۔ اور تفسیر ابن جریر ج ۲ ص ۱۹۱ میں اس آیت کی تفسیر میں اسے ذکر کیا گیا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۖ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى

تجھ سے پوچھتے ہیں کیا چیز خرچ کریں تو کہہ جو چیز خرچ کرو فائدے کی سو ماں باپ ناتے والوں کو اور یتیموں کو

وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾ كُتِبَ

اور محتاجوں کو اور راہ کے مسافر کو اور جو کرو گے بھلائی سو وہ اللہ کو معلوم ہے حکم ہوا

عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْــًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ

تم پر لڑائی کا اور وہ بری لگتی ہے تم کو اور شاید تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تم کو اور شاید تم کو

تُحِبُّوْا شَيْــًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ

خوش لگے ایک چیز اور وہ بری ہو تم کو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے تجھ سے پوچھتے ہیں مہینے

الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۗ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۗ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَ

حرام کو اس میں لڑائی کرنے کو تو کہہ لڑائی اس میں بڑا گناہ ہے اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اس کو نہ ماننا اور

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ

مسجد الحرام سے روکنا اور نکال دینا اس کے لوگوں کو وہاں سے اس سے زیادہ گناہ ہے اور دین سے بچلانا مار ڈالنے سے زیادہ ہے



۲۱۵- ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں ابن جریج سے روایت کی ہے کہ بعضے صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نفل صدقہ کے خرچ کا محل اور موقع دریافت کیا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس صورت میں جب کہ نزول اس آیت کا خود نفلی صدقہ کے حکم میں ہے تو زکوٰۃ کی آیت سے اس آیت کو منسوخ ٹھہرانے کی ضرورت نہیں زکوٰۃ کا حکم اور زکوٰۃ کے خرچ کا محل موقع جدا ہے اور اس آیت میں نفلی صدقہ کا حکم اور اس کے خرچ کے محل کا موقع بیان ہوا ہے جو زکوٰۃ سے بالکل جدا ہے خرچ کے محل و موقعوں میں سے ایک موقع جہاد کا بھی ہے کس لئے کہ جہاد میں ہتھیار سواری وغیرہ ضروریات کے لئے خرچ درکار ہوتا ہے اس لئے اسی ذیل میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کا بھی ذکر فرما دیا۔ جمہور علماء کے نزدیک جہاد فرض کفایہ ہے ؂

۲۱۶- جہاد کے حکم کی تعمیل میں جان کے جانے کے خوف کو زخمی ہو جانے کے اندیشہ کو گھر اہل و عیال چھوٹنے کی تکلیف کو خیال کرکے بعضے لوگ جہاد کے حکم کی تعمیل سے گھبراتے تھے ایسے لوگوں کی ہمت بڑھانے کو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرما دیا کہ تم لوگوں کو علم غیب نہیں ہے اس لئے دنیا کی اکثر چیزوں کی ظاہری حالت دیکھ کر تم ان کو اچھا نہیں جانتے اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں ان کا انجام اچھا ہوتا ہے۔ جہاد بھی اسی طرح کی چیز ہے کہ اس کا انجام اچھا ہے۔ چنانچہ جہاد کے حکم کی تعمیل میں مسلمانوں کو درجہ شہادت عقبیٰ میں ملا یا دنیا میں بادشاہت ہاتھ آئی ؂

۲۱۷-۲۱۸- اس آیت کی شان نزول قصہ طلب ہے حاصل اس قصہ کا یہ ہے کہ جنگ بدر سے دو مہینے پہلے آنحضرت کو معلوم

[1] ج ۲ ص ۱۹۳

وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَنْ يَرْتَدِدْ

اور وہ تو لگے ہی رہتے ہیں تم سے لڑنے کو یہاں تک کہ تم کو پھیر دیں تمہارے دین سے اگر مقدور پاویں اور جو کوئی پھرے گا

مِنْكُمْ عَنْ دِينِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ

تم میں اپنے دین سے پھر مرجائے گا کفر ہی پر تو ایسوں سے ضائع ہوئے عمل دنیا اور

الْاٰخِرَةِ ۚ وَأُولٰٓئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۱۷﴾ إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَالَّذِينَ

آخرت میں اور وہ آگ والے ہیں وہ اس میں رہ پڑے جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے

هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۙ أُولٰٓئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۱۸﴾

ہجرت کی اور لڑے اللہ کی راہ میں وہ امید وار ہیں اللہ کی مہر کے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ہوا کہ مشرکین مکہ کے کچھ لوگ کسی قدر کھانے پینے کا سامان بطن نخلہ کے راستہ سے مکہ کو لارہے ہیں۔ بطن نخلہ طائف اور مکہ کے بیچ میں ایک مقام ہے آپ نے یہ خبر سنکر حضرت عبداللہ بن جحش صحابی کو جو آپ کے چچا زاد بھائی ہیں ایک خط دے کر چند صحابہ کے ہمراہ روانہ کیا اور کچھ یہ نہیں فرمایا کہ ان کو اور اُن کے ساتھیوں کو کہاں اور کس ضرورت سے بھیجا جاتا ہے۔ بلکہ عبداللہ بن جحش رضؓ سے یہ فرما دیا کہ بسم اللہ کر کے مدینہ سے سفر کرو دو منزلیں جب تک طے نہ ہوں اس وقت تک یہ خط جو تم کو دیا گیا ہے اس کو ہرگز کھول کر نہ دیکھنا۔ دو روز کے بعد اس خط کو کھول کر پڑھنا اور جو کچھ اس میں لکھا ہو اس کے موافق عمل کرنا اور اپنے ساتھ کے لوگوں کو بھی یہ خط سُنا دینا۔ مگر ان میں سے کسی کو اس خط کی تعمیل پر مجبور مت کرنا دو روز کے بعد عبداللہ بن جحش رضؓ نے جب وہ خط کھول کر پڑھا تو اس میں بسم اللہ کے بعد یہ لکھا تھا کہ عبداللہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بطن نخلہ پر پہنچ کر قریش کے مقابلہ کا انتظار کریں اللہ چاہے تو اس قافلہ میں سے کچھ مال ہاتھ لگے گا اس خط کو پڑھ کر عبداللہ بن جحش رضؓ نے اپنے ساتھیوں سے اس خط کا مضمون بیان کیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ اس خط کے موافق میں تم میں سے کسی کو مجبور نہیں کرتا کہ خواہ مخواہ تم بھی بطن نخلہ تک چلو لیکن میں ضرور وہاں جاؤں گا تم میں سے جس کا جی چاہے مدینہ کو واپس چلے جاؤ عبداللہ بن جحش رضؓ کے سب ساتھیوں نے مدینے کی واپسی سے انکار کیا اور بطن نخلہ عبداللہ رضؓ کے ساتھ جانے پر مستعد ہو گئے مگر جس روز عبداللہ رضؓ بطن نخلہ میں داخل ہوتے ان کے ساتھیوں میں سے دو شخص ایک سعد بن ابی وقاص رضؓ دوسرے عتبہ بن غزوان رضؓ عبداللہ رضؓ کے ساتھ بطن نخلہ اس سبب سے نہ پہنچ سکے کہ ان دونوں صاحبوں کے اونٹ جنگل میں کہیں جاتے رہے تھے یہ دونوں صحابی اپنے اونٹوں کی تلاش میں عبداللہ رضؓ سے چھوٹ گئے عبداللہ رضؓ کے بطن نخلہ پہونچنے کے بعد قریش کا قافلہ بارادہ مکہ کے بطن نخلہ پر آیا اور مسلمانوں نے اس قافلہ پر جس کے ساتھ چار آدمی تھے حملہ کیا اور مشرکین میں کا ایک شخص عمرو بن حضرمی مارا گیا۔ اور ایک فرار ہو گیا اور دو شخص گرفتار ہو گئے۔ عبداللہ رضؓ ان دو قیدیوں اور مال کے اونٹوں کو لے کر مدینہ آئے مگر جس رات عبداللہ رضؓ نے قافلہ پر دھاوا کیا اسی رات رجب کا چاند ہو گیا تھا۔ اس لئے مشرکین مکہ نے بڑا غل مچایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت والے مہینے میں لڑائی اور لوٹ جائز کر لی اور مسلمانوں کو بھی خدشہ پیدا ہوا کہ باوجود اتنے سفر اور اتنی محنت کی۔ لڑائی کے رجب میں آن پڑنے

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَآ إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ

تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب کا اور جوئے کا تو کہہ ان میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور ان کا گناہ

أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۗ وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ

فائدے سے بڑا ہے۔ اور پوچھتے ہیں تجھ سے کیا خرچ کریں تو کہہ جو افزود ہو اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے

الْـَٔايَٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١٩﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْـَٔاخِرَةِ ۗ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْيَتَٰمَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ

واسطے حکم شاید تم دھیان کرو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور پوچھتے ہیں تجھ سے یتیموں کا حکم تو کہہ سنوارنا

لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَٰنُكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ

ان کا بہتر ہے اور اگر خرچ ملا رکھو تو تمہارے بھائی ہیں اور اللہ کو معلوم ہے خرابی کرنے والا اور سنوارنے والا اور اگر

شَآءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٠﴾

چاہتا اللہ تم پر مشکل ڈالتا اللہ زبردست ہے تدبیر والا

سے واللہ اعلم[1] خدا کے نزدیک اس لڑائی کا کچھ اجر ملے گا یا نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس کے پہلے ٹکڑے میں تو مشرکین کا یہ جواب دیا ہے کہ تم خود حرمت والے مہینے میں کیا کیا بدذاتیاں کر چکے ہو ذرا یاد تو کرو پھر بھلا تمہارا کیا منہ ہے کہ تم مسلمانوں کو حرمت رجب توڑنے کا اولاہنا دیتے ہو اور دوسرے ٹکڑے میں مسلمانوں کو یہ تسکین دی ہے کہ جب تم نے جمادی الثانی کا مہینہ خیال کرکے رجب میں بھولے سے بامید اجر جہاد کیا ہے تو تم کو اپنے بھول کی معافی اور اپنے جہاد کی توقع اللہ سے ضرور رکھنی چاہئے اس آیت کے نزول تک آنحضرت نے بھی قیدیوں کو لشکر اسلام کے حوالے میں لینے اور مال غنیمت کی تقسیم میں تامل فرمایا تھا آیت کے اترنے کے بعد مال تو آپ نے تقسیم کردیا اور دونوں قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانے کی خواہش مشرکین نے پیش کی پہلے تو آپ نے فرمایا کہ سعدؓ اور عتبہؓ دو آدمی صحیح وسالم جب آجائیں گے اس وقت ہم تمہارے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑیں گے اور اگر ہم نے سنا کہ تم نے موقع پاکر ہمارے دونوں آدمیوں کو شہید کر ڈالا تو ہم بھی تمہارے ان دونوں قیدیوں کو مار ڈالیں گے۔ لیکن بعد میں جب سعد ابن ابی وقاصؓ اور عتبہ بن غزوانؓ اپنے اونٹوں کو لے کر مدینہ میں داخل ہوگئے تو آپ نے ان دونوں قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا[2]۔ رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم ان مہینوں میں دفع شر کے طور پر لڑنا جائز ہے خود لڑائی کی ابتدا اپنی طرف سے جائز نہیں ہے بعضے مفسروں کا یہ قول ہے کہ ان چار مہینہ کی لڑائی پہلے منع تھی پھر آیت قاتلوا المشرکین کافۃ اور اس قسم کی اور آیتوں سے یہ ممانعت منسوخ ہوگئی۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ عام حکم سے فاذا انسلخ الاشھر الحرم خاص حکم منسوخ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ زیادہ تفصیل اس کی سورہ توبہ میں آئے گی۔

۲۱۹-۲۲۰۔ اس آیت میں تین سوال ہیں جو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کا جواب ایک ہی جگہ اس آیت میں نازل فرمایا ہے پہلا سوال شراب کے متعلق تھا اور شراب کی چار حالتیں زمانہ اسلام میں

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۵۲ - ۲۵۳ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۵۴۔

رہی ہیں پہلی حالت تو یہ ہے کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے مکہ میں تھے اور اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے مدینہ میں تشریف رکھتے تھے تو شراب حلال تھی چنانچہ سورہ نحل میں جہاں دودھ اور شہد کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بطور اپنی نعمتوں کی یاد دہی کے فرمایا ہے وہاں شراب کا بھی ذکر فرمایا ہے اس سے جنگ احد میں چند صحابہ ایسے شہید ہوئے جو شراب کے نشہ میں مخمور تھے جن کا ذکر سورہ مائدہ میں آئے گا۔ اور جس زمانہ میں شراب حلال تھی تو شراب پی کر حالت نشہ میں اکثر لوگوں میں جھگڑے اور فساد رہتے تھے یہاں تک کہ کبھی کبھی نوبت مار پیٹ کی بھی آجاتی تھی اس حالت کو دیکھ کر حضرت عمرؓ اور معاذ بن جبلؓ اور چند انصار نے آنحضرت کے پاس آکر عرض کیا کہ حضرت شراب اور جوئے کی بابت کوئی خاص فتویٰ درکار ہے ان دونوں چیزوں کے جاری رہنے میں سوا نقصان ہوش و حواس اور نقصان مال کے کوئی فائدہ متصور نہیں ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمادیا کہ شراب اور جوئے میں فائدہ تھوڑا ہے اور خرابیاں بہت ہیں علماء مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت گویا شراب کے حرام ہونے کی تمہید ہے اس حکم پر بعضے لوگوں نے تو شراب چھوڑ دی اور بعضے پیتے رہے یہ گویا شراب کی دوسری حالت ہے اس دوسری حالت میں یہ ہوا کہ بعضے صحابہ نے نشہ کی حالت میں قرآن شریف نماز میں غلط پڑھ دیا جس پر سورہ نساء کی وہ آیت نازل ہوئی جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنے منہ کی کہی ہوئی بات کے سمجھنے کی ہوش و حواس جب تک نہ ہوں تو نماز کا قصد کوئی شخص نہ کرے یہ شراب کی تیسری حالت ہے اس کا ذکر تفصیل سے سورہ نساء میں آئے گا اس آیت کے نزول کے بعد نماز کے اوقات ٹال کر لوگ شراب پیا کرتے تھے ایک روز عتبان بن مالکؓ کے گھر ولیمہ کی دعوت تھی وہاں دعوت میں لوگوں نے خوب شراب پی اور ایک انصاری نے شراب کے نشہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص کا سر پھوڑ ڈالا حضرت عمرؓ نے پھر اللہ سے دعا مانگی کہ یا اللہ شراب کی بابت کوئی صاف حکم نازل فرما اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ کی آیت شراب اور جوئے کی حرمت میں نازل فرمائی اور مشرکین اپنی عبادت کے لئے بتوں کی بھینٹ میں جو جانور ذبح کیا کرتے تھے اس آیت میں ان جانوروں کے گوشت اور شراب کو ایک ساتھ ذکر فرما کر آیندہ کے لئے شراب کو قطعی حرام فرمادیا اور یہ شراب کی چوتھی حالت ہے جس کی پوری تفصیل سورہ مائدہ میں آئے گی۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ نفلی صدقہ میں کس قدر مال خرچ کیا جا سکتا ہے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے یہ جواب نازل فرمایا کہ آدمی کی ذات اور اہل و عیال کے خرچ سے جو بچے اس کو آدمی نفلی صدقہ میں خرچ کر سکتا ہے چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فتویٰ دیا کہ تیرے پاس جو کچھ ہو پہلے اپنی ذاتی ضرورت میں اس کو خرچ کر اور جب اس سے بچے تو اپنے اہل و عیال میں خرچ کر اور جب اس سے بچے تو نفلی صدقہ دے۔ تیسرے سوال کی صراحت یہ ہے کہ جب سورہ نساء میں یتیموں کے مال کی نسبت یہ سخت حکم اترا کہ جو لوگ یتیموں کا مال زبردستی اور بے جا طور پر کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھر رہے ہیں

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۵۵ بحوالہ مسند احمد، ابو داؤد و ترمذی و نسائی [۲] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۵۶

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ

اور نکاح میں نہ لاؤ شرک والی عورتیں جب تک ایمان نہ لادیں اور البتہ لونڈی مسلمان بہتر ہے کسی شرک والی سے اگرچہ تم کو خوش آدے

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ

اور نکاح نہ کردو شرک والوں کو جب تک ایمان نہ لادیں اور البتہ غلام مسلمان بہتر ہے کسی شرک والے سے اگرچہ تم کو خوش آدے

اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ

وہ لوگ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف اور اللہ بلاتا ہے جنت کی طرف اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے اور بتاتا ہے

اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

اپنے حکم لوگوں کو شاید وہ چوکس ہوجاویں ۔

ع ۲۷ | ۵

تھا اس پر جن لوگوں کی پرورش میں کچھ یتیم تھے ان لوگوں نے ڈر کر یتیموں کا کھانا بھی اپنے کھانے سے جدا کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یتیموں کی بابت مسئلہ پوچھا کہ ہم کس طرح کا برتاؤ یتیموں کے ساتھ آخر کھانے پینے میں رکھیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرما دیا کہ یہ لوگ چاہے اپنا اور یتیموں کا کھانا ملا کر ایک جا پکائیں چاہے علیحدہ پکائیں اصل حکم اتنا ہی ہے کہ نیت خیر رکھیں اور یتیموں کا مال بے جا صرف نہ کریں ۔

۲۲۱ ۔ فتح مکہ سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو جن کی کنیت ابو مرثدؓ ہے مکہ کو اس غرض سے بھیجا تھا کہ مکہ میں جو لوگ مسلمان ہیں ان کو مخفی طور پر مدینہ میں لے آئیں جب ابو مرثدؓ مکہ کو پہنچے تو ایک عورت مشرکہ نے جس کا نام عناق تھا ابو مرثدؓ سے نکاح کی خواہش کی ابو مرثدؓ نے کہا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں تو پھر اس کا جواب دوں گا جب ابو مرثدؓ مدینہ میں واپس آئے تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عناق کی خواہش کا ذکر کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرما دیا کہ مسلمان مرد کو مشرک عورت سے اس وقت تک نکاح نہیں کرنا چاہئے جب تک وہ عورت مسلمان نہ ہو جائے اور مشرک عورت سے مراد اس آیت میں بت پرست یا آتش پرست عورتیں ہیں اہل کتاب عورتیں نہیں ہیں کس لئے کہ اہل کتاب عورتوں سے مسلمان مرد کو نکاح کرنا جائز ہے چنانچہ اس کا ذکر سورہ مائدہ میں آئے گا ۔ حضرت عمرؓ کی یہ حکایت جو مشہور ہے کہ آپ کو جب خبر ہوتی تھی کہ کسی مسلمان مردؓ نے اہل کتاب عورت سے شادی کر لی ہے تو فوراً ان دونوں میں تفریق کرا دیتے تھے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ اہل کتاب عورتوں کا نکاح حرام جانتے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو یہ خیال تھا کہ اہل کتاب عورتوں کے نکاح کے مسلمانوں میں زیادہ رواج پا جانے سے مسلمان عورتوں کی ایک طرح کی ناقدری نہ ہو جائے ۔ اس مصلحت سے حضرت عمرؓ اہل کتاب عورت سے کسی مسلمان کا نکاح پسند نہیں فرماتے تھے چنانچہ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں شقیق ابن سلمہ سے روایت کی ہے کہ حضرت حذیفہؓ صحابی نے ایک یہودیہ عورت سے نکاح کر لیا تھا ۔ حضرت عمرؓ نے

لہ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۵۶ بحوالہ ابن جریر، ابو داؤد، نسائی، حاکم وغیرہ ۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا

اور پوچھتے ہیں تجھ سے حکم حیض کا تو کہہ وہ گندگی ہے سو تم پرے رہو عورتوں سے حیض کے وقت اور

تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ

نزدیک نہ ہوان سے جب تک پاک نہ ہوویں پھر جب ستھرائی کرلیں تو جاؤ ان پاس جہاں سے حکم دیا تم کو اللہ نے

اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

اللہ کو خوش آتے ہیں توبہ کرنے والے اور خوش آتے ہیں ستھرائی والے ۞

ان سے ناراضی ظاہر کی اور اس عورت کے چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ حضرت حذیفہؓ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ کیا آپ اہل کتاب عورتوں سے نکاح حرام جانتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں حرام تو نہیں جانتا مگر یہ خیال گذرتا ہے کہ رفتہ رفتہ کہیں مسلمان عورتوں کی ناقدری نہ ہو جائے[۱]۔ اور بعض مفسروں نے حضرت عمرؓ کے اس عمل درآمد کی تائید میں یہ جو کہا ہے کہ سورہ مائدہ کی آیت اس آیت سے منسوخ ہے یہ قول ضعیف ہے کیونکہ سورہ بقرہ پہلے نازل ہوئی اور سورہ مائدہ بعد۔ عبداللہ بن رواحہؓ ایک صحابی تھے ان کے گھر میں ایک حبشی لونڈی تھی ایک روز انہوں نے غصہ میں اس لونڈی کے ایک طمانچہ مار دیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا آپ نے فرمایا وہ لونڈی کیسی ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا کلمہ پڑھتی ہے نماز روزہ سے بھی واقف ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو وہ مسلمان ہے عبداللہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قسم کھا کر وعدہ کیا کہ میں اس لونڈی کو آزاد کرتا ہوں اور اس سے نکاح بھی کر لوں گا۔ چنانچہ پھر انہوں نے اپنے وعدے کے موافق اس سے نکاح بھی کر لیا عبداللہؓ کے چند دوستوں نے ان کو اولاہنا دیا اور ایک مشرک آزاد عورت کا حوالہ دے کر کہا کہ لونڈی کی بہ نسبت تو وہ اچھی تھی اس پر اللہ تعالےٰ نے اس آیت کا یہ دوسرا ٹکڑا نازل فرمایا کہ مسلمان لونڈی آزاد سے بہتر ہے[۲]۔

۲۲۲ ۔ مسلم[۳] میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ یہود میں یہ دستور تھا کہ جب عورت کی حیض کی حالت ہوتی تو اس کے ساتھ کھانا پینا ایک گھر میں رہنا سب کچھ چھوڑ دیتے صحابہ نے یہود کا یہ حال دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں مسئلہ پوچھا اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ سوائے صحبت کے اور سب طرح کا اختلاط حائضہ عورت سے جائز ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ سے کسی نے مسئلہ پوچھا کہ حائضہ عورت سے کہاں تک اختلاط جائز ہے آپ نے فرمایا کہ سوائے مباشرت کے اور سب کچھ جائز ہے[۴]۔ ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی عورت سے حیض کی حالت میں صحبت کی یا اغلام کیا یا نجومی سے کوئی غیب کی بات پوچھی تو اس نے قرآن کو جھٹلایا[۵]۔ بعض علماء کا یہ بھی مذہب ہے کہ جو شخص حیض کی حالت میں اپنی عورت کے پاس جائے تو ابتدا حیض کے دنوں میں جب تک خون کی رنگت رہتی ہے اس وقت تک

[۱] تفسیر ابن جریر ج ۲ ص ۲۱۲ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۵۷ [۲] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۵۸ [۳] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۴۳ [۴] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۵۹ بحوالہ ابوداؤد [۵] جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۹ ۞

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

عورتیں تمہاری کھیتی ہیں تمہاری سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو اور آگے کی تدبیر کرو اپنے واسطے اور ڈرتے رہو اللہ سے

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

اور جان رکھو کہ تم کو اس سے ملنا ہے اور خوش خبری سنا ایمان والوں کو ؏

ایک اشرفی اور آخری ایام حیض میں آدھی اشرفی وہ شخص صدقہ دیوے اور اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ ایسے شخص کو توبہ کافی ہے۔ حیض کے زمانہ میں نماز روزہ قرارت قرآن اور قرآن کے ہاتھ لگانے سے عورت کو باز رہنا چاہیئے۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حائضہ عورتوں کو قضا کے روزوں کا حکم دیا جاتا تھا۔ نماز کی قضا کا نہیں[1]۔

۲۲۳- صحیحین میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ یہود لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ پیٹھ کے پیچھے سے جو کوئی شخص اپنی عورت سے صحبت کرے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے[2]۔ بلکہ سوائے کروٹ کے بل کے اور کسی پہلو سے کسی طرح یہود لوگ مباشرت کو جائز نہیں قرار دیتے تھے اس کا چرچا صحابہ میں ہوا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ عورت کی مثال بمنزلہ زمین کے ہے اور نطفہ کی مثال بمنزلہ بیج کے اور اولاد کی مثال بمنزلہ پیداوار کے اس لئے جس طرح کاشتکار کو اپنی زمین میں ہر طرح بیج ڈالنے کا اختیار ہے۔ اسی طرح تم کو بھی ہر پہلو سے اپنی عورتوں سے مباشرت جائز ہے کھیتی کی مثال کے ساتھ مباشرت کی اجازت جو اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جن علماء نے اس آیت سے عورت سے اغلام کے جائز ہونے کا مطلب نکالا ہے وہ منشائے آیت اور مرضی الٰہی کے مخالف ہے خود صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد حدیثیں اس مطلب کی حرمت اور سخت وعید میں ارشاد فرمائی ہیں ترمذی اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی عورت سے اغلام کرے گا اس کی طرف نظر رحمت سے اللہ تعالیٰ نظر نہ فرمائے گا[3]۔ مسند امام احمد بن حنبل میں خزیمہ بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اغلام سے سخت ممانعت کی ہے[4]۔ اور زیادہ تر یہ اغلام کے جائز ہونے کا مطلب اس آیت سے نکالنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے چنانچہ ابوداؤد میں بھی اس کا ذکر ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ خدا عبداللہ بن عمرؓ پر رحمت کرے انہوں نے اس مسئلہ میں لوگوں کو وہم میں ڈال دیا ہے اکثر روایت اس مسئلہ کی نافع کے واسطے سے لوگ حضرت عبداللہ بن عمرؓ تک پہنچاتے تھے ایک دن خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے ابو نصر سالم بن عبداللہؒ نے نافع سے پوچھا کہ اکثر لوگ تمہارا نام لیتے ہیں کہ تم اپنے آقا اور میرے باپ عبداللہ بن عمرؓ سے اغلام کے جائز ہونے کی روایت کیا کرتے ہو نافع نے جواب دیا کہ جو لوگ میری طرف اس روایت کو منسوب کرتے ہیں وہ میرے اوپر بہتان کرتے ہیں اصل بات تو اتنی ہے کہ ایک روز حضرت عبداللہ بن عمرؓ قرآن شریف

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۶ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۶۰ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۶۲ [4] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۶۲

پڑھتے تھے اور میں ان کی خدمت میں حاضر تھا جب اس آیت کی تلاوت تک پہنچے تو مجھ سے فرمایا کہ نافع اس آیت کی شان نزول معلوم ہے میں نے عرض کیا کہ نہیں فرمایا کہ یہود لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سوائے کروٹ کے بل کے اور کسی پہلو سے مباشرت جائز نہیں ہے اور یہود کے پڑوس کے سبب سے ہجرت سے پہلے انصار میں بھی یہی رسم پھیل گئی تھی۔ جب مہاجر لوگ مدینہ میں آئے اور انصار کی بعضی عورتوں سے مہاجرین کے نکاح ہوئے تو مہاجرین نے قریش کی عادت کے موافق کبھی کروٹ سے کبھی چت غرض ہر طرح مباشرت کی عادت اختیار کی انصار کی عورتوں نے اس کا چرچہ کیا اور رفتہ رفتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ ذکر آیا اور اس پر یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی یہ روایت نسائی میں ابو نضر سالم بن عبداللہ رض سے مروی ہے[1]۔ اور اس روایت کو محدثین نے صحیح کہا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ متعدد طریقوں سے بواسطہ نافع پروردہ حضرت عبداللہ بن عمر رض کے یہ روایت جو حضرت عبداللہ بن عمر رض تک پہنچتی تھی اس کی تکذیب خود اُن نافع ۔نے ہی کر دی۔ اسی طرح امام مالکؒ کی طرف جو یہ قول منسوب کیا جاتا ہے اس کی صحت کے بھی اکثر محدثین منکر ہیں[2] اس آیت میں یہ جو ارشاد ہے کہ آگے بھیجو واسطے جانوں اپنی کے" اس کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس حدیث میں ہے جس کو امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباس رض سے یوں روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت کوئی شخص اپنی بی بی سے مباشرت کا قصد کرے تو بسم اللہ کر کے یہ دعا پڑھے جس دعا کا حاصل یہ ہے یا اللہ ہم کو شیطان سے بچا اور کوئی اولاد ہمارے نصیب میں تو نے لکھی ہے تو اس سے شیطان کو دور رکھ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی اس دعا کو پڑھے گا شیطان اس کی اولاد کو کبھی ضرر نہ پہنچائے گا[3]۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تقوے کی وصیت اور ہدایت فرما کر پھر متقی مومنوں کو اپنی ملاقات کی بشارت جو دی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک آمنا سامنا تو اللہ تعالیٰ کا اور عام خلائق کا قیامت کے دن ہوگا اس میں تو مسلمان منافق کافر سب شریک ہیں اور ایک دیدار اللہ تعالیٰ کا۔ اگرچہ خاص مسلمانوں کو جنت میں داخل ہونے کے بعد ہوگا۔ لیکن وہ عالم برزخ اور حشر اور حساب و کتاب و دخول جنت کے بعد ہے۔ ہاں محض ایمان و تقویٰ کے سبب سے روح کے جسم سے علیحدہ ہوتی ہے۔ خاص مسلمانوں کو فوری طور پر ایک ملاقات جو اللہ تعالیٰ کی نصیب ہوگی وہ سب ملاقاتوں سے پہلے اور جلد ہونے کے سبب سے زیادہ بشارت کے قابل ہے اس ملاقات کی کیفیت ابو داؤد ابن ماجہ مسند امام احمد بن حنبل اور صحیح ابن حبان میں جو بالتفصیل مذکور ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ متقی مسلمان شخص کا جب قبض روح کا وقت آتا ہے تو چند فرشتے جنت کی خوشبو کا بسا ہوا ایک ریشمی کپڑا آسمان سے لا کر جتنی دور تک آدمی کی نگاہ کام دے سکتی ہے اس قدر فاصلہ سے بیٹھے رہتے ہیں اور حضرت عزرائیل اس شخص قریب المرگ کے سرہانے آن کر نہایت سہولت سے قبض روح فرماتے ہیں۔ اور فوراً وہ فرشتے جو دور بیٹھے تھے اٹھ کر پاس آن کر حضرت عزرائیل سے وہ روح لے کر اس خوشبودار کپڑے

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۶۲ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۶۲ و ۲۶۵ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۶۵

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ

اور نہ ٹھہراؤ اللہ کو بہانہ (نشانہ) اپنی قسمیں کھانے کا کہ سلوک نہ کرو اور پرہیزگاری اور صلح درمیان لوگوں کے

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ

اور اللہ سنتا ہے جانتا نہیں پکڑتا تم کو اللہ تمہاری ناکاری قسموں پر لیکن پکڑتا ہے اس کام پر

بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

جو کرتے ہیں دل تمہارے اور اللہ بخشتا ہے تحمل والا

میں رکھ کر آسمان پر لے جاتے ہیں اور ہر آسمان کے فرشتے اپنی حد تک اس روح کو پہنچاتے جاتے ہیں۔ اور جس طرح دنیا میں بڑی عزت سے اس شخص کا نام لیا جاتا تھا اس طرح اس کا نام لے کر آپس میں ذکر کرتے ہیں کہ یہ فلاں شخص کا بیٹا ہے اس روح سے اور اور مسلمانوں کی ارواحوں سے آسمانوں پر ملاقات بھی ہوتی ہے وہ ارواحیں اس روح سے دنیا کے کچھ حالات بھی پوچھتے ہیں اور پھر آپس میں کہتے ہیں چلو ابھی اس کو جانے دو ابھی تو اس کو دنیا کا غم و الم کا صدقہ باقی ہے غرض رفتہ رفتہ اسی طرح روح کو اللہ تعالیٰ کی پیش گاہ میں وہ فرشتے لے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس بندہ کی روح کو علیین کی روحوں میں لکھ لو۔ اور بالفعل منکر نکیر کے جواب کے لئے وہ روح پھر مردہ کے جسم میں پھیر دی جاتی ہے۔ منافق اور کافر کی روح اس طرح آسمان پر جاتی ہے اس کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے ہیں۔ بلکہ اس کے زمین پر پھینکنے کا حکم ہو جاتا ہے کہ سجین میں اس روح کو لکھ لو یہ حدیث صحیح ہے۔ چنانچہ منذری نے اس حدیث کے صحیح ہونے کی تصدیق کی ہے[1] علیین ساتویں آسمان پر وہ مقام ہے جہاں مسلمانوں کے نامۂ اعمال ہیں۔ سجین ساتویں زمین کے نیچے وہ مقام ہے جہاں کافر اور منافقوں کے نامۂ اعمال ہیں۔

۲۲۴-۲۲۵۔ علمائے مفسرین نے اس آیت کی شان نزول دو بتائے ہیں ایک تو یہ کہ عبداللہ بن رواحہؓ صحابی اور ان کے داماد بشیر بن نعمانؓ میں کچھ تکرار ہو گئی تھی اس پر عبداللہ بن رواحہؓ نے قسم کھالی تھی کہ وہ اپنے داماد سے بات چیت نہ کریں گے اور نہ اس کی صورت دیکھیں گے اور نہ اس کے کسی نیک بد میں شریک ہوں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ دوسرے مکر لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ پر جو بہتان باندھا تھا اس بہتان میں مسطح ایک صحابی بھی عبداللہ بن ابی منافق کے صلاح کار تھے ان مسطح کے باپ مسطح کی چھوٹی عمر میں مر گئے تھے اور مسطح کی ماں اور حضرت ابو بکر صدیقؓ میں قرابت تھی اس وجہ سے چھوٹی عمر سے مسطح کو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پالا تھا۔ اب جو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے سنا کہ عبداللہ بن ابی نے جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی نسبت بہتان اٹھایا ہے اس میں یہ مسطح بھی شریک ہے تو غصہ میں آکر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسطح کا جو کچھ مقرر کر رکھا تھا وہ موقوف کر دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی عبداللہ بن ابی منافق نے جو بہتان حضرت عائشہ صدیقہؓ پر باندھا تھا اس کی پوری تفصیل تو سورہ

[1] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۸۹ - ۲۹۰ طبع مصر

نور میں آئے گی۔ لیکن خلاصہ اس قصہ کا یہ ہے کہ ۶ ہجری میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی مصطلق کی لڑائی سے فارغ ہو کر مدینہ تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں ایک روز پچھلی رات سے حضرت عائشہ صدیقہ حاجت کو جنگل میں تشریف لے گئیں ابھی یہ واپس نہیں آئی تھیں کہ اتنے میں قافلہ کے کوچ کا وقت آ گیا اور قافلہ والوں نے اس خالی کجاوہ کو جس میں حضرت عائشہ صدیقہ سوار ہوا کرتی تھیں یہ خیال کر کے کہ حضرت عائشہؓ اس میں ہیں وہ کجاوہ اونٹ پر لاد دیا اور قافلہ چل نکلا وہاں جنگل میں حضرت عائشہؓ کے گلے کا پوتھوں کا ہار گر گیا تھا اس کے ڈھونڈنے میں ان کو ذرا دیر ہو گئی جب ہار کو ڈھونڈھ کر یہ وہاں تشریف لائیں جہاں قافلہ اترا تھا تو قافلہ روانہ ہو کر بہت دور نکل چکا تھا آخر یہ پریشان ہو کر وہیں جنگل میں لیٹ گئیں اور ان کی آنکھ لگ گئی اتنے میں صبح ہو گئی صبح ان کے کان میں اناللہ کے پڑھنے کی آواز آئی آنکھ کھول کر دیکھا تو صفوان بن معطلؓ صحابی ہیں ان کو دیکھ کر حضرت عائشہ صدیقہ نے اپنا منہ ڈھانک لیا یہ صفوان قافلہ کے پیچھے رہ گئے تھے جب یہ اس مقام پر پہنچے جہاں قافلہ اترا ہوا تھا تو انہوں نے تن تنہا ایک شخص کو سوتے ہوئے دیکھا پردہ کی آیت کے نازل ہونے سے پہلے صفوان نے حضرت عائشہؓ کو دیکھا تھا اس لئے ان کو پہچان لیا اور سمجھ گئے کہ قافلہ سے بچھڑ کر یہ یہاں رہ گئیں ہیں ان کے جاگ اٹھنے کی غرض سے صفوانؓ نے اناللہ پڑھی تھی جب یہ جاگ اٹھیں تو صفوان نے اپنا اونٹ بٹھایا اور حضرت عائشہؓ اس پر سوار ہوئیں اور صفوان اونٹ کے ساتھ ہوئے اور قافلہ کے پیچھے یہ دونوں بھی مدینہ میں داخل ہو گئے اس پر عبداللہ بن ابی اور اور چند لوگوں نے مل کر ان دونوں پر بدفعلی کا بہتان اٹھایا جس کی برأت اللہ تعالیٰ نے سورہ نور میں نازل فرمائی ہے۔ حاصل معنے اس آیت کے یہ ہیں کہ کسی کام سے رکنے کے لئے اللہ کی قسم کھا کر مابعد میں اگر آدمی دیکھے کہ قسم پر قائم نہ رہنے کی صورت میں دینی یا دنیوی کوئی زیادہ فائدہ کی بات ہے تو ایسی حالت میں ضرور اس فائدہ کی بات کو کر لینا چاہئے اور قسم کا کفارہ دے دینا چاہئے قسم کے کفارہ کا ذکر آگے سورہ مائدہ میں آئے گا۔ کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا دینا ہے یا کپڑا بنا دینا یا ایک بردہ آزاد کرنا یا تین روزے رکھنا صحیحین میں حضرت ابو موسےٰ اشعری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میری ہر ایک قسم ایسی ہے کہ قسم کھانے کے بعد کوئی چیز اگر میں اس چیز سے بہتر دیکھ پاؤں جس چیز پر میں نے قسم کھائی تو فوراً میں اپنی قسم کا کفارہ دے دوں اور اس بہتر کام کو ضرور کر لوں[1] سوا اس حدیث کے اور بھی صحیح حدیثیں اس باب میں وارد ہوئی ہیں ابو داؤد کی صحیح روایتوں میں یہ بھی ہے کہ قطع رحم۔ یا اور کسی گناہ کے کام کرنے پر اگر آدمی قسم کھا بیٹھے تو اس طرح کے کام کو چھوڑ دینا ہے قسم کا کفارہ ہے جدا کفارہ کی ضرورت نہیں ہے[2]۔ تکیہ کلام کے طور پر جو آدمی کے منہ سے واللہ باللہ نکل جاتا ہے یا ایک بات کو ایک طرح گمان کر کے آدمی قسم کھا لیوے اور حقیقت میں وہ بات اس طرح سے نہ ہو وہ قسم میں داخل نہیں نہ اس کا کفارہ ہے نہ اس پر کچھ مؤاخذہ ہے اسی کو یمین لغو کہتے ہیں اور اسی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ یمین لغو پر کچھ مواخذہ نہیں

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۸۰ کتاب الایمان والنذور و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۶۶ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۶۶

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

جو لوگ قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی عورتوں سے ان کو فرصت ہے چار مہینے کی پھر اگر مل گئے تو اللہ بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

مہربان ہے اور اگر ٹھہرا لیا طلاق دینا تو اللہ سنتا ہے جانتا ہے۔

ہے اور نہ وہ قسم ہے مؤاخذہ کے قابل وہی قسم ہے جو دل کے قصد سے ہو یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ قسم یا اللہ کے نام کی ہوتی ہے۔ مثلاً جیسے اللہ کی قسم یا اللہ کی صفات کی ہوتی ہے مثلاً جیسے اللہ کی جاہ و جلال کی قسم سوا اللہ کی ذات اور صفات کے اور چیزوں کی قسم کھانا جیسے لوگوں میں رواج ہے کہ فلاں کے سر کی قسم یا فلاں کی جان کی قسم یہ بالکل منع ہے صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سب ساتھ تھے حضرت عمرؓ نے کسی بات پر اپنے باپ کی قسم کھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ان کو روکا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو اس سے منع کیا ہے کہ سوائے اللہ کے اور کسی چیز کی قسم کھاؤ اس لئے جو کوئی قسم کھائے تو اللہ کی کھائے نہیں تو چپکا رہے[1]۔ قسم کھانے کی آدمی کی دو حالتیں ہیں یا آئندہ کی کسی بات پر قسم ہوتی ہے کہ آئندہ اتنی مدت کے بعد ایسا ہوگا۔ یا کسی گذری ہوئی بات پر قسم ہوتی ہے کسی آدمی کو گذشتہ بات معلوم ہو اور پھر وہ لالچ یا رعایت کے سبب سے جان بوجھ کر اصلی حالت کو چھپا کر قسم کھا جائے تو یہ کبیرہ گناہ ہے اور ایسی کو یمین غموس یعنے گناہ میں ڈوبی ہوئی قسم کہتے ہیں +

۲۲۶ - ۲۲۷ - اسلام سے پہلے عرب میں یہ دستور تھا کہ جو شخص اپنی بی بی سے کسی بات پر خفا ہو جاتا تھا تو کوئی برس دو برس کے لئے اور کوئی ہمیشہ کے لئے اس عورت کے پاس آنے کی اس سے بات چیت کرنے کی قسم کھا لیا کرتا تھا مطلب اس سے عورتوں کو ستانا اور ان کو تنگ کرنا ہوتا تھا کہ عورت دوسرے سے نکاح بھی نہ کر سکے اور یہاں بھی خاوند کی صحبت کو ترستی رہے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے بعد اس طریقہ کو بند فرمانے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی اب چار مہینہ کی مدت سے بڑھ کر یہ قسم جس کو ایلاء کہتے ہیں جائز نہیں ہے۔ اگر کسی نے زیادہ مدت کی قسم کھائی بھی تو قاضی چار مہینے کے بعد یا ملاپ کرا دے گا یا طلاق دلا دے گا[2]۔ اب رہا علماء کا یہ اختلاف کہ چار مہینے گذرنے کے ساتھ ہی بغیر خاوند کے طلاق دینے کے خود بخود اس عورت کو کسی قسم کی طلاق پڑ جاتی ہے یا نہیں۔ اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے اگر کوئی شخص چار مہینے کی مدت سے کم کی قسم کھائے تو وہ قسم اپنی مدت مقررہ پر ہو جائے گی۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ایک مہینے کے لئے ازواج مطہرات کے پاس آنے کی قسم کھائی تھی جس کی روایت حضرت انسؓ سے بخاری میں اور مسلم میں جابرؓ سے ہے[3]۔

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۸۳ باب لا تحلفوا بآبائکم [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۶۸ میں یہ بحث جامع اور مدلل ہے
[3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹۰ کتاب الطلاق و ج ۱ ص ۴۸۰

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا

اور طلاق والی عورتیں انتظار کرائیں اپنے تئیں تین حیض تک اور ان کو حلال نہیں کہ چھپا رکھیں جو

خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ

پیدا کیا اللہ نے ان کے پیٹ میں اگر ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر اور ان کے خاوندوں کو پہنچتا ہے

بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

پھیر لینا ان کا انہی دنوں میں اگر چاہیں صلح کرنا اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا ان پر حق ہے موافق دستور کے

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ

اور مردوں کو ان پر درجہ ہے اور اللہ زبردست ہے تدبیر والا طلاق ہے دو بار تک پھر رکھنا موافق

بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ

دستور کے یا رخصت کرنا نیکی سے ؂

۲۲۸۔ ابوداؤد میں اور تفسیر ابن ابی حاتم میں اسماء بنت یزید بن سکن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب تک اس کے خاوند نے اس کو طلاق دی اس وقت تک طلاق شدہ عورت کے لئے کوئی عدت کی مدت مقرر نہ تھی۔ خاص اس کی طلاق کے وقت یہ آیت نازل ہوئی ہے[1]۔ اور اس آیت میں فقط ان عورتوں کی عدت کا ذکر ہے جن سے نکاح کے بعد مباشرت ہوئی ہو اور جن کی عمر ایسی چھوٹی نہ ہو کہ حیض نہ آتا ہو اور نہ ایسی بڑی عمر ہو کہ حیض بند ہو گیا ہو اور نہ حاملہ ہو کس لئے کہ بلا مباشرت کے عورت اور چھوٹی عمر والی اور بڑی عمر والی اور حاملہ ان سب کی عدت کا حکم علیحدہ علیحدہ آگے آئے گا قروء کے معنے طہر اور حیض دونوں کے ہیں اسی واسطے علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیت میں کونسے معنے مراد ہیں جنہوں نے طہر کے معنے لئے ہیں وہ بھی چند وجوہات پیش کرتے ہیں اور جنہوں نے حیض کے معنی لئے ہیں وہ بھی چند وجوہات پیش کرتے ہیں۔ جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے مگر جن علماء نے حیض کے معنے آیت میں لئے ہیں ان کی بڑی وجہ ابوداؤد، اور نسائی کی وہ حدیث ہے جو فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ نے اس حدیث میں حیض کے معنے میں قروء کا لفظ استعمال فرمایا ہے[2]۔ اس سند میں منذر بن مغیرہ راوی مجہول ہے ہاں ابن حبان نے اس کو ثقہ لوگوں میں رکھا ہے[3]۔

۲۲۹۔ ترمذی اور مستدرک حاکم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور نسائی اور تفسیر ابن جریر و ابن ابی حاتم و عبد بن حمید و ابن مردویہ میں اور صحابہ سے روایت ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے طلاق کی کوئی حد اور گنتی نہیں تھی جس قدر طلاقیں مرد اپنی عورت کو دے عدت کی مدت کے اندر پھر رجوع کر سکتا تھا بلکہ لوگوں نے عورتوں کی ایذا دہی کی ایک یہ عادت پکڑ رکھی تھی کہ بے گنتی طلاقیں دیتے تھے اور عدت کے اندر پھر رجوع کر لیتے تھے اس طریقہ کے بند کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[4] جس سے اب یہ حکم شرعی ٹھہر گیا کہ تین[5] طلاق کے بعد

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۶۹ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۷۰ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۷۰ [4] جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۴۳ [5] تفسیر ابن کثیر ص ۲۷۱ ج ۱

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ

تم کو روا نہیں کہ لے لو کچھ اپنا دیا ہوا عورتوں کو مگر کہ وہ دونوں ڈریں کہ ٹھیک نہ رکھیں گے قاعدے

اللَّهِ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۗ

اللہ کے پھر اگر تم لوگ ڈرو کہ وہ ٹھیک نہ رکھیں گے قاعدے اللہ کے تو نہیں گناہ دونوں پر جو بدلہ دے کر چھوٹ لے عورت

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٢٩﴾

یہ دستور باندھے ہوئے ہیں اللہ کے سو ان سے آگے مت بڑھو اور جو کوئی بڑھ چلے اللہ کے قاعدوں سے سو وہی لوگ ہیں گنہگار

کوئی حق رجوع کرنے کا مرد کو باقی نہیں رہا۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[۱]۔

۔ اس آیت میں دو حکم ہیں شروع آیت میں تو بغیر مرضی عورت کے مرد کو اس مال کے کھانے اور تصرف میں لانے کی ممانعت ہے جو مال مہر کے طور پر یا اور عطیہ کے طور پر ایک دفعہ مرد عورت کو دے چکا ہے اور عورت اس مال کی مالک بن چکی ہے اور آخر آیت میں عورت کے خلع کا حکم ہے۔ ان دو حکموں کی ایک ہی جگہ ایک آیت میں ہونے کے سبب سے حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں اس آیت کے دو شان نزول لکھے ہیں چنانچہ ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے پہلے حکم کو بطور شان نزول کے بیان کر کے دوسری روایت میں حضرت عائشہؓ سے دوسرے شان نزول میں حبنہ[۲] بنت سہل زوجہ ثابت بن قیسؓ کے خلع کو ذکر کیا ہے[۳]۔ اسی طرح تفسیر ابن جریر میں بھی دونوں شان نزول کو ذکر کیا ہے۔ میاں اور بی بی میں ناموافقت ہو کر کچھ مال عورت خاوند کو دے کر مفارقت کر لے تو اس کو خلع کہتے ہیں بکر بن عبداللہ تابعی سے تفسیر ابن جریر میں اس خلع کی آیت کا سورہ نساء کی آیت وآتیتم احداھن قنطارا فلا تاخذوا منہ شیئا (۴۔۲۰) سے منسوخ ہونے کی جو روایت ہے اس کو اکثر علماء نے ایک قول ضعیف ٹھہرایا ہے کس واسطے کہ اول تو بغیر ثبوت نقلی کے محض اجتہاد و رائے سے کسی آیت کو منسوخ نہیں کہا جا سکتا۔ دوسرے جب تک دو حکموں میں باہمی مخالفت نہ ہو ایک حکم کو ناسخ اور دوسرے کو منسوخ نہیں کہہ سکتے ان دونوں آیتوں میں باہم کچھ مخالفت نہیں ہے سورہ بقرہ کی اس آیت میں خلع کا حکم یہ ہے کہ عورت کی طرف سے ناموافقت کی ابتدا ہو اور مرد کی مرضی عورت کو چھوڑنے کی نہ ہو اور عورت اپنی خوشی سے مرد کی مفارقت حاصل کرنے کے لئے کچھ مال کا لالچ دے تو مرد کو یہ مال لینا جائز ہے اور سورہ نساء کی آیت کا حکم یہ ہے کہ مرد کی طرف سے ناموافقت پیدا ہو کر مرد ایک عورت کو طلاق دینا اور دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہے اور جس عورت کو طلاق دینا چاہتا ہے اس کو مجبور کرے کہ مہر میں سے وہ عورت اس مرد کو کچھ دے کر جائے تو نکاح اور قرارداد مہر کے وقت عہد و پیمان جو عورت کی طرف سے ٹھہر گیا تھا (مجبوری) اس کے صریح مخالف ہے یہ مطالبہ مرد کو ناجائز ہے[۴]۔

---

۱؎ مستدرک حاکم ص ۲۸۰ ج ۲ ۔ ۲؎ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۷۴ ۳؎ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۷۱ اور ابوداؤد ج ۱ ص ۳۰۳ کی روایتوں میں حبنہ کی بجائے حبیبہ کا لفظ ہے تفسیر ابن کثیر کی بعض روایات میں حبنہ ہے لیکن راجح حبیبہ ہے واللہ اعلم ۴؎ ابوداؤد ج ۱ ص ۳۰۳۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ

پھر اگر اس کو طلاق دی تو اب حلال نہیں اس کو وہ عورت اس کے بعد جب تک نکاح نہ کرے کسی خاوند سے اس کے سوا پھر اگر وہ شخص

عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا

اس کو طلاق دے تب گناہ نہیں ان دونوں پر کہ پھر مل جائیں اگر خیال کریں کہ ٹھیک رکھیں گے قاعدے امد کے اور یہ دستور باندھے ہیں اللہ کے

لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٢٣٠﴾ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ

بیان کرتا ہے واسطے جاننے والوں کے اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پہنچیں اپنی عدت تک تو رکھ لو ان کو دستور سے

أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ

یا رخصت کرو دستور سے اور مت بند کرو ان کے ستانے کو تا زیادتی کرو اور جو کوئی یہ کام کرے

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ

اس نے برا کیا اپنا

۲۳۰- تفسیر ابراہیم بن المنذر میں ابو بسطام مقاتل بن حیان سے روایت ہے کہ رفاعہ بن وہب ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اپنی بی بی عائشہ بنت عبدالرحمٰن بن عتیک کو تین دفعہ طلاق دے دی اور اس نے عبدالرحمٰن بن زبیر سے دوسرا نکاح کر لیا ایک روز اس عورت عائشہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر عرض کیا کہ عبدالرحمٰن نے مجھ کو بغیر مباشرت کے طلاق دے دی ہے۔ کیا اب میں رفاعہ سے پھر نکاح کر سکتی ہوں آپ نے فرمایا کہ جب تک عبدالرحمٰن تجھ سے مباشرت نہ کر لیوے رفاعہ کے پاس تو نہیں جا سکتی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور یہ اصل حدیث بغیر ذکر شان نزول آیت کے صحاح کی سب کتابوں میں ہے صرف ابو داؤد میں رفاعہ کا نام نہیں ہے غرض یہ حدیث حضرت عائشہؓ کی روایت سے صحیح ہے اور یہی حدیث آیت کی تفسیر ہے اور اس شان نزول کی پوری موید ہے جس کو ابن منذر نے روایت کیا ہے خاص حلالہ کی نیت سے جو کوئی نکاح کرے ایسے آدمی پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی صحیح حدیث میں آپ نے لعنت فرمائی ہے[۱] اس لئے حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ تین طلاق کے بعد اگر وہ عورت دوسرا نکاح کرے اور اس دوسرے خاوند کی نیت محض حلالہ کی نہ ہو اور فقط خلوت نہیں بلکہ مباشرت بھی یہ دوسرا خاوند کر چکے اور اتفاق سے یہ دوسرا خاوند بھی طلاق دے دیوے تو اس حالت میں پہلا خاوند اپنے گذرا وقات حسن اسلوبی سے خیال کرے تو اس عورت سے پھر نکاح کر سکتا ہے۔ حسن معاشرت کی تاکید کے لئے پہلے شوہر کے حق میں ان یقیما حدود اللہ اس لئے فرمایا کہ پہلے ایک دفعہ میاں بی بی میں جھگڑا ہو کر طلاق ہو چکی ہے اب ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

۲۳۱- اس آیت میں بھی دو حکم ہیں ایک تو یہ کہ دو طلاقوں کے بعد عدت کے اندر جو کوئی طلاق سے رجوع کرکے اس عورت کو اپنے پاس پھر رکھنا چاہیے تو حسن معاشرت سے اس کو رکھے تا پھر نا موافقت اور طلاق کی نوبت نہ پہنچے

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۷۹ بحوالہ مسند احمد ترمذی نسائی وغیرہ۔

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِّنَ

اور مت ٹھہراؤ حکم اللہ کے ہنسی اور یاد کرو احسان اللہ کا جو تم پر ہے اور وہ جو اتاری تم پر

الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ یَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۳۱﴾

کتاب اور کام کی باتیں کہ تم کو سمجھاوے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ سب چیز جانتا ہے

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا

اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پہنچ چکیں اپنی عدت تک تو اب نہ روکو ان کو کہ نکاح کرلیں اپنے خاوندوں سے جب

تَرَاضَوْا بَیْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ

راضی ہو جاویں آپس میں موافق دستور کے یہ نصیحت ملتی ہے اس کو جو کوئی تم میں یقین رکھتا ہے اللہ پر اور پچھلے دن

الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

پر اس میں سنوار زیادہ ہے تم کو اور ستھرائی اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

دوسرے یہ کہ عدت نزدیک پہونچنے کے وقت خاص عورت کے ستانے کی غرض سے طلاق نہ دے جس طرح عدت کی مدت بڑھانے کے لئے مثلاً ثابت بن یسارؓ اور اور لوگوں نے گھڑی گھڑی طلاق دینا اور عدت کے اندر رجوع کرنا شروع کیا تھا جن کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں رد کا ہے۔ ان دو حکموں کے سبب سے ان دونوں شان نزول کو ابو جعفر ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

تفسیر ابن منذر میں عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ لوگ طلاق و عتاق کا پہلے اقرار کر کے پھر کہہ دیتے تھے کہ ہم نے تو ہنسی سے کہا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور جتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی تم پر یہ نعمت ہے کہ رسول وقت تم میں موجود ہیں طرح طرح کے احکام اترتے ہیں اگر تم ان احکام کو جو آیات الٰہی میں ہیں ٹھٹھا ٹھہراؤ گے تو یاد رکھو کہ اللہ کو سب کچھ معلوم ہے یا تو وہ اپنے علم کے سبب سے یہاں دنیا میں تمہارے عتاب کا ایسا کوئی حکم نازل فرمائے گا کہ اس ہنسی کے بدلے تم کو بہت شرمندگی اٹھانی پڑے گی یا عاقبت میں اس ہنسی کا مواخذہ ہو جائے گا۔ ابوداؤد ابن ماجہ مستدرک حاکم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نکاح، طلاق اور طلاق رجعی سے عدت میں رجوع کرنا ان تین چیزوں میں ہنسی کا کچھ دخل نہیں ہے۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کیا ہے[۱]۔

۲۳۲- بخاری، ابوداؤد، ابن ماجہ اور ترمذی میں معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بہن کا ایک شخص سے نکاح کر دیا کچھ دنوں تو وہ میاں بی بی اچھی طرح سے ساتھ رہے پھر وہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے میری بہن کو طلاق دے دی اور عدت کے اندر اس نے رجوع بھی نہیں کیا جب عدت گذر چکی تو کئی اور جگہ سے بھی اس کے نکاح کا پیام آیا اور اس میرے بہنوئی نے بھی پھر پیام نکاح کا بھیجا میں نے اس اپنے بہنوئی کو برا بھلا کہا اور یہ قسم کھالی کہ اب میں دوبارہ اس سے اپنی بہن کا نکاح ہرگز نہ کروں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ بعضے مفسروں نے یہ جو کہا ہے کہ جابر بن عبداللہ

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۲ ج ۱ و مستدرک حاکم ص ۱۹۸ ج ۲ [۲] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۸۲ و صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۹ کتاب التفسیر و ص ۷۹۴ ج ۲

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ

اور لڑکے والیاں دودھ پلاویں اپنے لڑکوں کو دو برس پورے جو کوئی چاہے کہ پوری کرے دودھ کی مدت

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا

اور لڑکے والے پر کھانا اور پہننا ان کا موافق دستور کے تکلیف نہیں کسی شخص کو مگر جو اس کی گنجائش ہے

لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ

نہ ضرر دیوے ماں اپنی اولاد کا اور نہ لڑکے والا اپنی اولاد کا اور وارث پر بھی یہی ذمہ ہے

فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ

پھر اگر دونوں چاہیں دودھ چھڑانا آپس کی رضا سے اور مشورت سے تو ان کو گناہ نہیں اور اگر تم لوگ چاہو

أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ

کہ دودھ پلواؤ اپنی اولاد کو تو تم پر نہیں گناہ جب حوالے کردیا جو تم نے دینا ٹھہرایا تھا موافق دستور

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (۲۳۳)

کے اور ڈرو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے ۔

انصاریؓ کے چچا کی بیٹی بہن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے شاید اُن کا مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ پر بھی اس آیت کا مضمون صادق آتا ہے ورنہ پہلے شان نزول کی روایت بہت صحیح ہے ترمذی نے اس حدیث کی صحت کی ہے۔ آیت میں عورت کے رشتہ داروں کو اس بات سے روکا گیا ہے کہ طلاق کی عدت گذر جانے کے بعد وہ عورت کو پہلے خاوند سے نکاح کرنے سے منع کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ عورت اپنا نکاح خود نہیں کرسکتی جو عورت اپنا نکاح کرلیوے اس کو آپ نے بدکار فرمایا ہے اس باب میں چند روایتیں ہیں جن کے سبب سے ایک روایت سے دوسری کو تقویت ہوجاتی ہے[۱]۔

۲۳۳۔ ذکر نکاح و طلاق کے بعد اللہ تعالیٰ نے بچے کے دودھ پلانے کا ذکر اس لئے فرمایا ہے کہ کبھی عورت مطلقہ بائنہ اس حالت میں ہوجاتی ہے کہ اس کی گود میں دودھ پیتا بچہ بھی ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں فرمایا کہ وہ عورت مطلقہ بچہ کو دو برس تک دودھ پلائے اور بچے کا باپ موافق اپنی حیثیت اور مقدور کے بچہ کی ماں مطلقہ کو روٹی کپڑا دیے اور اگر اس مدت میں بچے کے باپ کا انتقال ہوجاوے تو بچے کے وارث دودھ پلانے والی ماں کو روٹی کپڑے کی دودھ پلانے کی مدت تک ذمہ دار رہیں گے پھر یہ فرمایا آپس کی طلاق کی رنجش کے سبب سے نہ ماں دودھ کی مدت کے اندر بچہ کو زبردستی باپ پر ڈال کر چلی جائے نہ باپ زبردستی دودھ کی مدت کے اندر بچہ کو ماں سے چھین لینے کا قصد کرے ہاں ماں باپ دونوں کے مشورہ سے دو برس کے اندر اگر بچہ کے دودھ چھڑانے کی صلاح ٹھہر جائے تو اس صورت میں دودھ چھوٹ جانے کے بعد دو برس کے اندر بھی بچہ ماں سے علیحدہ کیا جاسکتا ہے

[۱] سنن ابن ماجہ باب لا نکاح الا بولی و تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۱۷۵-۱۷۶

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ

اور جو لوگ مر جائیں تم میں اور چھوڑ جائیں عورتیں وہ انتظار کرائیں اپنے تئیں چار مہینے

وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

اور دس دن پھر جب پہنچ چکیں اپنی عدت کو تو تم پر نہیں گناہ جو وہ اپنے حق میں کریں موافق دستور کے

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

اور اللہ کو تمہارے کام کی خبر ہے۔

اسی طرح ماں باپ دونوں کی صلاح سے کسی انا کا دودھ بچہ کو پلایا جائے تو جائز ہے مگر جتنے دن ماں نے دودھ پلایا ہے اس کا حق پورا اس کو دے دیا جائے آخر کو فرمایا اللہ سے ڈرو اور اللہ کے حکموں کی پوری تعمیل کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے اور ایک دن اس کے موافق جزا و سزا دینے والا ہے۔ دودھ پلانے کے مسئلہ کی زیادہ تفصیل آیت وامھاتکم التی ارضعنکم (۴-۲۳) کی تفسیر میں آئے گی۔ دو برس کے بعد دودھ پلانے کا کوئی حکم باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ ترمذی میں حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دودھ کی مدت کے بعد دودھ پلانے سے کوئی چیز حرام نہیں ہوتی ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[1]۔

۲۳۴۔ نکاح طلاق اور دودھ پلانے کے مسئلوں کے پھر شوہر کی وفات اور اس کی عدت کا ذکر ہے کہ جس عورت کا شوہر مر جاوے اس کی عدت چار مہینے دس دن کی ہے صحیحین وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ کسی ایماندار عورت کو جائز نہیں ہے کہ سوائے اپنے شوہر کے کسی رشتہ دار کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے ہاں شوہر کی وفات پر عورت کو چار مہینے دس دن کا سوگ کرنا چاہئے[2]۔ سوگ یہ ہے کہ عدت کے دنوں میں عورت اچھے کپڑے زیور نہ پہنے خوشبو کی چیز کا استعمال نہ کرے غرض سب بناؤ سنگار عدت کے دنوں میں چھوڑ دیوے یہ عدت اس صورت میں ہے جبکہ شوہر کی وفات کے بعد عورت حاملہ نہ ہو ورنہ حاملہ عورت کی عدت کا حکم سورہ طلاق کی آیت واولات الاحمال اجلہن ان یضعن حملہن (۶۵-۴) میں آئے گا کہ اس کی عدت بچہ کا پیدا ہو جانا ہے۔ خواہ چار مہینے دس رات کے اندر ہو یا اس سے بھی زیادہ عرصہ میں ہو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حاملہ عورت اگر بچہ کے پیدا ہو جانے سے چار مہینے دس رات کے اندر فارغ ہو جائے تو اس کو چار مہینے دس رات کی عدت پوری کرنی چاہئے اور اگر بچہ سے اس مدت کے بعد فارغ ہو تو بچہ کے پیدا ہونے تک اس کی عدت ہو گی[3]۔ سبیعہ اسلمیہ کے قصہ کی حدیث جو صحیحین وغیرہ میں ہے وہ اس قول کے مخالف ہے حاصل مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتویٰ دیا ہے کہ شوہر کی وفات کے بعد خواہ کسی قدر مدت میں بچہ پیدا ہو جائے حاملہ عورت کی وہی مدت عدت کی ہے[4]۔ ابن عبدالبر نے جو روایت نقل کی ہے۔

---

[1] جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۳۷۔ [2] صحیح بخاری طبع دہلی ج ۲ ص ۸۰۳ باب تحد المتوفی عنہا اربعۃ اشہر و عشرا و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۸۵
[3] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۸۴ [4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۲ کتاب الطلاق۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ

اور گناہ نہیں تم پر جو پردے میں کہو پیغام نکاح کا عورت کو یا چھپا رکھو اپنے دل میں

عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا

معلوم ہے اللہ کو کہ تم البتہ ان کا دھیان کروگے لیکن وعدہ نہ کر رکھو ان سے چھپ کر مگر یہی کہ کہہ دو ایک بات

مَّعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ

جس کا رواج ہے اور نہ باندھو گرہ نکاح کی جب تک پہنچ چکے حکم اللہ کا اپنی مدت کو اور جان رکھو کہ

اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٢٣٥﴾

اللہ کو معلوم ہے جو تمہارے دل میں ہے سو اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ بخشتا ہے تحمل والا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنے اس قول سے رجوع اختیار کیا ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ کے معتبر اصحاب نے سبیعہ کی حدیث کے موافق جو فتوے دئے ہیں ان سے ابن عبدالبرؒ کی روایت کی پوری تائید ہوتی ہے[1] صحیحین وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حمل رہنے کی تاریخ سے چار مہینے میں بچہ پیٹ میں پھرنے لگتا ہے[2] اور حمل کا حال بخوبی معلوم ہوجاتا ہے۔ اس واسطے احتیاط کے طور پر دس روز اور بڑھا کر چار مہینے دس رات کی عدت اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے شوہر کی وفات کی قرار دی ہے تاکہ حمل کا حال بخوبی معلوم ہوجائے۔ اس آیت سے برس دن کی عدت کی آیت جو آگے آتی ہے وہ منسوخ ہے جس سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ آیت تلاوت میں مقدم اور نزول میں اس آیت سے مؤخر ہے یہ دس دن اس لئے بڑھائے گئے ہیں کہ کوئی مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے کوئی تیس کا اس عدت کے بعد عورت بناؤ سنگار کرلے یا دوسرا نکاح کرے تو اس کی اجازت اللہ کی طرف سے اس آیت میں ہے۔

۲۳۵۔ جب تک عورت سوائے طلاق رجعی کے اور کسی طرح کی طلاق یا خاوند کی وفات کی عدت میں ہو تو جائز نہیں ہے کہ کوئی شخص اس عدت کے اندر خفیہ طور پر اس عورت سے نکاح کرے یا صاف لفظوں میں نکاح کا پیغام دیوے ہاں اشارہ کنایہ کے طور پر کچھ کہہ دیوے تو مضائقہ نہیں ہے مثلاً یوں کہہ دیوے کہ کوئی نیک عورت مل جائے تو میرا بھی ارادہ نکاح کرلینے کا ہے ہاں مطلقہ رجعیہ کی عدت میں یہ اشارہ کنایہ کی بات بھی غیر مرد کو جائز نہیں ہے اگر عدت کے اندر کسی نے نکاح کرلیا تو دونوں میں تفریق کرادی جائے اور اگر نکاح کے بعد مباشرت بھی ہوگئی ہے تو حضرت عمرؓ سے ایک روایت ہے کہ وہ عورت اس مرد پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے۔ لیکن اس کی سند ضعیف ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے اس قول سے رجوع کیا ہے[3]۔ خلوت میں اختلاف ہے کہ وہ قائم مقام مباشرت کے ہے یا نہیں۔

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۸۳ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۸۵ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۸۶

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ

گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دو تم عورتوں کو جب تک کہ ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا مقرر کیا ہو ان کا کچھ حصہ

وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا

اور ان کو خرچ دو وسعت والے پر اس کے موافق ہے اور تنگی والے پر اس کے موافق جو خرچ دستور سے لازم ہے

عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ

نیکی والوں پر اور اگر طلاق دو ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے اور ٹھہرا چکے ہو

لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ

ان کا حق تو لازم ہوا آدھا جو کچھ ٹھہرایا تھا مگر یہ کہ وہ درگزر کریں عورتیں یا درگزر کرے جس کے ہاتھ گرہ ہے

النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا

نکاح کی اور درگزر کرو تم تو قریب ہے پرہیزگاری سے اور نہ بھلادو بڑائی رکھنی آپس میں تحقیق اللہ جو

تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٧﴾ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ

کچھ تم کرتے ہو سو دیکھتا ہے خبردار ہو نمازوں سے اور بیچ والی نماز سے

۲۳۶-۲۳۷۔ نکاح ہو کر مباشرت کی نوبت نہ آئے اور طلاق دے دی جائے تو بموجب اس آیت کے یہ طلاق جائز ہے۔ اور اس طلاق کی صورت میں نکاح کے وقت مہر نہ قرار پایا ہو تو اپنے مقدور کے موافق کچھ دے کر عورت کو خوش کر دینا چاہئے جو بہر حال کپڑوں کے ایک جوڑے سے کم نہ ہو اور زیادہ کی کوئی حد نہیں اور اگر مہر قرار پایا ہو تو نصف مہر دینا چاہئے یہ اور بات ہے کہ عورت اپنا حق چھوڑ دے۔ یا مرد حسن سلوک کے طور پر پورا مہر دے دے۔ صحیح قول آیت کی تفسیر میں یہی ہے کہ الذی بیدہ عقدۃ النکاح سے مراد شوہر ہے کہ وہی مختار نکاح کے قائم رکھنے اور توڑنے کا ہے یہی قول بہت صحابہ اور تابعین کا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا مذہب بھی یہی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ الذی بیدہ عقدۃ النکاح سے مراد عورت کا متولی ہے دلیل ہر ایک قول کی بڑی تفسیروں میں ہے[1]۔

۲۳۸۔ مسند امام احمد بن حنبل، ابوداؤد، بیہقی، تاریخ بخاری اور تفسیر ابن جریر میں حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز ٹھیک دوپہر کو پڑھا کرتے تھے اس وقت بعضے لوگ تو قیلولہ میں رہ جاتے تھے اور بعضے کاموں میں لگے رہتے تھے غرض دھوپ کے سبب سے تھوڑے سے آدمی نماز میں آتے تھے اس لئے کبھی ایک صف آپ کے پیچھے مقتدیوں کی ہوتی تھی انتہا درجہ کبھی دو صفیں ہوتی تھیں اس لئے نمازوں کے بر وقت ادا ہونے کی تاکید میں اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی[2]۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۸۸ - ۲۸۹۔

[2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۹۱۔

وَقُومُوا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿٢٣٨﴾

اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے

روایت ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ نماز کا وقت پر پڑھنا سب عملوں سے بہتر ہے[1] اس حدیث کا یہ ٹکڑا آیت کے اس ٹکڑے کی تفسیر ہے۔ بیچ والی نماز میں اگرچہ پہلے صحابہ کا اختلاف تھا کہ وہ کونسی نماز ہے مگر خندق کی لڑائی میں جب آپ کی عصر کی نماز فوت ہو گئی اور آپ نے اس صراحت کے ساتھ کافروں کو بددعا دی کہ خدا ان کے گھروں اور قبروں میں انگارے بھر دے کہ انہوں نے ہماری بیچ کی نماز کھوا دی۔ یہ حدیث چند طریقوں سے بخاری[2] مسلم وغیرہ میں ہے غرض اس صراحت کے بعد صحابہ بالاتفاق عصر کی نماز کو صلوٰۃ الوسطےٰ جاننے لگے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بعضے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت صلوٰۃ الوسطےٰ کونسی نماز ہے تو آپ نے فرمایا جس طرح اب تم لوگ اختلاف میں پڑے ہو ہم بھی اسی طرح اختلاف میں تھے۔ لیکن جب سے خندق والے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت فرما دی ہم میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہا۔ یہ قول حضرت علی کا زیادات مسند امام احمد میں اور اور کتابوں میں[3] چند طریقوں سے روایت کیا گیا ہے۔

زید بن ارقم سے صحاح ستہ میں روایت ہے کہ نماز میں لوگ باتیں کیا کرتے تھے اس کے موقوف کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[4] بعضے علماء مفسرین کو اس شان نزول میں بڑا تردد پڑ گیا ہے وجہ تردد کی یہ ہے کہ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ حدیث ہے کہ اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں نماز پڑھا کرتے تھے اور میں آپ سے سلام علیک کیا کرتا تھا۔ لیکن جب میں حبشہ سے واپس آیا اور آپ سے سلام علیک کی تو آپ نے جواب نہیں دیا۔ اور نماز کے بعد فرمایا کہ نماز میں جب آدمی مشغول ہو تو بات نہیں کی جا سکتی[5]۔ وہ حدیث یہ چاہتی ہے کہ نماز میں بات چیت کا کرنا ہجرت مدینہ سے پہلے حرام ہو چکا تھا کیونکہ عبداللہ بن مسعودؓ ہجرت مدینہ سے تین برس پہلے مکے میں حبشہ سے واپس آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تھے اور زید بن ارقمؓ کی حدیث یہ چاہتی ہے کہ مدینہ منورہ میں نماز میں کلام حرام ہوا ہے کیونکہ یہ آیت بالاتفاق مدنی ہے اور زید بن ارقمؓ خود مدنی ہیں۔ اگرچہ ابن حبان نے کئی جواب اس تردد کے دئے ہیں مگر وہ ضعف سے خالی نہیں ہیں صحیح جواب وہی ہے جو خطابی نے دیا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ ایک دفعہ حبشہ سے آن کر پھر حبشہ کو چلے گئے تھے پھر بدر کی لڑائی کے وقت مدینہ میں واپس آئے اور متفق علیہ حدیث میں ان کی اسی واپسی کا ذکر ہے اس وقت یہ آیت مدینہ میں نازل ہو چکی تھی اس لئے عبداللہ بن مسعودؓ اور زید بن ارقمؓ کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ قنوت کے کئی معنے ہیں مگر اس آیت میں اس کے معنے چپکے رہنے کے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۶، باب فضل الصلوٰۃ لوقتہا و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۹۰ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۰ باب غزوۃ الخندق [3] تفسیر ابن کثیر ص ۲۹۱-۲۹۲ ج ۱ بحوالہ مسند احمد، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی وغیرہ [4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۰ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۹۴ [5] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۹۴

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۚ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ

پھر اگر تم کو ڈر ہو تو پیادہ پڑھ لو یا سوار پھر جس وقت چین پاؤ تو یاد کرو اللہ کو جیسا تم کو سکھایا ہے جو تم نہ

تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٩﴾ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً

جانتے تھے اور جو لوگ تم میں مر جاویں اور چھوڑ جاویں عورتیں وصیت کر دیں

لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا

اپنی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ایک برس تک نہ نکال دینا پھر اگر وہ نکل جاویں تو گناہ نہیں تم پر جو کچھ

فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٤٠﴾ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ

کریں اپنے حق میں دستور کی بات اور اللہ زبردست ہے حکمت والا اور طلاق والیوں کو خرچ دینا ہے موافق دستور کے

حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿٢٤١﴾ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٤٢﴾

لازم ہے پرہیزگاروں کو اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے اپنی آیتیں شاید تم عقل رکھو ؛

۲۳۹ - اوپر کی آیت میں محافظت نماز کا ذکر جو آیا اس سے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ دشمن کے خوف اور مقابلے کے وقت بھی شاید یہی محافظت اوقات اور ارکان کی نماز میں قائم رہے گی اس خیال کے رفع کرنے کے لئے آخر آیت میں یہ صلوٰۃ الخوف کا ذکر اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ اس صلوٰۃ الخوف کا ذکر تفصیل سے تو سورہ نساء میں آئے گا۔ یہاں اس قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ صلوٰۃ الخوف کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ نماز میں تصری کی صورت میں مقتدیوں کے دو حصے ہو جائیں ایک حصہ تو دشمن کے مقابلہ میں کھڑا رہے اور دوسرا حصہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھے۔ پھر امام اتنی دیر چپکا کھڑا رہے جتنی دیر میں یہ لوگ اپنی باقی کی ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے مقابلہ میں جا کر مستعد ہو جاویں۔ اب وہ دوسرا حصہ مقتدیوں کا آن کر ایک رکعت امام کے ساتھ اور ایک علیحدہ پڑھ کر اپنی نماز پوری کر لے یہ صورت اس وقت کی ہے کہ ابھی دشمن سے ہتھیار نہیں چلا صرف آمنے سامنے دونوں فوجیں پڑی ہیں دوسری صورت یہ ہے کہ سوار پیدل جس طرح ہو سکے قبلہ کی طرف منہ رہے یا نہ رہے اشاروں سے نماز ادا کر لی جائے یہ لڑائی چھڑ جانے کے بعد کی صورت ہے اور اسی صورت کا یہاں ذکر ہے ؛

۲۴۰ - ۲۴۲ - ابتداء اسلام میں بیوہ عورت کے لئے یہ برس دن کی عدت کا حکم تھا چار مہینے دس دن کی عدت کے حکم کی آیت سے جو پیچھے گذر چکی اب یہ برس دن کی عدت کا حکم منسوخ ہے اور حقا علی المتقین اس آیت سے متعلق ہے جس میں نکاح کے بعد بغیر مباشرت کے ایسی عورت کو طلاق دینے کا ذکر تھا جن کا مہر نہ ٹھہرا ہو اس آیت میں حقا علی المحسنین کا لفظ جب نازل ہوا تو بعضے لوگوں نے یہ کہا تھا کہ اگر ہم کو ایسی عورتوں پر احسان کرنا ہوگا تو ہم کچھ دیویں گے نہیں تو اس پر یہ ٹکڑا آیت کا نازل فرما کر فرمایا کہ جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں ان کو ایسی عورتوں کو ضرور کچھ دینا چاہیے ؛

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ

تو نے نہ دیکھے وہ لوگ جو نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے پھر کہا ان کو

اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا

اللہ نے مر جاؤ پیچھے ان کو جلا دیا بے شک اللہ تو فضل رکھتا ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ

يَشْكُرُونَ ﴿٢٤٣﴾ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٤﴾ مَّن ذَا

شکر نہیں کرتے اور لڑو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ اللہ سنتا ہے جانتا ہے کون شخص ہے

الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ۚ وَاللَّهُ يَقْبِضُ

ایسا کہ قرض دے اللہ کو اچھا قرض کہ وہ اس کو دونا کر دے کتنے اور اللہ تنگی کرتا ہے

وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٤٥﴾

اور کشائش اور اسی کے پاس اُلٹے جاؤ گے ◆

۲۴۳-۲۴۴- جہاد کے حکم کے نازل ہونے کے بعد جان کے خوف سے کچھ لوگ جہاد میں جانے سے پہلوتہی کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرما کر جہاد کی تاکید فرمائی اور اس تاکید سے پہلے ایک قصہ فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں کے ایک بستی کے آٹھ ہزار کے قریب آدمی وبا سے ڈر کر اپنی بستی چھوڑ بھاگے اور بستی کو چھوڑ کر جہاں گئے تھے وہاں اللہ کے حکم سے ایک دم میں سب مر گئے اور پھر ایک نبی کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پھر زندہ کیا[1]۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ موت جب آنے والی ہوتی ہے تو وہ ہر حال میں آتی ہے موت سے ڈر کر بستی کا چھوڑنا جس طرح اس قصہ کے لوگوں کے کچھ کام نہیں آیا۔ اسی طرح موت کا وقت جب آ جائے گا۔ تو جہاد کی پہلوتہی اس کو روک نہیں سکتی اس لئے اس وقت موت سے ڈرنا اور جہاد سے پہلوتہی کرنا بے فائدہ ہے ◆

۲۴۵- معتبر سند سے صحیح ابن حبان اور تفسیر ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب سورۃ بقر کی وہ آیت اتری جس میں اللہ تعالیٰ نے خیرات کے ایک دانہ کی سات بالیں اور ہر بال میں سو دانہ کی پیدائش کی مثال فرمائی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے دعا مانگی کہ یا اللہ میری امت کے اجر اور ثواب کی تعداد میں کچھ اور زیادتی فرما اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جہاد میں صرف کرنے کے لئے جو کوئی اللہ کو قرض دے گا اللہ تعالیٰ اس کے اجر میں بے شمار افزائش کرے گا پھر فرمایا کہ ہر طرح کے اجر کی کمی بیشی اللہ کے اختیار میں ہے اور ایک دن اس اجر کا ظہور ضرور ہوگا کیونکہ تم سب کو ایک اللہ کے سامنے جانا ہے مفسرین نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا

[1] داوردان یا اذرعات نامی بستی کے لوگ تھے تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۲۹۸) اور جس نبی کی دعا سے یہ دوبارہ زندہ ہوئے اس کا نام حزقیل بتایا جاتا ہے۔ حاشیہ تفسیر جامع البیان ص ۴۸ طبع فاروقی دہلی [2] تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۳۰۰۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الۡمَلَاِ مِنۡۢ بَنِىۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰى ۘ اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابۡعَثۡ لَنَا

تو نے نہ دیکھی ایک جماعت بنی اسرائیل میں موسیٰ کے بعد جب کہا اپنے نبی کو کھڑا کر دے ہم کو

مَلِكًا نُّقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ‌ؕ قَالَ هَلۡ عَسَيۡتُمۡ اِنۡ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوۡا

ایک بادشاہ کہ ہم لڑائی کریں اللہ کی راہ میں وہ بولا کیا یہ بھی توقع ہے تم سے کہ اگر حکم ہو تم کو لڑائی کا تب نہ لڑو

قَالُوۡا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَقَدۡ اُخۡرِجۡنَا مِنۡ دِيَارِنَا وَاَبۡنَآئِنَا ‌ؕ فَلَمَّا

بولے ہم کو کیا ہوا کہ ہم نہ لڑیں اللہ کی راہ میں اور ہم کو نکال دیا ہے ہمارے گھروں سے اور بیٹوں سے پھر جب

كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ تَوَلَّوۡا اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۴۶﴾

حکم ہوا ان کو لڑائی کا پھر گئے مگر تھوڑے ان میں اور اللہ کو معلوم ہیں گنہگار ۔

ہے کہ ہم ایک ایک کے بہت بہت سے دو گنے کر دیویں گے تو ظاہر ہے کہ جس چیز کو اللہ بہت فرماوے اس کے لئے لاکھوں کی گنتی بھی تھوڑی ہے ۔

۲۴۶۔ حضرت موسیٰؑ کے بعد جب تک بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور تورات کے موافق عمل پر مستعد اور قائم رہے اس وقت تک جس دشمن سے ان کا مقابلہ ہوا ہمیشہ ان کو فتح ہوتی رہی پھر جب بنی اسرائیل میں طرح طرح کی نافرمانیاں پھیل گئیں تو فتح یابی اور اقبال مندی ان میں بالکل باقی نہیں رہی۔ وہ قوم عمالقہ جس کو مغلوب کر کے انہوں نے ملک شام میں اپنا عمل دخل کیا تھا اس ملک میں کے اکثر شہر قوم عمالقہ میں کے بادشاہ جالوت نے ان سے چھین لئے وہ فتح مندی کا صندوق جس کا نام تابوت سکینہ تھا ان کے قبضہ سے نکل کر دشمن کے ہاتھ لگ گیا سبط لاوی جس میں انبیاء پیدا ہوتے تھے اس میں سوائے ایک حاملہ عورت کے اور کوئی باقی نہیں رہا۔ جب بڑی آرزو اور تمنا کے بعد حضرت شمویل پیدا ہو کر نبوت کو پہونچ گئے تو بنی اسرائیل نے دشمن سے لڑنے اور لڑائی کے انتظام کے لئے ان سے ایک شخص کو بادشاہ بنا دینے کی خواہش ظاہر کی بنی اسرائیل کے بد دین ہو جانے کے سبب سے حضرت شمویل کو بنی اسرائیل کے قول و فعل کا اعتبار نہ تھا اس واسطے حضرت شمویل نے بنی اسرائیل کی خواہش کا یہ جواب دیا کہ اگر تمہاری خواہش کے موافق اللہ تعالیٰ نے تم میں کوئی بادشاہ قائم کر دیا اور تم نے بد عہدی کر کے اللہ کے دین کی حمایت میں دشمن سے جہاد نہ کیا تو پھر کیا ہوگا بنی اسرائیل نے اس کے جواب میں کہا کہ ہم کیوں کر بد عہدی کر سکتے ہیں جبکہ دشمن کے ہاتھ سے ہم پر یہ آفت آچکی ہے کہ ہمارے اکثر شہر چھن گئے اہل و عیال کے دشمن کی قید میں چلے جانے سے ہم اپنے اہل و عیال سے جدا ہو گئے اب آخر آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ان میں بادشاہ بھی قائم ہوا اور اس بادشاہ کے ساتھ ان کو دشمن سے لڑنے کا حکم بھی ہوا تو ایک نہر کے پانی پینے کی آزمائش میں ہزارہا آدمیوں نے ان میں سے بد عہدی کی اور طالوت بادشاہ کی اطاعت چھوڑ دی اور صاف کہنے لگے کہ ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے لڑنے کی بالکل تاب و طاقت نہیں ہے غرض ایک بڑے

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ

اور کہا ان کے نبی نے اللہ نے کھڑا کردیا تم کو طالوت بادشاہ بولے کہاں ہوگی اس کو

الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ

سلطنت ہمارے اوپر اور ہمارا حق زیادہ ہے سلطنت میں اس سے اور اس کو نہیں ملی کشایش مال کی کہا

اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن

اللہ نے اس کو پسند کیا تم سے اور زیادہ کشایش دی عقل میں اور بدن میں اور اللہ دیتا ہے اپنی سلطنت جس کو

يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٧﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ

چاہے اور اللہ کشایش والا ہے سب جانتا اور کہا ان کو ان کے نبی نے نشان اس کی سلطنت کا یہ کہ آئے تم کو

التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ

صندوق جس میں دل جمعی تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی چیزیں جو چھوڑ گئے موسیٰ اور ہارون کی اولاد اٹھا لائیں

الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾

اس کو فرشتے اس میں نشانی پوری ہے تم کو اگر یقین رکھتے ہو

ع ۳۲ / ۱۶

لشکر میں سے فقط تین سو تیرہ آدمی اپنے عہد پر قائم رہے۔ باقی سب نے بدعہدی کی پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے گنہ گاروں کا حال خوب معلوم ہے ایک دن یہ اپنے کئے کی سزا پائیں گے ؛

۲۴۷۔ بنی اسرائیل کی بادشاہی سبط یہودا میں چلی آتی تھی طالوت اس خاندان میں کا نہیں تھا ایک فوجی آدمی سبط بن یامین کا تھا اور کچھ مالدار بھی نہ تھا اس لئے جب حضرت شمویل نے بادشاہی کے لئے طالوت کا نام لیا تو بنی اسرائیل نے اس پر اعتراض کیا اور اپنے آپ کو ہر ایک خاندان کے لوگوں نے بادشاہی کا مستحق بتلایا کس لئے کہ طالوت بن یامین کے خاندان میں سے تھا یہ اور یہ خاندان بنی اسرائیل کے سب خاندانوں میں گھٹیا کہلاتا تھا۔ حضرت شمویل نے ان کے اعتراض کا جواب دیا کہ بادشاہی کے لئے طالوت کا انتخاب میں نے اپنی طرف سے نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ انتخاب ہوا ہے اس لئے کہ طالوت بہ نسبت تم لوگوں کے عقل اور قدو قامت میں بڑھ کر ہے نبی نے یہ اس سبب سے کہا کہ فوجی آدمی ہونے کے باعث سے طالوت جنگ آزمودہ تھا جس سے لڑائی کے انتظام کی عقل و تدبیر اس کی بڑھی ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے قدو قامت کا ایک پیمانہ اپنے نبی کو بتلایا تھا جو طالوت کے قد کی برابر نکلا آخر کو اللہ کے نبی نے قطع حجت کے لئے یہ بھی فرمایا کہ بادشاہی اللہ کے ملک کی ایک حکومت اللہ کی طرف سے ہے وہ جس کو چاہے دیوے۔ اس میں بحث کی گنجایش نہیں ہے ؛

۲۴۸۔ بنی اسرائیل میں ایک صندوق موروثی طور پر چلا آتا تھا جس میں حضرت موسیٰ اور ہارون کے وقت کی چیزیں تبرک کی تھیں لڑائی کے وقت اس صندوق کو سب لشکر کے آگے لے چلنے سے تمام لشکر میں ایک طرح

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ

پھر جب باہر ہوا طالوت فوجیں لے کر کہا اللہ تم کو آزماتا ہے ایک نہر سے پھر جس نے پانی پیا اس کا

کی دل جمعی اور اس دل جمعی کے سبب سے ایک ہمت اور جرأت پیدا ہو جاتی تھی جس سے لشکری لوگ دل کھول کر دشمن سے لڑتے تھے اور فتح یاب ہوتے تھے اسی واسطے اس صندوق کا نام تابوت سکینہ رکھا گیا تھا سکینہ کے معنے دل جمعی اور اطمینان کے ہیں۔ بنی اسرائیل کے اعمال کی شامت سے تابوت سکینہ ان کے قبضہ سے نکل کر دشمن کے قبضہ میں چلا گیا تھا حضرت شمویل نے بنی اسرائیل کو یہ جو سمجھایا تھا کہ طالوت کی بادشاہت خدا کی طرف سے ہے اس کی علامت انہوں نے یہ بتلائی کہ تابوت سکینہ بغیر لڑائی کے خود بخود طالوت کے پاس آجائے گا۔ اگر تم اللہ پر پورا ایمان رکھتے ہو تو تابوت کے آجانے کے بعد تم کو پورا یقین آجائے گا کہ طالوت کی بادشاہت خدا کی طرف سے ہے۔ تابوت سکینہ کے طالوت کے پاس آجانے کا قصہ جو مفسرین نے لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ قوم عمالقہ کی جس بستی میں تابوت سکینہ رکھا ہوا تھا اس بستی میں سخت وبا پھیل گئی جس سے بستی کے لوگ گھبرا گئے اس بستی میں بنی اسرائیل میں کی ایک لڑکی قید تھی اس نے بستی کے لوگوں سے کہا کہ جب تک یہ صندوق اس بستی میں رہے گا وبا ہرگز جانے والی نہیں ہے اُن لوگوں نے ایک گاڑی پر اس صندوق کو لاد کر اس گاڑی کو بستی کے باہر کر دیا اللہ کے حکم سے فرشتوں نے اس گاڑی کو ہانک کر طالوت کے گھر کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا۔ صحیح مسلم میں براء بن عازبؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص نے سورہ کہف پڑھی اس کی آواز سے ایک بادل نے اس کو ڈھانک لیا جس سے اس شخص کا ایک گھوڑا جو وہاں بندھا ہوا تھا وہ ڈر گیا جب اس شخص نے اس قصہ کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا وہ سکینہ ہے[1]۔ اس حدیث سے فقط یہ معلوم ہوا کہ جس چیز کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکینہ فرمایا وہ ایک بادل تھا اب اس حدیث کے ساتھ وہ حدیثیں ملائی جائیں جن میں یہ ذکر ہے کہ ذکر الٰہی کی مجلس میں فرشتے آتے ہیں اور مجلس کو ڈھانک لیتے ہیں[2]۔ تو حاصل یہ ہوتا ہے کہ اس بادل میں فرشتے تھے جن کو دیکھ کر وہ گھوڑا ڈر گیا کیونکہ خالی بادل سے گھوڑے کے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور ان فرشتوں کو ہی آپ نے سکینہ فرمایا ہے۔ اسی طرح تابوت کے تبرکات کے ساتھ جو فرشتے ہوا کرتے تھے ان کو سکینہ کہا گیا ہے انہی فرشتوں کی برکت سے لشکر میں ایک دلی اطمینان پھیل جاتا تھا سوا اس تفسیر کے سکینہ کی تفسیر میں اور اقوال اہل کتاب کی روایات سے لئے گئے ہیں جو اعتبار کے قابل نہیں ہیں ۔

۲۴۹۔ جب تابوت سکینہ طالوت کے پاس آگیا تو بنی اسرائیل کو طالوت کی بادشاہت کا پورا یقین ہو گیا کہ اس کی بادشاہت خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ سب نے اس کی اطاعت اور فرماں برداری قبول کر لی اور تابوت سکینہ

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۶۸ باب نزول السکینۃ لقراءۃ القرآن [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۴ باب فضل مجالس الذکر۔

فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا

وہ میرا نہیں اور جس نے اس کو نہ چکھا وہ ہے میرا مگر جو کوئی بھرلے ایک چُلو اپنے ہاتھ سے پھر پی گئے

مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا

اس کا پانی مگر تھوڑے ان میں پھر جب پار ہوا وہ اور ایمان والے ساتھ اس کے کہنے لگے قوت نہیں ہم کو

الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ

آج جالوت کی اور اس کے لشکروں کی بولے جن کو خیال تھا کہ ان کو ملنا ہے اللہ سے بہت جگہ جماعت

قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا

تھوڑی غالب ہوئی ہے جماعت بہت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ ساتھ ہے ٹھہرنے والوں کے اور جب سامنے ہوئے

لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى

جالوت کے اور اس کی فوجوں کے بولے اے رب ہمارے ڈال دے ہم میں جتنی مضبوطی ہے اور ٹھہرا ہمارے پاؤں اور مدد کر ہماری اس

الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ڐ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ

کافر قوم پر پھر شکست دی ان کو اللہ کے حکم سے اور مارا داؤد نے جالوت کو اور دی اس کو

کے واپس آجانے کے سبب سے یہ بھی ان سب کو یقین ہوگیا کہ اب تابوت کی برکت سے ضرور ہم کو دشمن پر فتح ہوگی اس واسطے جس وقت طالوت نے لڑائی پر جانے کا قصد کیا تو اسی ہزار آدمی کے قریب کا لشکر اس کے ساتھ ہوا ایک منزل میں پانی نہیں ملا گرمی کا موسم تھا پانی کے نہ ملنے سے لشکر میں بڑی پریشانی پھیل گئی دوسری منزل میں ایک نہر ملی اور نہر کے اس پار دشمن کی فوج مقابلہ کو تیار تھی طالوت نے یہ سمجھ کر کہ ایک دن کی پیاس کے بعد اگر یہ لوگ خوب پیٹ بھر کر پانی پی جائیں گے تو بالکل کاہل ہوجائیں گے لشکر میں یہ حکم دے دیا کہ یہ نہر کیا ہے گویا اللہ کی طرف سے تمہارے حق میں ایک آزمائش ہے اس واسطے لشکر میں کا جو شخص پیٹ بھر کر پانی پیئے وہ میرے ساتھ نہر کے اس پار نہ چلے۔ کیونکہ وہ لڑنے کے کام کا نہیں ہے۔ ہاں جو شخص چلو دو چلو پانی سے اپنی پیاس بجھالیوے وہ میرے کام کا ہے ایسا شخص میرے ساتھ چلے پیاس کی شدت میں طالوت کے اس حکم کی تعمیل لوگوں پر ایسی شاق گزری کہ اتنے بڑے لشکر میں صرف تین سو تیرہ آدمیوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور باقی کے لوگوں نے خوب پیٹ بھر کر پانی پیا اور پست ہمت ہوکر نہر کے اس پار نہ گئے۔ جو لوگ نہر کے اس پار گئے تھے انہوں نے اپنی فوج کو قلیل اور دشمن کی فوج کو کثیر دیکھ کر جب یہ بات کہی کہ ہم میں تو اتنے بڑے لشکر کے مقابلہ کی طاقت نظر نہیں آتی تو طالوت اور لشکر کے ایمان دار عالم لوگوں نے سب کی ہمت بندھانے کو کہا کہ خبردار استقامت سے کام لو کہ اللہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہے اور اس کی مدد سے اکثر ایسا ہوا ہے کہ تھوڑی سی جماعت نے بڑے بڑے لشکروں پر فتح پائی ہے۔

۲۵۰-۲۵۲- جب جالوت کے ایک بہت بڑے لشکر سے طالوت اور اصحاب طالوت کا مقابلہ ہوا اس وقت طالوت کے لشکر کے ایمان دار لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ صبر اور استقامت کی دعا مانگی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور

اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ

اللہ نے سلطنت اور تدبیر سکھایا اس کو جو چاہا اور اگر نہ دفع کرا دے اللہ لوگوں کو ایک کو ایک

بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ

سے تو خراب ہو جاوے ملک لیکن اللہ فضل رکھتا ہے جہان کے لوگوں پر یہ

اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

آیتیں اللہ کی ہیں ہم تجھ کو سناتے ہیں تحقیق اور تو بے شک رسولوں میں ہے۔

دشمن کے لشکر پر ان کو فتح دی اور داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا اور پھر حضرت شمویل کے انتقال کے بعد نبوت۔ اور طالوت کے انتقال کے بعد بادشاہت سب کچھ حضرت داؤد علیہ السلام کے خاندان میں آگیا۔ اس کے بعد آیت میں ایک عادت الٰہی کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ بعضے سرکشوں کی سرکشی اپنے بعضے بندوں کے ذریعہ سے اسی طرح رفع کرتا رہتا ہے جس طرح جالوت کی سرکشی جو بڑا جابر مشہور تھا طالوت کے ذریعہ سے رفع کی گئی۔ اور آخر کو پورے قصے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمائی کہ بغیر اہل کتاب کی مدد کے تم جو ان کے انبیاء اور ان کی کتابوں کے صحیح قصے بیان کرتے ہو یہ بات تمہارے نبی صاحب وحی ہونے کی پوری دلیل ہے۔ جس کو اہل کتاب بھی اپنے دل میں خوب سمجھتے ہیں اور ظاہر میں جو وہ لوگ تمہاری نبوت کا انکار کرتے ہیں یہ محض ان کی ہٹ دھرمی ہے۔

---

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ

یہ سب رسول بڑائی دی ہم نے ان میں ایک کو ایک سے کوئی ہے کہ کلام کیا اس سے اللہ نے اور بلند کئے بعضوں کے

دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ وَلَوْ

درجے اور دیں ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو نشانیاں صریح اور زور دیا اس کو روح پاک سے اور اگر

شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ

چاہتا اللہ نہ لڑتے ان کے پچھلے بعد اس کے کہ پہنچے ان کو صاف حکم لیکن وہ

اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ

پھٹ گئے پھر کوئی ان میں یقین لایا اور کوئی منکر ہوا اور اگر چاہتا اللہ نہ لڑتے لیکن

اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝۲۵۳

اللہ کرتا ہے جو چاہے۔

۲۵۳۔ اوپر کی آیتوں میں ذکر تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے خاندان میں اللہ تعالیٰ نے بادشاہت اور نبوت دونوں کو جمع کر دیا۔ حالانکہ ہمیشہ سے بنی اسرائیل میں یہ طریقہ تھا کہ نبوت ایک خاندان میں تھی اور بادشاہت دوسرے خاندان میں جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اب ان آیتوں میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت کے موافق گروہ انبیاءً میں کسی کو کسی طرح کی فضیلت دی ہے اور کسی کو کسی طرح کی۔ جن انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ہم کلامی کی فضیلت دی ہے۔ صحیح ابن حبان کی حضرت ابوذرؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء یہ تین نبی ہیں[1] اور باتوں میں بعضے نبیوں کا درجہ کچھ اور بعضے کا کچھ جو اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اس کی تفصیل صحیحین وغیرہ کی معراج کی حدیث سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس رات مثلاً حضرت آدم علیہ السلام اول آسمان پر تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ساتویں آسمان پر غرض ان آیتوں اور حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت کے موافق گروہ انبیاء میں بعضے نبیوں کو بعضے نبیوں پر فضیلت دی ہے اور اس فضیلت کو مبہم طور پر قرآن شریف میں ذکر فرمایا ہے اس لئے امت کے لوگوں کو نہیں پہونچتا ہے کہ قرآن شریف کے اس ابہام کی تفصیل اپنی رائے سے کریں اور انبیاء کی فضیلت باہمی میں بحث و چرچا کر کے بعضے انبیاء کی کسر شان کے درپے ہوں اسی واسطے صحیحین وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان میں آپ نے اس طرح کی بحث سے اپنی امت کو منع فرمایا ہے[2]۔ لیکن صحیح مسلم کی حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت سے جس میں آپ نے چھ باتوں کا ذکر فرما کر یہ فرمایا ہے کہ ان چھ باتوں کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو سب انبیاء پر فضیلت دی ہے[3]۔ اور حضرت ابوسعید خدریؓ کی اس روایت سے جس کو ترمذی نے معتبر سند سے روایت کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں کچھ فخر کے طور پر

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۰۴۔ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۰۴ بحوالہ صحیحین عن ابی ہریرہ [3] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۹ کتاب المساجد۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا

اے ایمان والو خرچ کرو کچھ ہمارا دیا پہلے اس دن کے آنے سے جس میں نہ بکنا ہے اور نہ

خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

آشنائی ہے اور نہ سفارش اور جو منکر ہیں وہی ہیں گنہ گار

نہیں کہتا بلکہ بیان امر واقعی یہ ہے کہ میں سب اولاد آدم کا سردار ہوں[1]۔ اور اسی قسم کی اور احادیث سے علماء سلف اور خلف اس بات پر متفق ہیں کہ نبی آخرالزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء ہیں اور آیت لیظھرہ علی الدین کلہ (۹-۳۳) سے اس اتفاق امت کی پوری تائید ہوتی ہے آخر پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انبیاء اور ان کے معجزات اور آسمانی کتابوں کے آنے کے بعد اللہ چاہتا تو امتوں کا آپس کا اختلاف اٹھ جاتا اور سب راہ راست پر آ جاتے لیکن دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی سے یہ جان لیا ہے کہ بعضے لوگ باوجود انبیاء اور آسمانی کتابوں کے آنے اور معجزات کے دیکھنے کے راہ راست پر نہیں آئیں گے اور اسی اپنے علم کے نتیجہ کو اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے جس کا نام تقدیر ہے دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس کے علم کے موافق ہے صحیحین کی حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث مشہور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک انسان کی طبیعت میں دین حق کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھ کر انسان کو پیدا کیا ہے[2]۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان اپنی پیدائشی طبیعت کے مخالف جو کچھ کرتا ہے وہ اپنے فعل مختاری سے کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی مرضی انسان کے ایسے کام کرنے کی نہیں ہے ہاں اپنے فعل مختاری سے انسان آج جو کچھ کر رہا ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی سے پہلے ہی جان لیا ہے لیکن اس جان لینے سے انسان کی کوئی مجبوری لازم نہیں آتی رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ انسان کے فعل مختاری سے اس کو روکتا تو یہ بات بھی تو اللہ کی قدرت میں تھی اس کا جواب علماء نے جو دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ صورت ایک مجبوری کی ہے اور مجبوری کا ایمان اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول نہیں ہے کیوں کہ دنیا میں انسان کو امتحان کے طور پر پیدا کیا ہے چنانچہ فرمایا خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (۶۷-۲) جب ایک شخص کو ایک کام پر مجبور کیا تو پھر اس کا امتحان کیا باقی رہا۔ مراد بینات سے وہ قطعی دلیلیں ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھیں مثلاً مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ مراد روح القدس سے حضرت جبرئیل ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہر وقت رہتے تھے۔

۲۵۴۔ بعضے مفسروں کا یہ قول ہے کہ یہ آیت زکوٰۃ اور نفلی صدقہ دونوں کے باب میں نازل ہوئی ہے آخر آیت میں آیت کے حکم کے موافق جو لوگ مال نہ خرچ کریں ان کو کافر ظالم جو فرمایا ہے اس سے اس قول کی تائید بھی ہوتی ہے کیونکہ اس طرح کا سخت وعید زکوٰۃ کے منکر کے حق میں ہی صادق آسکتا ہے نفلی صدقہ سے ہاتھ

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۰۲ ابواب المناقب [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۵ باب ما قیل فی اولاد المشرکین۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ۬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ

اللہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں جیتا ہے سب کا تھامنے والا نہیں پکڑتی اس کو اونگھ اور نہ نیند اسی کا ہے جو کچھ آسمان

وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ

اور زمین میں ہے کون ایسا ہے کہ سفارش کرے اس کے پاس مگر اس کے اذن سے جانتا ہے جو خلق کے رو برو ہے

وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ

اور پیٹھ پیچھے اور نہیں گھیر سکتے اس کے علم میں سے کچھ مگر جو وہ چاہے گنجایش ہے اس کی کرسی میں آسمان

وَ الْاَرْضَ ۚ وَ لَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾

اور زمین کو اور تھکتا نہیں ان کے تھامنے سے اور وہی ہے اوپر سب سے بڑا

کھینچنے والے شخص کے حق میں کافر و ظالم کا وعید نہیں صادق آسکتا۔ لیکن یہ تفسیر انہی مفسرین کے نزدیک صحیح ہو سکتی ہے جو رمضان کے روزہ کو رکن دوم اور زکوٰۃ کو رکن سوم کہتے ہیں اور رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد زکوٰۃ کی فرضیت کے قائل ہیں اور جو مفسرین اس بات کے قائل ہیں کہ زکوٰۃ تو مکے میں فرض ہوئی ہے لیکن اس کے وصول کے لئے عاملوں کا تقرر اور اہتمام مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ہوا ہے ان کے نزدیک اس مدنی آیت کا زکوٰۃ کے حکم میں نازل ہونا صحیح نہیں قرار پا سکتا۔ لیکن مسند امام احمد صحیح ابن خزیمہ نسائی ابن ماجہ مستدرک حاکم میں معتبر سند سے قیس بن سعد بن عبادہؓ کی جو روایت ہے اس سے زکوٰۃ کا مدینہ منورہ میں ہی فرض ہونا صحیح معلوم ہوتا ہے کیوں کہ اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے موافق صدقہ فطر زکوٰۃ سے پہلے فرض تھا[1]۔ زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد صدقہ فطر ایک اختیاری امر رہ گیا اب اس بات میں تو سب متفق ہیں کہ رمضان کے روزوں اور صدقہ فطر کی فرضیت ہجرت کے بعد ہے پھر ہجرت سے پہلے مکہ میں زکوٰۃ کیوں کر فرض ہو سکتی ہے جس کی فرضیت صحیح روایت کے موافق صدقہ فطر کے بعد ہے۔ اس آیت میں شفاعت کی اور آپس کی دوستی کی عام طور پر نفی فرمائی ہے لیکن اور آیتوں اور حدیثوں سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد گنہ گار اہل کلمہ لوگ اللہ کے رسول اور عام مومنوں کی شفاعت کے سبب سے دوزخ سے نکل کر جنت میں جائیں گے اس لئے اس آیت کا حکم غیر اہل کلمہ کے ساتھ خاص ہے اور اسی طرح کے حکم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو پورے اہل کلمہ نہیں ہیں بلکہ ان کے عقیدہ میں قبر پرستی پیر پرستی کا شرک یا ان کے اعمال میں کسی طرح کی ریاکاری ہے۔

۲۵۵۔ جس طرح آیت وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اور توحید کی آیتیں مثلاً قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وغیرہ توحید کے ثابت کرنے اور غیر اللہ کی پرستش کو باطل کرنے کے لئے نازل ہوئی ہیں اسی مطلب کے لئے یہ آیت بھی نازل ہوئی ہے اس آیت کی فضیلت میں بہت حدیثیں وارد ہوئی ہیں ان میں سے ابو امامہؓ کی ایک وہ حدیث ہے جس کو نسائی اور طبرانی وغیرہ نے

[1] سنن نسائی شریف مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ لاہور ج ۱ ص ۲۷۸ باب فرض صدقۃ الفطر قبل نزول الزکوٰۃ و مستدرک حاکم ص ۴۱۰ ج ۱ کتاب الزکوٰۃ و ابن ماجہ ص ۱۳۲

معتبر سند سے روایت کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے گا اس کے جنت کے جانے میں فقط اتنی ہی دیر ہے کہ اس کی آنکھ بند ہو اور وہ دنیا سے اُٹھے[۱]۔ ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوع بتلایا ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ یہ ابن جوزی کی غفلت ہے جو اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ طبرانی کی اس حدیث کی سند صحیح ہے[۲] طبرانی کی بعض روایتوں میں آیت الکرسی کے ساتھ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کا ملانا بھی آیا ہے[۳] سند اس روایت کی بھی معتبر ہے۔ مسند امام احمد ترمذی وغیرہ میں معتبر سند سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے ناموں میں یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اسم اعظم ہے[۴]۔ ان ناموں کو پڑھ کر کوئی کچھ جائز دعا مانگے گا وہ ضرور قبول ہوگی ؀

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ کا مطلب یہ ہے کہ سوا اللہ کے کوئی عبادت کے قابل نہیں لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کا مطلب یہ ہے کہ ستارہ پرستوں کے ستارے اور بت پرستوں کے بت اور سوا اللہ کے جس کی پرستش کی جائے یہ سب اللہ کی مخلوق ہیں ان میں خالق بننے کی صلاحیت ہرگز نہیں ہے لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے بادشاہوں کے دربار کی طرح اس کی بارگاہ میں کسی طرح کی غفلت اور بے خبری نہیں ہے مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ کا مطلب یہ ہے کہ شفاعت کے لئے اللہ تعالیٰ کی اجازت درکار ہے اور کسی مشرک کے حق میں اللہ تعالیٰ کسی کو شفاعت کی اجازت نہ دے گا کیونکہ اس نے فرما دیا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ (۴:۴۸، ۱۱۶) پھر یہ مشرک لوگ اپنے بتوں سے شفعاءنا عند اللہ کی توقع جو رکھتے ہیں یہ بالکل بے سود توقع ہے یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کا حال اور آئندہ کا ذرہ ذرہ سب حال معلوم ہے اس لئے وہی معبود ٹھہرانے کے قابل ہے جن معبودوں کو اپنے عابدین کے نیک و بد کا کچھ حال ہی معلوم نہیں وہ کیا معبود قرار پا سکتے ہیں اور ان کی عبادت سے کسی کو کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے ولا یحیطون بشئ من علمہ الا بما شاء کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا علم بالکل ناقص ہے جس سے تم اپنے نیک و بد کو ہرگز نہیں جان سکتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال اور آئندہ کی مصلحت کے لحاظ سے اپنے نبی کے ذریعہ سے جو کچھ راستہ نجات کا اپنے علم ازلی کے موافق تم کو بتایا ہے اس کے موافق کاربند ہو گے تو نجات پاؤ گے اور اگر برخلاف علم الٰہی کے اپنی ناقص علم اور عقل سے کام لو گے تو برباد ہو جاؤ گے ؀

وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ۔ مستدرک حاکم میں معتبر سند سے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی ایک روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کرسی اللہ تعالیٰ کے پاؤں رکھنے کی جگہ کا نام ہے[۵] اور بعض روایتوں میں ہے کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کا عرض و طول کرسی کے مقابلہ میں ایسا ہے جس طرح ایک بڑے جنگل میں چھلہ ڈال دیا جائے۔ اور عرش کی لمبائی اور چوڑائی سوا اللہ کے اور کسی کو معلوم

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۰۷ [۲] اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ص ۱۳۷ طبع ہند [۳] بلوغ المرام ج ۱ ص ۵۷ طبع فاروقی دہلی ۱۲

[۴] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۰۶ [۵] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۰۹ و مستدرک حاکم ص ۲۸۲ ج ۲ کتاب التفسیر

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ

زور نہیں دین کی بات میں کھل چکی ہے صلاحیت اور بے راہی اب جو کوئی منکر ہو مفسد سے اور یقین لاوے

بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

اللہ پر اس نے پکڑی رسی مضبوط جو ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ سنتا ہے جانتا

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

اللہ کام بنانے والا ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے اجالے میں اور جو منکر ہیں

نہیں ہے[1] حاصل مطلب یہ ہے اتنی بڑی کرسی اور زمین اور آسمان کی نگہبانی جس کے ہاتھ میں ہے پرستش کے قابل وہی ہے ایسے بڑے بادشاہ کو چھوڑ کر دوسروں سے التجا کا کرنا سراپا نادانی ہے۔

۲۵۶- ابوداؤد اور نسائی اور صحیح ابن حبان اور تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ انصار کی بعض عورتیں اولاد کی تمنا میں اسلام سے پہلے یہ نذر مان لیتی تھیں کہ ہمارے یہاں لڑکا پیدا ہوگا تو ہم اس کو یہودی کر دیں گی۔ چنانچہ اس طرح کے کئی لڑکے انصار میں کے یہودی بن کر یہود کے قبیلہ بنی نضیر میں رہتے تھے جب اس قبیلہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نواح مدینہ سے جلاوطن کیا تو انہوں نے ان لڑکوں کو اپنے ساتھ لے جانا چاہا اور انصار نے ان لڑکوں کو جبراً روکنا چاہا اس پر اللہ تعالے نے یہ آیت نازل فرمائی[2] اور انصار کو ان یہودی لڑکوں پر جبر کرنے سے روکا اس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب پر جبر نہیں جب کہ وہ جزیہ دیں اور مشرکین سے جہاد کرنے کی آیتوں کو اس آیت سے کچھ تعلق نہیں۔ بعضی تفسیروں میں سوا اس کے اس آیت کی شان نزول اور کچھ جو لکھی ہے اس کی بہ نسبت جو شان نزول اوپر بیان کی گئی ہے وہی قوی ہے اور عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کے حوالہ سے بعض تفسیروں میں یہ جو لکھا ہے کہ ہجرت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ میں تھے اس وقت تک اس طرح درگذر کا حکم تھا جہاد کی آیت سے اب یہ آیت منسوخ ہے یہ قابل اعتراض ہے کیوں کہ ابوداؤد اور نسائی اور ابن حبان کی روایت متصل سے جب اس آیت کا نازل ہونا جلاوطنی بنی نضیر کے بعد ثابت ہے۔ اور کتب مغازی اور کتب شرح حدیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ جلاوطنی بنی نضیر کی جنگ احد کے بعد ہے پھر خود یہ آیت آیت جہاد اور جنگ بدر اور احد کے بعد نازل ہوئی ہے آیت جہاد سے اس کو منسوخ کہنا کیونکر صحیح قرار پاسکتا ہے العروۃ الوثقیٰ کی تفسیر مسلم وغیرہ کی اس روایت میں ہے جس میں عبداللہ بن سلامؓ کے خواب کا ذکر ہے وہ تفسیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ اسلام سے فرمائی ہے[3]۔ اس کے سوا کسی دوسری تفسیر کی ضرورت نہیں۔

۲۵۷- ابن جریر نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ بعض نصرانی پہلے حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر ایمان لاچکے تھے۔ اور

[1] تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۳۰۹ - ۳۱۰ [2] تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۳۱۰ [3] تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۳۱۲۔

أَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓـئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

انکے رفیق ہیں شیطان نکالتے ہیں ان کو اجالے سے اندھیروں میں وہ ہیں دوزخ والے

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ

وہ اسی میں رہ پڑے تو نے نہ دیکھا وہ شخص جو جھگڑا ابراہیم سے اس کے رب پر واسطہ یہ کہ دی تھی اس کو اللہ نے

اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ

سلطنت جب کہا ابراہیم نے رب میرا وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے بولا میں ہوں جلاتا اور مارتا کہا ابراہیم نے اللہ تو

اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ

لاتا ہے سورج کو مشرق سے پھر تو لے آ اس کو مغرب سے تب حیران رہ گیا وہ منکر

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵۸﴾ ۚ

اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو ؛

رکوع ۳۴ / ۲

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت مشہور ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے ان کی شان میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی [1] معنے آیت کے یہ ہیں کہ جو شخص اللہ کے حکم کے موافق رسول وقت کی اطاعت کرتا ہے اللہ اس کو سیدھا راستہ روز روشن کی طرح ہر وقت دکھلا دیتا ہے اور جو شخص شیطان کے بہکائے میں ہے وہ گمراہی کے اندھیرے میں پڑ کر فطرتی ایمان بھی کھو دیتا ہے ؛

۲۵۸ - یہ بادشاہ جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے کے باب میں بحث کی اس کا نام نمرود بن کنعان تھا یہ بابل کا بادشاہ تھا اور چار سو برس کے قریب اس نے سلطنت کی ہے یہ ملعون خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اسی واسطے اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس طرح کی بحث کی چار بادشاہ روئے زمین پر بہت بڑے ہوئے ہیں دو مسلمان حضرت سلیمان اور ذوالقرنین اور دو کافر نمرود اور بخت نصر یہ مباحثہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا اس وقت ہوا ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس آگ سے نجات دی ہے جو نمرود اور اس کی قوم نے بتوں کے توڑنے کی سزا کے طور پر جلائی تھی جس کا پورا قصہ سورہ انبیاء میں آئے گا۔ جب نمرود نے سنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور لوگوں کی طرح نمرود کو خدا نہیں کہتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ مباحثہ کیا اور سورج کو مغرب کی طرف سے نکالنے کی قدرت اپنے آپ میں نہ پاکر آخر کو قائل ہو گیا۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ظالم لوگ اللہ کے حکم سے غالب ہونے کا راستہ نہیں پا سکتے قطع حجت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج کے مغرب سے نکالنے کی دلیل پیش کی ورنہ پہلی دلیل میں کسی مردہ کے جلانے کی حجت ابراہیم علیہ السلام پیش کر سکتے تھے اور اس حجت میں بھی وہ کافر عاجز ہو سکتا تھا بعض مفسروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے یہ کہا کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے تو نمرود نے یہ کہا کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے کوئی مردہ زندہ ہوئے

[1] لباب النقول صفحہ ۳۷

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ

یا جیسے وہ شخص کہ گذرا ایک شہر پر اور وہ گرا پڑا تھا اپنی چھتوں پر بولا کہاں جِلاوے گا اس کو اللہ

مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ

مر گئے پیچھے پھر مار رکھا اس شخص کو اللہ نے سو برس پھر اٹھایا کہا تو کتنی دیر رہا بولا میں رہا ایک دن یا

بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ

دن سے کچھ کم کہا نہیں بلکہ تو رہا سو برس اب دیکھ اپنا کھانا اور پینا سڑ نہیں گیا

وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ ۖ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ

اور دیکھ اپنے گدھے کو اور تجھ کو ہم نمونہ کیا چاہتے ہیں لوگوں کے واسطے اور دیکھ ہڈیاں کس طرح ان کو ابھارتے ہیں پھر

نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾

ان پر پہناتے ہیں گوشت پھر جب اس پر ظاہر ہوا بولا میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔

اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت سورج کو مغرب سے نکالنے کی دلیل سے اس کا ذکر قائل کر دیا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ سے یہ التجا کی کہ یا اللہ تو مجھ کو کسی مردہ کو جِلا کر دکھا دے چنانچہ اس کا قصہ آگے آتا ہے اس مباحثہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تو حضرت لوط اور سارہ کو ساتھ لے کر ملک عراق سے شام کی طرف چلے گئے اور اللہ تعالیٰ نے حجت تمام کرنے کو ایک فرشتہ نمرود کی ہدایت کے لئے بھیجا اور باوجود ہدایت کے جب نمرود راہِ راست پر نہ آیا تو مچھروں کا عذاب بھیج کر اس کو اور اس کے لشکر کو غارت کر دیا اور لوگ تو مچھروں کے ناک میں گھس جانے اور دماغ میں کاٹنے سے فوراً مر گئے۔ مگر خدا کی پھٹکار کے سبب سے نمرود اس حالت میں بھی مدت تک جیا اور جب مچھر اس کے دماغ میں کاٹتا تھا تو اس کے سر پر طرح طرح کی مار پڑتی تھی خدا تعالیٰ کو یہ ذلت اس ملعون کو دینی تھی اس لئے اس بے حیا زیست سے اس کو ایک مدت تک زندہ رکھا اہل کتاب اور مشرکین عرب میں سے جو لوگ اس آیت کے نازل ہونے تک اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے باز نہیں آئے تھے ان کی تنبیہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے تاکہ یہ لوگ خوب اچھی طرح سمجھ لیویں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ایسی بُری چیز ہے جس نے نمرود جیسے صاحب حشمت بادشاہ کو ایسی ذلت و خواری سے مع اس کے لشکر کے غارت کر دیا ان لوگوں کی کیا اصل و بنیاد ہے جو انہوں نے رسول وقت کی مخالفت پر کمر باندھی ہے باوجود فہمایش کے اگر یہ لوگ اپنی عادت سے باز نہ آئے تو ان پر بھی نمرود جیسا کوئی وبال پڑنے والا ہے اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے اس تنبیہ کا جو کچھ نتیجہ اہل کتاب و مشرکین مکہ دونوں کے حق میں ہوا اس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے کہ کچھ لوگ ان میں ذلت سے قتل اور قید ہوئے اور کچھ جلا وطن۔

۲۵۹۔ جب بنی اسرائیل نے بہت نافرمانی شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے بخت نصر بابلی کو ان پر مسلط کیا جو چھ لاکھ

وَإِذْ قَالَ إِبْرَٰهِـۧمُ رَبِّ أَرِنِى كَيْفَ تُحْىِ ٱلْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَـٰكِن

اور جب کہا ابراہیم نے اے رب دکھا مجھ کو کیونکر جلائے گا تو مردے فرمایا کیا تو نے یقین نہیں کیا کہا کیوں نہیں لیکن

لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِى ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ ٱلطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ ٱجْعَلْ عَلَىٰ

اس واسطے کہ تسکین ہو میرے دل کو فرمایا تو پکڑ چار جانور اڑتے پھر ان کو ہلا اپنے ساتھ پھر ڈال

كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ٱدْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَٱعْلَمْ أَنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦٠﴾ ع

ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا پھر ان کو پکار کہ آئیں گے تیرے پاس دوڑتے اور جان لے کہ اللہ زبردست ہے حکمت والا

کے قریب فوج ساتھ لے کر بابل سے ملک شام کو آیا اور ہزارہا آدمی بنی اسرائیل کے قتل کر ڈالے اور ہزارہا آدمیوں کو قید کر کے بابل لے گیا ان قیدیوں میں حضرت عزیر بھی تھے پھر جب نمرود کی طرح بخت نصر کی ناک میں بھی ایک مچھر گھس گیا جس سے وہ آخر کو ہلاک ہو گیا اور حضرت عزیر قید سے چھوٹ کر بابل سے ملک شام کو آئے اور بیت المقدس پر ان کا گذر ہوا تو بیت المقدس کو نہایت درجہ ویران دیکھ کر ان کے منہ سے بے ساختہ یہ کلمہ نکل گیا کہ دیکھئے اللہ تعالے اس اجڑے دیار کو کب اور کیونکر آباد کرے گا اللہ تعالے نے اپنی قدرت دکھانے کے لئے سو برس تک اُن کو اور ان کی سواری کے گدھے کو مار ڈالا اور جب اس سو برس کے عرصہ میں وہ شہر پھر بس گیا تو ان کو اور ان کے سامنے ان کے گدھے کو زندہ کیا اور وہ بسا ہوا شہر ان کو دکھا دیا جس پر انہوں نے یہ کہا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے بخت نصر کی گردی میں توریت بھی ضائع ہو گئی تھی اس لئے اللہ تعالے نے جب حضرت عزیر کو زندہ کیا تو تورات بھی ان کو یاد کرا دی بنی اسرائیل نے جو دیکھا کہ اتنی عمر کے بعد عزیر ابھی جوان ہیں اور تورات بھی ان کو یاد ہے تو بنی اسرائیل ان کو خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ اس قصہ کے نازل فرمانے سے اہل کتاب کو تو یہ جتلایا گیا ہے کہ باوجود امی ہونے کے تورات کے قصے صحیح طور پر جو نبی آخر الزمان بیان کرتے ہیں تو ان کے نبی ہونے میں اور وحی کی مدد سے ان کے یہ قصے کتب آسمانی کے بیان کرنے میں کوئی شبہ اب باقی نہیں رہا اور اہل مکہ کو حشر کا جو انکار تھا اس انکار کو اسی طرح اس قصہ سے ضعیف کیا گیا ہے جس طرح مقتول شخص کے زندہ کرنے کے قصہ سے اور وبا سے ڈر کر جو لوگ بھاگے تھے ان کے قصہ سے اہل مکہ کے حشر کے انکار کو بے اصل ٹھہرایا گیا ہے۔

۲۶۰۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے یہ کہا کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ شوق ہوا کہ حشر سے پہلے ہی خدا کی اس قدرت کا تماشا دیکھا جاوے۔ حاصل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں کچھ شک نہیں تھا کہ ایک دن حشر ہونے والا ہے اور اس دن اللہ تعالے سب اگلے پچھلے مردوں کو زندہ کرے گا کیونکہ حشر پر ایمان لانا سب انبیاء کا ایک اجماعی مسئلہ ہے اسی واسطے جب اللہ تعالے نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا اَوَلَمْ تُؤْمِنْ تو انہوں نے لفظ بَلٰی سے جواب ادا کیا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ

مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں جیسے ایک دانہ اس سے اگیں سات

لیکن اللہ تعالیٰ سے یہ خواہش حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فقط اس لئے کی تھی کہ مرنے کے بعد متفرق اجزا مردے کے کیوں کر جمع ہوتے ہیں اور پریشان اجزا کے جمع ہو جانے اور اُن سے جسم کے تیار ہو جانے کے بعد اس جسم سے روح کا تعلق کیونکر ہوتا ہے اس سب کیفیت کو آنکھوں سے دیکھ کر حشر سے پہلے ہی اس کیفیت پر اطمینان حاصل کر لیویں کیونکہ معتبر خبر کے ذریعہ سے ایک کیفیت کو سنکر اس کا یقین کرنا اور چیز ہے اور اس کیفیت کو آنکھ سے دیکھ لینا اور چیز ہے اس لئے معائنہ احوال محشر کے بعد لوگوں سے یہ ارشاد ہوگا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (۵۰-۲۲) جس کا مطلب یہ ہے کہ معائنہ احوال محشر کے بعد وہ احوال لوگوں کی نظروں میں بچ جائیں گے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی وہ حدیث جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم شک کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس کے معنے بھی معتبر علماء نے یہ بیان کئے ہیں کہ اتباع ملت ابراہیمی کا ہم کو حکم ہے اور ہم کو اس مسئلہ میں کچھ شک نہیں ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے جو خواہش کی تھی وہ علم الیقین سے عین الیقین کے درجہ تک ترقی حاصل کرنے کے لئے کی تھی کسی شک کے سبب وہ خواہش نہیں کی کیونکہ انبیاء کی شان اس شک سے بری ہے مجاہد اور عکرمہ کے قول کے موافق وہ چار جانور یہ تھے ایک مور دوسرا مرغ تیسرا کوا، چوتھا کبوتر، اللہ کے حکم کے موافق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان جانوروں کو ذبح کر کے ان کے پر اور اعضاء کو ملا دیا اور چار پہاڑوں پر اس کی ایک ایک ڈھیری رکھ دی۔ پھر ان کے سر ہاتھ میں لے کر ایک ایک کو پکارا جس کو پکارا ہر ایک ڈھیری میں سے اس کے پر اور اعضاء خود بخود چھٹنے۔ اور ان چھٹنے ہوئے پروں اور اعضاء سے اس جانور کا دھڑ تیار ہوا اور فوراً حضرت ابراہیمؑ کے پاس دوڑ کر آ گیا[1] حکم الٰہی کی یہ عظمت بھی غور کے قابل ہے کہ ایک جانور کا سر دوسرے جانور کے دھڑ پر لگانے کے لئے بطور امتحان کے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ تو وہ دھڑ پیچھے ہٹ گیا اور اصلی دھڑ پر اس کا سر لگانا چاہا تو وہ سر آگے آ گیا۔ غرض اصلی دھڑوں پر وہ سر آخر کو لگ گئے اور خدا کے حکم سے ان میں جان پڑ گئی اور جانور ذبح کرنے سے پہلے جیسے تھے ویسے ہی ہو گئے۔ جن کو دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے اس قول کی پوری تصدیق ہوئی کہ اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے یہ قصہ جسمانی حشر کی شہادت ممکن ہونے کی پوری دلیل ہے اور اسی شہادت کے ظاہر کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی ہے۔

۲۶۱۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب اور اس خرچ کے اجر کے بڑھنے کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو مال خرچ کیا جائے

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۱۵۔

سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

بالیں ہر بال میں سو سو دانے اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے اور اللہ کشائش

عَلِیْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا

والا ہے سب جانتا جو لوگ خرچ کرتے ہیں مال اپنے اللہ کی راہ میں پھر پیچھے خرچ کر کر نہ احسان رکھتے ہیں

بارگاہ الٰہی میں اس کی شرطیں ہیں بڑی شرط تو یہ ہے کہ جس مال میں سے اللہ کے نام پر کچھ خیرات کی جاوے وہ مال نیک کمائی کا ہووے۔ چنانچہ صحیح بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ پاک ذات ہے بغیر نیک کمائی کے کسی ناجائز کمائی کے مال کی خیرات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتی[۱] اب نیک کمائی کے مال میں سے خیرات ہونے کی صورت میں یہ بھی ضرور ہے کہ خیرات کرکے کبھی پر اس کا احسان نہ جتلانے اور دنیا کے دکھلاوے کا دخل خیرات میں ہرگز نہ آنے دے۔ کیونکہ اس طرح کی خیرات بھی اکارت جاتی ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر تفصیل سے آگے کی آیتوں میں آتا ہے ان شرطوں کے پورا ہوجانے کی صورت میں مثلاً ایک روپیہ خرچ کیا تو اس کا اجر دس سے لے کر سات سو روپے تک خرچ کرنے کا ملے گا یہ اپنی اپنی نیت کا پھل ہے جس کی نیت بالکل بخیر ہوگی وہ پورے سات سو کا اجر پائے گا ورنہ کچھ کمی ہوجائے گی۔ اس آیت میں تو عبادت مالی کا ذکر ہے۔ لیکن یہی حال عبادت بدنی کے اجر کا ہے چنانچہ صحیح بخاری صحیح مسلم وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ نیک عمل کا اجر دس گنے سے لے کر سات سو تک ہے۔ لیکن روزوں کا اجر اس حساب سے باہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا روزہ ایسی ایک بڑی بھاری عبادت کھانا پینا چھوڑنے کی انسان کے حق میں ہے جس کا اجر میں خود اپنی ذات سے مناسب طور پر دوں گا[۲] معتبر سند سے ترمذی، نسائی، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ غیر آدمی غریب کو جو کچھ دیا جائے تو وہ اکہری خیرات ہے اور جو کچھ قرابت دار محتاج کو بطور خیرات کے دیا جائے وہ دوہری خیرات ہے[۳] اس سے معلوم ہوا کہ غیر آدمی غریب کو دینے سے مثلاً جہاں ایک روپیہ کا سات سو کا اجر مل سکتا ہے اگر وہی ایک روپیہ قرابت دار غریب کو دیا گیا ہے تو بجائے سات سو کے چودہ سو کا اجر ملے گا وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ کا یہ مطلب ہے کہ اجر کے دینے میں اللہ کے خزانہ میں بڑی گنجائش ہے مگر وہ ہر ایک کی نیت کا حال خوب جانتا ہے جیسی جس کی نیت ہوگی ویسا ہی اس کو اجر ملے گا۔

۲۶۲-۲۶۴۔ غزوہ تبوک میں حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار اونٹ مع سامان اور عبدالرحمن بن عوفؓ نے چار ہزار درہم بطور خیرات

[۱] صحیح بخاری ص ۱۸۹ باب الصدقۃ من کسب طیب [۲] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۱۷ [۳] جامع ترمذی ج ۱ ص ۸۳ طبع مجتبائی و سنن نسائی ج ۱ ص ۲۹۶ طبع المکتبۃ السلفیہ لاہور۔

وَلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٦٢﴾ قَوْلٌ

دستاتے ہیں انہیں کو ہے ثواب ان کا ان کے رب کے ہاں اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غم کھاویں گے بات

مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿٢٦٣﴾ يٰٓاَيُّهَا

معقول کہنی اور درگزر کرنا بہتر اس خیرات سے جس کے پیچھے ستانا اور اللہ بے پرواہ ہے تحمل والا اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاۗءَ

ایمان والو مت ضائع کرو اپنی خیرات احسان رکھ کر اور ستا کر جیسے وہ جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں

النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ

کے دکھانے کو اور یقین نہیں رکھتا ہے اللہ پر اور پچھلے دن پر سو اس کی مثال جیسے صاف پتھر اس پر پڑی ہے مٹی

فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ

پھر اس پر برسا زور کا مینہ تو اس کو کر رکھا سخت کچھ ہاتھ نہیں لگتی ان کو اپنی کمائی اور اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦٤﴾

راہ نہیں دیتا منکر لوگوں کو۔

کے دیئے تھے اس پر یہ آیت اتری۔[1] اس آیت کے اول حصہ میں اللہ تعالیٰ نے عام طور پر ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو خیرات کے بعد اپنے دیئے کا کسی پر احسان نہیں رکھتے نہ اپنے دیئے کو جتلا کر کسی کو شرمندگی اٹھانے کی ایذا و تکلیف دیتے ہیں بلکہ وہ جو کچھ عقبیٰ کے اجر کی نیت سے دیتے ہیں اس سے نہ کسی پر احسان جتانے کی ان کی نیت ہے نہ کسی کو شرمندہ کر کے ایذا دینے کی پھر آیت کے دوسرے حصہ میں ان لوگوں کو ہوشیار کیا ہے جن کی عادت اس کے برخلاف ہے اور فرمایا ہے کہ جو لوگ دنیا کے دکھاوے کو کچھ دیتے ہیں اور ان کا وہ دینا اکارت جاتا ہے۔ اسی طرح ان کا دینا بھی اکارت ہے جو دے کے بعد لوگوں پر احسان کا بوجھ رکھتے ہیں یا دینے کے بعد لوگوں کو یہاں تک جتلاتے ہیں کہ لینے والے کو شرمندگی اٹھانے کی ایذا پہنچتی ہے پھر فرمایا کہ یہ عادتیں تو ان لوگوں کی ہیں جن کو عقبیٰ میں اجر کا یقین نہیں ہے۔ ایمان دار آدمی میں اس طرح کی عادت ہرگز نہیں ہونی چاہئے پھر ایک مثال بیان فرمائی کہ اس طرح کی عادت والوں کا دینا ایسا ہے جیسے کوئی ایک پتھر پر تھوڑی سی مٹی دیکھ کر کھیتی کرے اور زور کا مینہ برس جانے سے وہ مٹی مع کھیتی کے دھل دھلا کر صفا چٹ پتھر نکل آئے اور اس کھیتی کی پیداوار کھیتی کرنے والے کے ہاتھ کچھ بھی نہ لگے اسی طرح بظاہر دنیا میں تو یہ لوگ خیرات کرتے ہیں مگر عقبیٰ میں ان کو اس خیرات کا اجر کچھ نہیں ملنے والا بلکہ اس کھیتی والے کی طرح وہاں یہ لوگ بالکل خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔ صحیح مسلم، ترمذی نسائی وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن بہت سے شہید ن

[1] تفسیر فتح البیان ج ۱ ص ۴۲۲ طبع ہند۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

اور مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں مال اپنے اللہ کی خوشی چاہ کر اور اپنا دل ثابت کرکر

كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا

جیسے ایک باغ ہے بلندی پر اس پر پڑا مینہ تو لایا اپنا پھل دونا پھر اگر نہ پڑا اس پر

وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ

مینہ تو اوس ہی بڑی اور اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے بھلا خوش لگتا ہے تم میں کسیکو کہ ہووے اس کا ایک باغ

مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَ

کھجور اور انگور کا نیچے اس کے بہتی ندیاں اس کو وہاں حاصل سب طرح کا میوہ اور

اَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ

اس پر بڑھاپا پڑا اور اس کی اولاد ہیں ضعیف تب پڑا اس باغ پر بگولا جس میں آگ تھی تو وہ جل گیا

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾

یوں سمجھاتا اللہ تم کو آیتیں شاید تم دھیان کرو ؏

سے یہ کہا جائے گا کہ دنیا میں بہادر مشہور ہونے کے لئے تم نے اپنی جان دی ہے اس لئے آج تم کو کچھ اجر شہادت کا نہیں مل سکتا اور پھر اسی طرح نیک عملوں کا بھی جواب ملے گا[1] اس سے معلوم ہوا کہ عبادت خواہ مالی ہو خواہ بدنی۔ جس عبادت میں آدمی کی عقبےٰ کے اجر کی نیت خالص نہ ہوگی وہ عبادت قیامت میں رائگاں جائے گی ؏

۲۶۵-۲۶۶۔ دنیا کے ہر ایک باغ کے جس طرح دو موسم ہوتے ہیں ایک پھل کھانے کی نیت سے باغ میں ہر طرح کے پودے لگانے کا موسم اور پھر ان پودوں کے لگ جانے اور بڑھ جانے اور ان میں پھل آجانے پر ان کے پھل کھانے کا موسم اسی طرح انسان کے عملوں کے دو زمانہ ہیں ایک دنیا میں نیک عمل کرنے کا زمانہ جس کو باغ میں پودے لگانے کے ساتھ پوری مشابہت ہے۔ دوسرا عقبےٰ میں ان نیک عملوں کا اجر پانے کا جس کو باغ کے پھل کھانے کے موسم کے ساتھ پوری مشابہت ہے۔ ان ہی مشابہتوں کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں لوگوں کے نیک و بد عملوں کی مثال دو باغوں کا ذکر فرما کر لوگوں کو سمجھائی ہے ایک باغ تو وہ ہے جو اونچی جگہ پر ہر طرح کی پامالی سے بچا ہوا ہے۔ مینہ۔ اوس۔ سب کچھ اس کی ترقی کا سبب ہے۔ اس لئے امید سے زیادہ اس کے پیڑوں میں پھل آیا یہ ان لوگوں کے عمل کی مثال ہے جو خالص عقبےٰ کے اجر کے ارادہ سے عمل کرتے ہیں آخر مثال پر وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ کا یہ مطلب ہے کہ ہر ایک کے دلی ارادہ کا حال اللہ تعالیٰ ہی کو خوب معلوم ہے۔ دوسرا باغ بھی اچھا تھا۔ مگر عین بہار کے وقت اس باغ کے حق میں ایسی مخالف ہوا چلی کہ تمام

[1] سنن نسائی ج ۲ ص ۱۵ کتاب الجہاد طبع المکتبۃ السلفیہ لاہور۔ و جامع ترمذی ص ۶۲ ج ۲ باب ما جاء فی الریاء والسمعۃ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَ

اے ایمان والو خرچ کرو ستھری چیزیں اپنی کمائی سے اور جو ہم نے نکال دیا تم کو زمین میں سے اور

لَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا

نیت نہ رکھو گندی چیز پر کہ خرچ کرو اور تم آپ وہ نہ لوگے مگر جو آنکھیں موند لو اور جان رکھو

اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ۞ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ

کہ اللہ بے پرواہ ہے خوبیوں والا شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگی کا اور حکم کرتا ہے بے حیائی کا اور اللہ وعدہ دیتا ہے

مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۞ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ

اپنی بخشش کا اور فضل کا اور اللہ کشائش والا ہے سب جانتا دیتا ہے سمجھ جس کو چاہے اور جس کو سمجھ ملے

باغ جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ اور ایسے وقت پر جلا کہ بڑھاپے کے سبب سے باغ والا اور چھوٹی عمر ہونے کے سبب سے اس کی اولاد دوسرا باغ لگانے سے سب عاجز ہیں یہ ان لوگوں کے عمل کی مثال ہے کہ دیکھنے میں وہ روزہ نماز خیر خیرات سب کچھ کرتے ہیں مگر یہ سب کچھ دنیا کی کسی غرض سے عقبےٰ کی نیت سے کچھ بھی نہیں اس لئے قیامت کے دن اس بڈھے باغ والے کی طرح ایسے لوگ اپنے عملوں کے اجر سے بالکل ہاتھ دھو بیٹھیں گے آخر مثال پر کذلک یبین اللہ لکم الآیات لعلکم تتفکرون کا یہ مطلب ہے کہ آیت کے نازل ہونے کے وقت تک جو لوگ دنیا میں زندہ وحیات ہیں ان کو اپنے عملوں کی اصلاح میں غور و فکر کرنے کا موقع حاصل ہے یہ وقت ہاتھ سے نکل گیا تو عین وقت پر اس بڈھے باغ والے کی طرح پھر کچھ نہیں ہو سکنے کا صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صحابہ سے پوچھا کہ مفلس کونسا آدمی کہلاتا ہے۔ صحابہ نے جواب دیا کہ حضرت مفلس وہی شخص ہے جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو آپ نے فرمایا نہیں اصل مفلس وہ آدمی ہے جس کے نامہ اعمال میں نیک عمل جنت کے جانے کے قابل ہوں گے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے اس نے لوگوں پر ظلم اس قدر کئے ہوں گے کہ ان ظلموں کے بدلے میں اس شخص کے سب نیک عمل مظلوموں کو بٹ جائیں گے اور آخر کو وہ شخص دوزخ میں ڈال دیا جائے گا[1] اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن بعضے لوگ ایسے بھی ہونگے کہ ان کے عملوں میں کچھ خرابی نہ ہو گی۔ مگر ظلم و زیادتی کے سبب سے ان لوگوں کے نیک عمل ان کے کچھ کام نہ آئیں گے اس لئے انسان کو لازم ہے کہ اپنے عملوں کی اصلاح کے ساتھ ظلم و زیادتی سے بچنے کا بھی پورا خیال رکھے۔

۲۶۷ ۔ ۲۷۱۔ حاکم، ترمذی ابن ماجہ ابو داؤد اور نسائی میں معتبر سند سے چند صحابیوں کی روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے لوگ صدقہ دینے میں کچھ تو تنگی کرتے تھے اور کچھ بیکار اور بری چیز صدقہ میں دیتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۰ باب تحریم الظلم۔

الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾ وَمَا أَنفَقْتُم

بہت خوبی ملی اور وہی سمجھیں جن کو عقل ہے اور جو خرچ کروگے

مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿٢٧٠﴾

کوئی خیرات یا قبول کروگے کوئی منت سو اللہ کو معلوم ہے اور گنہگاروں کا کوئی نہیں مددگار

إِن تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۖ وَإِن تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ

اگر کھلی دو خیرات تو کیا اچھی بات ہے اور اگر چھپاؤ اور فقیروں کو پہنچاؤ تو تم کو بہتر

لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٧١﴾ لَّيْسَ عَلَيْكَ

ہے اور اتارتا ہے کچھ گناہ تمہارے اور اللہ تمہارے کام سے واقف ہے تیرا ذمہ نہیں

هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ ۚ وَمَا

ان کو راہ پر لانا لیکن اللہ راہ پر لاوے جس کو چاہے اور مال جو خرچ کروگے سو واسطے اپنے اور جب

تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا

تک خرچ کروگے مگر اللہ کی خوشی چاہ کر اور جو خرچ کروگے خیرات پوری ملے گی تم کو اور تمہارا حق نہ

نازل فرمائی اور جتلادیا کہ اللہ تعالےٰ کی ذات غنی ہے اس کو تمہارے صدقہ اور تمہاری خیرات کی کچھ پرواہ نہیں ہے صرف تمہارے بھلے کے لئے تم کو خیرات کا حکم دیا ہے تاکہ خالص دل سے تم ایک پیسہ ایک پیسہ کی چیز خیرات کرو تو جس قدر تمہارا خلوص ہو اس کے موافق ایک کے بدلے دس سے سات سو تک تم کو دنیا میں اور بے شمار عقبےٰ میں اجر عنایت فرمائے گا اس طرح کی دل سے اتری ہوئی چیزیں جن کو کوئی تمہیں دے تو تم خود لینا پسند نہ کرو اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں ہرگز قبول ہونے والی نہیں صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شیطان اپنے شیاطینوں کو بھیج کر لوگوں کو ہر طرح سے بہکاتا ہے[۲] اسی کو اس آیت میں فرمایا کہ شیطان صدقہ خیرات کے وقت محتاج ہو جانے سے ڈراتا ہے اور طرح طرح کی بری باتیں سکھاتا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا وعدہ یہ ہے کہ صدقہ خیرات سبب مغفرت کا ہے پھر یہ بھی فرمایا کہ تم از خود نذر مان کر جو صدقہ خیرات کروگے اللہ کو سب معلوم ہے وہ ایک دن تم کو اس کا بدلہ دے گا نیت خیر ہو تو علانیہ اور چھپا کر دونوں طرح صدقہ جائز ہے مگر صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی جو روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کا چھپا کر دینا افضل ہے[۳]۔

۲۷۲-۲۷۳۔ نسائی حاکم ابن ابی حاتم طبرانی اور بزاز نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ اسلام سے پہلے اکثر صحابہ اور یہود میں قرابت تھی اور اس قرابت کی وجہ سے صحابہ ان سے طرح طرح کے سلوک کیا کرتے تھے اسلام کے بعد اس سلوک سے صحابہ نے باز رہنے کی اجازت آنحضرت سے چاہی آپ نے بھی

[۱] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۳ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۲۰ [۲] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶ [۳] صحیح بخاری ص ۱۹۱ ج ۱ باب صدقۃ السر و صحیح مسلم ص ۳۳۱ ج ۱ باب فضل اخفاء الصدقۃ

تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٢﴾ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي

رہے گا دینا ہے ان مفلسوں کو جو اٹک رہے ہیں اللہ کی راہ میں چل پھر نہیں سکتے

الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ

ملک میں سمجھے ان کو بے خبر محفوظ ان کے نہ مانگنے سے تو پہچانتا ہے ان کو ان کے چہرے سے نہیں مانگتے

النَّاسَ إِلْحَافًا ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢٧٣﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ

لوگوں سے لپٹ کر اور جو خرچ کرو گے کام کی چیز وہ اللہ کو معلوم ہے اور جو لوگ خرچ کرتے ہیں

أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ

اپنے مال اللہ کی راہ میں رات اور دن چھپے اور کھلے تو ان کو ہے مزدوری ان کی اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٤﴾

ان پر اور نہ وہ غم کھائیں گے

ع ۳۷/۵ — منزل

اس خیال سے کہ شاید یہ طریقہ یہود کو کچھ راہِ راست پر لا دے صحابہ کو اس کی اجازت دے دی اس پر اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور فرمادیا کہ جس کسی کی ہدایت اللہ کو منظور ہوتی ہے وہ ہر طرح راہ راست پر آجاتا ہے۔ بدوں مرضی اللہ کے تمہاری ایسی باتوں سے کیا ہدایت ہو گی اور اللہ کو اس طرح کی مجبوری کا ایمان کب پسند ہے کہ کوئی کھانا بند کرنے سے ایمان لائے اور کوئی پانی اس لئے تم اپنے قرابت داروں سے جو کچھ سلوک کیا کرتے تھے وہ کئے جاؤ اور اللہ کی ہدایت کے منتظر رہو اس آیت کے بعد آپ نے صحابہ کو حکم دے دیا کہ بلالحاظ دین کے جو کوئی جس سے کچھ سلوک کرتا تھا وہ کیے جائے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے جو روایت اس شانِ نزول کے ہم معنے ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مسکین وہ نہیں ہے جو گھر گھر مانگتا پھرتا ہے بلکہ اصل مسکین وہ ہے جو اتنا نہیں رکھتا کہ اس کے خرچ ضروری کے لئے کافی ہو؎ وہ حدیث اس شان نزول کی موید ہے مفسرین نے لکھا ہے فقراء سے مراد مہاجرین اہل صفہ ہیں باوجود تنگی کے کسی سے سوال نہیں کرتے تھے ؛

۲۷۴۔ طبرانی ابن ابی حاتم ، عبدالرزاق ابن جریر اور ابن المنذر نے روایت کی ہے کہ عقبٰے کے اجر کے خیال سے جب صحابہؓ میں طرح طرح کی خیرات کا چرچہ ہوا مثلاً اکثر صحابہ نے جہاد کا سامان گھوڑے اور ہتھیار خریدنے اور مجاہدین کو طرح طرح کی مدد دی مثلاً حضرت علی کے پاس چار درہم تھے آپ نے ایک رات دن میں چھپے اور ظاہر وہ سب خیرات کر دئے اس پر اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمادیا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کو اللہ سے بڑے بڑے اجروں کی توقع رکھنی چاہیے حضرت علیؓ کے چار درہم خیرات کرنے کے قصہ کی روایت میں اگرچہ ابن جریر وغیرہ کی سند ضعیف ہے مگر ابن مردویہ؎ نے

؎ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۲۴ و مستدرک حاکم ص ۲۸۵ ج ۲ کتاب التفسیر؎ صحیح بخاری ص ۲۰۰ ج ۱ کتاب الزکوٰۃ و تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۴ ج ۱

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ

جو لوگ کھاتے ہیں سود نہ اٹھیں گے قیامت کو مگر جس طرح اٹھتا ہے جس کے حواس کھو دیئے جن نے

الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ

لپٹ کر یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہا سودا کرنا بھی تو ویسا ہی ہے جیسا سود لینا اور اللہ نے حلال کیا سودا اور حرام کیا

الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ

سود پھر جس کو پہنچی نصیحت اپنے رب کی طرف سے اور باز آگیا تو اس کا ہے جو آگے ہو چکا اور اس کا حکم اللہ کے

وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ

اختیار اور جو کوئی پھر کرے وہی ہیں دوزخ والے لوگ وہ اسی میں رہ پڑے مٹاتا ہے اللہ سود اور

يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

بڑھاتا ہے خیرات اور اللہ نہیں چاہتا کسی ناشکر گنہگار کو جو لوگ ایمان لائے اور عمل

الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ

نیک کئے اور قائم رکھی نماز اور دی زکوٰۃ ان کو ہے بدلا ان کا اپنے رب کے پاس اور نہ ان کو خوف ہے

عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

اور نہ وہ غم کھائیں گے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے طریق سے جو اس قصہ کو روایت کیا ہے[1] وہ سند قوی ہے اور اس قوی طریق کی مدد سے وہ ضعیف طریقہ بھی کچھ قوت پکڑ جاتا ہے۔ صحیحین وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص نیک نیتی اور عقبیٰ کے اجر کے خیال سے اپنی بی بی بچوں کو نان ونفقہ میں بھی کچھ خرچ کرے گا تو اس کو بھی قیامت کے دن اس خرچ کرنے کا اجر خدا کی درگاہ سے ضرور ملے گا[2]۔

۲۷۵-۲۷۷ اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان نیک لوگوں کا ذکر فرمایا تھا جو بذریعہ صدقہ وخیرات کے اپنے مال سے دنیا میں خلق اللہ کو نفع پہنچاتے ہیں اور عقبیٰ میں اس خیرات کے اجر کی اللہ سے توقع رکھتے ہیں اس آیت میں ان لوگوں کے مقابل کے ان بد لوگوں سود خواروں کا ذکر فرمایا ہے جنہوں نے اپنے مال کے طفیل میں اپنی دین دنیا کو خراب اور خوار کر دیا۔ مسند امام احمد وغیرہ کی شب معراج کی حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ دوزخ میں کچھ لوگ آپ نے دیکھے جن کے پیٹ بڑے بڑے گھر اور کوٹھوں کے برابر ہیں اور سانپ اور بچھوان کے پیٹوں میں بھرے ہیں[3]۔ دنیا میں ایک سانپ یا بچھو کسی کو کاٹتا ہے تو وہ بادلوں

[1] تفسیر ابن کثیر میں ابن جریر کی سند ضعیف کے وجہ اتنا کہا ہے کہ ابن مردویہ نے دوسری سند سے اس کو ذکر کیا ہے لیکن سند ذکر نہیں کی تاکہ اس کی استنادی حیثیت کی تحقیق کی جاسکے جب تک سند سامنے نہ ہو اس کو قوی کیسے قرار دیا جاسکتا ہے صحیح بات یہ ہے کہ اس روایت کا ثبوت مخدوش ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ کے منہاج السنہ (ص ۸۴ ج ۴) میں لکھا ہے۔ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۵-۳۲۶ بحوالہ مسند احمد [3] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۲۶۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ

اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو رہ گیا سود اگر تم کو یقین ہے پھر اگر

کی طرح بھاگا بھاگا پھرتا ہے۔ حسب بیان مخبر صادق کے جس شخص پر اس قسم کا عذاب قبر ہو کہ ہزارہا سانپ بچھو اس کے پیٹ میں بھرے ہوں تو باولوں کی طرح قبر سے اس کا اٹھنا ظاہر ہے اس حدیث کا پورا ذکر سورہ بنی اسرائیل میں آئے گا۔ مشرکین عرب میں اکثر سود کے لین دین کا یہ طریقہ جاری تھا کہ ایک شخص دوسرے شخص کو کچھ روپیہ قرض دیتا تھا۔ اور اس قرض کی مدت پر اگر روپیہ ادا نہ ہوا تو مدت کچھ زیادہ کر کے قرضہ کی قسم کو بھی کچھ بڑھا دیا جاتا تھا۔ اور اپنی سمجھ کے موافق وہ لوگ اس طریقہ کو بیع کی ایک قسم خیال کرتے تھے اور ادائے قرضہ کی مدت جو بڑھاتے تھے اس کو خرید و فروخت کی ایک چیز اور اس مہلت کے معاوضہ میں جو رقم بڑھائی جاتی تھی اس کو اس مہلت کی قیمت انہوں نے قرار دے رکھا تھا لیکن وہ مدت کوئی مالیت کی چیز نہ تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس صورت کو بیع قرار دینا ان کا دیوانہ پن قرار دیا اور حشر میں بھی سزا ان کے لئے تجویز کی کہ وہ قبروں سے دیوانہ ہو کر اٹھیں گے ہاں جو لوگ سود کے حرام ہونے کی آیت کے بعد آئندہ سود لینے سے توبہ کر لیں گے ان کو آیت سے پہلے کا سود کا مؤاخذہ معاف ہے یہ تو سود خواروں کا عقبیٰ کا حال ہوا دنیا میں اُن کے سودی مال کا وہی حال ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سود کے لالچ کے مارے وہ لوگوں کو روپیہ دیتے ہیں تھوڑے دنوں تو اپنا دل خوش کر لیتے ہیں کہ ایک ایک کے دو دو اور چار چار ہو گئے پھر تجربہ سے ہزاروں جگہ یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ آخر کو ان کا سود اصل سب کچھ اس طرح مٹ جاتا اور ڈوب جاتا ہے جس طرح خیرات کا مال دس سے سات سو تک بڑھتا ہے صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کے کھانے والے، کھلانے والے، سود کے لین دین کی تحریر لکھنے والے، گواہی دینے والے، سب پر لعنت فرمائی ہے[1] مراد مومنین سے اس آیت میں خاص کر وہ لوگ ہیں جو سود کو حرام جانتے ہیں اور سود کے معاملہ میں نہیں پڑتے سود خواروں کو ناشکر اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آسودگی کی نعمت جو دی تھی اس کی شکر گذاری انہوں نے اس مال کو نیک کاموں میں خرچ کر کے کچھ نہیں کی بلکہ سود خواری سے ناشکر اور گنہ گار بن گئے مسند امام احمد ابن ماجہ مستدرک حاکم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سود کی رقم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ رقم ظاہر میں چند روز بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے لیکن انجام اس کا نقصان اور گھاٹا ہے حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[2] مستدرک حاکم میں معتبر سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بستی میں سود خواری بڑھ جائے گی وہاں اللہ کا عذاب ضرور آئے گا[3]

۲۷۸۔۔۔۲۸۰ مسند ابو یعلی موصلی، ابن مندہ تفسیر ابن جریج تفسیر مقاتل اور تفسیر سدی میں کلبی نے ابو صالح کی سند سے

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷ باب الربوٰ [2] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۷ و تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۷ ج ۱ [3] مستدرک حاکم ص ۳۷ ج ۲ و ترغیب منذری ص ۳ ج ۲

لَمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ

نہیں کرتے تو خبردار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اگر توبہ کرتے ہو تو تم کو پہنچتے ہیں اصل مال تمہارے

لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ

نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر اور اگر ایک شخص ہے تنگی والا تو فرصت دینی چاہیے جب تک کشائش پاوے اور اگر

تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

خیرات کرو تو تمہارا بھلا ہے اگر تم کو سمجھ ہو ؛

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت بیان کی ہے اور متقدمین مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ سلسلہ روایت کا اچھا ہے قابل اعتراض نہیں ہے حاصل اس روایت کا یہ ہے کہ بنی عمرو بن عوف ایک قبیلہ تھا اسلام سے پہلے اس قبیلہ اور ایک دوسرے قبیلہ بنی مغیرہ میں سود کا لین دین تھا سود کے حرام ہو جانے کے بعد بنی عمرو بن عوف نے اپنی باقی رقم سود کے تقاضا بنی مغیرہ سے کیا انہوں نے کہا اسلام کے بعد ہم سود کی رقم نہیں دیں گے یہ جھگڑا مکہ کے عامل عتاب بن اسید کے روبرو پیش ہوا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس قصہ کی اطلاع لکھ کر بھیجی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل فرمائی[1] اور فرمادیا کہ جو لوگ مومن اور اللہ کے حکم کے فرماں بردار ہیں ان کو ہرگز روا نہیں ہے کہ حکم الٰہی سے سود کے حرام ہو جانے کے بعد پھر سود کی رقم کا مطالبہ کریں اور جس طرح یہ قرض دینے والے لوگ سود کی رقم کا مطالبہ نہ کریں اسی طرح قرض دار لوگ کو بھی یہ نہ چاہیئے کہ وہ باوجود آسودہ حالی کے ان کی اصل رقم کے دینے میں دیر کریں۔ یا اصل رقم میں سے کچھ دبا رکھیں ہاں جو قرض دار تنگ دست ہوں ان کو اس قدر مہلت ضرور دی جائے کہ ان کا ہاتھ ذرا فراغت ہو جائے اور اگر قرض دینے والے لوگ تنگ دست قرض داروں کو قرضہ کی پوری رقم یا اس کا کچھ حصہ معاف کر دیں تو ان کو یہ جتلا دیا جا چکا ہے کہ اس کے اجر میں دس سے لے کر سات سو تک خدا دے گا صحیح مسلم وغیرہ میں جو روایتیں ہیں[2] ان کا حاصل یہ ہے کہ جو قرض دینے والا شخص اپنے تنگ دست قرض دار کو اس کی فراغ دستی تک اواتے قرضہ کی مہلت دے گا تو اللہ تعالیٰ حشر کے روز کے میدان کی گرمی میں ایسے شخص کو اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دے گا۔ اور اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حشر کے دن کی اور اس دن کی جزا سزا کی یاد وہی لوگوں کو اس لئے فرمائی ہے کہ عقبےٰ کی جزا سزا اُن کے دلوں پر جم جائے اور اس خیال سے نیک کاموں کی رغبت ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے اور یہ بھی فرما دیا ہے کہ باوجود اس فہمائش اور نصیحت کے پھر بھی اگر کوئی شخص اللہ کے حکم کی مخالفت کرے گا تو اس کو چاہیئے کہ اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑنے کو تیار ہو جائے غرض اس سے یہ ہے کہ اگر یہ لوگ مسلمان ہو کر مشرکوں کی طرح اللہ کے حکم کی مخالفت کریں گے تو مشرکوں کی طرح ان پر بھی اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو فوج کشی کرنے کا حکم دے گا ؛

[1] تفسیر ابن کثیر ج اص ۳۳۰ [2] تفسیر ابن کثیر ج اص ۳۳۲ و صحیح مسلم ص ۴۱۶ ج ۲ کتاب الزہد

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا

اور ڈرتے رہو اس دن سے جس میں الٹے جاؤ گے اللہ کے پاس پھر پورا دے گا ہر شخص کو جو اس نے کمایا اور ان پر

يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ

ظلم نہ ہوگا اے ایمان والو جس وقت معاملہ کرو کسی ادھار کا کسی وعدہ مقرر تک تو اس کو لکھو

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ

اور چاہیے لکھ دے تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف سے اور نہ کنارہ کرے لکھنے والا اس سے کہ لکھ دے جیسا کہ سکھایا اس کو اللہ نے

فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا

سو وہ لکھے اور بتاتا جائے جس پر حق دینا ہے اور ڈرے اللہ سے جو رب ہے اس کا اور ناقص نہ کرے اس میں سے کچھ

فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ

پھر اگر جس شخص پر دینا آیا ہے بے عقل ہے یا ضعیف ہے یا آپ نہیں بتا سکتا تو بتا دے اس کا

۲۸۱۔ معتبر سند سے نسائی تفسیر ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ سب سے آخر قرآن شریف کی یہی آیت نازل ہوئی ہے[1] جس سے یہ اشارہ ہے کہ اس آیت کے بعد خوف آخرت ہے۔ ایک چیز ہے جو اللہ سے ڈرنے کا ذریعہ دنیا میں قیامت تک چھوڑا جاتا ہے رسول وقت کی صحبت قرآن شریف کا ہر نصیحت کے موقع پر نازل ہونا آئندہ سے بند ہے چنانچہ اس آیت کے نزول کے نو راتوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ جو آخری ذریعہ عقبےٰ کے پاک کرنے کا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے دنیا میں رکھا ہے وہی خوف عقبےٰ ہادی مطلق مسلمانوں کو ہدایت دے کہ کوئی مسلمان اس ذریعہ سے غافل نہ رہے آمین یارب العالمین۔

۲۸۲۔ سفیان ثوری ؒ نے بواسطہ مجاہد کے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت بیع سلم کے جائز ہونے کے حکم میں نازل ہوئی ہے[2]۔ کسی چیز کی قیمت پیشگی دے کر وہ چیز کچھ مدت کے بعد لے جاوے تو اس کو بیع سلم کہتے ہیں اس کی شرائط اور ان شرائط میں علماء کا جو اختلاف ہے اس کی صراحت فقہ کی کتابوں میں ہے۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیع سلم میں ماپ تول اور مدت بیع کا معلوم ہو جانا ضروری ہے[3]۔ اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ مہینوں کی مدت ہو تو اس کا صاف ذکر بیع سلم میں آجانا چاہئے مجہول مدت جیسے غلہ کا کٹنا یا کھلیانوں کا اٹھنا یا کسی قافلہ کا واپس آنا ایسی باتیں بیع سلم کی مدت مقرر کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں مدتی معاملہ کو لکھ لینے کا حکم اس لئے ہے کہ زبانی بات بہت دنوں تک یاد نہیں رہ سکتی یہی حال گواہی کا حال ہے کہ گواہی کے بعد معاملہ پکا ہو جاتا ہے۔ بھول چوک یا معاملہ کے انکار کی گنجائش پھر باقی نہیں رہتی کاتب اور گواہوں کو یہ تاکید فرمائی ہے کہ وہ لکھنے اور گواہی

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۳۲ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۳۴ [3] صحیح بخاری ص ۲۹۹ ج ۱ و صحیح مسلم ص ۳۱ ج ۲ و تفسیر ابن کثیر ص ۳۳۴ ج ۱

فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ ۖ فَإِنْ لَمْ

اختیار والا انصاف سے اور گواہ کر لو دو گواہ اپنے مردوں میں سے پھر اگر نہ

يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا

ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو پسند رکھتے ہو تم شاہدوں میں کہ بھول جائے ایک عورت

فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ

تو یاد دلائے اس کو دوسری اور انکار نہ کریں گواہ جس وقت بلائے جائیں اور کاہلی نہ کرو اس کے

تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ

لکھنے سے چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا اس کی میعاد تک اس میں خوب انصاف ہے اللہ کے یہاں اور درست رکھتی ہے گواہی

وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ

اور لگتا ہے تم کو شبہ نہ پڑے مگر ایسا کہ سودا ہو دو بدست کا پھر بدل کرتے ہو آپس میں تو گناہ نہیں تم پر

جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ

کہ نہ لکھو اس کو اور گواہ کر لو جب سودا کرو اور نقصان نہ کرے لکھنے والا اور نہ شاہد

وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ

اور اگر ایسا کرو گے تو یہ گناہ کی بات ہے تمہارے اوپر اور تم ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ تم کو سکھاتا ہے اور اللہ سب چیز

شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾

سے واقف ہے

ادا کرنے میں کوتاہی اور خیانت نہ کریں کاتب سے جو بات کہی جائے وہ پوری لکھ دے گواہوں کو جتنی بات معلوم ہو وہ پوری گواہی اس کی ادا کر دیویں سچی گواہی کے ادا کرنے کے اجر اور جھوٹی گواہی کے وبال میں بہت سی صحیح حدیثیں آئی ہیں گواہوں کے باب میں یہ فرمایا کہ جس شخص پر حق ہو اگر وہ کم عمر یا کم عقل ہو تو اس کا متولی ایمان داری سے پوری دستاویز لکھوا دے یہ بھی فرمایا کہ بڑے چھوٹے معاملہ کا خیال ان باتوں میں نہ کیا جائے ہر ایک معاملہ میں اس حکم کی تعمیل کی جائے۔ کیونکہ بھول بڑے چھوٹے معاملات میں یکساں ہے۔ ہاں دست بدست کے معاملہ میں گواہی اکثر علماء کے نزدیک ضروری نہیں ہے اخیر پر فرمایا کہ جو شخص باوجود اللہ کی اس ہدایت کے اوپر عمل نہ کرے گا تو وہ گناہ کی بات ہے ایسی باتوں میں خدا سے ڈرنا چاہیے مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت عبداللہ بن عباس رض سے روایت ہے کہ جس وقت اقرار کو لکھ لینے کا حکم اس آیت میں اترا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو اقرار کر کے اپنے اقرار کو بھول گئے وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں یوم المیثاق میں اللہ تعالے نے انکی سب اولاد

؎ جامع ترمذی [illegible] کتاب الشہادات۔

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمۡ تَجِدُوۡا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقۡبُوۡضَةٌ ؕ فَاِنۡ اَمِنَ بَعۡضُكُمۡ

اور اگر تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ لکھنے والا تو گرو ہاتھ میں رکھنی پھر اگر اعتبار کرے ایک

بَعۡضًا فَلۡيُؤَدِّ الَّذِى اؤۡتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلۡيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكۡتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ

دوسرے کا تو چاہئے پورا کرے جس پر اعتبار کیا اپنے اعتبار کو اور ڈرتا رہے اللہ سے جو رب ہے اس کا اور مت چھپاؤ تم گواہی کو

وَمَنۡ يَّكۡتُمۡهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلۡبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِيۡمٌ ﴿۲۸۳﴾

اور جو کوئی اسے چھپاوے گا تو گنہگار ہے دل اس کا اور اللہ تمہارے کام سے واقف ہے۔

ع ۳۹ / ۷

کو جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی حضرت آدمؑ کی پیشت سے نکالا تو ان میں ایک صورت کو بڑا نورانی دیکھ کر حضرت آدمؑ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ یا اللہ یہ نورانی صورت کا کون شخص ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہارے بیٹے داؤدؑ نبی ہیں حضرت آدمؑ نے کہا یا اللہ داؤدؑ کی کتنی عمر ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ساٹھ برس حضرت آدمؑ نے عرض کیا ان کی عمر کچھ اور زیادہ ہوتی تو خوب تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم اپنی ہزار برس کی عمر میں سے کچھ ان کو دے دو حضرت آدمؑ نے چالیس برس اپنی عمر میں سے حضرت داؤدؑ کو دینے کا اقرار کیا اور اپنی قبض روح کے وقت فرشتہ سے کہا کہ ابھی میری عمر کے چالیس برس باقی ہیں اور فرشتہ نے حضرت داؤدؑ کا قصہ یاد دلایا تو حضرت آدم علیہ السلام اس قصہ کو بالکل بھول گئے[1] اس آیت کے نزول کے وقت اس آیت میں جو اقرار کے لکھ لینے کا حکم تھا اس کی تفسیر میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدمؑ کا قصہ ذکر فرمایا اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے آیت کا یہ مطلب سمجھا کہ حضرت آدمؑ سے اقرار کے بعد جو بھول ہوگئی تھی اس طرح کی بھول چوک روکنے کے لئے اقرار کے لکھ لینے کا یہ حکم ارشادی طور پر اس آیت میں ہے۔ فرض کے طور پر نہیں ہے اور خود آنحضرت سے مرفوع طور پر یہ تفسیر آیت کی جب موجود ہے تو بعض علماء نے اس حکم کو فرض ٹھہرا کر آیت فان امن بعضکم بعضا سے اس آیت کو جو منسوخ کہا ہے وہ ظاہرا تفسیر مرفوع کے خلاف ہے۔

۲۸۳۔ جب آدمی سفر میں ہوتا ہے تو بالکل اجنبی ہوتا ہے کسی سے جان پہچان کم ہوتی ہے اس سفر کی حالت میں اگر کچھ قرض لینے کی ضرورت ہو تو بغیر کسی چیز کے گروی رکھنے کے نہ کوئی اعتبار کرتا ہے نہ کچھ قرض مل سکتا ہے اس واسطے سفر کا ذکر خاص طور پر فرما کر اللہ تعالیٰ نے گروی کو اس آیت میں جائز فرما دیا۔ اگرچہ بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ اس آیت میں جب سفر کا ذکر ہے تو حالت سفر میں ہی گروی جائز ہے۔ حالت مقام میں نہیں لیکن خود صاحب شریعت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذرع حالت مقام میں ایک یہودی کے پاس گروی رکھوا کر حدیث فعلی سے اس آیت کی تفسیر فرمادی ہے کہ گروی حالت سفر اور حالت مقام دونوں حالتوں میں جائز ہے یہ آپ کی ذرع یہودی کے پاس گروی ہونے کی حدیث صحیحین میں ہے جس کی روایت حضرت انسؓ سے ہے[2]۔

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۳۴ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۳۷

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ

اللہ کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اور اگر تم کھول دو گے اپنے جی کی بات یا چھپاؤ گے حساب لے گا تم

بِهِ اللّٰهُ ؕ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۸۴﴾

سے اللہ پھر بخشے گا جس کو چاہے اور عذاب کرے گا جس کو چاہے اور اللہ سب چیز پر قادر ہے

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ

مانا رسول نے جو کچھ اترا اس کو اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو

وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۫ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۫ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫

اور کتابوں کو اور رسولوں کو ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے رسولوں میں اور بولے ہم نے سنا اور قبول کیا

۲۸۴۔ دل کا وسوسہ آدمی کے قابو کی بات نہیں ہے بعضے وقت سینکڑوں وسوسات دل میں گذرتے ہیں۔ اور آدمی اپنے آپ کو روک کر ایک کام بھی ان وسوسوں کے موافق نہیں کرتا۔ اس واسطے اس آیت میں دل کے وسوسہ پر حساب اور عذاب کا حکم آنے سے صحابہ کرام کو بڑا رنج ہوا پھر آنحضرت نے ان کو سمجھایا اور کہا کہ یہود اور نصاریٰ کی طرح اللہ کے حکم سے انحراف نہ کرو اور اللہ کا جو حکم ہو اس کو بسروچشم مان لو اللہ ضرور تم پر رحم کرے گا۔ جب انہوں نے خوشی سے اللہ کا حکم مان لیا تو اس سے آگے کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کی تعریف کی اور دل کے وسوسہ پر جو عذاب کا حکم تھا اس کو منسوخ فرما دیا چنانچہ اسی منسوخی کے باب میں صحاح ستہ کی کتابوں میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دل کے وسوسہ کو معاف کر دیا ہے[1] اور صحیح حدیثوں میں یہ بھی ہے کہ جب ظاہر عملوں میں کوئی شخص شیطان کے قابو کا نہیں ہوتا اور شیطان آدمی کے عملوں میں بگاڑنے کا موقع نہیں پاتا تو آدمی کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے اس لئے دل میں وسوسوں کا آنا عین ایمان کی نشانی ہے[2]۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ دل کے وسوسوں پر اللہ تعالیٰ کا مقصد عذاب کرنے کا سرے سے آیت میں تھا ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا مقصد تو یہ تھا کہ قیامت کے دن تک کے سارے دل کے وسوسات کا حساب و کتاب رکھا جائے گا۔ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے وہ وسوسات یاد دلا کر معاف فرمائے گا تاکہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عنایت کی زیادہ قدر ہو ان معنوں کے سبب سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔

۲۸۵-۲۸۶۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث مسلم اور نسائی کے حوالہ سے اوپر گذر چکی ہے کہ سورہ فاتحہ اور سورہ بقر کی یہ دونوں آیتیں ایسے دو نور ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہ نور کسی نبی پر نازل نہیں ہوئے[3]۔ مسند امام احمد اور صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص رات کو سورہ بقر کی یہ دونوں آیتیں امن الرسول سے سورت کے ختم تک پڑھ لے گا اس کی تمام رات کی عبادت اس کے

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۳۹ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۳۹ بحوالہ صحیح مسلم عن ابی ہریرہ [3] صحیح مسلم ص ۲۷۱ ج ۱ باب فضل الفاتحۃ

غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿٢٨٥﴾ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ

تیری بخشش چاہیے اے رب ہمارے اور تجھی تک رجوع ہے اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی شخص کو مگر جو اسکی گنجائش ہے اسی کو ملتا ہے جو کمایا اور

عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا

اسی پر پڑتا ہے جو کیا اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چوکیں اے رب ہمارے اور نہ رکھ ہم پر

إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۖ

بوجھ بھاری جیسا رکھا تھا ہم سے اگلوں پر اے رب ہمارے اور نہ اٹھوا ہم سے جس کی طاقت نہیں ہم کو

وَاعْفُ عَنَّا ۖ وَاغْفِرْ لَنَا ۖ وَارْحَمْنَا ۚ أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٨٦﴾

اور درگذر کر ہم سے اور بخشش ہم کو اور رحم کر ہم پر تو ہمارا صاحب ہے تو مدد کر ہماری قوم کافر پر

نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہے۔[1] مسند امام احمد وغیرہ میں معتبر سند سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ عرش معلے کے نیچے اللہ تعالیٰ کا ایک خزانہ ہے اس میں سے سورہ بقرکی یہ دونوں آیتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہیں[2] شداد بن اوسؓ سے طبرانی نے یہ روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس گھر میں سورہ بقرکی یہ آیتیں پڑھی جایں اس گھر پر شیطان کا اثر پھر باقی نہیں رہتا طبرانی کی سند اس روایت کی معتبر اور جید ہے[3] حاصل مطلب ان دونوں آیتوں کا یہ ہے کہ جتنے ایمان دار لوگ ہیں ان کو اس بات کا پورا یقین ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے اس کی ذات وصفات میں کوئی اس کا شریک نہیں اللہ کے سب رسول اور سب آسمانی کتابیں برحق ہیں اللہ کے حکم سے اگرچہ بعضی شریعتیں بعضی شریعتوں سے منسوخ ہو کر پھر پچھلی سب شریعتیں شریعت محمدی سے منسوخ ہوئی ہیں۔ اور اب قیامت تک یہی شریعت محمدی قائم رہے گی۔ لیکن اپنے اپنے وقت پر وہ سب نبی اللہ کے نبی اور سب کتابیں اللہ کی ہیں کسی رسول اور کتاب کو ماننا اور کسی کو نہ ماننا یہ حکم الٰہی کے بالکل مخالف ہے۔ اللہ کے فرشتے اللہ کی مخلوق ہیں اور جس کام پر اللہ تعالیٰ نے ان کو مامور کر دیا ہے وہ اس کے بجا لانے میں اللہ کے پورے فرماں بردار ہیں لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا سے اوپر کی آیت وہ منسوخ ہوئی ہے جس میں دل کے وسوسہ پر محاسبہ کا حکم تھا لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت کی تفسیر حضرت ابوہریرہؓ کی حدیثوں میں جن کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے یہ ہے کہ انسان نیک کام کا محض قصد بھی دل میں کرے تو اس قصد کے اجر میں ایک نیکی کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے اور اگر اپنے اس قصد کے موافق وہ نیک کام کرے تو دس سے لے کر سات سو نیکیوں تک کا ثواب لکھا جاتا ہے اور برے کام کے محض ارادہ اور قصد پر کوئی بدی نہیں لکھی جاتی جب تک آدمی اس برے کام کو کر نہ لیوے اور برے کام کا ارادہ کر کے اگر آدمی اس کام کے کرنے سے باز رہے تو اس باز رہنے کے اجر میں بھی ایک نیکی کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔ باقی لفظ ان دونوں آیتوں میں دعا کے ہیں جو

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۴۴ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۴۳ [3] مجمع الزوائد ج ۶ ص ۳۱۲ [4] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۳۹

آیاتہا ۲۰۰ ——— (۳) سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ (۸۹) ——— رکوعاتہا ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۲﴾ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا

اللہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں جیتا ہے سب کا تھامنے والا اتاری تجھ پر کتاب تحقیق ثابت کرتی

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۳﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ

اگلی کتابوں کو اور اتاری تھی توراۃ اور انجیل اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کو اور

اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ

اتارا انصاف جو لوگ منکر ہیں اللہ کی آیتوں سے ان کو سخت عذاب ہے اور اللہ

عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾

زبردست ہے بدلا لینے والا ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو سکھلائے ہیں کہ وہ اس معبود سے اس طرح دعا کیا کریں۔ اس سورت میں نماز روزہ حج زکوٰۃ نکاح طلاق عدت ایلاء رضاعت بہت سے احکام ہیں اس لئے یہ سورت قرآن شریف کی گویا کتاب الاحکام ہے اصر کے معنے سخت تکلیف کے ہیں یہود پر سخت احکام جو نازل ہوئے تھے مثلاً توبہ کی جگہ قتل پچاس نمازیں چوتھائی مال کی زکوٰۃ نزول قرآن کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ دعا سکھائی ہے تاکہ قرآن شریف میں نرم احکام نازل ہوں اور اگر کوئی سخت حکم نازل بھی ہو تو وہ اس دعا کی برکت سے اسی طرح منسوخ ہو جائے جس طرح دل کے وسوسہ کی آیت منسوخ ہوئی یہ محض اللہ کا فضل ہے جو اس نے اس دعا کے سکھانے سے اپنے بندوں پر کیا ہے یہ وقت تو ایسا ہے کہ نرم احکام کی تعمیل بھی ہم لوگوں سے نہیں ہو سکتی اس وقت اگر کچھ سخت احکام باقی رہ جاتے تو ہم لوگوں کے لئے بڑی دشواری تھی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس دشواری کو آسان کر دیا ہے۔ اسی طرح وہ اپنے فضل سے دین دنیا کی سب دشواریاں آسان کر دے۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

۱۔ ۴۔ سورہ آل عمران کی فضیلت میں بہت سی صحیح حدیثیں آئی ہیں یہ سورت مدنی ہے اس سورت کی دو سو آیتیں ہیں اس تفسیر کے مقدمہ میں اس کا ذکر ہے کہ تفسیر ابن ابی حاتم بڑی صحیح تفسیر ہے اس میں اور صحیح تفسیروں میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ سنہ ۹ ہجری میں کچھ عیسائی لوگ شام اور یمن کے مابین میں ایک نجران بستی ہے وہاں سے اپنی قوم کی طرف سے ایلچی بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے اور ان عیسائی لوگوں نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے خدا کا بیٹا ہونے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا مباحثہ کیا اس پر اس سورہ کی

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۷۰-۳۷۱

اکثر آیتیں نازل ہوئیں جن میں مباہلہ کی آیت بھی ہے۔ مباہلہ کی پوری تفصیل تو اسی آیت کی تفسیر میں آئے گی۔ لیکن اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جب دو فریق میں کسی دینی امر کا جھگڑا ہو اور وہ جھگڑا زبانی مباحثہ سے طے نہ ہو تو دونوں فریق کو مع قریب کے رشتہ داروں کے جنگل میں جانے اور فریق ہٹ دھرم پر عذاب الٰہی نازل ہونے کی بددعا کرنے کا حکم ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جب وہ عیسائی لوگ مباہلہ کی آیت سے پہلے کی آیتوں میں طرح طرح کی جو نصیحتیں تھیں ان کو خیال میں نہ لائے اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنے کی ہٹ دھرمی پر اڑے رہے تو آخر مباہلہ کی آیت اتری اور اس آیت کے اترتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ و فاطمہؓ و حسنؓ و حسینؓ کو ساتھ لے کر جنگل میں تشریف لے گئے اور ان عیسائی لوگوں کو آدمی بھیج کر بلایا مگر ان عیسائی لوگوں میں کئی شخص بڑے بڑے پادری تھے انھوں نے مباہلہ منظور نہیں کیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ نبی سے مباہلہ کرنا بڑی خرابی کی بات ہے غرض ان لوگوں نے مباہلہ قبول نہیں کیا اور سالانہ خراج دینا قبول کر لیا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر یہ فرمایا کہ اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے تو ضرور آسمان سے آگ برستی[1] اور یہ لوگ وہیں جنگل میں جل کر بھسم ہو جاتے۔ الم ان حروف مقطعات کی بحث سورہ بقر میں گذر چکی ہے اور یہ حدیث بھی گذر چکی ہے کہ اسم اعظم ان دونوں آیتوں میں ہے اللّٰہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم و الم اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم[2] صحیح حدیثوں میں ہے کہ اسم اعظم کے پڑھنے کے بعد آدمی جو دعا مانگے وہ ضرور قبول ہوتی ہے[3] حیّ کے معنے ہمیشہ باقی رہنے والا قیوم کے معنے اپنی ذات سے قائم رہ کر تمام مخلوقات کا ہر طرح کا بندوبست کرنے والا ان دونوں لفظوں کے ذکر فرمانے میں یہ نصیحت ہے کہ جب ان عیسائی لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ یہودیوں نے عیسےٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا اور اسی اعتقاد کے سبب سے یہ لوگ سولی کی صورت کو مانتے ہیں تو عیسےٰ علیہ السلام میں کوئی صفت ان دونوں صفتوں میں کی نہ پائی گئی کیونکہ جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہو اس کو سولی پر چڑھانا اور جس کے ہاتھ میں تمام عالم کا انتظام ہو یہودیوں کا اس کے انتظام سے باہر ہو کر اتنی بڑی بے انتظامی کا پھیلانا کس طرح ہو سکتا ہے پھر باپ بیٹے میں مناسبت کیونکر ہوئی اور ان لوگوں کے اعتقاد کے موافق عیسےٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کس مناسبت سے کہا جا سکتا ہے۔ اب آگے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالےٰ نے جس طرح موسےٰ پر تورات اور عیسےٰ پر انجیل نازل فرمائی اسی طرح نبی آخر الزمان پر قرآن نازل فرمایا۔ جس طرح قرآن میں ان کتابوں کی صداقت موجود ہے اسی طرح ان کتابوں میں قرآن کی صداقت موجود ہے ایک کو بھی ان میں سے جھٹلایا جائے تو دوسرے کی صداقت کو بٹا لگتا ہے۔ پھر یہ لوگ قرآن کے کیوں منکر ہیں جس سے سخت عذاب ان کو بھگتنا پڑے گا۔ پھر یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ ایسا زبردست ہے کہ وقت مقررہ پر کتاب آسمانی کے منکروں سے جب وہ بدلہ لینا چاہے گا تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اللہ سچا ہے۔ اللہ کا کلام سچا ہے۔ دنیا میں تو ان

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۷۱ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۰۷ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۰۷

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ

اللہ سے پوشیدہ نہیں کوئی چیز زمین میں اور آسمان میں وہی تمہارا نقشہ بناتا ہے

فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ

ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہے کسی کی بندگی نہیں اس کے سوائے زبردست ہے حکمت والا وہی ہے جس نے اتاری

عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ۖ فَأَمَّا

تجھ پر کتاب اس میں بعض آیتیں پکی ہیں سو جڑ ہیں کتاب کی اور دوسرے ہیں کئی طرف ملتے سو

الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ

جن کے دل پھرے ہوئے ہیں وہ لگتے ہیں ان کے ڈھب والیوں سے تلاش کرتے ہیں گمراہی اور تلاش کرتے ہیں

لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے یہ بدلہ لیا کہ ان آیتوں کے نزول سے پانچ برس کے بعد ان لوگوں کی بستی پر اہل اسلام کا قبضہ کرا دیا۔ اور عقبیٰ کا بدلا عقبیٰ کے ساتھ ہے۔

۵-۶۔ حاصل مطلب ان دونوں آیتوں کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ایسا وسیع ہے کہ اس کو زمین و آسمان کی سب غیب کی باتیں معلوم ہیں کوئی بات اس کے علم سے باہر نہیں ہے اس لئے ماں کے پیٹ میں گورا کالا، لڑکا لڑکی نیک بد سب کچھ اس کے علم کے موافق ہوتا ہے اسی کو تقدیر کہتے ہیں اب اس میں ان عیسائی لوگوں کو یہ دھمکی ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ کر خدا کی توحید میں یہ لوگ خلل ڈالتے ہیں اور اللہ کے کلام کو جھٹلاتے ہیں ذرا ذرا یہ سب باتیں اللہ کو معلوم ہیں اور ان لوگوں کے اعمال نامہ میں یہ سب باتیں لکھی جاتی ہیں وقت مقررہ آنے کی دیر ہے پھر یہ لوگ دیکھ لیں گے کہ کیا ہوتا ہے اور اس دھمکی کے ساتھ ہی یہ فہمایش بھی ہے کہ جب عیسےٰ علیہ السلام اور مخلوق کی طرح حضرت مریم علیہا السلام کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور ماں کے پیٹ میں نطفہ کی حالت سے لے کر پیدایش کی حالت تک بچہ پر جو کچھ تغیرات گذرتے ہیں وہ ان کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں تو پھر باوجود اس کے عیسےٰ علیہ السلام کو یہ لوگ خدا کا بیٹا کس مشابہت سے کہتے ہیں۔ رہا عیسےٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے حضرت مریم کے پیٹ سے پیدا ہونا یہ اللہ کی اس قدرت سے کچھ بعید نہیں جس قدرت سے اس نے آدم اور حوا کو بغیر ماں اور باپ کے پیدا کر دیا۔ کیونکہ وہ بڑا زبردست حکمت والا ہے۔ کوئی مشکل کام اس کی حکمت کے آگے مشکل اور کوئی بڑا کام اس کی قدرت کے آگے بڑا نہیں۔ اگرچہ یہ آیتیں ان نجرانی عیسائیوں کی شان میں اتری ہیں۔ لیکن قرآن کی نصیحتیں عام ہیں اب کسی قوم کے کسی شخص میں کسی نصیحت کے قابل کوئی ویسی بات پائی جائے گی تو قرآن کی نصیحت گویا اسی کی شان میں ہو گی۔

۷-۹۔ سب سے پہلے یہ ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن شریف میں محکم اور متشابہ کو دو معنے میں اللہ تعالیٰ نے استعمال فرمایا ہے ایک استعمال کی رو سے تو سارے قرآن کو ایک جگہ محکم فرمایا ہے اور دوسری جگہ متشابہ جس استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ سارا قرآن محکم بھی ہے اور متشابہ بھی ہے چنانچہ فرمایا ہے کتاب احکمت آیاتہ (۱۱-۱) پھر دوسری جگہ فرمایا ہے کتابا متشابها (۳۹-۲۳)

تَأْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا

ان کی کل بٹھانی اور ان کی کل کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور جو مضبوط علم والے وہیں سو کہتے ہیں ہم اس پر یقین لائے

بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا

سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور سمجھانے وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے۔ اے رب ہمارے دل نہ پھیر ہمارے

بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝

جب ہم کو ہدایت دے چکا اور دے ہم کو اپنے یہاں سے مہربانی بے شک تو ہی ہے سب دینے والا

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

اے رب ہمارے تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو ایک دن جس میں شبہ نہیں بے شک اللہ خلاف نہیں کرتا وعدہ

وقف لازم

وقف منزل

ع ۱ / ۹ / ۹

اس محکم کے یہ معنے ہیں کہ سارا قرآن فصاحت و بلاغت اور اخبار غیب میں محکم ہے کسی جگہ قرآن شریف کے ان اوصاف میں خلل واقع نہیں ہوا ہے چنانچہ اسی وجہ سے عرب کے فصیح و بلیغ مشرک لوگ باوجود سخت مخالف ہونے کے قرآن شریف کی کسی آیت کی مانند بھی ایک آیت بنا کر نہ لا سکے اور اس متشابہ کے یہ معنے ہیں کہ سچے ہونے میں اور کلام الٰہی ہونے میں اور معجزہ ہونے میں جیسے ایک آیت ہے ہو بہو ویسی دوسری ہے ایک دوسری سے ایسی مشابہ ہے کہ گویا ایک ہی ہے۔ دوسرا استعمال محکم اور متشابہ کا یہ ہے کہ بعضی آیتوں کو اللہ تعالیٰ نے محکم فرمایا ہے اور بعض کو متشابہ اور متشابہ کے معنے میں غور کرنے سے منع فرمایا ہے جس طرح کہ اس آیت میں ہے اور اس محکم اور متشابہ میں ہی علماء کی بحث ہے اور اس بحث کا طے کر دینا بقدر ضرورت یہ ہے کہ معتبر مفسرین اور علماء اور ائمہ مذہب نے بالاتفاق اس بات کو مان لیا ہے کہ تفسیر کی بابت جس مسئلہ میں اختلاف ہو تو وہاں عبداللہ بن عباسؓ کا قول سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت نے خاص طور پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے لئے یہ دعا کی ہے کہ خدا تعالیٰ ان کو قرآن شریف کا مطلب سکھائے[1] اور ان سے اس علم تفسیر کو دنیا میں پھیلائے اب حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے تفسیر کی باتوں کو بہت سے طریقوں سے روایت کیا جاتا ہے مگر ان سب طریقوں میں اعلیٰ درجہ کا طریقہ علی بن ابی طلحہ ہاشمی کا طریقہ ہے جس کو امام بخاریؒ نے اپنی کتاب التفسیر میں اپنا معتمد علیہ قرار دیا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ نے اس طریقہ کی نسبت یہ فرمایا ہے کہ مدینہ سے مصر تک اس طریقہ کی ایک روایت کے لئے کوئی شخص سفر کرے تو گویا اس نے اس روایت کو مفت پایا۔ اب تفسیر ابن ابی حاتم میں علی بن ابی طلحہ کے طریقہ سے محکم اور متشابہ کے معنوں کی بابت جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے وہ نقل کی جاتی ہے تاکہ اجماع مفسرین کے موافق اور کسی صحابی تابعی کا قول یا دوسرا ادنیٰ طریقہ کا خود عبداللہ بن عباسؓ کا قول جو اس روایت کے مخالف ہو وہ حجت قائم کرنے کے قابل نہ رہے اور یہ مدت دراز کی مفسروں کی بحث طے ہو جائے وہ روایت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ قرآن شریف میں جو آیتیں عمل کے لئے نازل ہوئی ہیں وہ محکم ہیں۔ اور جن سے عمل متعلق نہیں فقط ان پر بندوں کا ایمان لانا اللہ کا مقصود ہے جیسے صفات الٰہی کی آیات یا قیامت یا دجال کے حال کی آیات یا حروف مقطعات یہ سب متشابہ ہیں[2] اب رہی یہ بات کہ ان متشابہ آیات کا حکم کیا ہے

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج اص ۳۴۷ و صحیح بخاری مع فتح الباری ج اص ۸۸ و ۲۲۳، طبع دہلی [2] تفسیر ابن کثیر ج اص ۳۴۴ – ۳۴۵، الاتقان محکم و متشابہ کا بیان، مفسرؒ نے اس کا حاصل اور تشریحی مطلب بیان کیا ہے

آیا سوا اللہ تعالیٰ کے ان کے معنے ان کی تاویل کو کوئی جانتا ہے یا نہیں اس کا حال یہ ہے کہ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ متشابہ آیتوں کے تاویل کے درپے ہوں ان کو اللہ کا خوف دلاؤ[1] اور انہی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مرفوع روایت تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ متشابہ آیتوں کا مطلب سوا اللہ کے کسی کو معلوم نہیں جو کوئی اس بات کا دعوے کرے کہ اس کو متشابہ آیات کا مطلب یا تاویل معلوم ہے۔ تو وہ جھوٹا ہے[2] اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ محکم آیتوں پر عمل کرو اور متشابہ پر فقط ایمان لاؤ[3]۔ اس روایت مستدرک سے عبداللہ بن عباسؓ کی اس روایت کی پوری تائید ہوتی ہے جو تفسیر ابن ابی حاتم کے حوالہ سے اوپر محکم اور متشابہ کے معنوں کی صراحت میں بیان کی گئی ہے کیونکہ جو اس روایت کا مطلب ہے کہ محکم وہ آیت ہے جس سے عمل متعلق ہو اور متشابہ وہ آیت ہے جس سے محض ایمان متعلق ہو وہی اس روایت مرفوع کا حاصل مطلب ہے۔ صحابہ میں اگرچہ دس صحابی خلفائے اربعہ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ مفسرین مشہور ہیں۔ لیکن عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ یہ دونوں زیادہ مشہور ہیں اور بہ نسبت دوسروں کے تفسیر میں ان دونوں کی روایت زیادہ معتبر ہے۔ اس لئے ان دونوں کی روایت سے محکم اور متشابہ کے معنے بیان کردیئے گئے اور طبرانی میں ابی مالک اشعری سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت سے یہ خوف ہے کہ وہ متشابہ آیتوں کی تاویل کے درپے ہوں گے حالانکہ ان کی تاویل سوا خدا کے کسی کو معلوم نہیں[4]۔ حاصل کلام یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین کا زمانہ اس طریقہ پر گذرا ہے کہ متشابہ آیتوں کی تاویل کے وہ لوگ درپے نہ ہوتے تھے بلکہ اس کو برا جانتے تھے چنانچہ دارمی وغیرہ میں ایک شخص صبیغ کا قصہ ہے کہ وہ مدینہ میں لوگوں سے متشابہ آیتوں کے معنے پوچھا کرتا تھا حضرت عمرؓ نے اس کو اتنا پٹوایا کہ اس کا سر لہولہان ہو گیا اور وہ جب چلانے لگا کہ جو بات میرے دماغ میں بسی ہوئی تھی وہ نکل گئی تو حضرت عمرؓ نے اس کو چھوڑا[5]۔ اب آخر سب دین ہم لوگوں تک صحابہ اور تابعین سے ہی آیا ہے اس لئے اس باب میں بھی انہیں کی پیروی کرنی چاہیئے سوا اس کے تفسیر ابن جریر کی روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ قرأت موجود ہے کہ ان تاویلہ الا عند اللہ جس کا مطلب یہ ہے کہ آیات متشابہات کے صحیح معنے سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں[6] اور مفسرین کے نزدیک صحیح قرأت کا حکم بمنزلہ آیت کے حکم کے ہوتا ہے تو اب اس باب میں دوسرے معنے کی کیا گنجائش باقی رہی سورہ النساء میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں یہ لفظ آئے ہیں۔ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (۴-۱۷) جس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ نہیں اس لئے ماں کی طرف ان کی نسبت کرکے ان کو عیسےٰ بن مریم کہا جاتا ہے وہ اللہ کے رسول ہیں اور ان کی پیدائش اللہ کے حکم کلمہ کُن سے اور اس روح سے ہے جس کو اللہ کے فرشتے جبرئیل نے اللہ کے حکم سے مریم کے جسم میں پھونک دیا اب وہی نجرانی عیسائی لوگ اہل اسلام کو شک میں ڈالنے کے لئے اس کے معنے یہ

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۲ کتاب التفسیر لیکن صحیح بخاری اور دوسری حدیثوں میں خلفحذروھم کا لفظ ہے جس کے معنے ہیں ان سے بچو۔ [2] الاتقان ج ۲ ص ۴ [3] الفنا ئیز مشکوٰۃ ص ۳۱ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ بروایت ابی ہریرہ۔ [4] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۴۶ و الاتقان ج ۲ ص ۴ [5] سنن دارمی ص ۳۱ باب من هاب الفتیا و کرہ التنطع والتبدع طبع ہند [6] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۴۴

بتلاتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور اسی طرح بعضے یہودی لوگ حروف مقطعات کے کچھ غلط معنے بتلاتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے فاما الذین فی قلوبھم زیغ سے آخر رکوع تک جو فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ جن لوگوں کے دل حق بات کی طرف سے پھرے ہوئے ہیں وہ اپنا غلط مطلب ثابت کرنے اور دوسروں کو شک میں ڈالنے کے لئے ایسی باتیں کرتے ہیں جو لوگ اپنے علم دین میں مضبوط ہیں ان کا یہ کام نہیں ہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ محکم اور متشابہ آیتیں سب اللہ کا کلام ہے جن متشابہ آیتوں کا مطلب اللہ تعالیٰ نے کسی دوسری آیت سے ہم کو سمجھا دیا وہ ہم کو معلوم ہے باقی کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے مثل آیت ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم (۳-۵۹) اور آیت ان ھو الا عبد انعمنا علیہ (۴۳-۵۹) سے آیت انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ (۴-۱۷۱) کا جو مطلب ہم کو معلوم ہو گیا اس کو ہم جانتے ہیں حروف مقطعات کا مطلب کسی دوسری محکم آیت سے ہم کو معلوم نہیں ہوا اس لئے ان کا مطلب ہم نہیں جانتے پھر یہ فرمایا کہ یہ علم دین میں مضبوط بننے والے لوگ اللہ سے یہ دعا بھی مانگتے ہیں کہ حق بات سے پھرے ہوئے دل والے لوگوں کی حالت سے یا اللہ تو ہم کو بچا اور جس طرح تو نے حق بات کی ہم کو ہدایت دی ہے اسی ہدایت پر قائم رہنے کی ہم کو توفیق دے کہ تو ہی اپنے بندوں کو ہر طرح کے نیک کام کی توفیق کا دینے والا ہے اور قیامت کے دن نیک و بد سب کو جمع کرنے اور ہر ایک کو جزا و سزا کا تیرا جو سچا وعدہ ہے اس کے موافق اس دن ہر طرح کے نیک کام کی جزا ہم کو عنایت فرما اسی دعا کی رغبت دلانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِکَ چنانچہ عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کی روایت سے یہ حدیث صحیح مسلم میں آئی ہے[1] اور صحابہ کرام کے زمانہ کے بڑے حصہ تک اس دعا کا اثر بھی رہا پھر حضرت علی ؓ کے زمانہ میں فرقہ خارجیہ اور پھر قدریہ، معتزلہ، جہمیہ، قرآن کی آیتوں کی غلط تاویلات نکال کر پیدا ہو گئے اور قیامت تک نیچری[2] قادیانی[3] اور خدا جانے کون کون پیدا ہوں گے اب جس طرح محکم اور متشابہ کے معنے کے جاننے اور نہ جاننے میں علماء کا اختلاف ہے اسی طرح آیت وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم کی قرأت میں بھی یہ اختلاف ہے کہ الا اللہ پر وقف کرنا اور ٹھہرنا چاہئے یا نہیں اس میں امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کا قول یہی ہے کہ الا اللہ پر وقف کرنا اور ٹھہرنا چاہئے اور اس سے کوئی حرج دینی بھی لازم نہیں آتا کیونکہ ضرورت دینی کی جس قدر باتیں تھیں وہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر المعنے آیتوں میں بتلا دی ہیں اور پھر ان آیتوں میں کوئی آیت مبہم تھی تو اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھول دیا ہے مثلاً یوم یاتی بعض آیات ربک لا ینفع نفسا ایمانھا (۶-۱۵۸) میں یہ امر مبہم تھا کہ وہ کونسی نشانی ہے جس کے ظاہر ہو جانے کے بعد ایمان لانے والے شخص کا ایمان اور توبہ کرنے والے شخص کی توبہ قبول نہ ہوگی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا کہ وہ نشانی سورج کا مغرب کی طرف سے نکلنا ہے[4] مگر یہ نہیں بتلایا کہ مغرب

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ باب تصریف اللہ تعالیٰ القلوب [2] سرسید احمد خان بانی علیگڈھ یونیورسٹی کے ہم خیال لوگ نیچری کہلاتے ہیں [3] مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی اور مجدد ماننے والا فرقہ [4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۴ کتاب التفسیر۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَ

جو لوگ منکر ہیں ہرگز کام نہ آویں ان کو ان کے مال اور نہ اولاد اللہ کے آگے کچھ اور

أُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ⑩ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ

وہی ہیں چھپٹیاں دوزخ کی جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان سے پہلے تھے

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ⑪

جھٹلائیں ہماری آیتیں پھر پکڑا ان کو اللہ نے ان کے گناہوں پر اور اللہ کی مار سخت ہے ؛

کی طرف سے سورج کب نکلے گا اس لئے کہ اس سے کوئی دینی بات متعلق نہ تھی جس طرح مثلاً حروف مقطعات کے معنوں سے کوئی دینی غرض متعلق نہیں ایسی ہی باتوں کا علم اللہ تعالے کو سونپنا اور اس کے جاننے میں عقل کو نہ دوڑانا اسی کا نام دین کی مضبوطی ہے اور یہی طریقہ صحابہ اور تابعین کا تھا اور اسی طریقہ کے چھوڑ دینے سے بہت سے فرقے گمراہ ہو گئے اور اس گمراہی سے بچنے کی وہ دعا ہے جس کا ذکر آیت اور حدیث میں ہے ؛

۱۰۔ ۱۱۔ اوپر کی آیتوں میں یہ ذکر تھا کہ پچھلی کتابوں میں قرآن کی اور قرآن میں پچھلی کتابوں کی صداقت موجود ہے اس پر بھی جو لوگ کلام الٰہی کی آیتوں کو جھٹلائیں گے ان کو سخت عذاب بھگتنا پڑے گا۔ ان آیتوں میں یہ ارشاد ہے کہ اگر ان لوگوں کو یہ خیال ہو کہ جس طرح دنیا کی بعض آفتوں سے یہ لوگ اپنے مال اور اولاد کے سبب سے بچ جاتے ہیں اسیطرح عقبےٰ میں بھی ان کا مال ان کی اولاد ان کے کچھ کام آجائیں گے تو ان لوگوں کا یہ خیال بالکل غلط ہے عقبےٰ میں تو انہی لوگوں کا صدقہ خیرات کا مال اور ان ہی کی نیک اولاد کام آئیں گے جن کے دل میں نور ایمان کی کچھ چمک ہے اور جو لوگ اللہ کے کلام اللہ کے رسول کے جھٹلانے کے درپے ہیں ان کے مال و اولاد کا حال تو عذاب الٰہی مسلط ہو جانے کے بعد عقبےٰ میں وہی ہوگا جو دنیا میں انہوں نے فرعون کا حال سنا کہ عذاب الٰہی کے نازل ہو جانے کے بعد ایک دم میں مع اپنے لشکر کے غرق ہو گیا اتنی بڑی مال داری اور اتنا بڑا لشکر کوئی چیز بھی اس کے کام نہ آئی مسند امام احمد اور صحیحین میں انسؓ بن مالک سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس قسم کے منکر لوگوں کو جب دوزخ میں ڈالا جائے گا تو ان سے پوچھا جائے گا کہ بھلا اگر ساری دنیا کی زمین بھر کے سونا تم لوگوں کے پاس اس وقت ہو تو تم اس کو دے کر عذاب سے بچنے کا ارادہ رکھتے ہو وہ لوگ کہیں گے ہاں۔ اس پر اللہ تعالےٰ فرمائے گا ایک آسان بات شرک سے باز رہنے کی تم لوگوں سے چاہی گئی تھی وہ تم سے نہ ہو سکی تو اب کیا ہو سکتا ہے[1] اس سے معلوم ہوا کہ معمولی مال تو در کنار بغیر ایمان کے زمین بھر سونا بھی وہاں عذاب الٰہی سے کسی منکر دین کو نہیں بچا سکتا ؛

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۸۰۔ وصحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۰ باب صفۃ الجنۃ والنار ؛

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

کہہ دے منکروں کو کہ جب تم مغلوب ہو گئے اور ہانکے جاؤ گے دوزخ کو اور کیا بُری تیاری ہے

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى

ابھی ہو چکا ہے تم کو ایک نمونہ دو فوجوں میں جو بھڑی تھیں ایک فوج ہے کہ لڑائی ہے اللہ کی راہ میں اور دوسری

كَافِرَةٌ يَّرَوْنَھُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ

منکر ہے یہ ان کو دیکھتے اپنی دو برابر صریح آنکھوں سے اور اللہ زور دیتا ہے اپنی مدد کا جس کو چاہے

فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

اس میں عبرت دار ہو جائیں جن کو آنکھ ہے

۱۲-۱۳- ابوداؤد و بیہقی اور تفسیر ابن منذر میں بسند معتبر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب قریش کو مسلمانوں کے ہاتھ سے جنگ بدر میں صدمہ پہنچا جس کا قصہ سورہ انفال میں آئے گا تو اس پر یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ قریش اناڑی اور لڑائی سے ناواقف تھے جس دن آپ سے اور ہم لوگوں سے لڑائی ہو گی اس دن قدر کھل جائے گی کہ لڑائی ایسی ہوتی ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1] اللہ سچا ہے اور اللہ کا کلام سچا ہے۔ آخر کو وہی ہوا جو اس آیت میں تھا کہ ان یہودیوں میں سے بنی قریظہ قتل ہوئے اور بنی نضیر نکالے گئے باقی یہود پر وہ سالانہ خراج قائم ہو گیا جس کو جزیہ کہتے ہیں اور پھر یہ تو ان لوگوں کی دنیا کی آفتیں ہوئیں وہ عذاب آخرت کا جس کا ذکر آیت میں ہے اس کی سختی کا تو کچھ ٹھکانا نہیں بدر کی لڑائی کے بعد جو یہود نے عرب کی ناواقفی فن جنگ پر اپنی نخوت ظاہر کی تھی اور اپنی واقف کاری فن جنگ کا دعوےٰ کیا تھا آیت کے آخر پر اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اسلام اللہ کے نزدیک ایک دین حق ہے اور اللہ ہمیشہ سے حق کا مددگار ہے اس لئے اللہ کی مدد سے اہل اسلام کو باوجود قلت لشکر اور قلت سامان جنگ کے جو فتح حاصل ہوتی ہے وہ کچھ اسی بدر کی لڑائی پر منحصر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس دین حق کی ہمیشہ ایسی مدد کرے گا اس لڑائی میں مسلمانوں کے کل تین سو تیرہ آدمی تھے اور دو گھوڑے اور چھ ذرعیں اور آٹھ تلواریں تھیں اور مشرکین مکہ ہزار کے قریب تھے اور لڑائی کا سامان بھی ان کے ساتھ بہت کچھ تھا اس صورت میں دشمنوں کی فوج اگرچہ مسلمانوں کے تین گونی تعداد سے بھی زیادہ تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ ایک حکمت تھی کہ دشمن کی فوج عین لڑائی کے وقت مسلمانوں کو اپنی فوج سے دوچند نظر آئے اور ان کی ہمت لڑنے کے لئے بندھی رہی اور لڑائی سے پہلے ہر ایک لشکر کے آدمی دوسرے لشکر کے آنکھوں میں بالکل تھوڑے سے جچے جس کے سبب سے ہر ایک گروہ لڑنے پر آمادہ ہو گیا اور لڑائی شروع ہو گئی اس آیت اور سورہ انفال کی آیت وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۵۰۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾

رجھایا ہے لوگوں کو مزوں کی محبت پر عورتیں اور بیٹے اور ڈھیر جوڑے ہوئے سونے کے اور روپے کے اور گھوڑے پلے ہوئے اور مواشی اور کھیتی یہ برتنا ہے دنیا کی زندگی میں اور اللہ جو ہے اسی پاس ہے اچھا ٹھکانا تو کہہ میں بتاؤں تم کو اس سے بہتر پرہیزگاروں کو اپنے رب کے یہاں باغ ہیں جن کے نیچے بہتی ہیں ندیاں وہ پڑے رہیں انہیں میں اور عورتیں ہیں ستھری اور رضامندی اللہ کی اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے ۔

قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ (۸-۴۴) کو ملا کر پڑھنے سے یہ مطلب خوب سمجھ میں آتا ہے فتح غیر مترقبہ کے اور اسی حکمت کے جتلانے کے لئے آخر کو فرمایا ہے کہ اس بدر کی لڑائی سے سمجھ دار لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہئے ۔

۱۴-۱۵- اوپر کی آیت میں ذکر تھا کہ مال اور اولاد کے سبب سے آدمی خدا کے عذاب سے بچ نہیں سکتا اس ذکر کے بعد جہاد کا ذکر تھا کہ عذاب الٰہی سے بچنے کے لئے آدمی نیک عمل کرے اب مال اور اولاد کا ذکر پورا کرنے کے لئے دنیا میں جن چیزوں پر لوگوں کے دل زیادہ گرویدہ اور راغب ہیں پہلے آیت میں ان چیزوں کا ذکر فرما کر دوسری آیت میں ان چیزوں سے لوگوں کو اس طرح بے رغبت کیا ہے کہ خود دنیا کو دنیا کی ہر ایک چیز کو زوال لگا ہوا ہے اس لئے قابل رغبت جنت کی نعمتیں ہیں جن کو کبھی زوال نہیں قطع نظر زوال نہ ہونے کے زبان یا قلم میں یہ طاقت کہاں ہے کہ جنت کی چیزوں کی خوبیاں بالتفصیل بیان کر سکے اس واسطے خود اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے جنت کی چیزوں کے اوصاف جن مختصر مطلب خیز لفظوں میں بیان فرمائے ہیں ان کا مطلب بیان کیا جاتا ہے کہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جنت میں وہ وہ نعمتیں ہیں جن کا حال نہ دنیا میں کسی نے آنکھ سے دیکھا نہ کان سے سنا نہ کسی کے دل میں ان کا خیال و تصور گذر سکتا ہے[1] دنیا میں آدمی دنیا کی نعمتوں کی کبھی ناشکری کرتا ہے جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ کی ناخوشنودی ہو کر دنیا کی نعمتوں میں کمی ہو جاتی ہے جنت میں شرع کی تکلیف کے نہ ہونے سے اللہ تعالیٰ کی ناخوشنودی کا کھٹکا جنتیوں کو نہیں اس لئے جنت کی نعمتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہمیشہ کی رضامندی کا ذکر آیت میں فرمایا ہے

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۶۰ باب ما جاء فی صفۃ الجنۃ وانہا مخلوقۃ

اَلَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِیۡنَ

وہ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم یقین لائے ہیں سو بخش ہم کو گناہ ہمارے اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے تختی اٹھانے والے

وَالصّٰدِقِیۡنَ وَالۡقٰنِتِیۡنَ وَالۡمُنۡفِقِیۡنَ وَالۡمُسۡتَغۡفِرِیۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ ﴿۱۷﴾ شَهِدَ

اور سچے اور بندگی میں لگے رہتے اور خرچ کرتے اور گناہ بخشواتے پچھلی رات کو اللہ نے

اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الۡعِلۡمِ قَآئِمًاۢ بِالۡقِسۡطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ

گواہی دی کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اور فرشتوں نے اور علم والوں نے وہی حاکم ہے انصاف کا کسی کی

اور یہ سب سے بڑھ کر ایک نعمت ہے چنانچہ صحیحین میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا میری ہمیشہ کی رضامندی تمہارے لئے سب سے بڑھ کر ایک نعمت ہے۔[1] حاصل یہ ہے کہ انسان کو دنیا کی نعمتوں پر اس قدر گرویدہ نہیں ہونا چاہیئے کہ جس سے دین کے کاموں میں فتور پڑ کر جنت کی نعمتوں سے محروم رہ جائے چنانچہ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے آیت کو واللہ بصیر بالعباد پر ختم کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جنت کی نعمتیں ہر شخص کو اس کے عمل کے موافق ملیں گی۔ علماء کا اختلاف ہے کہ قنطار کس قدر مال کو کہتے ہیں مستدرک حاکم میں حضرت انسؓ سے بسند صحیح روایت ہے کہ قنطار دو ہزار اوقیہ کا ہوتا ہے[2] اور ہزار اوقیہ میں چالیس درہم ہوتے ہیں مُسَوَّمَۃ چرائی کے عمدہ گھوڑے کو کہتے ہیں۔

۱۶-۱۷- اوپر کی آیت کو اللہ تعالیٰ نے وَاللّٰهُ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ پر ختم فرما کر اس آیت میں اپنے ان بندوں کا ذکر فرمایا ہے جن کے اعمال نیک اور وہ اپنے اعمال کے سبب سے جنت کی نعمتوں کے پورے مستحق ہیں اور ان کی نشانیاں یہ فرمائیں کہ احکام شرع کے پابند اور اعمال شرع کی تکلیفات پر صابر صادق الاقوال جو کہیں سو کریں نیک کاموں میں اپنا مال خرچ کرنے کو تیار عذاب الٰہی سے بچنے کی دعا اور گناہوں کی مغفرت کی دعا میں ہر وقت خصوصاً پچھلی رات کو قریب صبح لگے رہتے ہیں اس وقت کا اس لئے ذکر فرمایا کہ یہ بڑی قبولیت کا وقت ہے۔ چنانچہ صحیحین وغیرہ میں صحابہ کی ایک جماعت[3] سے روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ تہائی رات باقی رہے ہر رات کو اللہ تعالیٰ اول آسمان پر نزول فرما کر یہ فرماتا ہے کہ کوئی دعا یا استغفار کرنے والا ہو تو اس کی دعا اور توبہ قبول کرنے کو اور کوئی کچھ حاجت رکھتا ہو تو اس کی حاجت روائی کو میں موجود ہوں[4]۔

۱۸-۲۰- جن نجرانی عیسائی لوگوں کا اوپر ذکر تھا یہ آیتیں بھی انہی کے ذکر میں ہیں۔ لیکن توحید پر تو آخر یہود عیسائی مشرکین مکہ سب کو لانا اللہ کو منظور ہے۔ اس لئے توحید کے ذکر کے بعد ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۹ باب صفۃ الجنۃ والنار وغیرہ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۵۲ [3] تقریباً ۳۰ صحابہؓ سے یہ حدیث مروی ہے جن کی تفصیل حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کی کتاب الصواعق المرسلہ ج ۲ ص ۲۱۷-۲۶۲ میں ہے [4] صحیح بخاری و نسخ الباری ج ۱ ص ۳۴۴ طبع دہلی باب الدعاء والصلوٰۃ من آخر اللیل و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۵۳۔

إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾ إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ

بندگی نہیں اس کے سوا زبردست ہے حکمت والا دین جو ہے اللہ کے یہاں سو یہی مسلمانی حکم برداری اور مخالف نہیں ہوئے

أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ

کتاب والے مگر جب ان کو معلوم ہو چکا آپس کی ضد سے اور جو کوئی منکر ہو اللہ کے حکموں

اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٩﴾ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ

سے تو اللہ شتاب لینے والا ہے حساب پھر جو تجھ سے جھگڑیں تو کہہ میں نے تابع کیا اپنا منہ اللہ کے

وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا

حکم پر اور جو کوئی میرے ساتھ ہے اور کہہ دے کتاب والوں کو اور ان پڑھوں کو کہ تم بھی تابع ہوتے ہو پھر اگر تابع ہوئے

فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠﴾

تو راہ پر آئے اور اگر پھر رہے تو تیرا ذمہ یہی ہے پہنچا دینا اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے ؀

پاک میں اس کا ذکر تصدیق کے طور پر کیا ہے کہ اول صاحب شریعت نبی نوح علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک سب اولوالعزم انبیاء اور ان کے ساتھی اسی توحید کے دین پر تھے کبھی کوئی شرکی دین اللہ کو پسند نہیں ہوا اسی طرح اللہ کے فرشتے آسمان پر ہمیشہ سے اس توحید کا دم بھرتے ہیں اور اب یہی توحید نبی آخرالزمان کے دین میں ہے جس پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے وقت مقررہ پر اس توحیدی دین کے قائم کرنے کے لئے بھیجا اس پیغمبر وقت کی اطاعت کا نام اسلام ہے اس آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ان سب۔ پچھلی شریعتوں کو اس آخری شریعت پر ختم کیا ہے اس لئے اب کوئی نجات کا رستہ سوائے اس شریعت کے پابندی کے باقی نہیں رہا چنانچہ فرمایا کہ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ (۳-۸۵) جس کا مطلب یہ ہے کہ اس آخری زمانہ میں سوائے اس آخری شریعت کے اور کوئی شریعت اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے اسی واسطے ان آیتوں میں فرمایا کہ اہل کتاب مشرکین مکہ سب سے کہہ دیا جائے کہ اس آخری شریعت کو جس میں سب پچھلی شریعتوں کی صداقت اور سب پچھلی شریعتوں میں اس کی صداقت موجود ہے تم سب مل کر مانتے ہو یا نہیں۔ اگر انہوں نے اس آخری شریعت کو اے نبی اللہ کے تمہارے کہنے سے مان لیا تو اپنا بھلا کیا نہیں تو تم نے اپنا کام پورا کر دیا۔ پھر ان سب کے اعمال اللہ کی نظر میں ہیں ہر ایک کی جزا سزا وقت مقررہ پر اس کے سامنے آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ کے اس پیغام کو اللہ کے پیغمبر نے اچھی طرح پورا کر دیا زبان سے خط و کتابت سے سب طرح آخری دم تک لوگوں کو سمجھایا حدیث کی کتابوں میں صدہا روایتیں اس باب میں موجود ہیں قائما بالقسط کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین آسمان اور زمین میں بے گنتی چیزیں اس طرح کے منصفانہ اور حکیمانہ ڈھنگ سے پیدا کی ہیں کہ ان میں کی ہر ایک چیز اس کی وحدانیت کی پوری گواہی ہے ؀

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ

جو لوگ منکر ہیں اللہ کی آیتوں سے اور مار ڈالتے ہیں نبیوں کو ناحق اور مار ڈالتے ہیں جو کوئی

يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

کہے انصاف کو لوگوں میں سے سو ان کو خوشخبری سنا دکھ والی مار کی وہی ہیں جن کی

حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٢٢﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى

محنت ضائع ہوئی دنیا میں اور آخرت میں اور کوئی نہیں ان کا مددگار تو نے نہ دیکھے تھے وہ

الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ

لوگ جن کو ملا ہے کچھ ایک حصہ کتاب کا ان کو بلاتے ہیں اللہ کی کتاب پر کہ ان میں حکم کرے پھر

۲۱-۲۲- اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو آخری شریعت کی پابندی کی تاکید کا یہ حکم فرمایا تھا کہ اہل کتاب مشرکین مکہ سب کو یہ حکم پہنچا دو اس حکم کی تعمیل میں مدینہ منورہ کے گرد و نواح میں جو یہود رہتے تھے وہ اکثر حجتیں کیا کرتے تھے رجم کی آیت کے منکر ہو گئے۔ اسی طرح اور طرح طرح کے فساد کرتے تھے جن سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا کرتا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین فرمائی کہ یہ لوگ جو کچھ برتاؤ اے اللہ کے رسول تمہارے ساتھ کر رہے ہیں ان کی یہ عادت نئی نہیں ہے ان کے بڑے تورات اور انجیل کے احکام پہنچانے والے انبیاء اور ان کے نائب علماء کے ساتھ بڑی بڑی بدسلوکیاں کے ساتھ پیش آچکے ہیں ابن جریر میں ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک زمانہ میں بنی اسرائیل نے تینتالیس انبیاء صاحب تورات کو صبح سے سہ پہر تک قتل کیا اور پھر سہ پہر کو ایک سو بارہ[112] علماء کو قتل کیا[1] پھر آخر پر ان یہود کو اللہ تعالیٰ نے یہ تنبیہ فرمائی کہ یہ لوگ کلام الٰہی کے انکار کے اگر اسی طرح درپے رہے تو ان کو سخت عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا جس سے ان کو کوئی بچا نہ سکے گا۔ اور دنیا میں کوئی نیک عمل ان سے بن آئے گا تو وہ آخری شریعت کے انکار کے وبال سے قبول نہ ہوگا۔ کیونکہ اس آخری زمانہ میں سوائے اس آخری شریعت کی پابندی کے کسی کا کوئی نیک عمل اللہ کی درگاہ میں قابل قبول نہیں۔

۲۳-۲۵- ابن ابی حاتم اور ابن منذر نے اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور چند یہود کا ایک مدرسہ میں آمنا سامنا ہوا آپ نے ان سے اسلام لانے کو کہا ان میں دو شخص یہودی نعیم بن عمرو اور حارث بن زید نے آپ سے پوچھا کہ آخر آپ کس دین پر ہیں آپ نے فرمایا میں دین اور ملت ابراہیمی پر ہوں انہوں نے جواب دیا کہ حضرت ابراہیم تو خود دین یہود پر تھے پھر آپ ہم سے اور کونسا دین اختیار کراتے ہیں آپ نے فرمایا اگر حضرت ابراہیم دین یہود پر تھے تو تورات میں ضرور اس کا ذکر ہوگا۔ اگر تم سچے ہو تو

[1] تفسیر ابن جریر ج ۳ ص ۱۳۳ مطبع میمنیہ مصر و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۵۵ میں بحوالہ تفسیر ابن ابی حاتم ۱۷۰ علماء کے قتل کا ذکر ہے۔ اور تفسیر ابن جریر کے حوالہ سے بروایت ابن مسعود ۳۰۰ انبیاء کے قتل کا ذکر ہے لیکن یہ روایت ابن جریر میں نہیں مل سکی واللہ اعلم۔

يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ

پھر جاتے ہیں بعضے ان میں تغافل کر کر یہ اس واسطے کہ کہتے ہیں ہم کو ہرگز نہ لگے گی آگ

اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ

مگر کئی دن گنتی کے اور بہکے ہیں اپنے دین میں اپنی بنائی باتوں پر پھر کیا ہوگا

اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ

جب ہم ان کو جمع کریں گے ایک دن جس میں شبہ نہیں اور پورا پاوے گا ہر کوئی اپنا کیا اور ان کا

لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ

حق نہ رہے گا تو کہہ یا اللہ مالک سلطنت کے تو سلطنت دیوے جس کو چاہے اور سلطنت چھین

الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ

لیوے جس سے چاہے اور عزت دے جس کو چاہے اور ذلیل کرے جس کو چاہے تیرے ہاتھ ہے سب خوبی

اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ

بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے تو لے آوے رات کو دن میں اور تو لے آوے دن کو رات میں

وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ

اور تو نکالے جیتا مردے سے اور تو نکالے مردہ جیتے سے اور تو رزق دے جس کو چاہے

لاؤ تورات میں کہاں یہ بات لکھی ہے دکھاؤ۔ ان دونوں شخصوں نے تورات کے لانے سے انکار کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہود کے قائل کرنے کو آیت نازل فرمائی[1] اور فرمایا کہ یہ لوگ تورات کے بھی پابند نہیں ہیں۔ کیونکہ جس حق بات کا فیصلہ تورات پر قرار دیا جاتا ہے اس سے بھی یہ لوگ پھر جاتے ہیں اور اس سے آگے کی آیت میں اور طرح یہود کا جھوٹ ثابت کیا کہ یہ لوگ جو کہتے ہیں کہ چند روز کے سوا دوزخ میں ان کو رہنا نہیں ہے یہ بات بھی تورات کے خلاف ہے اور اسی جھوٹے عقیدہ نے دوزخ سے ان کو بے خوف کر دیا ہے اور اس بے خوفی کے سبب سے ایسی جرأت کرتے ہیں مگر آخرت میں ان کو سب حال کھل جائے گا۔ بعضی تفسیروں میں اس آیت کے شان نزول سوا اس کے اور اور جو بیان کئے ہیں اس سے اس شان نزول کی سند قوی ہے۔

۲۶-۲۷۔ قتادہ سے ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے ملک روم و فارس اپنی امت کے قبضہ میں آجانے کی ایک روز دعا کی تھی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[2]۔ اور اپنے نبی کی تسکین فرمائی کہ ملک روم و فارس کیا چیز ہے اس پاک ذات کے دست قدرت میں بڑے بڑے تصرفات ہیں کبھی راتیں بڑی ہیں کبھی کے دن کبھی نبوت بنی اسرائیل میں تھی آج بنی اسماعیل میں ہے وہ صاحب تصرف جو چاہے کر سکتا ہے۔ چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا کہ بڑے بڑے ملک آپ کے اور آپ کی امت کے

[1] لباب النقول فی اسباب النزول للسیوطی ص ۴۴ طبع مصر ۱۹۳۵ء [2] لباب النقول ص ۴۴ مصر ۱۹۳۵ء و معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۲۰ طبع المنار مصر۔

بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ
بے شمار نہ پکڑیں مسلمان کافروں کو رفیق مسلمان چھوڑ کر

وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ۗ وَ
اور جو کوئی یہ کام کرے وہ اللہ کا کوئی نہیں مگر یہ کہ تم پکڑا چاہو اُن سے بچاؤ اور

يُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿۲۸﴾
اللہ تم کو ڈراتا ہے آپ سے اور اللہ ہی تک پہنچنا ہے۔

قبضہ میں آ گئے طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اسم اعظم اسی آیت میں ہے[۱]۔ طبرانی میں حضرت انسؓ سے بسند صحیح روایت ہے کہ جو کوئی شخص اس آیت کو پڑھے گا۔ اس پر اگر احد پہاڑ کے برابر بھی قرضہ ہوگا تو اللہ تعالےٰ وہ ادا کرا دے گا[۲]۔

۲۸ - تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ انصار میں بعضے لوگوں کی کعب بن اشرف یہودی اور اُس کے ساتھیوں سے بہت دوستی تھی۔ ان یہود کے دل میں فریب تھا کہ کبھی موقع پا کر ان اپنے دوست مسلمانوں کو دھوکا دیں ان مسلمان انصار کے چند دوستوں نے یہود کے اس ارادہ کا تذکرہ ان انصار مسلمانوں سے کیا اور یہود کے دوستی چھوڑنے کی نصیحت کی۔ مگر ان مسلمان انصار نے ان یہود کی دوستی چھوڑنے سے انکار کیا اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[۳] اور فرمایا کہ مسلمانوں کو کافروں سے دوستی نہیں رکھنی چاہئے۔ کیونکہ اللہ کی محبت اور کافروں کی محبت ایک جگہ ایک دل میں نہیں جمع ہو سکتی ہاں اگر ایسا ہی کہیں جان کا خوف ہو تو ظاہر میں ان سے دفع ضرر کے لئے میٹھی بات کر لی جائے مگر دلی دوستی ان سے نہ رکھی جائے باوجود اس فہمائش کے جو کوئی باز نہ آئے گا اللہ اس سے بیزار ہے اور اس طرح کا شخص قیامت کے دن اللہ سے معاملہ پڑنے کے وقت اپنے کئے پر پچھتائے گا۔ اسی واسطے ابھی سے اللہ اس دن کا اپنا معاملہ پڑنے سے اے مسلمانو تم کو ڈرائے دیتا ہے تاکہ اس وقت تم کو پچھتاوا نہ ہو اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے اس لئے ان کو یہ فہمائش کر کے قیامت کے دن کا اپنا معاملہ پڑنے سے پہلے توبہ کرنے کا موقع ان کو دیتا ہے۔ ورنہ وہ چاہتا تو اپنے خلاف مرضی کاموں کا مواخذہ بلا توبہ کے موقع دینے کے فوراً ابھی کر لیتا بخاریؒ نے ابو درداء سے روایت کی ہے کہ بہت سے مخالف ملت لوگوں سے ہم ظاہر میں خندہ پیشانی سے ملتے تھے اور ویسے ہم ان پر لعنت کرتے تھے[۴] اور اہل کتاب سے دوستی رکھنے کی جو ممانعت ہے اس کا سبب آیت وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ (۲-۱۰۹) میں گذر چکا ہے۔ اس آیت سے لوگوں نے

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۵۶ [۲] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۲۴ طبع مصر ۱۳۲۴ھ [۳] لباب النقول ص ۴۴ طبع مصر و تفسیر مظہری ج ۲ ص ۳۰ طبع دہلی [۴] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۰۵ باب المداراۃ مع الناس۔

قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ

توکہہ اگر تم چھپاؤ گے اپنے جی کی بات یا ظاہر کرو گے وہ اللہ کو معلوم ہے اور اس کو معلوم ہے جو کچھ ہے آسمان

وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا

اور زمین میں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس دن پائے گا ہر شخص جو

عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَ

کی ہے نیکی رو برو اور جو کی ہے برائی آرزو کرے گا کہ مجھ میں اور

بَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾

اس میں فرق پڑ جائے دور کا اور اللہ ڈراتا ہے تم کو آپ سے اور اللہ شفقت رکھتا ہے بندوں پر

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ

توکہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو کہ اللہ تم کو چاہے اور بخشے تمہارے گناہ

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣١﴾

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ؛

تقیہ نکالا ہے۔ مگر تقیہ کے یہ معنے ہیں کہ جب آدمی کو جان کا خوف ہو تو صرف زبان سے کوئی بات ایسی کہہ دینی جائز ہے جس سے جان بچ جاوے خلاف شریعت کسی عمل میں تقیہ جائز نہیں ہے۔ چنانچہ سفیان ثوری نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ تقیہ صرف زبان سے ہے عمل میں نہیں ہے[1] بعض صحابہ کا یہ مذہب ہے کہ صرف لڑائی کے وقت تقیہ جائز ہے اور کسی وقت نہیں[2] ؛

۲۹ــ۳۰۔ معنے آیت کے یہ ہیں کہ خواہ تم کفار کی دوستی کو دل میں پوشیدہ رکھو خواہ قول و فعل سے اس کا اظہار کرو جب اس سے آسمان و زمین کی چیزیں پوشیدہ نہیں ہیں تو تمہارا حال کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے اور اللہ تعالےٰ کا بُرے کاموں کے انجام سے بندہ کو ڈرا دینا بڑی شفقت ہے تاکہ وہ توبہ کرے ؛

۳۱۔ تفسیر ابن منذر میں حسن بصری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مختلف قوموں نے اللہ کی محبت کا دعویٰ کیا مثلاً قریش نے ایک دن اپنے بتوں کو خوب آراستہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے جب کہا کہ ملت ابراہیم کے مخالف تم یہ بت پرستی کیوں کرتے ہو تو انہوں نے کہا ہم تو ان کو درگاہ الٰہی کا مقرب جان کر اللہ کی محبت کی وجہ سے ان کو پوجتے ہیں اسی طرح نجران کے نصاریٰ نے کہا کہ ہم تو اللہ کی محبت کے سبب سے حضرت عیسیٰؑ کی اتنی قدر و منزلت کرتے ہیں ان لوگوں کے ایسے دعوؤں پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[3] اور فرما دیا کہ اللہ کی محبت کا دنیا میں ایک یہی طریقہ ہے کہ رسول وقت کی پوری تابعداری کی جاوے

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۵۷ [2] تفسیر معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۴۴ لیکن اس میں حسن بصری کا مذہب لکھا ہے واللہ اعلم ۔ [3] لباب النقول ص ۴۵ و تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۴۶ طبع المنار مصر ؛

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّ

تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور رسول کا پھر اگر وہ ہٹ رہیں تو اللہ نہیں چاہتا منکروں کو بے شک

اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾

اللہ نے پسند کیا آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کے گھر کو اور عمران کے گھر کو سارے جہان سے

کیونکہ ہر حاکم کی محبت کا طریقہ یہی ہے کہ اس کے احکام کو مانا جائے۔ اگر کوئی شخص ایک حاکم وقت کے احکام کی تعمیل میں سرتابی کرے اور منہ سے کہے کہ میرے جی میں اس حاکم کی محبت ہے تو ضرور ایسا شخص حاکم کا دوست اور مطیع نہیں بلکہ باغی کہلائے گا۔ اسی طرح اللہ کی محبت اس کے احکام کے ماننے سے ظاہر ہوگی اور اللہ کے احکام بغیر وسیلہ رسول وقت کے معلوم ہو نہیں سکتے۔ اس واسطے اللہ کی محبت کا دعویٰ بلا اطاعت رسول وقت کے بالکل ایک غلط دعویٰ ہے۔ چنانچہ اسی واسطے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے جو روایت ہے اس میں صاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے۔ کہ میری اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور میری نافرمانی عین اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے[1]۔ اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوگیا کہ کوئی طریقہ جس میں اطاعت رسول کی نہ پائی جائے خواہ کسی قدر محبت الٰہی کے جوش کے دعویٰ کا ہو ہرگز اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں ہے۔

۳۲۔ اوپر کی آیت جب نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم لوگوں کو سنادیا کہ اللہ کی محبت بدون فرماں برداری رسول کے حاصل نہیں ہوسکتی تو عبداللہ بن ابی منافق نے لوگوں کو بہکانا شروع کیا کہ جس طرح نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو مانتے ہیں اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی تم لوگوں سے اپنے آپ کو منوانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ان سے وہ محبت کریں جو نصاریٰ حضرت عیسیٰ سے کرتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ ٹکڑا آیت کا نازل فرمایا[2] اور فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو دنیا میں اسی واسطے بھیجا ہے کہ وہ تم کو اللہ کی مرضی اور نامرضی کی باتیں بتلائیں اور ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم تم پر جو آتے ہیں وہ تم کو سنادیں پھر بغیر فرماں برداری رسول کے اللہ کی مرضی کے حکم تم کو کیونکر معلوم ہوسکتے ہیں۔ اور جب ضد سے تم نے اللہ کی مرضی کے حکموں کو ہی نہ جانا اور ان حکموں کے منکر رہے تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا تمہارا دعویٰ غلط ہے کیونکہ ایسے منکروں کو اللہ تعالیٰ ہرگز اپنا دوست نہیں ٹھہراتا اور نصاریٰ نے جس طرح کی محبت حضرت عیسیٰ کی اپنے دل سے تراشی ہے نہ وہ رسول وقت نے تم سے چاہی ہے اور نہ وہ اللہ کی مرضی کے موافق ہے اور نہ وہ انہوں نے حضرت عیسیٰ سے سیکھی ہے پھر یہ مغالطہ تم کہاں سے پیدا کرتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے وہ اپنی محبت چاہتے ہیں جو نصاریٰ حضرت عیسیٰ سے رکھتے ہیں۔

۳۳۔۳۴۔ اوپر کی آیت میں اللہ کے رسول کی اطاعت کا ذکر تھا اس کے پورا کرنے کے لئے اس آیت میں رسولوں کے انتخاب کا سلسلہ بیان فرمایا پہلے نبی آدم علیہ السلام تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا۔ اور جن سے

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۷ کتاب الاحکام [2] تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۲۶ طبع المنار مصر۔

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾ إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ

کہ اولاد تھی ایک دوسرے کی اور اللہ سنتا جانتا ہے جب بولی عورت عمران کی

رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ

اے رب میں نے نذر کیا تیرے جو کچھ میرے پیٹ میں ہے آزاد سو تو مجھ سے قبول کر تو ہے اصل سنتا

الْعَلِيمُ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ

جانتا پھر جب اس کو جنی بولی اے رب میں نے یہ لڑکی جنی اور اللہ کو بہتر معلوم ہے جو کچھ جنی

وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا

اور بیٹا نہ ہو جیسے وہ بیٹی اور میں نے اس کا نام رکھا مریم اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اس کو اور اس کی اولاد کو

مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٣٦﴾

شیطان مردود سے

سب انبیاء اور امتوں کا سلسلہ دنیا میں چلا۔ لیکن حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام کے نبی ہونے تک کوئی حرام حلال کی شریعت نہیں تھی۔ چنانچہ شفاعت کی صحیح حدیث میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نوح علیہ السلام کو اول صاحب شریعت نبی فرمایا ہے[1]۔ اس لئے سلسلہ انبیاء کے دوسرے اور صاحب شریعت انبیاء کے اول منتخب نبی حضرت نوح علیہ السلام اور تیسرے حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کی دو شاخیں ایک شاخ حضرت اسحاق کی جس میں بنی اسرائیل ہیں ان میں نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک رہی دوسری شاخ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جس میں محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ اوپر گذر چکا ہے کہ اسرائیل حضرت یعقوب کا لقب ہے۔ اس لئے بنی اسرائیل اولاد یعقوب میں پہلے نبی حضرت یوسف ہیں اور آخری نبی حضرت عیسٰے۔ عمران سے یہاں عمران بن ماثان حضرت مریم کے باپ مراد ہیں اور اسی سلسلہ میں بنی اسرائیل کے اکثر رئیس اور علماء ہوئے ہیں ایک عمران بن یصہر حضرت موسے اور ہارون کے والد بھی ہیں۔ لیکن آیت میں عمران کے ذکر کے بعد حضرت مریم اور حضرت عیسٰے کا ذکر ہے۔ اس لئے آیت میں حضرت مریم کے والد عمران ثانی کا ذکر معلوم ہوتا ہے ان دونوں عمرانوں کا اٹھارہ سو برس کے قریب کا فاصلہ ہے۔ اس آیت میں اہل کتاب اور مشرکین عرب دونوں کو تنبیہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی شاخوں میں اگرچہ یہ دونوں ہیں مگر ان کے طریقہ پر دونوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے ؛

۳۵-۳۶۔ حضرت مریم کی ماں کا نام حنہ تھا یہ بانجھ تھیں ایک روز انہوں نے ایک پرند جانور کو دیکھا کہ وہ اپنے بچے کو دانہ بھرا رہا ہے یہ دیکھ کر ان کو اپنے ہاں بھی بچہ پیدا ہونے کی حرص پیدا ہوئی۔ اللہ تعالٰے سے بچہ پیدا ہونے کی دعا کی اور نذر مانی کہ بنی اسرائیل کے رواج کے موافق جب بچہ پیدا ہوگا تو اس کو دنیا کے کاموں سے باز رکھ کر بیت المقدس کا خادم بنایا جائے گا۔ اتفاق سے

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۸ باب قول اللہ عزوجل وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ بروایت انس بن مالک ؛

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّأَنۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ

پھر قبول کیا اس کو اس کے رب نے اچھی طرح کا قبول کرنا اور بڑھایا اس کو اچھی طرح کا بڑھانا اور سپرد کیا زکریا کو جس وقت آتا اس پاس

عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ

زکریا حجرے میں پاتا اس پاس کچھ کھانا بولا اے مریم کہاں سے آیا تجھ کو یہ

قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٧﴾ هُنَالِكَ

بولی یہ اللہ کے پاس سے اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے قیاس وہاں

دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ

دعا کی زکریا نے اپنے رب سے کہا اے رب میرے عطا کر مجھ کو اپنے پاس سے اولاد پاکیزہ بے شک تو سننے والا ہے

الدُّعَاءِ ﴿٣٨﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ

دعا پھر اس کو آواز دی فرشتوں نے جب وہ کھڑا تھا نماز میں حجرے کے اندر کہ اللہ

لڑکی پیدا ہوئی۔ اور لڑکی کو بیت المقدس کی خادمہ بنانے کا دستور نہ تھا۔ اس پر انہوں نے افسوس سے وہ باتیں منہ سے نکالیں جن کا ذکر آیت میں ہے مگر انہوں نے خواب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے بجائے لڑکے کے اس لڑکی کو نذر میں قبول کر لیا۔ پھر یہ حضرت مریم کو بیت المقدس کے خادموں پاس لے گئیں اور ان سے اپنا خواب بیان کیا۔ اس پر ان خادموں نے حضرت مریم کو بیت المقدس کی خادمہ بنانا منظور کر لیا۔ حضرت مریم کے باپ عمران حضرت مریم کی پیدائش سے پہلے مر گئے تھے اس لئے ان یتیمہ کی پرورش کی فکر ہوئی۔ قرعہ اندازی کے بعد ان کی پرورش ان کے خالو حضرت زکریا کے ذمہ ٹھہری۔ بعضی روایتوں میں ہے کہ حضرت زکریا حضرت مریم کے بڑے بہنوئی تھے اس صورت میں بعضے راویوں نے خالہ کو مشابہ بہن کہا ہے کیونکہ حضرت مریم کی ماں حضرت مریم کی پیدائش سے پہلے بانجھ تھیں پھر حضرت مریم کی بڑی بہن کا ہونا کیونکر ہو سکتا ہے۔ صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بچہ کی پیدائش کے وقت شیطان بچہ کے پہلو میں ایک انگلی چبھوتا ہے۔ جس سے بچہ روتا ہے۔ مگر حضرت مریم کی ماں کی دعا کے سبب سے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے محفوظ رہے[1]۔ مریم کے معنے عبادت گذار کے ہیں۔

۳۷۔ حضرت مریم کی پرورش حضرت زکریا کے سپرد تھی اس کا حال اوپر گذر چکا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضرت مریم ایک دن میں اتنا بڑھتی تھیں جتنا اور کوئی بچہ ایک برس میں بڑھتا ہے جب حضرت مریم سیانی ہو گئیں تو حضرت زکریا نے حضرت مریم کے لئے ایک عبادت خانہ بنوا دیا اس عبادت خانہ میں حضرت زکریا حضرت مریم سے ملنے آیا کرتے تو حضرت مریم کے پاس ان کو بے فصل کا میوہ رکھا ہوا نظر آتا۔ حضرت زکریا پوچھتے۔ مریم یہ میوہ کہاں سے آیا تو حضرت مریم جواب دیا کرتیں۔ میوہ اللہ نے دیا ہے۔ اس آیت میں اولیاء کی کرامت کا ثبوت ہے۔ اور اکثر احادیث سے بھی اس کا ثبوت پایا جاتا ہے[2]۔ محراب عبادت خانہ کو کہتے ہیں۔

۳۸ – ۴۱۔ حضرت زکریا کے قصہ کی پوری تفصیل تو سورہ مریم میں آئے گی۔ مگر اس کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرت زکریا نے

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۸۸ کتاب انبیاء و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۵۹۔ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۶۰۔

يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ

تجھ کو خوشخبری دیتا ہے یحییٰ کی جو گواہی دے گا اللہ کے ایک حکم کی اور سردار ہوگا اور عورت پاس نہ جائے گا اور نبی ہوگا

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ

نیکوں میں بولا اے رب کہاں سے ہوگا مجھ کو لڑکا اور مجھ پر آ پہنچا بڑھاپا اور عورت میری

عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ

بانجھ ہے فرمایا اسی طرح اللہ کرتا ہے جو چاہے بولا اے رب مجھ کو دے کچھ نشانی کہا

اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ

نشانی تیری یہ کہ نہ بات کرے تو لوگوں سے تین دن مگر اشارہ سے اور یاد کر اپنے رب کو بہت اور تسبیح کر

بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ

شام اور صبح اور جب فرشتے بولے اے مریم اللہ نے تجھ کو پسند کیا ہے اور ستھرا بنایا

وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ

اور پسند کیا تجھ کو سب جہان کی عورتوں سے اے مریم بندگی کر اپنے رب کی اور سجدہ کر

ع ۴ / ۱۲

دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے باوجود بانجھ ہونے کے حضرت مریم کی ماں کو صاحب اولاد کیا اور حضرت مریم کو خلاف عادت بے فصل کا میوہ عنایت فرمایا تو مجھ کو بڑھاپے میں اور میری بیوی کو بانجھ پنے میں اگر وہ صاحب قدرت اولاد عطا فرمائے تو اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں اسی خیال سے وہیں حضرت مریم کے عبادت خانہ میں انہوں نے اولاد کی دعا کی اور وہ دعا قبول ہوئی اور ان کی بی بی کے حاملہ ہونے کی نشانی یہ قرار پائی کہ باوجود تندرست ہونے کے تین راتوں سوائے تسبیح اور تہلیل کے اور کچھ بات کسی سے نہ کرسکیں سید کے معنے سردار ذریہ کے معنے نسل۔ حصور وہ جو باوجود قدرت کے عورت کی صحبت سے باز رہے مصدقا بکلمۃ من اللہ کے یہ معنے ہیں کہ حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ کے نبی ہونے کی صداقت ادا کریں گے۔ سب سے پہلے حضرت عیسیٰ پر حضرت یحییٰ ایمان لائے ہیں۔ حضرت یحییٰ کا نام پچھلی کتابوں میں یوحنا تھا اوپر گذر چکا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ من اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بغیر باپ کے اللہ کے حکم کلمہ کن سے پیدا ہوئے ہیں۔ سورج ڈھلنے سے غروب تک کے وقت کو عشی اور طلوع صبح سے چاشت تک کے وقت کو ابکار کہتے ہیں۔

۴۲۔۴۴۔ صحیح حدیثوں سے قرعہ کا جائز ہونا ثابت ہوتا ہے[1] بنی اسرائیل میں قرعہ ڈالنے کا طریقہ یہ تھا کہ کسی کام میں جب یہ بحث آن کر پڑتی کہ اس کام کو کون کرے تو وہ لوگ نہر اردن پر جاکر تورات کے لکھنے کے اپنے اپنے قلم بہتے پانی میں ڈالتے تھے۔ جس کا قلم بہاؤ کو چھوڑ کر الٹا بہنے یا بہنے سے رک کر ٹھہر جاتے تو وہی شخص اس کام کو کرتا تھا جب حضرت مریم کی ماں اپنی نذر کے موافق حضرت مریم کو بیت المقدس میں لائیں اور بیت المقدس

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۹ باب القرعۃ فی المشکلات وعون المعبود شرح سنن ابی داؤد ج ۳ ص ۲۴۵۔ ۲۴۶

وَارْكَعِي مَعَ الرّٰكِعِينَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۤءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ

اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے ۔ یہ خبریں غیب کی ہیں ہم بھیجتے ہیں تجھ کو اور تو نہ تھا

لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ

ان کے پاس جب ڈالنے لگے اپنے قلم کو کہ کون پالے مریم کو اور تو نہ تھا ان کے پاس جب

يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۙ

وہ جھگڑتے تھے جب کہا فرشتوں نے اے مریم اللہ تجھ کو بشارت دیتا ہے ایک اپنے حکم کی

اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾

جس کا نام مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا مرتبے والا دنیا میں اور آخرت میں اور نزدیک والوں میں

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ

اور باتیں کرے گا لوگوں سے جب ماں کی گود میں ہوگا اور جب پوری عمر کا ہوگا اور نیک بختوں میں سے ہے بولی اے رب کہاں سے ہوگا

مجاوروں سے اپنا خواب بیان کیا تو سب چاہنے لگے کہ مریم کو ہم پالیں آخر رواج کے موافق قرعہ پر فیصلہ قرار پایا اور حضرت زکریا کا قلم پانی کے بہاؤ کو چھوڑ کر الٹا بہا۔ اس لئے حضرت مریم کے پالنے کے وہی حق دار ٹھہرے حضرت مریم کو یہ خوش خبری جو دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پسند کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان سے پہلے خدا تعالیٰ نے یہ مرتبہ کسی عورت کو نہیں دیا اور اپنے زمانہ کی عورتوں میں وہ سب سے بلند مرتبہ کی تھیں ان کی ستھرائی کا یہ مطلب ہے کہ ان کو اور عورتوں کی طرح ہمیشہ کے حیض کی عادت نہیں تھی۔ حضرت عیسیٰ کے حمل سے پہلے صرف دو دفعہ ان کو عمر بھر میں حیض آیا تھا۔ عبادت کا حکم سن کر حضرت مریم اس قدر عبادت کیا کرتی تھیں کہ ان کے پاؤں سوج جاتے تھے قنوت کے معنے یہاں خالص دل سے عبادت کرنے کے ہیں اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی آسمانی بھی اس طرح ثابت فرمائی ہے کہ یہ قصہ اور اس طرح کے اور قصے دنیا میں سوا اہل کتاب کے کسی دوسرے کو معلوم نہیں پھر اے نبی اللہ کے بغیر پڑھے اہل کتاب کے تم جو قصے ان کو سناتے ہو تو ان کے دل جانتے ہیں کہ یہ قصے تم کو آسمانی وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں جس سے یہ ثابت ہوا کہ تم بلاشک اللہ کے وہ نبی خاتم النبیین ہو جن کا ذکر ان کی کتابوں میں ہے اور یہ نقط عناد سے تم کو اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو نہیں مانتے۔

۴۵ - ۴۷۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا پورا قصہ تو سورہ مریم میں آئے گا۔ مگر حاصل اس کا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حمل سے پہلے حضرت مریم کو جو دو حیض آئے تھے ان میں سے آخری حیض سے فارغ ہو کر جب وہ سب سے الگ نہانے کو گئیں اور پردہ کر کے نہانے لگیں تو ایک خوبصورت مرد کی شکل میں حضرت جبرائیل علیہ السلام ان کو نظر آئے۔ حضرت مریم نے ان کو دیکھ کر یہ کہا کہ اے شخص اگر تو پرہیزگار آدمی ہے تو میں تیرے بد ارادہ سے اللہ کی پناہ میں آنا چاہتی ہوں۔ حضرت جبرائیل نے جواب دیا کہ اے مریم میں تو تیرے رب کی طرف سے

لِی وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤی

مجھ کو لڑکا اور مجھ کو ہاتھ نہیں لگایا کسی آدمی نے کہا اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہے جب حکم کرتا ہے

اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَ یُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ

ایک کام کو تو یہی کہتا ہے اسکو ہو وہ ہو جاتا ہے اور سکھائے گا اس کو کتاب اور کام کی باتیں اور توراۃ

وَ الْاِنْجِیْلَ ﴿۴۸﴾ وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ

اور انجیل اور رسول ہو گا بنی اسرائیل کی طرف کہ میں آیا ہوں تم پاس نشان لے کر

تجھ کو ایک بڑی شان کے لڑکے کے پیدا ہونے کی خوش خبری دینے آیا ہوں۔ حضرت مریم نے اس بات کو سن کر بڑے تعجب سے کہا کہ میرے یہاں لڑکا کیونکر پیدا ہو گا۔ مجھ کو تو کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا حضرت جبرئیل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یوں ہی ہے کہ بغیر باپ کا ایک لڑکا تمہارے ہاں پیدا ہو کر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی دنیا میں لوگوں کو نظر آئے یہ کہہ کر حضرت جبرئیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح حضرت مریم کے جسم میں پھونک دی اور حضرت مریم کو حمل رہ گیا اور وقت مقررہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور اس طرح بغیر باپ کے بچہ پیدا ہو جانے پر لوگوں نے حضرت مریم سے طرح طرح کی قیل و قال شروع کی تو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اس قیل و قال کے جواب کا اشارہ کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خلاف عادت لوگوں سے کہا کہ تم کیا قیل و قال کرتے ہو۔ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بچپنے میں لوگوں سے باتیں کیں۔ دنیا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وجاہت یہ تھی کہ وہ نبی ہو کر آئے۔ آخرت میں ان کی وجاہت یہ ہو گی کہ وہ گنہگار لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ مسیح وجہ کے ہاتھ لگانے سے بیمار اچھے ہوں یا جن کا کہیں وطن نہ ہو ہمیشہ سیاحی میں رہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یہ دونوں باتیں تھیں دجال کو بھی مسیح اس لئے کہتے ہیں کہ سوا مکہ اور مدینہ اور بیت المقدس کے وہ سب جگہ پھرے گا بعضے مفسروں نے یہاں دو لطیفے نقل کئے ہیں۔ ایک حضرت مریم کے متعلق ہے اور دوسرا حضرت عیسیٰ کے متعلق۔ حضرت مریم کے متعلق لطیفہ یہ ہے کہ ایک عیسائی شخص نے ایک مسلمان شخص سے یہ کہا کہ تم کو کچھ خبر ہے کہ لوگوں نے تمہارے پیغمبر کی بی بی کی نسبت کیا الزام لگایا تھا۔ مسلمان نے جواب دیا کہ ایک پیغمبر کی ماں پر بھی یہ الزام لگایا جا چکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت مریم جھوٹے الزام سے بری ہیں اسی طرح حضرت عائشہ۔ حضرت عیسیٰ کے متعلق لطیفہ یہ ہے کہ ایک عیسائی شخص نے ایک مسلمان شخص سے کہا کہ آیت قرآنی وکلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ (۴-۱۷۱) سے یہ پایا جاتا ہے کہ عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے جز ہیں مسلمان نے جواب دیا کہ آیت مافی السموات ومافی الارض جمیعا منہ (۴۵-۱۳) سے کیا پایا جاتا ہے وہ عیسائی شخص یہ بات سن کر لاجواب ہو گیا۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام یشوع ہے۔

۴۸-۵۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس زمانہ کے موافق معجزہ دیا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا

رَبِّكُمْ ۙ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا

تمہارے رب کا کہ میں بنا دیتا ہوں تم کو مٹی سے صورت جانور کی پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ ہو جاتا ہے اڑتا جانور

بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُم

اللہ کے حکم سے اور چنگا کرتا ہوں جو اندھا پیدا ہوا اور کوڑھی کو اور جلاتا ہوں مردے اللہ کے حکم سے اور بتا دیتا ہوں

بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم

تم کو جو کھا کر آؤ اور جو رکھ آؤ اپنے گھر میں اس میں نشانی پوری ہے تم کو اگر تم

مُّؤْمِنِينَ ﴿٤٩﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ

یقین رکھتے ہو اور سچ بتاتا ہوں توارت کو جو مجھ سے پہلے کی ہے اور اس واسطے کہ حلال کر دوں تم کو بعضی چیز

الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ۚ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿٥٠﴾ إِنَّ

جو حرام تھی تم پر اور آیا ہوں تم پاس نشانی لے کر تمہارے رب کی سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو بے شک

اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٥١﴾ فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ

اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اس کی بندگی کرو یہ سیدھی راہ ہے پھر جب معلوم کیا عیسیٰ نے

بڑا زور تھا اس لئے ان کو ایسا معجزہ دیا کہ جس سے سب جادوگر دنگ ہو گئے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طبیبوں کا بڑا زور تھا اس واسطے ان کو ویسا ہی معجزہ دیا کہ مردہ کو جلانا تو در کنار مادرزاد اندھے اور بدن پر کے سفید داغ والے کو بھی کوئی طبیب اچھا نہیں کر سکتا اور نہ کوئی طبیب یہ بتلا سکتا ہے کہ بیمار نے کل کیا کھایا تھا۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام یہ سب کچھ کرتے تھے جس سے سب طبیب حیران تھے۔ اسی طرح نبی آخر الزمان کے زمانہ میں عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کا بڑا زور تھا اللہ تعالےٰ نے ان پر ان فصیح و بلیغ لفظوں میں قرآن اتارا کہ کسی سے ایک آیت بھی ویسی نہ بن سکی۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام بڑے خوشنویس تھے اور تورات اور انجیل ان کو زبانی یاد تھی حکمۃ سے مراد تہذیب اخلاق ہے۔ بعضی چیزیں جو یہود پر اُن کی شرارت کے سبب سے حرام تھیں حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے ان پر ان چیزوں کو اللہ کے حکم سے حلال کر دیا جس سے بہ نسبت شریعت موسوی کے شریعت عیسوی بہت آسان ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فقط چمگادڑ لوگوں کی فرمائش سے بنائی تھی۔ جہاں تک لوگوں کی نگاہ کام دیتی تھی وہاں تک وہ اڑتی تھی۔ پھر مر کر گر پڑتی تھی۔ تاکہ اللہ کے کام اور بندے کے کام میں فرق پیدا ہو جاوے اس آیت میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے سیدھا راستہ اللہ تعالےٰ کی خالص عبادت کو بتلایا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ حضرت عیسےٰ کو اللہ کی عبادت میں شریک ٹھہراتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

۵۲—۵۴۔ اگرچہ یہود کو تورات کے پڑھنے سے یہ معلوم تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نبی ہوں گے تو تورات کے بعضے مسئلے خدا کے حکم سے منسوخ ہوں گے لیکن جب وہ وقت آیا تو محض عناد سے یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن

مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِيْ إِلَى اللهِ ط قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللهِ

بنی اسرائیل کا کفر بولا کون ہے کہ میری مدد کرے اللہ کی راہ میں کہا حواریوں نے ہم ہیں مدد کرنے والے اللہ کی

اٰمَنَّا بِاللهِ ج وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ

ہم یقین لائے اللہ پر اور تو گواہ رہ کہ ہم نے قبول کیا اے رب ہم نے یقین کیا جو تو نے اتارا اور ہم تابع ہوئے رسول کے

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللهُ ط وَاللهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ إِذْ

سو تو لکھ لے ہم کو ماننے والوں میں اور فریب کیا ان کافروں نے اور فریب کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے جس وقت

قَالَ اللهُ يٰعِيْسٰى إِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کہا اللہ نے اے عیسیٰ میں تجھ کو پھیر لوں گا اور اٹھالوں گا اپنی طرف اور پاک کر دوں گا کافروں سے

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ج ثُمَّ إِلَيَّ

اور رکھوں گا تیرے تابعوں کو اوپر منکروں سے قیامت کے دن تک پھر میری طرف ہے

ہو گئے اور اس وقت کے بادشاہ سے مل کر حضرت عیسیٰ کے قتل پر آمادہ ہو گئے یہاں تک کہ موقع پا کر ان کو ایک مکان میں گھیر لیا۔ اسی وقت خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو تو آسمان پر اٹھا لیا اور حضرت عیسیٰ کے ساتھیوں میں سے یا یہود میں کے ایک آدمی میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ رکھتا تھا حضرت عیسیٰ کی شکل پیدا کر دی اور یہود نے اسی شخص مشابہ عیسیٰ کو عیسیٰ سمجھ کر سولی پر چڑھا دیا[1]۔ غرض اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالفوں کے مکر و فریب کو ایک حکمت اور تدبیر سے جو نیست و نابود کیا ہے۔ اسی کو مقابلہ کلام کے طور پر مکر اللہ فرمایا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بارہ شخص جو ایمان لائے ان کو حواری کہتے ہیں حواری کے معنے مددگار کے ہیں چنانچہ صحیحین وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایک نبی کا ایک حواری یعنے سچا مددگار ہوتا ہے۔ میرے حواری زبیر ہیں[2]۔ فاکتبنا مع الشاھدین کے یہ معنے ہیں کہ یا اللہ ہم کو ان لوگوں میں لکھ لے جنہوں نے تیرے رسول عیسیٰ علیہ السلام کے سچے رسول ہونے کی گواہی دی ہے۔ اس میں امت محمدیہ بھی داخل ہے ؏

۵۵ – ۵۸۔ مفسرین میں اختلاف ہے کہ مراد انی متوفیك ورافعك الی سے کیا ہے لیکن حضرت ابوہریرہؓ کی متفق علیہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر دنیا میں آئیں گے[3] اور اس باب میں اور بہت سی حدیثیں ہیں اسی طرح ابوداؤد اور حاکم کی ابوہریرہؓ کی صحیح حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں دوبارہ آنے کے بعد پھر ان کی وفات ہوگی اور اس وقت کے مسلمان ان کی جنازہ کی نماز پڑھیں گے[4] اور آیت اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم (۳۰ – ۴۰) سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کی موت دنیا میں ایک ہی

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۶۶ و تفسیر معالم ج ۲ ص ۱۲۸ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۶۵ [3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۰ باب نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام [4] سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۵۹۴ باب خروج الدجال طبع اصح المطابع کراچی ؏

مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۵۵﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا

تم کو پھر جانا پھر فیصلہ کردوں گا تم میں جس بات میں تم جھگڑتے تھے سو وہ جو کافر ہوئے

فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿۵۶﴾

ان کو عذاب کروں گا عذاب سخت دنیا میں اور آخرت میں اور کوئی نہیں ان کا مددگار

وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ

اور وہ جو یقین لائے اور عمل نیک کئے سو ان کو پورا دے گا ان کا حق اور اللہ کو خوش نہیں آتے

الظَّالِمِينَ ﴿۵۷﴾ ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ﴿۵۸﴾ إِنَّ مَثَلَ

بے انصاف یہ پڑھ سناتے ہیں ہم تجھ کو آیتیں اور مذکور تحقیق مثال

عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۵۹﴾

عیسیٰ کی اللہ کے نزدیک جیسے مثال آدم کی ہے بنایا اس کو مٹی سے پھر کہا اس کو ہو جا وہ ہو گیا

دفعہ اللہ تعالیٰ نے قرار دی ہے۔ اسی سبب سے آیت وھو الذی یتوفاکم باللیل کے قرینہ سے انی متوفیک کے معنے جن مفسروں نے یہ سمجھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حالت نیند کی سی تھی انہی مفسروں کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ جو وعدہ فرمایا ہے کہ تمہارے تابع قیامت تک یہود پر غالب رہیں گے۔ اس کا ظہور اب موجود ہے کہ ہر شہر میں یہود بالکل بلا حکومت اور عیسائی یا مسلمانوں کے زیر حکومت رہتے[1] آیت میں قیامت کے دن جس اختلاف کے فیصلہ کا ذکر ہے اس میں وہ بھی داخل ہے جو قسطنطین بادشاہ نے اصلی عیسائی دین میں طرح طرح کا اختلاف ڈالا ہے آخر آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی نبوت کی تصدیق اسی طرح کی ہے جس کا ذکر اوپر کی آیتوں میں گذرا۔

۵۹—۶۳۔ بیہقی نے دلائل النبوہ میں اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اور ابن سعد نے طبقات میں اس آیت کی شان نزول جو بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ کو ایک خط لکھا تھا جس میں ان کو اسلام لانے کا پیغام تھا وہاں سے کچھ نصاریٰ کے سرغنہ اور پادری لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحث کو آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اسلام لانے کو کہا انہوں نے جواب دیا کہ ہم تم سے پہلے ہی اسلام لا چکے ہیں آپ نے فرمایا تم حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے ہو اور سور کا گوشت کھاتے ہو اور حضرت عیسیٰ اور مریم کی تصویروں اور صلیب کی پوجا کرتے ہو یہ باتیں تمہارے دین میں کب جائز ہیں انہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ اگر خدا کے بیٹے

---

[1] فلسطین میں اب جو اسرائیل کی حکومت چند سال سے قائم ہوئی ہے۔ یہ بھی درحقیقت عیسائیوں نے اپنے مفاد کے لئے بنوائی ہے۔ اور عیسائیوں کے بل بوتے پر چل رہی ہے۔ ورنہ مسلمان کب کے اس سے نبٹ لیتے، حاصل یہ کہ یہودیوں کی فلسطینی حکومت اب بھی عیسائیوں کے تابع ہے۔ اور عیسائی اس پر غالب ہیں۔ ع

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَاۗجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ

حق بات ہے تیرے رب کی طرف سے پھر تو مت رہ شک میں پھر جو جھگڑا کرے تجھ سے اس بات میں بعد

مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاۗءَنَا وَاَبْنَاۗءَكُمْ وَنِسَاۗءَنَا وَ

اس کے کہ پہنچ چکا تجھ کو علم تو تو کہہ آؤ بلائیں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور

نِسَاۗءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَي الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾

تمہاری عورتیں اور اپنی جان اور تمہاری جان پھر دعا کریں اور لعنت ڈالیں اللہ کی جھوٹوں پر

اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَھُوَ الْعَزِيْزُ

یہ جو ہے سو یہی ہے بیان تحقیق اور کسی کی بندگی نہیں سوائے اللہ کے اور اللہ جو ہے وہی ہے زبردست

الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾

حکمت والا پھر اگر قبول نہ کریں تو اللہ کو معلوم ہیں فساد کرنے والے ۔

ع ۱۴

نہیں تو بتاؤ دنیا میں ان کا باپ کون ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1] اور فرمایا کہ جس طرح بے ماں باپ کے حضرت آدم اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے اس طرح حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ بعد اس فہمائش کے بھی یہ نصاریٰ نہ مانیں تو جھوٹے گروہ پر بد دعا کرنے کا جو طریقہ ہے دونوں فریق مسلمان و نصاریٰ جنگل میں جا کر اس کو جاری کریں جھوٹا گروہ خود وبال میں پھنس جائے گا یہ حکم سن کر نصاریٰ نے آنحضرت سے کہا کہ کل ہم آپس میں صلاح کر کے بد دعا کرنے کے طریقہ پر عمل کریں گے پھر آپس میں صلاح کی اور دوسرے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ اور حسنینؓ اور حضرت فاطمہؓ کو ساتھ لے کر جنگل میں جا کر جھوٹے گروہ پر بد دعا کرنے کو تیار ہو گئے اور حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ اور دونوں صاحبزادوں سے یہ کہہ دیا کہ جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا ان نصاریٰ میں ایک شخص شرحبیل پادری تھا اس نے نصاریٰ سے کہا کہ یہ تم کو معلوم ہے کہ نبی کی بد دعا کے بعد ہم سب ہلاک ہو جائیں گے اس واسطے میری رائے یہ ہے کہ بد دعا باہمی کو موقوف کر دیا جائے۔ چنانچہ پھر رجب کے مہینہ میں اور صفر کے مہینے میں کچھ مال داخل کرنے پر ان لوگوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کر لی اس صلح کے مال کو جو سالانہ ان نصاریٰ سے ٹھہرایا گیا تھا۔ بعض مفسرین نے جزیہ کہا ہے اور بعض مفسرین نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ معاملہ فتح مکہ سے پہلے ۹ھ ہجری کا ہے اور جزیہ کی آیت جو سورہ توبہ میں ہے فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے پھر آخر یہ بات قرار پائی ہے کہ یہ مال جزیہ کا نہیں تھا بلکہ بطور صلح کے تھا مسند امام احمد بن حنبل بخاری ترمذی اور نسائی میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ابوجہل نے ایک دفعہ ہجرت سے پہلے یہ جو کہا تھا کہ مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھوں گا تو ان کی گردن پر پاؤں رکھ کر ان کو کچل ڈالوں گا۔[2] اگر وہ اپنا ارادہ پورا کرنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۶۹ - ۳۷۰ و لباب النقول ص ۵۰ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۰ تفسیر سورۃ اقرأ باسم ربک الذی خلق و تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۲۸۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ

تو کہہ اے کتاب والو آؤ ایک سیدھی بات پر ہمارے تمہارے درمیان کی کہ بندگی نہ کریں مگر اللہ کو

وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ

اور شریک نہ ٹھہرائیں اس کا کوئی چیز اور نہ پکڑیں آپس میں ایک ایک کو رب سوائے اللہ کے پھر اگر وہ

تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ

قبول نہ رکھیں تو کہو شاہد رہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں اے کتاب والو کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم پر

وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ

اور توریت انجیل تو اتری اس کے بعد کیا تم کو عقل نہیں سنتے ہو تم لوگ جھگڑ

حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ

چکے جس بات میں تم کو خبر تھی اب کیوں جھگڑتے ہو جس بات میں تم کو خبر نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم

کی نماز پڑھنے کے وقت مسجد حرام کی طرف آتا ابھی تو فوراً آسمان سے فرشتے آکر سب کے سامنے اس کو ہلاک کر ڈالتے۔ اسی طرح یہود کو جو اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ اگر اپنے اس قول میں تم سچے ہو کہ مرنے کے بعد چند روز کے سوا تم کو دوزخ کی آگ نہیں جلائے گی تو مرنے سے کیوں ڈرتے ہو مرنے کی خواہش کرو اس پر یہود اگر آج اپنے آپ کو سچا جان کر موت کی خواہش کریں تو ابھی سب مر جائیں اور آج ہی ان کے ہمیشہ رہنے کے دوزخ کے ٹھکانے ان کو دکھا دیئے جائیں۔ اور نجران کے نصارٰی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بددعا کا مقابلہ کرتے تو ایک بھی ان میں کا جیتا نہ رہتا۔

۶۴۔ یہ آیت انہی نجرانی لوگوں کے مباحثہ کے وقت نازل ہوئی ہے اور اس کے حکم میں سب اہل کتاب شریک ہیں "سیدھی بات" کی تفسیر وہی ہے جو خود آیت میں ہے کہ ہم تم سب مل کر سوا اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں کیوں کہ یہ ایسی سیدھی بات ہے کہ اول صاحب شریعت نبی نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسٰے علیہ السلام تک سارے انبیاء اس پر قائم رہے ہیں اس شریعت اعتقادی میں کبھی ایسا اختلاف نہیں پڑا جیسا اختلاف تم لوگوں نے اہل کتاب ہو کر ڈال رکھا ہے پھر آخر کو فرمادیا کہ بات تو یہ سیدھی ہے اگر اہل کتاب ہو کر یہ لوگ اس کو نہ مانیں تو ان سے کہہ دیا جائے کہ تم ہمارے گواہ رہو کہ ہم تو حکم الٰہی کے تابع ہیں حاصل مطلب یہ ٹھہرا کہ اہل کتاب ہو کر تم لوگوں نے جو باتیں تراش رکھی ہیں وہ نوح علیہ السلام کی شریعت سے لے کر عیسٰے علیہ السلام کی شریعت تک کبھی نہیں تھیں اس لئے تم لوگ حکم الٰہی کے ہرگز تابع نہیں بلکہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم جس مسئلہ توحید کی تم لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں وہی مسئلہ سب شریعتوں میں ہے اور جو اس پر عمل کرے وہی حکم الٰہی کا تابع ہے۔

۶۵-۶۸۔ بیہقی نے دلائل النبوہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک روز آنحضرت کے روبرو علماء یہود اور نجران کے پادریوں کا بڑا جھگڑا ہوا یہود کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم یہودی تھے اور نصارٰی کہتے تھے کہ نہیں نصرانی تھے۔

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا

نہیں جانتے نہ تھا ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی لیکن تھا ایک طرف کا حکم بردار

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٦٧﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا

اور نہ تھا مشرک والے لوگوں میں زیادہ مناسبت ابراہیم سے ان کو تھی جو ساتھ اس کے تھے اور اس

النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَدَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَھْلِ

نبی کو اور ایمان والوں کو اور اللہ والی ہے مسلمانوں کا آرزو ہے بعض

الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٩﴾ يٰٓاَھْلَ

کتاب والوں کو کسی طرح تم کو راہ بھلا دیں اور راہ بھلاتے نہیں مگر آپ کو اور نہیں سمجھتے اے

الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿٧٠﴾ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ

کتاب والو کیوں منکر ہوتے ہو اللہ کے کلام سے اور تم قائل ہو اے کتاب والو کیوں

تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٧١﴾ وَقَالَتْ

ملاتے ہو صحیح میں غلط اور چھپاتے ہو سچی بات جان کر اور کہا ایک

طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ

لوگوں نے اہل کتاب میں کہ مان لو جو کچھ اترا مسلمانوں پر دن چڑھے

ع ٧/١٥

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1] اور فرما دیا کہ تورات اور انجیل جن دونوں کتابوں سے یہود اور نصاریٰ کا دین دنیا میں چلا ہے وہ تو حضرت ابراہیم کے بعد اتری ہیں ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام میں ہزار برس کے قریب کا فاصلہ ہے اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام میں تین ہزار برس کے قریب کا پھر حضرت ابراہیم یہودی یا نصرانی کیونکر ہو سکتے ہیں رہی یہ بات کہ حضرت ابراہیم کو دنیا میں اب کون سے دین سے مناسبت ہے خلاف علم الٰہی انجانی بات میں یہ لوگ جو بحث کر رہے ہیں یہ اللہ کو ہرگز پسند نہیں اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو بات آدمی کو معلوم نہ ہو اس میں نفسانیت سے ہرگز بحث نہ کرے اس شان نزول کی روایت چند طریقوں سے ہے جس کے سبب سے ایک سند سے دوسرے کو قوت ہے ◆

٦٩ — ٧١ - چند یہود نے معاذ بن جبلؓ اور حذیفہ بن الیمانؓ وغیرہ کو یہ رغبت دلائی کہ وہ دین محمدی کو چھوڑ کر یہودی ہو جائیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ مسلمان اپنے دین پر خدا کی طرف سے پکے ہیں ان کو تو کسی کے بہکانے سے کچھ ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ مگر بہکانے کا اثر بہکانے والوں کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا جس سے وہ غافل ہیں ◆

٧٢ - جب دن بدن دین محمدی میں لوگ بڑھنے لگے تو یہود کو یہ امر شاق گذرا اس لئے عداوت سے خیبر کے بارہ شخص یہود نے یہ صلاح کی کہ تازہ دم نئے مسلمانوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لئے ایک دن صبح کو فریب کے طور پر مسلمان ہو گئے۔ اور صبح کی نماز بھی مسلمانوں کے ساتھ پڑھی اور تیسرے پہر کو یہ مرتد ہو گئے تاکہ نئے مسلمان

[1] تفسیر ابن کثیر ج ١ ص ٣٧٢ ◆

النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ

اور منکر ہو جاؤ آخر دن شاید وہ پھر جاویں اور یقین نہ کرو مگر اسی کا جو چلے تمہارے دین پر

قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ

تو کہہ ہدایت وہی ہے جو اللہ ہدایت کرے اس واسطے کہ کسی کو ملا جیسا کچھ تم کو ملا تھا یا مقابلہ کیا تم سے

عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

تمہارے رب کے آگے تو کہہ بڑائی اللہ کے ہاتھ میں ہے دیتا ہے جس کو چاہے اور اللہ گنجائش والا ہے خبردار

يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ وَمِنْ اَهْلِ

خاص کرتا ہے اپنی مہربانی جس پر چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے اور بعضے اہل

الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ

کتاب میں سے وہ ہیں کہ اگر تو ان پاس امانت رکھے ڈھیر مال کا ادا کریں تجھ کو اور بعضے ان میں سے وہ ہیں کہ اگر تو انکے پاس امانت رکھے ایک اشرفی

لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا

ادا نہ کریں تجھ کو مگر جب تک تو رہے اس کے سر پر کھڑا یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے نہیں ہم پر

اپنے دل میں خیال کریں کہ اس دین محمدی میں کچھ نقصان ضرور تھا جو یہ اہل کتاب لوگ اس دین میں داخل ہو کر پھر منحرف ہو گئے اللہ تعالیٰ نے ان یہود کا ادنیٰ فریب ظاہر کرنے اور نئے مسلمانوں کا وسوسہ دور کرنے کی غرض سے یہ آیت نازل فرمائی[1] اور فرما دیا کہ ایسے فریبیوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے اور نبوت اللہ کا ایک فضل ہے وہ اپنے اس فضل کو جب تک جس خاندان میں چاہے رکھے ان لوگوں کا یہ حسد کہ نبوت بنی اسمٰعیل میں کیوں ہوئی۔ ان ہی کے نقصان کا موجب ہے ؛

۷۳-۷۴۔ تفسیر ابن ابی حاتم میں ابی مالک سے روایت ہے کہ اس آیت کے دو ٹکڑے ہیں پہلا ٹکڑا علماء یہود کا ہے کہ وہ اپنے قوم کے ان پڑھ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ دیکھو اپنے دین والے کے سوا کسی کی بات کو ہرگز نہ ماننا۔ دوسرا ٹکڑا اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کے جواب میں اتارا ہے کہاں سے اے نبی اللہ کے تم کہہ دو کہ ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے[2] ایسی باتوں سے وہ اللہ کی ہدایت کو ہرگز روک نہیں سکتے۔ چنانچہ وہی ہوا کہ اللہ کی ہدایت دن بدن پھیل کر اسلام بڑھتا گیا اور یہود حسد اور عداوت میں خوار اور ذلیل ہوتے گئے ہر چند انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو جو تورات میں مذکور تھے چھپایا اُن پڑھ یہود کو غیر دین کی بات ماننے سے روکا مگر اللہ سے کون مقابلہ کر سکتا ہے آخر ہوا وہی جو اللہ کو منظور تھا ؛

۷۵-۷۶۔ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس فرقہ کا ذکر فرمایا تھا جس میں سر تا پا برائی ہی برائی تھی۔ بھلائی کچھ بھی نہ تھی۔ اور حقیقت میں بعضے ان میں سو اس بُرے فرقے کے بھلے بھی تھے اس لئے یہ آیت نازل فرما کر بڑوں کے ساتھ

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۷۳ [2] لباب النقول ص ۴۸-۴۷ ؛

فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ ۚ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ بَلَىٰ مَنْ

جاہلوں کے حق کا گناہ اور جھوٹ بولتے ہیں اللہ پر جانتے کیوں نہیں جو کوئی

أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٧٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ

پورا کرے اپنا قرار اور پرہیزگاری تو اللہ چاہتا ہے پرہیزگاروں کو جو لوگ خرید کرتے ہیں

بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا

اللہ کے قرار پر اور اپنی قسموں پر تھوڑا مول ان کو کچھ حصہ نہیں آخرت میں اور نہ

يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٧﴾

بات کرے گا ان سے اللہ اور نہ نگاہ کرے گا ان کی طرف قیامت کے دن اور نہ سنوارے گا ان کو اور ان کو دکھ کی مار ہے ؛

اچھوں کا ذکر بھی فرمادیا تاکہ مسلمانوں میں ان اچھوں کی عزت بڑھے اور بُرے بھی ان اچھوں کی عادت سیکھیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن سلامؓ جو پہلے یہودی تھے اور پھر مسلمان ہو گئے ان کے پاس کسی نے کئی سو تولے سونا امانت رکھوادیا اور انہوں نے وقت پر ادا کر دیا۔ اور ایک یہودی اور تھا کہ ایک شخص کی ایک اشرفی امانت لے کر مُکر گیا۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ امانت میں خیانت کرنا جھوٹ بولنا وعدہ خلافی کرنا لڑائی کے وقت گالیاں بکنا یہ منافقوں کی علامتیں ہیں[۱] یہود کے بُرے فرقے نے جہاں اور غلط باتیں تورات میں اپنی طرف سے بڑھادی تھیں وہاں ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ کہتے تھے کہ عرب کے لوگ بت پرست اور بددین ہیں ان کا مال ہر طرح ہضم کر لینا تورات میں روا لکھا ہے اس لئے ان کے مال کے ہضم کرنے پر ہم کو کوئی مؤاخذہ کا راستہ نہیں ہے اللہ تعالٰے نے ان کی وہ بات بھی اس آیت میں جھٹلادی اور فرمادیا کہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں تورات میں ہرگز کہیں یہ بات نہیں ہے پرایا مال ہضم کرنے پر ضرور مؤاخذہ ہے ہاں اگر وہ جس طرح ان سے اور اللہ سے تورات میں معاہدہ ہے اس کے موافق اسلام لے آئیں گے تو اسلام پچھلی ساری برائیاں مٹاڈالتا ہے اس سبب سے ان سے یہ برائی میٹ کر ان کو متقی بنالے گا۔ اللہ متقیوں کو دوست رکھتا ہے ؛

۷۷۔ صحیحین اور صحاح کی کتابوں میں روایت ہے کہ اشعث بن قیسؓ صحابی اور ایک یہودی میں کچھ زمین کا قضیہ تھا اس کی فریاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ آنحضرت نے اشعث بن قیسؓ سے فرمایا تمہارے پاس اس دعوے کے ثبوت کے گواہ ہیں۔ اشعث بن قیسؓ نے کہا نہیں۔ گواہ تو نہیں ہیں۔ آپ نے یہودی سے کہا کہ تو اپنے دعوے پر قسم کھا۔ اشعث بن قیسؓ نے کہا کہ حضرت یہ یہودی فوراً جھوٹی قسم کھا کر میری زمین دبالے گا۔ اس پر اللہ تعالٰے نے یہ آیت نازل فرمائی[۲] اور فرمادیا دنیا کی تھوڑی سی طمع کے لئے جو کوئی جھوٹی قسم کھائے گا۔ وہ عقبےٰ میں جنت کی بڑی بڑی نعمتوں سے محروم رہے گا۔ اور اللہ تعالٰے کا اس پر ایسا غصہ اور غضب ہوگا کہ اللہ تعالٰے نظر رحمت سے اس کی طرف نہ دیکھے گا۔ اور نہ اس سے بات کرے گا۔ اور نہ اس کے کسی گناہ سے درگذر فرمائے گا۔

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۷۔ طبع المنار مصر [۲] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰ باب علامۃ المنافق [۳] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۲ کتاب التفسیر و جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۴ ؛

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ

اور ان میں ایک لوگ ہیں کہ زبان مروڑ کر پڑھتے ہیں کتاب کہ تم جانو وہ کتاب میں ہے اور وہ نہیں

مِنَ الْكِتَابِ ۚ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۚ وَيَقُولُونَ

کتاب میں اور کہتے ہیں وہ اللہ کا کہا ہے اور وہ نہیں اللہ کا کہا اور اللہ

عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٨﴾

پر جھوٹ بولتے ہیں جان کر

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ٹخنے سے نیچے پائجامہ رکھنے والا جھوٹی قسم کھانے والا صدقہ دے کر احسان جتانے والا ان تین شخصوں پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا ایسا غصہ ہوگا کہ ان سے اللہ تعالیٰ بات کرے گا نہ ان کے گناہوں سے درگذر کرے گا سوا اس شان نزول کے جو متفق علیہ حدیث میں ہے۔ اور شان نزول اس آیت کی حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں جو مذکور ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان معاملات پر بھی آیت کا مطلب صادق آتا ہے ورنہ معتبر شان نزول وہی ہے جو متفق علیہ حدیث کی رو سے بیان کی گئی ہے۔

۷۸۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ یہود اور نصاریٰ دونوں نے تورات اور انجیل میں اپنی طرف سے جو باتیں ملا دی تھیں اس تحریف کو مسلمانوں پر ظاہر کر دینے کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے لفظ جو ان دونوں آسمانی کتابوں میں ہیں ان اصلی لفظوں سے زبان بدل کر اور موڑ کر ان لفظوں کو اے مسلمانوں تمہارے سامنے اس ڈھنگ سے یہ اہل کتاب پڑھتے ہیں کہ تم اس کو اللہ کا کلام خیال کرتے ہو حالانکہ وہ اللہ کا کلام نہیں ہے اور خود ان کا دل جانتا ہے کہ وہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔ مگر جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں اکثر یہود رہتے تھے اور مسلمانوں کے اور ان کی بات چیت اور ملاقات ہوتی رہتی تھی اور یہود لوگ اپنی بدلی ہوئی آیات تورات میں سے اس قسم کے احکام تورات کے مسلمانوں کے روبرو بیان کرتے تھے کہ جس سے مسلمانوں کے جی میں کچھ شبہات پیدا ہوں اس آیت کے حکم سے اور اس آیت کے حکم کے موافق چند احادیث سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب مسلمانوں کو اہل کتاب کے اس طرح کے میل جول سے روکا تو مسلمانوں نے پھر اس طرح کا میل جول اہل کتاب سے چھوڑ دیا اور دین محمدی میں اہل کتاب کے سبب سے ایک رخنہ جو پڑتا تھا وہ مٹ گیا وہ حدیثیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اہل کتاب کے اس طرح کے میل جول سے دین میں رخنہ پڑنے کی غرض سے روکا ہے

---

لے یہ حدیث بڑی جستجو کے باوجود ان الفاظ سے بروایت حضرت ابوہریرہؓ صحیحین میں نہیں مل سکی، البتہ حضرت ابوذرؓ کی روایت سے صحیح مسلم (ج ۱ ص ۷۱) اور سنن اربعہ میں ہے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (ج ۲ ص ۲۷) باب المنان بما اعطی میں صحیح مسلم کے حوالہ سے ذکر کی ہے۔ حافظ ابن کثیر بھی اپنی تفسیر میں دو جگہ بروایت ابوذر ہی لائے ہیں۔ حضرت ابوذرؓ کی روایت میں بھی اس جھوٹی قسم کا ذکر بغرض خرید و فروخت ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

کے تفسیر معالم ج ۲ ص ۱۷۴۔

یہ ہیں امام احمد بن حنبلؒ نے عبداللہ بن ثابتؓ سے روایت کی ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ اپنے ایک دوست یہودی سے
چند باتیں تورات کی سن کر آئے انہوں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ میں تورات کی چند باتیں سن کر آیا ہوں جو مجھ کو اچھی معلوم
ہوتی ہیں اگر آپ فرمائیں تو میں اُن باتوں کو آپ کے سامنے بیان کروں آپ کو یہ بات حضرت عمرؓ سے سُن کر غصہ آ گیا
فرمایا کہ اگر آج کی تاریخ تم میں خود حضرت موسٰے زندہ ہوتے[1] اور تم مجھ کو چھوڑ کر حضرت موسٰےؑ کی فرماں برداری کرتے
تو بلاشک تم لوگ گمراہ ہو جاتے[2] دوسری روایت ابو یعلیٰ موصلی کی مسند میں حضرت جابرؓ سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا تم اہل کتاب سے دین کی بات چیت مت کیا کرو اہل کتاب اپنی کتابوں میں تحریف کرنے سے خود راہ پر نہیں رہے وہ
تم کو کیا ہدایت کر سکتے ہیں آج حضرت موسٰے[3] اور بعض روایتوں میں یہ ہے کہ حضرت موسٰے اور عیسٰے[4] دونوں زندہ ہوتے
تو وہ بھی میری فرماں برداری قبول کرتے[5]۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں لفظی معنوی
طرح طرح کا تصرف کیا ہے اور پھر اسی بوجھے ہوئے ہیں۔ مرضی الٰہی کے موافق آخری شریعت شرع
محمدی کو نہیں مانتے حالانکہ جس طرح ہر حاکم وقت ایک قانون بنا کر مصلحت ملکی کے لحاظ سے ایک مدت تک
اس قانون کا رواج اور عمل جائز رکھتا ہے اور جب مصلحت ملکی اس قانون نافذ الوقت کے موافق اس حاکم کو نظر نہیں آتی

---

1. مفسرؒ نے تفسیر ابن کثیر سے جس روایت کا خلاصہ بیان کیا ہے اس کے لفظ یہ ہیں لو اصبح فیکم موسٰی علیہ السلام (ج ۱ ص ۳۷۸) جس کا لفظی ترجمہ ہے، اگر موسٰے "تم میں موجود ہوتے" جس روایت میں لوکان حیا کا لفظ ہے اس کا مطلب بھی "موجود ہونا" ہی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق احادیث میں حیات (برزخیہ) ثابت کی گئی ہے بنا بریں، "لوکان حیا" کو "لو اصبح" کے ساتھ ملایا جائے تو سب حدیثوں کا مطلب ٹھیک ہو جاتا ہے۔ یاد رہے، ان لفظوں سے بھی یہ روایت کمزور ہے اس کی سند میں جابر جعفی کذاب راوی ہے۔
2. تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۷۸
3. یہاں بھی مطلب خبط ہو گیا ہے، مسند ابو یعلیٰ کی جس روایت کا ترجمہ ہے، اس کے لفظ تفسیر ابن کثیر میں یہ ہیں۔ لوکان موسٰی حیا بین اظهركم (ج ۱ ص ۳۷۸) جس کا صاف ترجمہ یہ ہے، اگر تمہارے درمیان زندہ موجود ہوتے" ویسے یہ روایت بھی کمزور ہے۔ تفسیر ابن کثیر مطبوعہ المنار مصر (ج ۲ ص ۱۷۸) میں، اس کی جو سند آئی ہے اس میں مجالد راوی ہے جو ضعیف ہے۔
4. مفسرؒ نے تفسیر ابن کثیر کی عبارت ہی کا ترجمہ کر دیا ہے، لیکن واضح رہے، کہ "موسٰی وعیسٰی حیین" کا لفظ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں مل سکا ہے، یہ روایت مسند امام احمد (ج ۳ ص ۳۸۷) سنن دارمی (ص ۶۳) مشکوٰۃ (ص ۳۰) مجمع الزوائد (ج ۱ ص ۱۷۴) وغیرہ حدیث کی جن کتابوں میں آئی ہے لوکان موسٰی الخ کے ساتھ آئی ہے، اس کے ساتھ "عیسٰی" اور "حیین" کہیں بھی نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ کسی ناسخ سے غلطی ہو گئی ہے۔ مسلمانوں کا یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے، اور قیامت کے قریب بنفس نفیس نزول فرمائیں گے۔ خود حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر کے مختلف مقامات پر حضرت عیسٰے کے بجسد عنصری آسمان پر اٹھائے جانے اور قیامت کے قریب (۱) کے تشریف لانے کا اثبات کیا ہے۔ دیکھو ص ۳۶۶ ج ۱ و ص ۵۷۷ ــ ۳۸۳ ج ۱ و ۱۳۲ ج ۴ بلکہ حضرت مفسرؒ نے خود بھی ص ۲۴۱ پر اس کی صراحت کی ہے۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام کی "زندگی" کا مطلب اوپر کے حاشیے میں آ چکا ہے :
5. تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۷۸ :

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ

کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ اس کو دے کتاب اور حکم اور پیغمبر کرے پھر وہ کہے

لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا

لوگوں کو کہ تم میرے بندے ہو اللہ کو چھوڑ کر لیکن تم مربی ہو جاؤ جیسے

كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ

کہ تم سکھاتے کتاب اور جیسے تھے تم پڑھتے اور نہ یہ کہے تم کو

اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ

کہ ٹھہراؤ فرشتوں کو اور نبیوں کو رب کیا تم کو کفر سکھا دے گا بعد

اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾

اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ؂

تو اس پہلے قانون کو منسوخ کرکے بجائے اس کے دوسرا قانون نافذ کر دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں دنیا کے پیدا کرنے سے ہزار ہا برس پہلے دنیا کی ہر ایک دورہ کی مصلحت کے موافق ایک قانون قرار دیا ہے۔ جس کو اس دورہ کی شریعت ٹھہرایا ہے اور یوم المیثاق میں اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء سے اور سب انبیاء نے اپنی اپنی امتوں سے یہ مضبوط عہد لیا ہے کہ دنیا کے ہر دورہ میں اسی شریعت کا عمل ہوگا۔ جو شریعت اس دورہ کے لئے ٹھہرائی گئی ہے اور ہر نبی وقت اور امت وقت کو اس معاہدہ میں یہ تاکید ہے کہ جو کوئی پچھلے دورہ کا نبی یا امت اگلے دورہ کی شریعت اور نبی کو پائے تو فوراً پچھلے دورہ کی شریعت کو چھوڑ کر نافذ الوقت شریعت کا پورا فرماں بردار ہو جائے اور کوئی کتاب آسمانی ایسی نہیں ہے جس میں اس معاہدہ کا ذکر نہ ہو۔ لیکن اہل کتاب نے اس معاہدہ کی آیات کو کتب آسمانی میں بدل ڈالا تھا۔ جس سے اللہ کے انتظام میں ایک رخنہ پڑتا تھا۔ اس رخنے کے روکنے کی اکثر آیات قرآن شریف میں مثل اس آیت کی ہیں اور رسول وقت نے اللہ کی مرضی کے موافق اکثر احادیث میں اس رخنہ کو روکا ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے[1] ان دونوں آیتوں کے بعد جن میں اس رخنہ کے روکنے کا ذکر ہے اس معاہدہ کا ذکر فرما کر اہل کتاب کو وہ معاہدہ یاد دلایا ہے ؂

۷۹ — ۸۰۔ تفسیر ابن جریر وغیرہ میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ نجران کے مباحثہ کے وقت ایک شخص ابو رافع یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ کیا آپ ہم سے اپنی ذات کی ویسی عبادت چاہتے ہیں جس طرح سے نصاریٰ لوگ حضرت عیسیٰ کی پوجا کرتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۷۷ ؂

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ

اور جب لیا اللہ نے قرار نبیوں کا جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم

ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ط

پھر آئے تم پاس کوئی رسول کہ سچ بتائے تمہارے پاس والے کو تو اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے

قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ط قَالُوا أَقْرَرْنَا ط قَالَ

فرمایا کہ تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر لیا میرا ذمہ بولے ہم نے اقرار کیا فرمایا

فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ

تو اب شاہد رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ شاہد ہوں پھر جو کوئی پھر جائے اس کے بعد تو

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۸۲﴾

وہی لوگ ہیں بے حکم ۔

کہ اللہ کے نبی کا یہ کام نہیں کہ سوا اللہ کے کسی کی عبادت کی وہ فرمایش کرے اور طبری نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ یہود اور نصاریٰ اس معاہدہ کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو باتیں کرتے تھے جو معاہدہ اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء اور امتوں سے لیا ہے جس کا ذکر سب آسمانی کتابوں میں ہے اس لئے اس آیت اور اوپر کی آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے معاہدہ کا ذکر کر کے ان کو معاہدہ یاد دلایا ہے تاکہ معاہدہ کے پابند ہو کر ایسی باتوں سے پرہیز کریں اور معاہدہ کے موافق اپنے وقت پر ایمان لائیں ۔

۸۱ — ۸۲ - یہ وہی معاہدہ ہے جس کا ذکر اوپر کی آیت کی تفسیر میں گذرا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے نبی سے اس کے مابعد میں آنے والے نبی کی بابت یہ عہد کیا ہے کہ اگر پہلا نبی مابعد میں آنے والے نبی کا زمانہ پائے تو خود اس پر ایمان لاتے جب ضرورت پڑے اس کی مدد کرے ورنہ اپنی امت کو اس کے موافق وصیت کر جائے یہ معاہدہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوتا ہے چنانچہ اس معاہدہ کی بنا پر اوپر کی حدیث میں آپ نے یہ فرمایا ہے کہ اگر میرے زمانہ میں موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام[1] زندہ ہوتے تو وہ بھی میری فرماں برداری قبول کرتے۔ اس معاہدہ کو یاد دلا کر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب مشرکین مکہ سب کو یوں قائل کیا ہے کہ یہود اگرچہ اپنے آپ کو شریعت موسوی کا پابند کہتے ہیں لیکن موسیٰ علیہ السلام کے معاہدہ اور وصیت کے خلاف ہیں۔ اسی طرح شریعت عیسوی اور ملت ابراہیمی کی پابندی کے مدعیوں کا حال ہے لیکن ان کو یہ یاد رہے کہ یہ معاہدہ اللہ تعالیٰ کی گواہی سے مکمل ہوا ہے جس کی خلاف ورزی کے وبال کا کچھ ٹھکانہ نہیں حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ آیت میں لفظ اصر سے مراد وہی معاہدہ ہے جس کا ذکر میثاق کے لفظ سے فرمایا ہے اصر کے معنے سخت اور شدید معاہدہ کے ہیں ۔

[1] یہ بحث ص ۲۲۰ کے حاشیہ نمبر ۲ میں گزر چکی ہے ۔

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا

اب کیا اور دین ڈھونڈتے ہیں سوائے دین اللہ کے اور اسی کے حکم میں ہے جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے خوشی سے

وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾ قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ

اور زور سے اور اسی کی طرف پھر جائیں گے تو کہہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ اترا ہم پر اور جو کچھ اترا

عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ

ابراہیم پر اور اسمٰعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور اس کی اولاد پر اور جو ملا

مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ

موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو ملا سب نبیوں کو اپنے رب کی طرف سے ہم جدا نہیں کرتے ان میں کسی کو

وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿٨٤﴾ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ

اور ہم اسی کے حکم پر ہیں اور جو کوئی چاہے سوائے حکم برداری کے دین سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا

مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٨٥﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا

اور وہ آخرت میں خراب ہے کیونکر راہ دے گا اللہ ایسے لوگوں کو جو منکر ہوگئے

بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَاللَّهُ

مان کر اور شاہد ہو چکے کہ رسول سچا ہے اور پہنچ چکے ان کو نشان اور اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٨٦﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ

نہیں راہ دیتا بے انصاف لوگوں کو ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت

۸۳—۸۵۔ غصہ کے ایک استفسار کے طور پر اس آیت کا تعلق اوپر کی آیت سے ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ جب اللہ نے دنیا کے پیدا کرنے سے ہزاروں برس پہلے دنیا کے ہر ایک دور کی مصلحت کے موافق ایک قانون قرار دیا ہے۔ جس کو اس دور کی شریعت ٹھہرایا ہے اور اسی مصلحت وتقیہ کے انتظام کے لئے ہر نبی اور امت سے وہ معاہدہ قرار پا چکا ہے جس کا ذکر اوپر کی آیت میں ہے تو پھر اب جو کوئی اس انتظام الٰہی میں خلل ڈالے گا۔ اور سوائے اس شریعت وتقیہ کے غیر وتقیہ شریعت پر چلے گا وہ اللہ تعالےٰ کی درگاہ سے کچھ اجر نہ پائے گا۔ اور اس کا کیا کرایا سب اکارت ہے کیونکہ اجر اسی عمل پر ہے جو مرضی کے موافق ہو خلاف مرضی الٰہی کام پر تو اور مواخذہ ہوگا اجر کہاں رہا۔ اور آسمان وزمین میں سب پر اللہ ہی کا حکم چلتا ہے اس لئے جو اس کے حکم کے برخلاف کرے گا وہ آخرت میں نقصان اٹھائے گا۔

۸۶—۹۱۔ نسائی اور صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جس کو حاکم نے صحیح کہا ہے۔ حاصل اس روایت کا یہ ہے کہ حارث بن سوید انصاری اور طعمہ بن ابیرق وغیرہ سب بارہ شخص اسلام لانے کے بعد مرتد ہوگئے اور مدینہ سے مکہ کو چلے گئے۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے اس آیت کا ٹکڑا ولا ھو ینظرون

اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ

اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی پڑے رہیں اس میں ان پر نہ ہلکا ہوا

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

عذاب اور نہ ان کو فرصت ملی مگر جنہوں نے توبہ کی اس کے بعد

وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ

اور سنوار پکڑی تو البتہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے جو لوگ منکر ہوئے مان کر

ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾

پھر بڑھتے رہے انکار میں ہرگز قبول نہ ہوگی ان کی توبہ اور وہی ہیں راہ بھولے

تک نازل فرمایا پھر حارث بن سوید کو اپنے مرتد ہوجانے پر بڑا افسوس ہوا تو انہوں نے انصار سے جو اُن کی قوم کے مدینہ میں تھے یہ پیغام کہلا بھیجا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کریں کہ ہم لوگوں کی توبہ قبول ہوسکتی ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے دوسرا ٹکڑا آیت کا الا الذین تابوا نازل فرمایا۔ اس پر حارث بن سوید پھر مدینہ میں آکر مسلمان ہو گئے اور اُن کے ساتھ کے گیارہ آدمی فتح مکہ تک مرتد رہے فتح مکہ کے وقت چند شخص ان میں کے مسلمان ہو گئے اور چند حالتِ کفر میں مرگئے جن کا ذکر آیت کے آخر میں ان الذین کفروا سے اخیر پارہ تک ہے[1]۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے دوسری روایت جو ہے کہ یہ آیت کا ٹکڑا اہل کتاب کی شان میں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہود کی شان میں بھی یہ آیت صادق آتی ہے ورنہ جو شان نزول حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مسند بزاز میں ہے اس کی سند قوی ہے[2] اور یہود پر مرتد ہوجانے کا مطلب اس طرح صادق آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے پہلے یہود لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق جانتے تھے اور آپ کا نام لے کر فتح کی دعا مانگتے تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوئے تو مرتدوں کی طرح آپ سے پھر گئے۔

اس آیت کے معنے میں ایک شبہ یہ پڑتا ہے کہ الا الذین تابوا سے فان اللہ غفور الرحیم تک تو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی توبہ کے قبول فرمانے کا وعدہ کیا ہے اور پھر ان الذین کفروا بعد ایمانہم ثم ازدادوا کفرا لن تقبل توبتہم واولئک ھم الضالون سے آخیر پارہ تک یہ فرمایا ہے کہ جو لوگ مرتد ہوں اور زمانہ مرتدی میں خوب کفر میں سرشار رہیں تو ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی آیت کے دونوں ٹکڑوں کے ملانے سے مطلب اصلی آخر کو کیا نکلا۔

جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ جس طرح ہر چیز کا اللہ کے یہاں وقت مقرر ہے اسی طرح توبہ کا بھی وقت مقرر ہے وہ وقت یہ ہے کہ مثلاً آدمی ایسی مجبوری اور اضطرار کی حالت میں شرک کفر یا کبیرہ گناہ سے توبہ کرے جیسے فرعون نے بالکل ڈوبتے وقت توبہ کی اور قبول نہیں ہوئی یا مغرب سے آفتاب نکلنے کے وقت

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۷۹ و تفسیر معالم ص ۱۸۲ — ۱۸۳ ج ۲ طبع النار مصر [2] مسند بزاز کی یہ روایت تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۷۹ میں ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ

جو لوگ منکر ہوئے اور مر گئے منکر ہی تو ہرگز قبول نہ ہوگا ایسے کسی سے زمین

الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا

بھر کر سونا اگرچہ بدلا دیوے یہ کچھ ان کو دکھ کی مار ہے اور کوئی

لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٩١﴾

نہیں ان کا مددگار

سب لوگ توبہ کریں گے تو ایسی توبہ قبول نہ ہوگی۔ بلکہ وہ توبہ قبول ہوگی کہ ایسے وقت آدمی توبہ کرے کہ اپنی موت کا ابھی اس کو پورا یقین ہو کر اس کی حالت اضطرار کی نہ ہوئی ہو اپنی زیست کا اس کو بھروسا ہو اور اس زیست کے سوچے ہوئے زمانہ میں اس کا گناہ سے باز رہنے کا اور آئندہ نیک کام کرنے کا پورا پورا ارادہ ہو ورنہ اگر دم اکھڑ جانے کے بعد جب خراٹا لگ گیا اور موت کا پورا یقین ہو گیا اور موت کے سامنے آجانے سے ایک اضطرار کی حالت پیش آگئی تو اس وقت کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ چنانچہ سورہ نسار میں جو توبہ کے قبول ہونے کی آیت آئے گی اس میں اللہ تعالےٰ نے فرمادیا ہے کہ توبہ انہی لوگوں کی قبول ہوتی ہے کہ گناہ کرتے ہی جھٹ پٹ توبہ کر لیتے ہیں اور جو لوگ مرتے دم تک برائیاں کرتے ہیں اور جب موت بالکل سامنے آجاتی ہے تو توبہ کرتے ہیں ان کی توبہ توبہ نہیں ہے اور موت کے بالکل سامنے آجانے کی تفسیر حدیث شریف میں آئی ہے کہ وہ خراٹا لگ جانے کا وقت کہ دم اکھڑ کر سینہ میں آجاتا ہے اور کوئی چیز پینے کی منہ میں ڈالے تو دم خرخر کرتا ہے اور وہ چیز نگلی نہیں جاتی۔ چنانچہ مسند امام احمد بن حنبل اور ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک موت کا خراٹا نہ لگے اس وقت تک اللہ تعالےٰ بندہ کی توبہ قبول کرتا ہے ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے[1]۔ اب رہی یہ بات کہ کوئی مشرک بلا توبہ مرجائے تو اس کا اور مسلمان جو گناہ کبیرہ کر کے بغیر توبہ کے مرجائے اس کا ایک حکم ہے یا دونوں میں کچھ فرق ہے اس کی صراحت بقدر ضرورت یہ ہے کہ آیت ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء (۴ - $\frac{۴۸}{۱۱۶}$) اور آیت انہ من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ (۵ - ۷۲) سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو مشرک وقت مقررہ پر توبہ نہ کرے اور بغیر توبہ کے مرجائے تو اس کی بخشش نہیں ہے اور مسلمان کبیرہ کا گناہ گار بغیر توبہ کے مرجائے تو اس کی بخشش اللہ تعالےٰ نے اپنے اختیار میں رکھی ہے۔ حدیث میں ان دونوں آیتوں کی صراحت یوں آئی ہے کہ نامہ اعمال اللہ کی بارگاہ میں تین طرح کے ہیں ایک نامہ اعمال شرک کا ہے۔ اس نامہ اعمال والے شخص کی بخشش ہرگز نہیں ہے۔ ایک نامہ اعمال ان کبیرہ گناہوں کا ہے جو فقط اللہ کا گناہ ہے جیسے نماز کا نہ پڑھنا۔ یا روزہ کا نہ رکھنا۔ ان گناہوں کی توقع ہے کہ اللہ غفور رحیم ہے بخش دے گا۔ ایک نامہ اعمال ان کبیرہ گناہوں کا ہے جن گناہوں میں بندوں کا بھی حق ہے۔ جیسے کسی کا مال

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۹۲

چرانا۔ یا کسی کی عورت سے بدفعلی کرنا اس کا بدلا اور انصاف ضرور ہوگا۔ یہ روایت حضرت عائشہؓ سے مسند امام احمد بن حنبل اور مستدرک حاکم میں آئی ہے[1] اور شرح جامع صغیر میں اس کو صحیح کہا ہے۔ اور اس باب میں مثل حدیث حضرت عائشہؓ کے اور بھی صحیح حدیثیں ہیں اس کے بعد آیت کے جن دو ٹکڑوں میں شبہ پڑتا تھا ان دو ٹکڑوں کو ملا کر حاصل معنے یہ ہوئے کہ وقت مقررہ پر مرتد اور گنہ گار کی توبہ قبول ہے۔ اور مرتد یا گنہ گار وقت مقررہ ٹال کر موت کے بالکل سامنے آجانے تک حالت مرتدی یا گنہ گاری میں سرشار رہے اور عین مرتے وقت توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہے۔ اور جس مسلمان گنہ گار کی آخری وقت کی توبہ قبول نہیں ہے اس کی بخشش کی توقع ہے۔ مشرک کی بخشش کی توقع نہیں ہے۔ اللہ تعالے ہر ایک مسلمان کو ہر ایک طرح کے شرک سے بچائے۔ آمین ٭

---

[1] مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۴۰۔ مستدرک ج ۴ ص ۵۷۵ ٭

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ۬ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾

ہرگز نہ پہنچو گے نیکی کی حد کو جب تک نہ خرچ کرو اس چیز سے جس سے محبت رکھتے ہو اور جو چیز خرچ کرو گے پس اللہ کو معلوم ہے سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کو مگر جو حرام کرلی تھی اسرائیل نے اپنی جان پر قبل توریت نازل ہونے سے پہلے تو کہہ لاؤ توریت اور پڑھو اگر سچے ہو پھر جو کوئی باندھے اللہ پر جھوٹ اس کے بعد تو وہی ہے بے انصاف تو کہہ سچ فرمایا اللہ نے اب تابع ہو جاؤ دین ابراہیم کے جو ایک طرف کا تھا اور نہ تھا شرک کرنے والا

۹۲ - اوپر ذکر تھا کہ عقبٰے میں زمین بھر کے سونا بھی عذاب الٰہی سے نہیں چھوڑا سکتا اس لئے دنیا میں صدقہ کی رغبت دلانے کے لئے اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور جب یہ آیت اتری۔ تو اس سے صحابہ کرامؓ کو نفلی صدقہ کی حرص اور رغبت بھی بہت کچھ پیدا ہوئی چنانچہ مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہؓ کا ایک باغ جو مسجد نبوی کے پاس تھا اس میں ایک کنواں میٹھے پانی کا تھا جس کا پانی بہت اچھا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اس باغ میں جاکر بیٹھا کرتے تھے اور اس کنوئیں کا پانی پیا کرتے تھے انہوں نے وہ باغ اپنے سب مال سے عمدہ اور نفیس جانا اللہ اللہ کی راہ میں اس باغ کو خیرات کر دیا[1]۔ اور صحیحین میں روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے اس غنیمت کے حصہ کو جو ان کو خیبر کی لڑائی میں ملا تھا اپنا بڑا عمدہ مال سمجھتے تھے اس کو انہوں نے اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا[2]۔ اور ابو بکر بزار نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ جب یہ آیت اتری تو میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ جو کچھ میرے پاس مال ہے اس سب میں زیادہ عزیز مجھ کو کیا چیز ہے میرے دل نے گواہی دی کہ روم کی ایک لونڈی جو میرے پاس ہے اس سے زیادہ کوئی چیز مجھ کو دنیا میں عزیز نہیں اس لئے میں نے اللہ کی راہ میں اس لونڈی کو آزاد کر دیا[3]۔

۹۳ — ۹۵ - یہود نے ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث کی کہ آپ ملت ابراہیمی پر اپنے آپکو بتلاتے ہیں اور اونٹ کا گوشت کھاتے ہیں اور اونٹنی کا دودھ پیتے ہیں۔ حالانکہ ملت ابراہیمی میں یہ دونوں چیزیں حرام ہیں توراۃ میں اس کا ذکر موجود ہے آپ نے فرمایا توراۃ میں یہ ہرگز نہیں ہے کہ ملت ابراہیمی میں یہ دونوں چیزیں حرام ہیں بلکہ حضرت یعقوب ایک دفعہ

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۸۱ و صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۴ کتاب التفسیر۔ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۸۱ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۸۱۔



وقف جبریل علیہ السلام

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴿٩٦﴾

تحقیق پہلا گھر جو مقرر ہوا لوگوں کے واسطے یہی ہے جو مکہ میں برکت والا اور نیک راہ جہان کے لوگوں کو

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى

اس میں نشانیاں ظاہر ہیں کھڑے ہونے کی جگہ ابراہیم کی اور جو اس کے اندر آیا اس کو امن ملا اور اللہ کا حق ہے

النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ

لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو کوئی پائے اس تک راہ اور جو کوئی منکر ہوا تو اللہ بے پرواہ نہیں

عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿٩٧﴾

رکھتا جہان کے لوگوں کی ۔

بیمار ہو گئے تھے انہوں نے نذر مانی تھی کہ اس بیماری سے اللہ تعالیٰ ان کو صحت دے۔ تو جو چیز ان کو بہت بھاتی ہوگی وہ اس کو چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو صحت دی۔ اور یہ دو چیزیں ان کو بہت بھاتی تھیں ان کو انہوں نے چھوڑ دیا۔ یہود نے اس بات کو نہ مانا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی برحق کے کلام کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی[1] اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا معجزہ اور ان کی نبوت کی بڑی دلیل ہے۔ کیوں کہ بنی اسرائیل میں صدہا برس سے تورات کا علم چلا آتا تھا۔ لیکن باوجود امی لقب ہونے کے جو مسئلہ تورات کا آپ نے فرمایا کہ اونٹ کا گوشت اونٹنی کا دودھ بنی اسرائیل میں کسی آسمانی حکم سے حرام نہیں ہے۔ بلکہ حضرت یعقوب کی نذر کی وجہ سے اس گوشت کے نہ کھانے اور اس دودھ کے نہ پینے کا رواج ان کی اولاد میں پڑ گیا ہے یہ مسئلہ خود یہود کو بھی معلوم نہ تھا اور یہ ایک ظاہر بات ہے کہ اس طرح کا غیبی علم بلا تائید غیبی کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اس طرح کی تائید غیبی بلاشک آپ کی نبوت کی پوری دلیل ہے ۔

۹۶۔ مکہ اور بکہ دونوں مکہ کے نام ہیں تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ لوگوں کے رہنے کے گھر دنیا میں مکہ سے پہلے بھی تھے۔ لیکن اللہ کی عبادت کا یہ پہلا گھر ہے جو روئے زمین پر بنایا گیا ہے[2] ۔

۹۷۔ سنن سعید بن منصور میں عکرمہ سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنے آپ کا ملت ابراہیم پر ہونے کا دعویٰ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل سے فرمایا ملت ابراہیمؑ میں حج فرض ہے۔ اگر تم ملت ابراہیم پر ہو تو حج کیوں نہیں کرتے بنی اسرائیل نے حج کی فرضیت کا انکار کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[3] بعضے مفسرین نے اگرچہ لکھا ہے کہ آیت واتموا الحج سے حج فرض ہوا ہے۔ لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک حج کی یہی آیت ہے استطاعت سے مراد زاد اور راحلہ ہے اور زاد و راحلہ کا یہ مطلب ہے کہ حج جب فرض ہوتا ہے۔ کہ آدمی کے پاس راستہ کا خرچ ہو اور سواری کا بھی انتظام ہو سکے۔ باقی حج کی بحث سورہ بقر میں گذر چکی ہے ۔

[1] تفسیر معالم ج ۲ ص ۱۰۴ طبع النار مصر [2] تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۳۸۳ [3] تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۳۸۶

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾

تو کہہ اے اہل کتاب کیوں منکر ہوتے ہو اللہ کے کلام سے اور اللہ کے روبرو ہے جو کرتے ہو

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا

تو کہہ اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے ایمان لانے والے کو ڈھونڈھتے ہو اس میں

وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

عیب اور تم خبر رکھتے ہو اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے اے ایمان والو

اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ

اگر تم مانو گے بعضے اہل کتاب کی بات تو پھر کر دیں گے تم کو ایمان لائے پیچھے

كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ

منکر اور تم کس طرح منکر ہو اور تم پر پڑھی جاتی ہیں آیتیں اللہ کی اور تم میں اس کا رسول ہے

وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور جو کوئی مضبوط پکڑے اللہ کو وہ پہنچا راہ پر سیدھی اے ایمان والو

ع ۱۰

۹۸ — ۹۹۔ تفسیر ابن جریر وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ یہود نے پہلے تو ملت ابراہیمی پر اپنے آپ کو بتلایا اور جب ملت ابراہیمی کے موافق ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا کرنے کو کہا تو حج سے انہوں نے انکار کیا۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور فرما دیا کہ جو لوگ اللہ کے حکم کے تابع ہیں استطاعت کی حالت میں ان پر حج فرض ہے اور اہل کتاب کی طرح جو لوگ اللہ تعالےٰ کے حکم کے منکر ہیں اللہ کو ان کے انکار کی کچھ پرواہ نہیں۔ مگر اللہ ان کے کاموں سے غافل نہیں ہے وقت مقررہ پر اپنے کئے کی سزا پائیں گے۔ اس آیت میں اہل کتاب کو یہ بھی تنبیہ ہے کہ وہ تورات اور انجیل پر ایمان لانا اگرچہ بیان کرتے ہیں لیکن ان کا بیان غلط ہے کیونکہ اگر ان کا بیان صحیح ہوتا تو ان کتابوں میں نبی آخرالزمان کے اوصاف کی جو آیات تھیں ان کو چھپا کر ان آیات الٰہی اور نبی آخرالزماں کے منکر کیوں ہوتے ؛

۱۰۰ — ۱۰۳۔ تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اور تفسیر ابوالشیخ اور تاریخ ابن اسحاق میں زید بن اسلمؓ سے روایت ہے کہ انصار کے دو قبیلوں اوس اور خزرج میں اسلام سے پہلے بڑی عداوت اور صدہا برس کی لڑائی تھی۔ اسلام کے بعد ان دونوں قبیلوں میں بڑا میل جول ہو گیا۔ اور مدتوں کی آپس کی لڑائی بالکل جاتی رہی ایک روز ان دونوں قبیلے کے کچھ مسلمان بیٹھے ہوئے بڑی محبت سے آپس میں باتیں کر رہے تھے اتنے میں ایک شخص یہودی شاش بن قیس کا ادھر سے گذر ہوا اس یہودی کو یہ امر شاق ہوا کہ ان دونوں قبیلوں میں باوجود ایسی سخت عداوت کے ایسی یک دلی کیونکر ہو گئی اور اس یہودی نے چاہا کہ ان مسلمانوں میں پھر پھوٹ پڑ جائے اپنے اس ارادے کے پورا کرنے کی غرض سے اس نے ایک یہودی کے لڑکے کو ان دونوں قبیلوں میں اکثر جا کر بیٹھنے اور ان دونوں قبیلوں کی

اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا

ڈرتے رہو اللہ سے جیسا چاہئے اس سے ڈرنا اور نہ مریو مگر مسلمان اور مضبوط پکڑو

بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ

رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب تھے تم

اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى

آپس میں دشمن پھر الفت دی تمہارے دلوں میں اب ہوگئے اس کے فضل سے بھائی اور تم تھے

شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ

کنارہ پر ایک آگ کے پھر تم کو خلاص کیا اس سے اسی طرح کھولتا ہے اللہ تم پر نشانیاں اپنی

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

شاید تم راہ پاؤ۔

پچھلی لڑائی اور عداوت کا ذکر کرنے کی بڑی پڑھادی وہ لڑکا آن کر ان دونوں قبیلوں میں بیٹھا اور ان کو ان پچھلی عداوت کے قصے یاد دلائے۔ پچھلی باتیں یاد کر کے ان کو بھی غصہ آگیا اور آپس میں لڑنے کو مستعد ہوگئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ قصہ سن کر ان مسلمانوں کے پاس تشریف لائے اور ان کو سمجھایا کہ اسلام کے بعد زمانہ جاہلیت کی باتیں یاد کر کے آپس میں پھوٹ کا ڈالنا مناسب نہیں ہے آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے سے یہ مسلمان آپس میں پھر مل گئے[1] اللہ تعالیٰ نے آخر رکوع تک یہ آیتیں مسلمانوں کو آیندہ یہود کے اس طرح کے فریب میں نہ آنے کی غرض سے نازل فرمائیں۔ اور ان آیتوں کے اوپر کے دو ٹکڑے اہل کتاب کے اس طرح کے فریب سے باز رہنے کی غرض سے نازل فرمائے اور اہل کتاب کو یہ تنبیہ فرمادی کہ اللہ کے رستہ سے لوگوں کو جو تم روکتے ہو اللہ تعالیٰ تمہاری کرتوت سے غافل نہیں ہے ایک دن اس کا خمیازہ تم بھگتنے والے ہو اور مسلمانوں کو یہ تنبیہ فرمادی کہ اللہ سے ڈرتے رہیں اور آخر دم تک مسلمانی کا شیوہ اختیار کریں اور اہل کتاب میں جس طرح آپس میں پھوٹ ہے۔ اسلام میں وہ پھوٹ روا نہ رکھیں اور اللہ تعالیٰ نے ایک مدت کی عداوت کے بعد آپس میں تمہارے دلوں کو جو ملا دیا ہے یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے اس نعمت کی ناشکری نہیں چاہئے اور قیامت کے دن کی سرخ روئی اور منہ کالے ہونے کا دل میں خیال رکھنا چاہئے اور نبی وقت تم میں موجود ہیں اور روزانہ کلام اللہ تعالیٰ کا تمہارے روبرو اترتا ہے اور احکام الٰہی تمہارے سامنے پڑھے جاتے ہیں پھر تم کیوں بہکانے سکھلانے سے جاہلیت کی باتیں اختیار کرنے لگ جاتے ہو ان آیات میں یہ جو فرمایا اے ایمان والو ڈرو اللہ سے حق ڈرنے کا بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ یہ ٹکڑا آیت کا سورہ تغابن کے اس آیت کے ٹکڑے فاتقوا اللہ ما استطعتم سے منسوخ ہے۔ لیکن ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اور اکثر علماء سلف نے یہ کہا ہے کہ سورہ تغابن کے آیت کے ٹکڑے سے

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۸۹۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ

اور چاہیے کہ رہے تم میں ایک جماعت باقی نیک کام کی طرف اور حکم کرتے رہیں پسند بات کو اور منع کرتے رہے

عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَ

ناپسند کو اور وہی پہنچے مراد کو اور مت ہو ان کی طرح جو پھوٹ گئے اور

اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾

اختلاف کرنے لگے بعد اس کے کہ پہنچ چکے ان کو صاف حکم اور ان کو بڑا عذاب ہے

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ

جس دن سفید ہوں گے بعضے منہ اور سیاہ ہوں گے بعضے منہ سو وہ جو سیاہ ہوئے ان کے منہ

اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

کیا تم کافر ہو گئے ایمان میں آ کر اب چکھو عذاب بدلا اس کفر کرنے کا اور وہ جو

ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ

سفید ہوئے منہ ان کے سو رحمت میں ہیں اللہ کی وہ اسی میں رہا کریں گے یہ حکم ہیں اللہ کے

نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي

ہم سناتے ہیں تجھ کو تحقیق اور اللہ نہیں چاہتا ظلم جہان والوں پر اور اللہ کا مال ہے جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

آسمان اور زمین میں ہے اور اللہ تک رجوع ہے ہر کام کی

ع ۱۲

اس آیت کے ٹکڑے کی صراحت کی گئی ہے یہ ٹکڑا منسوخ نہیں ہے وجہ اختلاف کی یہی ہے کہ اس آیت کے معنوں میں علماء کا اختلاف ہے بعضے علماء مفسرین یہ کہتے ہیں کہ آیت کے یہ معنے ہیں کہ اللہ کی شان اور عظمت کے موافق اللہ سے ڈرو اس صورت میں جب دوسری آیت میں یہ صراحت آ گئی کہ ہر ایک شخص کو اپنی طاقت کے موافق اللہ سے ڈرنا کافی ہے تو یہ فرقہ علماء کا آیت اول کے حکم کو منسوخ قرار دیتا ہے اور اکثر علماء حق تقاتہ کے یہ معنے کرتے ہیں کہ جس قدر اللہ سے ڈرنا آدمی سے بن پڑے اسی قدر آدمی کو اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ اس حالت میں سورہ تغابن کی آیت اس آیت کی تفسیر ٹھہرتی ہے ناسخ نہیں ٹھہرتی ؎

۱۰۴ — ۱۰۹۔ اوپر ذکر تھا کہ یہود نے انصار کے دو گروہ کو بہکا کر ان دو گروہ کو آپس میں لڑانے کی شرارت کی تھی مگر اللہ کے رسول کی فہمایش سے یہود کا وہ بہانہ چل نہ سکا۔ ان آیتوں میں ارشاد ہے کہ سب بہکانے والوں کے سرگروہ ابلیس علیہ اللعنۃ اور شیاطین الجن والانس کے اغوا سے انجان مسلمانوں کو بچانے کے لئے مسلمانوں میں ہمیشہ کے لئے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے کہ دین کی باتوں کی لوگوں کو نصیحت اور فہمایش کیا کرے۔ اس سے زیادہ تفسیر اس باب میں آیندہ کی آیت کی تفسیر میں آتی ہے ؎

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ

تم ہو بہتر سب امتوں سے جو پیدا ہوئے ہیں لوگوں میں حکم کرتے ہو پسند بات پر اور منع کرتے ہو

الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۗ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ مِنْهُمُ

ناپسند سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر اور اگر ایمان میں آتے اہل کتاب تو ان کو بہتر تھا کوئی ہیں ان میں

الْمُؤْمِنُونَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿١١٠﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّا اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ

ایمان پر اور اکثر وہ بے حکم ہیں وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے مگر ستانا اور اگر تم سے لڑیں گے

يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١١١﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا

تو تم سے پیٹھ دیں گے پھر ان کو مدد نہ ہوگی ماری گئی ہے ان پر ذلت جہاں دیکھئے

١١٠ــ ١١٢ ـ خازن وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ مالک بن صیف اور وہب بن یہودا یہودیوں نے ایک روز عبداللہ بن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ اور معاذ بن جبلؓ سے بڑا جھگڑا کیا اور یہ کہا کہ جس دین کی طرف تم لوگ ہم کو بلاتے ہو بلاشک ہم لوگ تم سے اور ہمارا دین تمہارے دین سے اچھے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اگرچہ بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ اس آیت سے مراد فقط صحابہؓ ہیں لیکن اکثر مفسروں نے کہا ہے کہ جس طرح کتب علیکم الصیام، کتب علیکم القصاص ان آیتوں میں صحابہ کرامؓ کو ہی مخاطب ٹھہرایا ہے اور مراد عام امت ہے۔ اسی طرح اس آیت میں بھی عام امت مراد ہے مسند احمد ترمذی، ابن ماجہ مستدرک حاکم میں معاویہ بن حیدہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ ستر امتوں کو پورا کرتے ہو اور ان سب میں تم اللہ کے نزدیک بہتر ہو یہ حدیث مشہور ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے[1]۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ سب میری امت جنت میں جائے گی مگر جو مجھ کو نہ مانے گا وہ دوزخ میں جائے گا صحابہؓ نے عرض کیا حضرت وہ کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا جو میری اطاعت نہیں کرتے[2]۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ آنحضرت کی اطاعت پوری نہیں کرتے ان کو اس خوشخبری سے جو اس آیت میں ہے کہ آنحضرت کی امت بہترین امت ہے کچھ بہرہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس امت کا شرف آپ کے اشرف الانبیاء ہونے کے سبب سے ہے چنانچہ مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ مجھ کو اللہ نے وہ شرف عنایت فرمایا ہے کہ کسی نبی کو نہ تھا۔ اور میری امت بہترین امت ہے[3]۔ پھر جو شخص باوجود ان کی امت میں ہونے کی پوری اطاعت ان اشرف الانبیاء کی نہ کرے وہ اس شرف کو جو محض آپ کی اطاعت کے سبب سے اس امت کو ملا ہے کیونکر حاصل کر سکتا ہے بلکہ اس شرف کا حاصل کرنا تو درکنار صحیح بخاری کی حدیث جو اوپر بیان ہوئی اس کی رو سے ایسے شخص کا جنت میں داخل ہونا بھی دشوار ہے اس آیت میں اللہ نے اس امت مرحومہ کے اوصاف میں یہ وصف جو ذکر فرمایا ہے کہ "اچھی باتوں کا امر کرتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں" اس کے متعلق اس قدر صراحت کر دینی ضرور ہے کہ اچھی باتوں کا امر کرنا۔ اور

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۹۱ و جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۵ کتاب التفسیر [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۱ باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
[3] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۹۱ و مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۳ طبع احمد شاکر

ثُقِفُوۡۤا اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ

سوائے دست آویز اللہ کے اور دست آویز لوگوں کے اور کما لائے غصہ اللہ کا

ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡمَسۡكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ

ماری ہے ان پر محتاجی یہ اس واسطے کہ وہ رہے ہیں منکر اللہ کی آیتوں سے اور مارتے رہے

الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾

نبیوں کو ناحق یہ اس لئے کہ وہ بے حکم ہیں اور حد سے بڑھتے ہیں ۔

بُری باتوں سے منع کرنا دو قسم کا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ اس امت میں سے خاص ایک جماعت خاص اسی کام کی ہونی چاہئے کہ وہ اَن پڑھ لوگوں کو اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم سناتے رہیں۔ یہ ایک دین کا بڑا کام ہے اس پر اللہ تعالےٰ نے فلاح دارین کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ اس آیت سے پیشتر کی آیت میں گزر چکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو اور لوگوں کو نیک باتوں کی رغبت دلاتا رہے اور بری باتوں سے روکتا رہے اور اس گروہ کو اللہ فلاح دارین کی خوش خبری سناتا ہے یہ گروہ علمائے واعظین کا ہے۔ مگر اصل خوش خبری ان واعظین کو فلاح دارین کی ہے جن کے وعظ میں اللہ اور اللہ کے رسول کا کلام سنایا جاتا ہے چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں ابن مردویہ نے حضرت امام جعفر سے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے یہ آیت پڑھی اور یدعون الی الخیر کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ مراد خیر سے قرآن اور حدیث ہے[1]۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو واعظ اپنے وعظ کو ادھر اُدھر کے بے سند قصوں اور نقلوں اور حکایتوں میں پورا کر دیتے ہیں نہ ان کا وعظ اس آیت کے حکم میں داخل ہو سکتا ہے نہ ان کے وعظ سے شریعت کی اچھی بری بات کسی انجان آدمی کو معلوم ہو سکتی ہے۔ بلکہ اس طرح کے وعظ سے ایک طرح کے عقبے کے مؤاخذہ کا اندیشہ ہے اس لئے کہ اگر کوئی انجان آدمی اس طرح کے کسی وعظ میں بے سند بات کو سن کر شریعت کی ایک بات جان لے گا تو اس کا وبال اس طرح کے بے سند واعظ کے ذمہ رہے گا۔ اس لئے اس گروہ کو لازم ہے کہ اپنے وعظ میں وہی بات پیدا کریں۔ جس پر اللہ تعالےٰ نے فلاح دارین کا وعدہ فرمایا ہے دوسری قسم اچھی بات کی رغبت دلانے اور بُری بات سے روکنے کی کسی خاص گروہ کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ جہاں تک بن پڑے ہر مسلمان کو اس کی تاکید ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جو کوئی شخص خلاف شریعت کوئی بات کہیں دیکھے تو اس کو لازم ہے کہ ہاتھ سے زبان سے جس طرح بن پڑے اس خلاف شریعت بات کو نیست و نابود کروا دے اور اگر اس خلاف شریعت بات کا نیست نابود کرنا اس مسلمان آدمی کی طاقت سے باہر ہو تو اتنا تو ضرور ہے کہ دل سے اس خلاف شریعت بات کو بُرا جانے۔ اور یہ نہایت ضعیف الایمان کا مرتبہ ہے اور بعضی روایتوں میں یوں ہے کہ جس شخص میں اتنی بھی بات نہیں اس میں رائی کے دانہ برابر بھی ایمان نہیں[2]۔ اور ترمذی ابن ماجہ اور مسند امام احمد بن حنبل میں مرفوع اور موقوف روایتوں میں ہے کہ اس امت میں سے جب یہ بات اٹھ جائے گی۔ کہ ایک دوسرے کو اچھی بات کی رغبت دلانے یا بُری بات سے روکے

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۹۰۔ [2] صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۰۔۵۱ باب کون النہی عن المنکر من الایمان۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَ

وہ سب برابر نہیں اہل کتاب میں ایک فرقہ ہے سیدھی راہ پر پڑھتے ہیں آیتیں اللہ کی راتوں کے وقت اور

هُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

وہ سجدہ کرتے ہیں یقین لاتے ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر اور حکم کرتے ہیں پسند بات کو

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

اور منع کرتے ہیں ناپسند سے اور دوڑتے ہیں نیک کاموں پر اور وہ لوگ نیک بختوں میں ہیں

وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور جو لوگ کریں گے نیک کام سو نا قبول نہ ہوگا اور اللہ کو خبر ہے پرہیزگاروں کی وہ لوگ جو

كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ

منکر ہیں اُن کو نہ کام آئیں گے اُن کے مال اور نہ اولاد اللہ کے آگے کچھ اور وہ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ

دوزخ کے لوگ ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے مثال اس کی جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس دنیا کی زندگی

الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ

میں اسکی مثال جیسے ایک باؤ اس میں ہو پالا جا لگی کھیتی ایک لوگوں کی جنہوں نے اپنے حق میں برُا کیا تھا پھر اس کو نابود کر گئی

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا پر اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں

تو اس وقت اللہ کا کوئی عذاب اس امت پر آئے گا۔ اور عذاب کے وقت پر نجات کی دعا ہرگز قبول نہ ہوگی[1]۔

۱۱۳ — ۱۱۷ - طبرانی اور ابن ابی حاتم اور ابن مندہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب یہود میں سے عبداللہ بن سلام و ثعلبہ بن شعبہ اور اسد بن عبد اور یہودی لوگ مسلمان ہوئے تو یہود کی علماء نے ان مسلمانوں کی طرح طرح کی مذمت اپنی قوم کے لوگوں میں کرنی شروع کردی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان مسلمان اہل کتاب کی تعریف میں ان مسلمانوں کا دل بڑھانے کی غرض سے یہ آیتیں نازل فرمائیں[2]۔ اور بعض مفسرین نے یہ شان نزول ان آیات کی جو بیان کی ہے کہ امت محمدیہ اور اہل کتاب کے برابر نہ ہونے اور امت محمدیہ کی تعریف میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں اور مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت کہ ایک روز آنحضرت نے عشاء کی نماز بہت دیر کرکے پڑھی۔ اور پھر فرمایا کہ سوا اس امت محمدیہ کے کسی امت کے لوگ اس وقت اللہ کی عبادت میں نہ ہوں گے[3]۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ اس معاملہ پر بھی ان آیات کا مطلب صادق آتا ہے۔ کیونکہ اکثر مفسرین کے نزدیک مشہور وہی شان نزول ہے جو پہلے

---

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۳۹ باب ما جاء فی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر۔ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۹۷ و معالم ج ۱ ص ۳۴۴ طبع المنار مصر
[3] تفسیر الدر المنثور ج ۲ ص ۶۵ ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا

اے ایمان والو نہ ٹھہراؤ بھیدی اپنے غیر کو وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں ان کی خوشی ہے

عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ

جس قدر تم تکلیف پاؤ نکلی پڑتی ہے دشمنی ان کی زبان سے اور جو چھپا ہے ان کے جی میں سو اس سے زیادہ

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾ هَا أَنْتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا

ہم نے جتادئیے تم کو پتے اگر تم کو عقل ہے سنتے ہو تم لوگ ان کے دوست ہو اور وہ

يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا

تمہارے دوست نہیں اور تم سب کتابوں کو مانتے ہو اور جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو کاٹ

عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ

کاٹ کھاتے ہیں تم پر انگلیاں دشمنی سے تو کہہ مرو تم اپنی دشمنی میں اللہ کو معلوم ہے

الصُّدُورِ ﴿١١٩﴾ إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا

جیوں کی بات اگر تم کو ملے کچھ بھلائی بری لگتی ہے ان کو اور اگر تم پر پہنچے برائی خوش ہوں اس سے

بیان کی گئی حاصل ان آیتوں کا یہ ہے کہ جو لوگ شریعت رائج الوقت کے موافق عمل کر رہے ہیں ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک کسان نے کھیتی کی اور وقت پر اناج کاٹ کرا پنے گھر لے گیا۔ اور جو لوگ ضد سے شریعت منسوخ پر عمل کر رہے ہیں اجر کے حساب سے ان کے عمل اللہ کے نزدیک ایسے ہیں جس طرح ایک شخص کھیتی کرے اور عین کاٹنے کے وقت سخت آندھی چل کر یا اولے پڑ کر وہ کھیتی ستیاناس ہو جائے پھر یہ دونوں کہہ وہ کیونکر برابر ہو سکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جو عمل شریعت محمدیہ کے موافق نہ ہو وہ بالکل رائگاں ہے۔

۱۱۸—۱۲۰۔ ابن جریر اور ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جس طرح اسلام سے پہلے یہود اور اہل عرب میں دوستی تھی اور آپس میں کچھ کفر اور اسلام کا فرق نہ تھا اسلام کے بعد بھی اکثر مسلمان یہود اور منافقوں سے وہی قدیمی اتحاد برتتے تھے اور یہود اور منافقوں کا یہ حال تھا کہ دوستی کے پردہ میں یہ کیا کہ اوس اور خزرج مسلمانوں کے دو قبیلوں میں لڑائی کا سامان کر دیا۔ جس کا ذکر اوپر کی آیتوں میں گذر چکا اور عبداللہ بن ابی منافق نے یہ کیا کہ عین میدان جنگ میں سے احد کی لڑائی کے وقت لشکر اسلام میں سے تین سو آدمیوں کو بہکا کر مدینہ میں لے آیا۔ جس کا ذکر آئندہ کی آیتوں میں آئے گا۔ اور زیادہ تر یہود اور منافقوں کا فریب اسی سبب سے کارگر ہو جاتا تھا کہ یہود اور منافق پہلے دوست بن کر مسلمانوں کے ہر طرح کے بھید پر واقف کاری حاصل کر لیتے تھے اور پھر فریب دے بیٹھتے تھے۔ اس واسطے اللہ نے اس سبب کو منقطع کرنے کی غرض سے یہ آیتیں آخر رکوع تک نازل فرمائیں[1] جن کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو تمہارے ساتھ منافقوں کا تو یہ حال ہے کہ منہ پر کچھ اور پیٹھ پیچھے کچھ کہتے ہیں۔

---

[1] تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۲۶ طبع المنار مصر و تفسیر ابن جریر ج ۴ ص ۳۰ — ۳۸ طبع مصر۔

وَإِن تَصۡبِرُواْ وَتَتَّقُواْ لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـًٔاۗ إِنَّ ٱللَّهَ بِمَا يَعۡمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿١٢٠﴾

اور اگر تم ٹھہرے رہو اور بچتے رہو کچھ نہ بگڑے گا تمہارا ان کے فریب سے جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے بس میں ہے

وَإِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ أَهۡلِكَ تُبَوِّئُ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ مَقَٰعِدَ لِلۡقِتَالِۗ وَٱللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٢١﴾

اور جب فجر کو نکلا تو اپنے گھر سے بٹھانے لگا مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانوں پر اور اللہ سنتا جانتا ہے

اور یہود کا یہ حال ہے کہ تم ان کی کتاب ان کے دین کو حق جانتے ہو اور وہ تم سے جل جل کر اپنی بوٹیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔ اگرچہ یہ دونوں فرقے جل کر مر بھی جائیں تو آخر ہو گا وہی جو اللہ کو منظور ہے کہ اسلام بڑھے گا اور یہ دنیا میں خوار ہوں گے۔ لیکن جب یہ دونوں فرقے تم سے دلی بغض رکھتے ہیں۔ جس بغض کا حال اللہ کو خوب معلوم ہے تو آیندہ تم بھی ان سے دوستی بالکل ترک کر دو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی غیر اسلام والے شخص کو اس طرح کا دوست بنانا جس سے وہ صلاح کار۔ اور مشیر بن سکے مسلمانوں کو منع ہے حدیث شریف میں بطانہ کے معنے مشیر اور صلاح کار کے ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری اور کتب صحاح میں حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ ہر نبی اور حاکم کے دو بطانے ہیں۔ ایک نیک صلاح دینے والا اور دوسرا بُری صلاح سے بچانا اور نیک صلاح پر چلانا اللہ کے ہاتھ ہے[1]۔

۱۲۱۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ لڑائی اُحد کی ہے جس کا آیت میں ذکر ہے اور پانچ رکوع تک اللہ نے اس لڑائی کے طرح طرح کے حالتوں کے بیان میں آیتیں نازل فرمائی ہیں اور اس لڑائی میں لشکر اسلام میں سات سو آدمی ہونے کے باوجود بعض مسلمانوں کی بے احتیاطی سے مسلمانوں کو شکست ہو گئی تھی اور بدر کی لڑائی میں کچھ اوپر تین سو آدمی تھے اور فتح ہوئی تھی۔

## غزوہ بدر اور اُحد کا مختصر بیان

اس لئے مثال کے طور پر اللہ نے اس احد کی لڑائی کے ذکر میں بدر کی لڑائی کا بھی حوالہ دیا ہے یہاں شروع میں بدر اور احد دونوں لڑائیوں کے قصہ کا حاصل بیان کر دیا جاتا ہے تاکہ آیندہ کی آیتوں کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجائے بدر کی لڑائی کے قصہ کا حاصل اسی قدر ہے کہ ۲ھ میں مشرکین مکہ کا ایک قافلہ شام کے ملک سے مکہ کو جا رہا تھا اس قافلہ میں تجارت کا بہت سا سامان تھا۔ آنحضرت نے اس قافلہ کی خبر پاکر اس کا مال چھین لینے کا ارادہ کیا اور کچھ اگلے تین سو صحابہ کے ساتھ مدینہ سے نکلے ادھر مشرکین مکہ اپنے قافلہ کے لوٹے جانے کی خبر سن کر مکہ سے چلے اور بدر کے مقام پر جو مدینہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے لڑائی ہو کر مسلمانوں کی فتح ہوئی مشرکین کے بڑے بڑے سردار ابوجہل وغیرہ ستر آدمی مارے گئے اور ستر آدمی قید ہو گئے جن کو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اور تفصیل اس قصہ کی سورہ انفال میں آئے گی غرض مشرکین کو اپنی اس شکست کا بڑا قلق تھا اس لئے تیرہ مہینے کے بعد پھر آئے پہلے آنحضرت کی یہ صلاح ہوئی کہ مدینہ کے باہر نہ جانا چاہئے۔ بلکہ جب مشرکین چڑھ کر آئیں تو گھروں کے کوٹھوں پر سے اور بلند مقاموں پر سے ان کو پتھروں اور تیروں سے مارنا چاہئے عبداللہ بن ابی منافق بھی اس صلاح میں ہم صلاح آنحضرت کا تھا۔ لیکن اوپر بیان ہو چکا ہے کہ بدر

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۶۸ باب بطانۃ الامام واھل مشورتہ

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

جب قصد کیا دو فرقوں نے تم میں سے کہ نامردی کریں اور اللہ مددگار تھا ان کا اور اللہ ہی پر چاہیئے بھروسہ کریں

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

مسلمان ؀

کی لڑائی کے وقت جب آنحضرت مدینہ سے نکلے تو شروع میں لڑائی کا ارادہ نہ تھا۔ اس سبب سے اکثر صحابہ اس لڑائی میں شریک نہ ہو سکے تھے انہوں نے میدان کی لڑائی کی آرزو ظاہر کر کے اس صلاح کے مان لینے سے انکار کیا۔ آخر ہزار آدمی کی جمعیت سے ابتدا میں آپ مدینہ سے نکلے اور احد کے پاس مناسب اور اچھے مقامات مسلمانوں کے لئے لڑائی کے وقت کھڑے رہنے کی تجویز کئے اسی حالت کا اس آیت میں ذکر ہے اس کے بعد عبداللہ بن ابی نے لوگوں کو بہکایا کہ جب ہماری صلاح کو بعضے مسلمان لوگوں نے نہیں مانا تو ہم کو ان کے ساتھ نہیں لڑنا چاہئے اور تین سو آدمیوں کو ابھار کر لشکر اسلام میں سے مدینہ کو واپس لے آیا۔ اب لشکر اسلام میں سات سو آدمی رہ گئے اور مقابلہ شروع ہوا یہ لڑائی ایسے ڈھنگ سے تھی کہ احد پہاڑ مسلمانوں کی پشت پر تھا اور لڑائی سے پہلے پچاس تیرانداز آدمیوں کو آپ نے پہاڑ پر تعینات کر دیا اور عبداللہ بن جبیرؓ کو ان تیراندازوں پر افسر کر کے نہایت تاکید فرمائی تھی کہ خواہ مسلمانوں کی فتح ہو یا شکست یہ لوگ اپنے مقام کو ہرگز ہرگز نہ چھوڑیں اور مشرک لوگ دھوکا دے کر اگر مسلمانوں کی پشت پر سے لڑائی کے وقت حملہ کرنا چاہیں تو ان کو روکیں سبب اس کا یہ تھا کہ ابوسفیان اور سو سوار احد پہاڑ کی ایک جانب اسی ارادہ سے کھڑے تھے کہ جب پیدلوں کی لڑائی شروع ہو جائے تو مسلمانوں کی پشت پر سے یہ سوار حملہ کریں آنحضرت نے ابوسفیان کے اس ارادہ کو رد کرنے کی غرض سے ان تیراندازوں کو تعینات کیا تھا اول اول تو تین دفعہ ابوسفیان نے حملہ کیا۔ مگر ان تیراندازوں نے بڑی جرأت سے روکا۔ مگر اتنے میں ان تیراندازوں نے دیکھا کہ مسلمان غلبہ کر کے مشرکوں کو دباتے اور پیچھے ہٹاتے جاتے ہیں اور مشرکوں کے پیر اکھڑے جاتے ہیں ایک دفعہ ہی یہ سب مسلمان تیرانداز لوٹ لوٹ کہتے ہوئے اپنی تعیناتی کی جگہ چھوڑ کر پیدل لشکر کی طرف چلے ہر چند عبداللہ بن جبیرؓ نے روکا اور کہا کہ دیکھو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی نہ کرو مگر انہوں نے ایک نہ سنی اور اپنی جگہ کو خالی چھوڑ دیا۔ موقع کا خالی ہونا تھا کہ ابوسفیان نے سو سواروں کے ساتھ پشت پر سے مسلمانوں پر حملہ کیا اور مسلمانوں کے پیر اکھاڑ دیئے۔ آخر ستر آدمی مسلمانوں کے شہید ہوئے۔ حضرت امیر حمزہؓ اور نامی نامی صحابہ بھی انہی ستر میں شہید ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہوا۔ آپ کے رخسارے اور ناک میں بھی زخم آئے۔ گھٹنا مبارک بھی چھل گیا۔ شیطان نے غل مچا دیا کہ رسول وقت شہید ہو گئے چنانچہ ہر ایک آیت کے نیچے باقی قصہ کا ذکر آئے گا ؀

۱۲۲۔ صحیحین میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ خزرج قبیلہ کی ایک شاخ بنی سلمہ اور اوس قبیلہ کی ایک شاخ بنی حارثہ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے[1] جس وقت عبداللہ بن ابی منافق نے لوگوں کو بہکا کر میدان جنگ سے مدینہ کی واپسی

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۳ و تفسیر ابن کثیر ج اص ۵۴

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ

اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم بے مقدور تھے سو تم ڈرتے رہو اللہ سے شاید تم احسان مانو جب

تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

تو کہنے لگا مسلمانوں کو کیا تم کو کفایت نہیں کہ تمہاری مدد بھیجے رب تمہارا تین ہزار فرشتے

مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ

آسمان سے اترے البتہ اگر تم ٹھہرے رہو اور پرہیزگاری کرو اور آویں تم پر اسی دم تو مدد بھیجے تمہارا

رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى

رب پانچ ہزار فرشتے پلے ہوئے گھوڑوں پر اور یہ تو اللہ نے تمہارے دل کی خوشی کی

کی صلاح دی تو بنی سلمہ اور بنی حارثہ نے بھی مدینہ کی واپسی کا دل میں خیال کیا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ مقلب القلوب نے فوراً ان کے دلوں کو پھیر دیا اور وہ عبد اللہ بن ابی کے ساتھ مدینہ کو واپس نہیں گئے اسی واسطے فرمایا کہ اللہ ان کا دوستدار تھا کہ ان کو اتنے بڑے گناہ سے بچا لیا ورنہ ان کے دل میں اس گناہ کا خیال جم چکا تھا ان دونوں قبیلوں کے لوگ کہا کرتے تھے کہ آخر آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ اپنی ہی دوست داری کا ذکر فرما دیا ہے۔ اس لئے اگرچہ اس آیت میں ہماری نامردی کا ذکر ہے۔ مگر یہ آیت ہم کو بڑی عزت کا باعث ہے ابن جریر اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اسماء بنت یزید بن سکن رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ اسماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یا مقلب القلوب کہتے ہوئے سن کر آپ سے پوچھا کہ حضرت کیا دل بھی پھر جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں ہر آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں میں ہے چاہے اسے قائم رکھے یا جس طرف چاہے موڑ دے[1]۔ اسی طرح کی روایت مسلم[2] اور ترمذی[3] میں بھی عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی بُرے کام کا دل میں وسوسہ آکر پھر دل اسی بُرے کام سے پھر جاوے تو اس کو مدد غیبی سمجھ کر آدمی کو اللہ کا شکر کرنا چاہئے۔ کیونکہ ہر نعمت شکر سے بڑھا کرتی ہے۔ اگر آدمی اس نعمت پر شکر کرے گا تو دن بدن اللہ تعالیٰ اس کو بُرے کاموں سے زیادہ بچائے گا اور رفتہ رفتہ یہ شخص بڑا نیک ہو جائے گا۔

۱۲۳۔۱۲۷۔ احد کی لڑائی میں مسلمانوں کو شکست ہو کر ایک بڑی پریشانی مسلمانوں میں پھیل گئی تھی۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے احد کی لڑائی کے ذکر میں دو جگہ بدر کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک اس آیت میں اور دوسرے آئندہ کی آیت میں اس طرح کہ اگر اس احد کی لڑائی میں تمہارے ستر آدمی شہید ہو گئے تو تم بھی تو بدر کی لڑائی میں کافروں کے ستر آدمی مار چکے ہو۔ اور ستر کو قید کر چکے ہو یہ ایک لڑائی کے ذکر میں دوسری لڑائی کا ذکر اسی واسطے فرمایا ہے کہ اس فتح کی لڑائی کو یاد کر کے اس شکست کی لڑائی کا زیادہ افسوس مسلمانوں کو نہ رہے یہ فرشتوں کی مدد کا ذکر جو اس آیت میں ہے اس میں مفسروں کا اختلاف ہے بعضے کہتے ہیں کہ بدر اور احد دونوں لڑائیوں میں فرشتے مدد کو آئے تھے

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۰۸ و تفسیر ابن جریر ج ۳ ص ۱۱۷ [2] ص ۳۳۵ ج ۲ باب تصریف اللہ تعالیٰ القلوب کیف شاء [3] ص ۱۹ ج ۲ کتاب الدعوات۔

لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿۱۲۶﴾

اور تا تسکین ہو تمہارے دلوں کو اور مدد ہے نہیں اللہ کے پاس سے جو زبردست ہے حکمت والا

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ

تا کاٹ ڈالے بعضے کافروں کو یا ان کو ذلیل کرے کہ پھر جائیں نامراد تیرا اختیار

الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي

کچھ نہیں یا ان کو توبہ دیوے یا ان کو عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں اور اللہ کا مال ہے

السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ

جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے بخشے جس کو چاہے اور عذاب کرے جس کو چاہے اور اللہ

غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۲۹﴾

بخشنے والا مہربان ہے

اور بعضے کہتے ہیں کہ فقط بدر کی لڑائی میں فرشتے مدد کو آئے تھے۔ اس اختلاف کا فیصلہ وہی ایک صحیح فیصلہ[1] ہے جو فخر المتاخرین ابو جعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت خاص کے لئے احد کی لڑائی میں صرف حضرت جبرئیل و میکائیل آئے تھے۔ جس کا ذکر صحیحین میں ہے[2] بدر کی لڑائی کی طرح عام ملائکہ احد کی لڑائی میں آتے تو مسلمانوں کو شکست نہ ہوتی ؛

۱۲۸–۱۲۹۔ اس آیت کے شان نزول علماء نے کئی طرح بیان کی ہے چنانچہ صحیح بخاری اور احمد بن حنبل کی مسند میں حضرت ابن عمرؓ سے اور صحیح بخاری کی ایک[3] روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ چند روز تک صبح کی نماز کی دوسری رکعت کے قومہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ اور حارث بن ہشام اور سہیل بن عمرو اور قریش کے نام لے کر بد دعا کرنی شروع کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی[4] اور مسلم اور مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ احد کی لڑائی کے بعد عتبہ بن ابی وقاص اور ابن قمیہ وغیرہ پر جنہوں نے آنحضرت کو زخمی کیا تھا آپ[5] نے بد دعا کی اس پر یہ آیت اتری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رعل اور ذکوان اور عصیہ ان تینوں قبیلے کے لوگوں پر آپ نے بد دعا کی تھی[6] جب ان لوگوں نے ستر صحابہ کو شہید کر ڈالا تھا جس کو بیر معونہ کا واقعہ کہتے ہیں۔ لیکن فیصلہ صحیح اس اختلاف کا وہی ہے جو علامہ ابن حجر نے فتح الباری[7] میں کیا ہے کہ احد کی لڑائی اور بیر معونہ کا واقعہ یہ دونوں واقعے ایک ہی سال کے اندر کے ہیں ان دونوں واقعوں کے بعد ان دونوں واقعوں کے سرکش لوگوں کے حق میں آپ نے بد دعا کی تھی اس پر یہ آیت اتری ہے۔

[1] تفسیر ابن جریر ج ۴ ص ۵۰ طبع میمنیہ مصر [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۸ و ۵۸۰ کتاب المغازی [3] تفسیر ابن کثیر ص ۴۰۲ ج ۱ – ۴۰۳ [4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۲ کتاب المغازی و ج ۲ ص ۶۵۵ کتاب التفسیر [5] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۰۳ [6] صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۷ باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات [7] ص ۶۴ ج ۴ طبع دہلی کتاب التفسیر باب قوله ليس لك من الامر شئ ؛

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ

اے ایمان والو مت کھاؤ سود دونے پر دونا اور ڈرو اللہ سے شاید

تُفۡلِحُوۡنَ ۞ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡۤ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ۞ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ

تمہارا بھلا ہو اور بچو اس آگ سے جو تیار ہوئی ہے کافروں کے واسطے اور حکم مانو اللہ کا اور رسول کا

لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۞ وَسَارِعُوۡۤا اِلٰى مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا السَّمٰوٰتُ

شاید تم پر رحم ہو اور دوڑو اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف جس کا پھیلاؤ ہے آسمان

## نظام شرعی اور نظام تکوینی کے احکام

اللہ تعالیٰ کے دنیا میں دو انتظام ہیں ایک شرعی انتظام جس کا تعلق انبیاء سے ہے اور جس کے قیام کے لئے اللہ نے ہر وقت کی حالت کے موافق آسمانی کتابیں نازل فرمائیں دوسرا انتظام تکوینی ہے یعنی قضا و قدر کے حکم کے موافق تمام عالم کے موجودات کا انتظام جس انتظام کی رو سے اللہ نے سوا حضرت موسیٰ کی ماں کے اور دائیوں کا دودھ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حرام کر کے وَحَرَّمۡنَا عَلَيۡهِ الۡمَرَاضِعَ (۲۸-۱۲) فرمادیا یہ حرمت شرعی نہیں بلکہ تکوینی تھی یا جس طرح الہام کے ذریعہ سے کشتی کے توڑنے یا دیوار کے سیدھا کرنے اور لڑکے کے مار ڈالنے کے اسباب تکوینی حضرت خضر کو اللہ تعالیٰ نے بتلائے اور حضرت موسیٰ کو ان اسباب سے بے خبر رکھا۔ اسی طرح شرعی اسباب کی بنا پر ان لوگوں کو آنحضرت نے قابل بددعا خیال فرمایا تھا۔ اور اسباب تکوینی اس بددعا کے مخالف تھے یعنے علم ازلی الٰہی میں فتح مکہ پر صفوان بن امیہ وغیرہ کا اسلام لانا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو بددعا کرنے سے منع فرمایا۔ اور فرمادیا کہ ان لوگوں کا حال اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔ جو ظالم ان میں سے حالت کفر میں مرے گا اس کو اللہ تعالیٰ عذاب کرے گا اور جو اسلام لائے گا اس کی توبہ قبول ہوگی۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا ابن قمیہ اور عتبہ بن ابی وقاص سعد بن ابی وقاص کا بھائی حالت کفر میں مرے اور اکثر لوگ ان میں کے ایمان لائے۔ صَدَقَ اللّٰهُ الۡعَلِىُّ الۡعَظِيۡمُ ؕ

۱۳۰ — ۱۳۴۔ احد کی لڑائی کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے یہ سود کا ذکر اس لئے فرمایا کہ اسی لڑائی میں ایک بڑا موقع لین دین کا پیش آیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ احد کی لڑائی کے بعد مکہ کو واپس جاتے جاتے اپنے ساتھ کے مشرکین سے ابوسفیان نے کہا کہ مسلمانوں کی جوان جوان عورتیں لونڈیاں۔ بنا کر نہ لایا اور ان کے سرگروہ رسول وقت کو اور بقیہ مسلمانوں کو ناحق زندہ چھوڑ آیا۔ اس کا مجھ کو بڑا افسوس ہے۔ یہ خبر آنحضرت کو پہنچی۔ آپ نے حکم دیا کہ کل کے روز لڑائی میں جو لوگ گئے تھے وہی لوگ آج پھر مشرکین کے تعاقب میں چلیں۔ اگرچہ یہ لوگ زخمی تھکے ہوئے تھے۔ لیکن انہوں نے فوراً اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کی تعمیل کی جس تعمیل کی تعریف اللہ تعالیٰ نے آیندہ کی آیتوں میں فرمائی ہے۔ غرض اُدھر تو آنحضرت نے یہ قصد کیا کہ مشرکین پر رعب ڈالنے کی نیت سے ان کا تعاقب کیا اور اُدھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے دلوں میں ضعف اور رعب ڈال دیا۔ انہوں نے مقابلہ سے انکار کیا۔ اور آیندہ سال کے مقابلہ کا وعدہ کیا واپسی کے وقت مسلمانوں نے ان تاجروں سے جو ان دنوں میں ہمیشہ مکہ کو تجارت کے لئے جایا کرتے تھے بہت سا تجارت کا سامان خریدا اور اللہ تعالیٰ نے اس تجارت میں بہت نفع مسلمانوں کو دیا۔ لیکن اسلام میں اس طرح کی تجارتوں میں

وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَ
اور زمین تیار ہوئی ہے واسطے پرہیزگاروں کے وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور تکلیف میں اور

الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾
دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کرتے ہیں لوگوں کو اور اللہ چاہتا ہے نیکی کرنے والوں کو

خرید و فروخت اس طرح اکثر قبیلوں میں ہوا کرتی تھی کہ خرید و فروخت قرض کے طور پر ہوتی اور پہلی مدت پر روپیہ ادا نہ ہو تو دوسری مدت کی بابت کچھ روپیہ اور بڑھا دیا جاتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس تجارت والی لڑائی کے ذکر میں اس سود کی صورت کی ممانعت کے حکم کو ذکر فرمایا۔ تاکہ آئندہ کی آیت میں اس تجارت اور اس تجارت کے نفع کا ذکر جو آتا ہے اس نفع حلال کا ذکر اس نفع حرام کی صراحت سے خالی نہ رہے اس سود کی بیع کی صراحت میں مجاہد سے روایت ہے کہ ایک بیع اہل عرب میں اس طرح کی تھی کہ پہلی ایک مدت کے وعدہ پر ایک چیز فروخت کی جاتی تھی۔ اگر اس مدت مقررہ پر قیمت ادا نہ ہو سکتی تو مالک مال مدت میں کچھ اور دن بڑھا دیا کرتا تھا۔ اور خریدار قیمت میں کچھ دام اور بڑھا دیا کرتا تھا۔ یہ صورت سود کی تھی اسی کی مخالفت میں یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے[1]۔ اس آیت میں یہ جو ذکر آیا ہے کہ جنت کا عرض آسمانوں اور زمینوں کی چوڑائی کے برابر ہے اس کی صراحت اس قدر کافی ہے کہ صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش معلےٰ کے نیچے ہے اور عرش معلیٰ کرسی سے بہت بڑا ہے۔ اور کرسی زمین اور آسمان سے بہت بڑی ہے۔ چنانچہ تفسیر ابوبکر بن مردویہ میں حضرت ابوذر غفاری ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ کرسی کے مقابلہ میں ساتوں آسمان اور ساتوں زمین ایسے ہیں جس طرح بہت بڑے میدان میں ایک انگلی کا چھلا گرا پڑا ہو۔ اور عرش معلےٰ کرسی سے اتنا ہی بڑا ہے جیسا چھلے سے وہ میدان خیال کیا جاسکتا ہے[2]۔ اس حالت میں جنت کا زمین و آسمانوں کی لمبائی کے برابر ہونا یہ شبہ نہیں پیدا کر سکتا کہ پھر وہ جنت زمین آسمان میں کیونکر سمائے گی اور جنت کے ملنے کی کوشش کے تذکرہ میں اہل جنت کے چند اوصاف بھی اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائے ہیں اور ان میں غصہ کے وقت تحمل کرنے اور غصہ کو ٹال جانے کا جو ذکر ہے اس کی نسبت مسند امام احمد بن حنبل اور ترمذی اور ابوداؤد اور ابن ماجہ میں مرفوع اور موقوف روایتیں ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو غصہ آئے اور باوجود طاقت بدلا لینے کے وہ اپنے غصہ کو پی جائے اور جس شخص پر اس غصہ کھولنے والے کو غصہ آیا ہے اس سے بدلا نہ لیوے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اختیار دے گا کہ جنت کی جس حور کو وہ چاہے پسند کر لے[3]۔ اسی طرح صحیحین اور مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ پہلوان وہ نہیں ہے جو کسی آدمی کو کشتی میں پچھاڑ دے۔ بلکہ اصل پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت تحمل کرکے اپنے غصہ پر غالب اور اپنے

[1] لباب النقول ص ۵۲ و تفسیر الدر المنثور ج ۲ ص ۷۱۔ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۰۹ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۰۶ و جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۳ باب ماجاء فی کثرۃ الغضب۔

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا
اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھیں کچھ کھلا گناہ یا برا کریں اپنے حق میں تو یاد کریں اللہ کو اور بخشش مانگیں
لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ
اپنے گناہوں کی اور کون ہے گناہ بخشنا سوائے اللہ کے اور اڑتے نہیں اپنے کئے پر

نفس پر قادر رہے[۱]۔

۱۳۵ — ۱۳۶ جس طرح اوپر کی آیت کو لڑائی سے ایک طرح کا تعلق تھا جس کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے اسی طرح اس آیت کو بھی لڑائی سے ایک تعلق ہے۔ چنانچہ ابی صالح نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی انصاری اور دوسرے ثقفی میں دینی بھائی چارہ کرا دیا تھا۔ اتفاق سے ثقفی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑائی پر گیا اور انصاری مدینہ میں رہا اور اس ثقفی نے لڑائی پر جاتے وقت اپنی بی بی کی خبر گیری انصاری کو سونپی یہ انصاری اپنے دینی بھائی کی بی بی کو سودا سلف بازار سے لا دیا کرتا تھا۔ ایک دن انصاری نے بازار سے گوشت لا کر کواڑ کی جھری میں سے دیا۔ اور اس عورت نے کواڑ کی درز میں سے ہاتھ نکال کر گوشت لے لیا۔ اس عورت کا ہاتھ دیکھ کر انصاری کی نیت بگڑ گئی۔ اور گوشت لے کر جب وہ عورت مڑی تو یہ انصاری بھی اس کے پیچھے گھر کے اندر گھس گیا اور عورت کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اتنے میں خدا نے ہدایت کی فوراً عورت کا ہاتھ چھوڑ کر گھر کے باہر چلا آیا۔ اور بہت نادم ہوا۔ اور اپنے سر پر خاک ڈالی اور جنگل اور پہاڑوں میں ندامت زدہ پھرتا رہا۔ ثقفی نے لڑائی سے واپس آن کر اپنے دینی بھائی کا حال اپنی بی بی سے پوچھا۔ عورت نے کہا خدا اس طرح کے دینی بھائی مسلمانوں میں نہ بڑھاوے یہ کہہ کر سارا قصہ اپنے خاوند سے بیان کیا۔ ثقفی انصاری کی تلاش میں نکلا۔ اور اس کو جنگل میں سے ڈھونڈھ کر پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس لایا۔ اور سارا قصہ نقل کیا۔ انصاری نے بھی اپنے قصور کا اقرار کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انصاری سے فرمایا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ کو لڑائی پر جانے والے لوگوں کی اہل و عیال کی کیا کچھ عزت و حرمت مدنظر ہے پھر ثقفی اور انصاری حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور حضرت عمرؓ نے بھی وہی فرمایا جو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا تھا۔ پھر یہ دونوں آنحضرت کے پاس آئے اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[۲] حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ جو لوگ کبیرہ یا صغیرہ گناہ کر کے اللہ کو یاد کرتے ہیں کہ ایک دن اللہ کو منہ دکھانا ہے اور اس ڈر سے فوراً توبہ استغفار کرتے ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ بعد خالص توبہ کے اللہ غفور رحیم بخشنے والا ہے اس کے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں۔ تو ایسے لوگوں کی اللہ عقبےٰ میں مغفرت فرما کر ان کو جنت میں داخل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسا غفور رحیم ہے اور اس کو بخشش کی صفت ایسی پیاری ہے کہ کسی طرح کا گناہ کر کے آدمی توبہ کرے تو وہ فوراً معاف کر دیتا ہے بخشش کی صفت اللہ کو یہاں تک پیاری ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے قسم کھا کر فرمایا کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تم کو زمین پر سے اٹھا کر بجائے تمہارے اور گنہ گار مخلوق پیدا کرتا تاکہ اس کی

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۰۳ باب الحذر من الغضب و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۰۴ [۲] تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۲۵

يَعْلَمُونَ ﴿١٣٥﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا

جانتے ان کی جزا ہے بخشش ان کے رب کی اور باغ جن کے نیچے بہتی

الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿١٣٦﴾

نہریں رہ پڑے ان میں اور خوب مزدوری ہے کام کرنے والوں کی

مغفرت کرے اور اپنی پیاری صفت غفور رحیم کو کام میں لائے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو شیطان توبہ کرنے والے مسلمانوں کو اپنے ساتھ دوزخ میں لے جانے سے مایوس ہو کر بہت رویا۔ گناہ پر ہٹ کرنے اور اڑنے کے یہ معنے ہیں کہ آدمی گناہ کر کے توبہ نہ کرے۔ چنانچہ ابوداؤد میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو شخص دن بھر میں ستر دفعہ بھی گناہ کر کے توبہ کرے۔ وہ شخص گناہوں پر ہٹ کرنے والا نہیں اس حدیث کی سند میں اگرچہ ترمذی نے کلام کیا ہے۔ مگر اور علماء نے اس حدیث کو حسن کہا ہے[2] توبہ کے لئے دو رکعت نفل کا پڑھنا اور پھر توبہ کرنا یہ بھی حدیث[3] میں آیا ہے۔ گناہ خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ توبہ فوراً بلا تاخیر ضرور ہے صحیح بخاری میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں دن بھر میں ستر دفعہ سے زیادہ توبہ کرتا ہوں[4] اور مسلم میں اغر بن یسارؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اے لوگو اللہ سے توبہ کرو میں تو دن بھر میں سو دفعہ توبہ کرتا ہوں[5]۔

## گناہوں کی قسمیں اور توبہ کے شروط

گناہ کی دو قسمیں ہیں ایک فقط اللہ کا گناہ ہے مثلاً نماز کا نہ پڑھنا روزہ نہ رکھنا۔ دوسرا وہ گناہ ہے جس میں بندوں کا حق بھی شریک ہے۔ جس طرح کسی کا مال چرانا۔ یا کسی کی غیبت کرنا۔ اول قسم کے گناہوں کی توبہ صحیح ہونے کی یہ تین شرطیں ہیں۔ ایک توبہ کے وقت گناہ سے بے زار ہونا دوسرے گناہ پر نادم ہونا۔ تیسرے اس وقت دل میں یہ ٹھان لینا کہ پھر ایسا کام نہ کروں گا دوسرے قسم کے گناہوں کی توبہ میں سوا ان تین شرطوں کے صاحب حق کا راضی کر دینا بھی شرط ہے چنانچہ اوپر اس باب میں حضرت عائشہؓ کی حدیث گذر چکی ہے۔

اور یہ بھی ابھی اوپر بیان ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ کو غفور رحیم کی صفت بہت پیاری ہے۔ اسی واسطے جب کوئی شخص اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو بہت خوشی ہوتی ہے چنانچہ صحیحین میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ایک مسافر آدمی کا جنگل میں وہ اونٹ جس پر اس کا کھانا پینا لدا ہوا تھا کھو جائے اور پھر مل جائے تو جس قدر خوشی اس مسافر کو اپنے اونٹ کے مل جانے کی ہوتی ہے اس سے بہت بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو خوشی ہوتی ہے[6]۔ جبکہ کوئی گنہگار آدمی توبہ کرتا ہے اگرچہ اس آیت کی شان نزول اور طرح بھی مفسرین نے بیان کی ہے۔ لیکن یہ شان نزول جو بیان کی گئی جید طریقہ سے تھی اس لئے اسی کو اختیار کیا گیا۔

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۵ باب سقوط الذنوب بالاستغفار والتوبۃ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۰۷۔ ۴۰۸ [3] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۵ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۰۷ بروایت ابو بکرؓ [4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۳ باب استغفار النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الیوم واللیلۃ [5] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۶ باب استحباب الاستغفار والاستکثار منہ [6] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۳ باب التوبۃ۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ

ہو چکے ہیں تم سے آگے دستور سو پھرو زمین میں تو دیکھو کیا ہوا آخر

عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

جھٹلانے والوں کا یہ بیان ہے لوگوں کے واسطے اور ہدایت اور نصیحت ڈر والوں کو

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ

اور سست نہ ہو اور غم نہ کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو اگر تم نے زخم پایا

قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ

تو وہ لوگ بھی پا چکے ہیں زخم ایسا ہی اور یہ دن بدلتے لاتے ہیں ہم لوگوں میں

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۗءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

اور اس واسطے کہ معلوم کرے اللہ جن کو ایمان ہے اور کرے بعضے تم میں شہید اور اللہ چاہتا نہیں ناحق والوں کو

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا

اور اس واسطے کہ نکھارے اللہ ایمان والوں کو اور مٹادے منکروں کو کیا تم کو خیال ہے کہ داخل ہو جاؤ گے

الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

جنت میں اور ابھی معلوم نہیں کئے اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم کرے ثابت رہنے والے

۱۳۷—۱۴۲۔ احد کی لڑائی میں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو مسلمانوں کو یہ خیال گذرا کہ ہم اسلام کی تائید میں لڑتے ہیں اور حق پر ہیں اور ہمارے دشمن اور مخالف لوگ ناحق پر ہیں اور دین الٰہی کو مٹانا چاہتے ہیں پھر ہماری شکست اور ان کی فتح کیوں اور کس مصلحت الٰہی سے ہوئی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی اور کافروں کی تنبیہ میں یہ آیت نازل فرمائی۔ حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ اللہ کی درگاہ میں ہر کام کا وقت مقرر ہے ابھی ان دین الٰہی کے دشمنوں کی بیخ کنی کا وقت نہیں آیا ہے جب وقت مقرر آجائے گا تو کچھ ان میں سے اپنے حال کی اصلاح کر کے مسلمان ہو جائیں گے اور جو اپنے کفر پر اڑے رہیں گے وہ جس طرح اگلے لوگ رسولوں کی مخالفت کے سبب سے ہلاک ہو چکے ہیں یہ بھی ہلاک ہو جائیں گے۔ اور تم مسلمان لوگ ہی آخر کو غالب رہو گے۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کی تاریخ سے دس برس کے اندر فتح مکہ ہو کر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا ویسا ہی ہو گیا۔ اور مسلمانوں کی یہ بھی تسکین فرمادی کہ اگر تمہارے کچھ لوگ اس لڑائی میں زخمی ہو گئے ہیں تو اس سے پہلے کی لڑائی میں ان کے لوگ بھی زخمی ہو چکے ہیں کچھ گھبرانے کی بات نہیں ہے اگر ہمیشہ تمہاری ہی فتح ہوتی تو نہ تمہاری ثابت قدمی کمزوری کے وقت کی جانچی جا سکتی اور نہ اس ثابت قدمی کا اجر تم پا سکتے اور نہ شہادت کا درجہ مل سکتا۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ

اور تم آرزو کرتے تھے مرنے کی اس کی ملاقات سے پہلے سو اب دیکھا تم نے اس کو

تَنْظُرُونَ ﴿۱۴۳﴾ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ

آنکھوں کے سامنے اور محمد تو ایک رسول ہے ہو چکے پہلے اس سے بہت رسول پھر کیا اگر وہ

مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ

مر گیا یا مارا گیا تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں اور جو کوئی پھر جائے گا الٹے پاؤں وہ نہ

يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ

بگاڑے گا اللہ کا کچھ اور اللہ ثواب دے گا بھلا ماننے والوں کو اور کوئی جی مر نہیں سکتا

إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ

بغیر حکم اللہ کے لکھا ہوا وعدہ اور جو کوئی چاہے گا بدلا دنیا کا اس میں سے دیں گے اس کو اور جو کوئی چاہے گا

۱۴۳- تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جو صحابہ بدر کی لڑائی میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ آرزو کیا کرتے تھے کہ خدا پھر کوئی ویسا دن دکھائے جب اللہ تعالےٰ نے احد کا دن دکھایا اور تیراندازوں کے گھاٹی چھوڑ دینے کے سبب سے جس کا ذکر اوپر گذرا مسلمانوں کی شکست ہوگئی تو اکثر وہ آرزو کرنے والے لوگ ثابت قدم نہ رہے اس پر اللہ تعالےٰ نے ایسے لوگوں کی تنبیہ میں یہ آیت نازل فرمائی[۱]۔ تاکہ جن لوگوں نے اللہ تعالےٰ سے جان بازی کا عہد کیا اور وقت پر اپنے عہد کو پورا نہ کیا ان کی آنکھیں ذرا نیچے ہوں اور آئندہ پھر کبھی ایسا نہ کریں بلکہ اپنے عہد کے موافق جس طرح کی جان بازی انس بن نضرؓ حضرت انسؓ کے چچا نے کی ہے آئندہ موقع پڑے تو یہ لوگ بھی ویسی ہی جان بازی کریں چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ان کے چچا انس بن نضرؓ بدر کی لڑائی میں شریک نہ ہو سکے۔ تو ان کو بڑا افسوس ہوا کہ اسلام کی پہلی لڑائی میں وہ شریک نہ ہوئے اور انہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر اب کے اللہ تعالےٰ نے کسی لڑائی میں شریک ہونا نصیب کیا تو وہ بڑی جان بازی کریں گے احد کی لڑائی میں وہ بھی شریک تھے جب مسلمانوں کی شکست ہوئی اور کچھ مسلمان تو مدینہ کو واپس چلے گئے اور کچھ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ اور آنحضرتؐ کے ساتھ گیارہ بارہ آدمی رہ گئے تو انس بن نضرؓ نے اللہ تعالےٰ سے دعا کی کہ یا اللہ جو کچھ مسلمانوں نے کیا اس سے در گذر فرما اور تلوار لے کر آگے بڑھے راستہ میں ان کو سعد بن معاذؓ ملے تو انہوں نے کہا کہ اے سعدؓ تم کہاں پھر رہے ہو مجھ کو تو احد کے ارد گرد جنت کی خوشبو آرہی ہے یہ کہہ کر مشرکوں کی طرف چلے گئے۔ پھر ان کا پتہ نہ لگا۔ آخر جب ان کی لاش ملی تو اس پر کچھ اوپر اسی زخم تھے[۲]۔

۱۴۴-۱۴۸ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر اور اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں جو کچھ اس آیت کے شان نزول بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب احد کی لڑائی میں شیطان نے یہ افواہ اڑا دی

[۱] لباب النقول ص ۵۲ و تفسیر الدر المنثور ج ۲ ص ۸۰ [۲] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۳ کتاب الجہاد

ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ۝١٤٥ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ

بدلا آخرت کا اس میں سے دیں گے اس کو اور ہم ثواب دیں گے احسان ماننے والوں کو اور بہت نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر لڑے

مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَھُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا

ہیں بہت خدا کے طالب پھر نہ ہارے ہیں کچھ تکلیف پہنچنے سے اللہ کی راہ میں اور نہ سست ہوئے ہیں

وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝١٤٦ وَمَا كَانَ قَوْلَھُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا

اور نہ دب گئے ہیں اور اللہ چاہتا ہے ثابت رہنے والوں کو اور کچھ نہیں بولے مگر یہی کہا کہ

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ

اے رب ہمارے بخش ہمارے گناہ اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمارے کام میں اور ثابت رکھ ہمارے قدم اور مدد دے ہم کو منکر

الْكٰفِرِيْنَ ۝١٤٧ فَاٰتٰىھُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ

قوم پر پھر دیا اللہ نے ان کو ثواب دنیا کا بھی اور خوب ثواب آخرت کا اور اللہ چاہتا ہے

الْمُحْسِنِيْنَ ۝١٤٨ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓي

نیکی والوں کو اے ایمان والو اگر تم کہا مانو گے منکروں کا تو تم کو پھیر دیں گے

اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝١٤٩ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَھُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ۝١٥٠

الٹے پاؤں پھر جا پڑو گے نقصان میں بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور اس کی مدد سب سے بہتر

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ

اب ڈالیں گے ہم کافروں کے دل میں ہیبت اس واسطے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا اللہ کا جس کی اس نے سند نہیں اتاری

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے تو مسلمانوں میں طرح طرح کی باتیں ہونے لگیں کچھ لوگ تو یہ کہتے تھے کہ اگر آپ نبی ہوتے تو زندہ رہتے۔ اور کچھ لوگ یہ کہتے تھے کہ دین تو اللہ کا ہے اگر آپ شہید بھی ہو گئے تو جس دین کے واسطے آپ لڑتے تھے ہم کو بھی ضرور لڑنا چاہیے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔[1] اس شان نزول کی روایت کے چند طریقے ہیں اس لئے ایک کو دوسرے سے قوت ہو جاتی ہے۔ حاصل معنے اس آیت کے یہ ہیں کہ پہلے زمانہ میں انبیاء اور ان کے ساتھ کے لوگ لڑے اور امت کے لوگوں کے سامنے بعضے نبی شہید بھی ہو گئے۔ لیکن وہ لوگ اسی طرح ثابت قدم رہے جس طرح اپنے نبی کے روبرو تھے اسی طرح تم کو بھی چاہیے۔

۱۴۹ ــــ ۱۵۳۔ جب شیطان نے یہ خبر اڑا دی کہ حضور شہید ہو گئے تو بعضے کچے مسلمان یہ کہنے لگے کہ اب ہم اپنے باپ دادا کے دین پر قائم ہو جائیں تو اچھا ہے ان لوگوں کی صلاح نہ ماننے کی تنبیہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور فرما دیا کہ ایسے لوگوں کا کہنا ماننے میں دین دنیا کا خسارہ ہے دنیا کا تو یہ کہ اللہ مسلمانوں کا حامی اور مددگار ہے۔ اس لئے آخر ان کو غلبہ ہو گا۔ اور جس طرح اب تم کو جان و مال کا خوف کافروں سے ہے۔ اگر تم کافروں میں شریک

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۰۹ و لباب النقول ص ۵۲-۵۳

سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٥١﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ

اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بری بستی ہے بے انصافوں کی اور اللہ تو سچ کر

اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ

چکا ہے اپنا وعدہ جب تم لگے اُن کو کاٹنے اس کے حکم سے جب تک کہ تم نے نامردی کی اور کام میں جھگڑا ڈالا اور بے حکمی کی

وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ

بعد اس کے کہ تم کو دکھا چکا تمہاری خوشی کی چیز کوئی تم میں سے چاہتا تھا دنیا اور کوئی تم

مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ

میں سے چاہتا تھا آخرت پھر تم کو الٹ دیا اُن پر سے اس واسطے کہ تم کو آزماوے اور وہ تو تم کو معاف کر چکا اور اللہ

ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٢﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ

فضل رکھتا ہے ایمان والوں پر جب تم چڑھے جاتے تھے اور پیچھے نہ دیکھتے تھے کسی کو اور رسول

يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ

پکارتا تھا تم کو پچھاڑی میں پھر تم کو تنگ کیا بدلا تمہارے تنگ کرنے کا تو غم نہ کھایا کرو جو ہاتھ سے جائے اور جو

اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٥٣﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ

سامنے آوے اور اللہ کو خبر ہے تمہارے کام کی پھر تم پر اتارا تنگی کے بعد

اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَاۗىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَاۗىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْھُمْ اَنْفُسُھُمْ

امن کو اونگھ کہ گھیر رہی تھی تم میں بعضوں کو اور بعضوں کو فکر پڑ رہا تھا اپنے جی کا

ہو گئے۔ تو وہی خوف تم کو مسلمانوں سے کرنا پڑے گا اور دین کا یہ نقصان کر عقبے میں اللہ کے عذاب میں پکڑے جاؤ گے اور جن کافروں کا تم کو خوف ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں بسبب ان کے جھوٹے دین پر ہونے کے مسلمانوں کا رعب ڈال دیا ہے۔ اس لئے ان سے ڈرنا بے فائدہ ہے۔ صحیحین میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مہینہ کے راستہ پر سے میرا رعب دشمنوں پر پڑتا ہے[1]۔ یہی ہدایت اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمائی کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اس رعب کے سبب سے باوجود اس کے کہ مسلمان سات سو تھے اور ان کے دشمن تین ہزار تھے۔ اول اول شروع لڑائی میں اللہ کے حکم سے مسلمانوں کی فتح ہوئی تھی۔ لیکن تیر اندازوں نے لوٹ کے لالچ سے اللہ کے رسول کے حکم کی نافرمانی کی اس سے یہ شکست خود تمہارے ہاتھوں سے ہوئی۔ اور مال غنیمت ہاتھ نہ لگنے کا غم رسول وقت کے شہید ہونے کی خبر سننے کا غم بھائی بندوں کے شہید ہونے کا غم شکست کھانے کا غم یہ غم پر غم سب تم کو سہنے پڑے۔ خیر اللہ نے اپنے فضل سے اب تو تمہارا قصور معاف کیا۔ مگر آئندہ ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

۱۵۴ — ۱۵۵ جب مسلمان اس طرح طرح کے غموں میں مبتلا ہوئے جن کا ذکر اوپر گذرا تو اللہ تعالیٰ نے عین لڑائی کے وقت ان پر

[1] صحیح بخاری ج ا ص ۴۸ کتاب التیمم و تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۴۱۱۔

يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۗ

خیال کرتے تھے اللہ پر جھوٹے خیال جاہلوں کے کہتے تھے کچھ بھی کام ہے ہمارے ہاتھ

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۗ يُخْفُونَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ

تو کہہ سب کام ہے اللہ کے ہاتھ اپنے جی میں چھپاتے ہیں جو تجھ سے ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں

لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۗ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ

اگر کچھ کام ہوتا ہمارے ہاتھ تو ہم مارے نہ جاتے اس جگہ تو کہہ اگر تم ہوتے اپنے گھروں میں البتہ باہر

الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُورِكُمْ

نکلتے جن پر لکھا تھا مارا جانا اپنے پڑاؤ پر اور اللہ کو آزمانا تھا جو کچھ تمہارے جی میں ہے

وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور نکھارنا تھا جو کچھ تمہارے دل میں ہے اور اللہ کو معلوم ہے جی کی بات جو لوگ

تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَ

تم میں ہٹ گئے جس دن بھڑیں دو فوجیں سو ان کو ڈگا دیا شیطان نے کچھ ان کے گناہ کی شامت سے اور

لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع

ان کو بخش چکا اللہ اللہ بخشنے والا ہے تحمل رکھتا

تھوڑی دیر کے لئے ایک طرح کی غنودگی اتاری جس سے ان کی تھکان ذرا رفع ہوگئی۔ مگر اس غنودگی میں یہ حکمت الٰہی تھی کہ جو پکے مسلمان تھے ان کو تو غنودگی ہوگئی اور جو کچے تھے وہ اسی طرح پریشانی کے عالم میں رہے اور گھبرا کر یہ کہتے تھے کہ ہمارا کچھ اختیار ہوتا اور مدینہ کے اندر سے لڑائی لڑنے کی صلاح مان لی جاتی تو ہم یہاں جنگل میں کیوں ہلاکت میں پڑتے یہ مقولہ دبی زبان سے اس طرح چپکے چپکے کہتے تھے کہ آنحضرت کو معلوم نہ ہو۔ مگر اس مقولہ کے کہنے والے کے پہلو میں جو شخص تھے انہوں نے اس مقولہ کو سنا ابھی آنحضرت تک یہ چرچا نہیں پہنچا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے ان کچے مسلمانوں کا کچا پن ظاہر ہوجانے کی غرض سے یہ آیت نازل فرمائی۔ چنانچہ اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت زبیرؓ سے روایت کی ہے حضرت زبیرؓ کہتے ہیں کہ میں ایک غنودگی کی حالت میں تھا جس طرح خواب میں کوئی شخص کوئی آواز سنتا ہے۔ اسی طرح میں نے معتب بن قشیرؓ[1] کی زبان سے یہی مقولہ سنا اور غنودگی میں اس کو میں نے یاد بھی کرلیا۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی[2]۔ حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ یہ ان لوگوں کی خام خیالی ہے کہ ان کا اختیار ہوتا تو جو کچھ اللہ کے اختیار اور قدرت سے ہوا ہے یہ لوگ اس کو روک لیتے۔ بلکہ یہ لوگ اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جو کچھ ہونے والا تھا وہ ہوتا کہ پکے مسلمانوں اور منافقوں کی جانچ ہوجاتی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تدبیر سے تقدیر نہیں ٹلتی۔ خواہ آدمی گھر میں ہو یا جنگل میں؛

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۱۸ میں قنبر کی بجائے قشیر اور معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۷۰ میں معتب بن قشیر ہے [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۱۸ و معالم ج ۲ ص ۲۷۲ طبع المنار مصر؛

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَقَالُوا۟ لِإِخْوَٰنِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا۟
اے ایمان والو تم نہ ہو ان کی طرح جو منکر ہوئے اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے جب سفر کو

فِى ٱلْأَرْضِ أَوْ كَانُوا۟ غُزًّى لَّوْ كَانُوا۟ عِندَنَا مَا مَاتُوا۟ وَمَا قُتِلُوا۟ لِيَجْعَلَ ٱللَّهُ
نکلیں ملک میں یا ہوں جہاد میں کہ اگر ہوتے ہم پاس نہ مرتے اور نہ مارے جاتے کہ اللہ اس سے ڈالے

ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِى قُلُوبِهِمْ ۗ وَٱللَّهُ يُحْىِۦ وَيُمِيتُ ۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٥٦﴾
افسوس ان کے دل میں اور اللہ ہی جلاتا اور مارتا اور اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے

وَلَئِن قُتِلْتُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا
اور اگر تم مارے گئے اللہ کی راہ میں یا مر گئے تو بخشش اللہ کی اور مہربانی بہتر ہے اس سے

يَجْمَعُونَ ﴿١٥٧﴾ وَلَئِن مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى ٱللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿١٥٨﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ
جو وہ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو اللہ ہی پاس اکٹھے ہو گے سو کچھ اللہ کی مہر ہے

ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلْقَلْبِ لَٱنفَضُّوا۟ مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَٱعْفُ
جو تو نرم دل ملا ان کو اور اگر ہوتا تو سخت گو اور سخت دل تو منتشر ہو جاتے تیرے گرد سے سو تو ان کو معاف کر

عَنْهُمْ وَٱسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِى ٱلْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ ۚ
اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے مشورت لے کام میں پھر جب ٹھہرا چکا تو بھروسہ کر اللہ پر

۱۵۶ — ۱۵۸۔ اوپر ذکر تھا کہ احد کی شکست کے وقت کچے مسلمان طرح طرح کی پریشانی اور بےراہگی کی باتیں کرتے تھے۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پکے مسلمان بندوں کو ان کچے مسلمانوں کی باتوں اور ان کا اعتقاد رکھنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے جب موت کا وقت آجاتا ہے تو آدمی خواہ گھر میں ہو یا جنگل میں وہ وقت کہیں نہیں ٹلتا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ خدا کی راہ میں جان کا دینا دنیا کے رہنے اور مال کے جمع کرنے سے بہتر ہے جس کی بہتری تم کو حشر کے دن معلوم ہو جائے گی اور فرمایا کہ یہ حسرت اور افسوس کے کلمات ان منافقوں کی زبان سے اللہ تعالیٰ اس لئے نکلواتا ہے کہ صادق اور منافق اچھی طرح لوگوں کو معلوم ہو جائیں اور اس طرح کے کلمات سے منافقوں کا رنج اور افسوس و غم اور بڑھے غرض آیت میں کفار سے مراد وہ منافق ہیں جنہوں نے پریشانی کی باتیں منہ سے نکال کر اپنے ساتھ کے مسلمانوں کو بھی پریشانی میں ڈالنا چاہا تھا۔ اور گھڑی گھڑی یہ کہتے تھے کہ اگر وہ گھر سے باہر نہ نکلتے تو اس آفت میں نہ پھنستے۔

۱۵۹ — ۱۶۰۔ یہ اوپر گذر چکا ہے کہ احد کی تیاری کے وقت پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صلاح تھی کہ اس لڑائی کے لئے مدینہ کے باہر نہ جانا چاہئے۔ پھر بعضے صحابہ کے صلاح و مشورہ کے سبب سے آپ باہر نکلے اور لڑائی شروع شروع میں تو اچھی رہی اور پھر آخر کو اس میں کچھ لغزش آئی اب ان آیتوں میں یہ ارشاد ہے کہ اے نبی اللہ کے باوجود اس کے کہ لڑائی میں ایک طرح کی لغزش مسلمانوں سے ہوئی اس پر بھی تم مسلمانوں سے نرمی سے جو پیش آئے اور کسی پر کچھ خفگی ظاہر نہیں کی یہ اللہ کی

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ إِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ يَّخْذُلْكُمْ

اللہ چاہتا ہے توکل والوں کو اگر اللہ تم کو مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہ ہوگا اور جو تم کو چھوڑ دے گا

فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَ

پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے گا اس کے بعد اور اللہ پر بھروسہ چاہئے مسلمانوں کو اور

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَّغُلَّ ۚ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى

نبی کا کام نہیں کہ کچھ چھپا رکھے اور جو کوئی چھپاوے گا وہ لائے گا اپنا چھپایا دن قیامت کے پھر پورا پائے گا

كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ

ہر کوئی اپنا کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا کیا ایک شخص جو تابع ہے اللہ کی مرضی کا

بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَأْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ

برابر ہے اس کے جو کمالایا غصہ اللہ کا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا بری جگہ پہنچا لوگوں کے درجے

عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

ہیں اللہ کے ہاں اور اللہ دیکھتا ہے جو کرتے ہیں اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر

ایک رحمت تھی ورنہ ایسی حالت میں سختی سے پیش آتے تو لوگ اور بے دل ہو جاتے اور لڑائی کی تیاری کے وقت صلاح و مشورہ میں جو اختلاف پڑا اس کا بھی دل میں کچھ خیال نہ لانا چاہئے۔ آیندہ حسب عادت، صحابہؓ سے مشورہ طلب امور میں مشورہ لیا کرو تاکہ ان کا جی خوش ہو اور امت کے لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ مشورہ لینا مشروع ہے ہاں بعد مشورہ کے ہر طرح کا بھروسہ اللہ پر رکھنا چاہئے کہ بغیر مدد اللہ کے کسی کام میں آدمی کو کچھ سرسبزی نہیں ہو سکتی۔ شعب الایمان بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو مشورہ لینے کی ترغیب دی ہے۔ سیوطی نے اس حدیث کی سند کو معتبر بتلایا ہے[۱] فبما رحمة لفظ ما تاکید کے لئے بڑھایا گیا ہے اصل برحمة من اللہ ہے۔

۱۶۱ سے ۱۶۴ ابوداؤد اور ترمذی و طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی ہے جس کو ترمذی نے حسن کہا ہے[۲] اس کا حاصل یہ ہے کہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان بے عنوانیوں کا ذکر فرمایا ہے جو جنگ بدر میں ہو گئی تھیں ایک بے عنوانی تو یہ تھی کہ جنگ بدر کے لوٹ کے مال میں کچھ چیز گم ہو گئی تھی اس پر بعضے مسلمانوں نے یہ بدگمانی کی کہ شاید آنحضرت کے کام میں وہ چیز آگئی ہو گی۔ دوسرے بے عنوانی یہ کہ ستر قیدی دشمنوں کے جو جنگ بدر میں پکڑے گئے تھے ان کو بغیر مرضی اللہ کے فدیہ لے کر چھوڑ دیا تھا اور جنگ بدر کی بے عنوانیوں کو اس لڑائی کے ذکر میں تذکرہ فرمانے سے یہ مراد ہے کہ اس لڑائی میں تیر اندازوں نے جو بے عنوانی کی یہ اور پہلی بے عنوانیاں ان سب بے عنوانیوں کی سزا میں یہ تمہاری

[۱] تفسیر الدر المنثور ج ۲ ص ۹۰۔
[۲] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۵ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۲۱۔

إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ

جو بھیجا ان میں رسول انہی میں کا پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور سنوارتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو

الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿١٦٤﴾ أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُم

کتاب اور کام کی بات اور وہ تو پہلے سے صریح گمراہ تھے کیا جس وقت پہنچے تم کو

مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ

ایک تکلیف کہ تم پہنچا چکے ہو اس کے دوبرابر کہتے ہو یہ کہاں سے آئی تو کہہ یہ آئی تم کو اپنی طرف سے

إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ

اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور جو کچھ تم کو سامنے آیا جس دن بھڑیں دو فوجیں سو

اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦٦﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا

اللہ کے حکم سے اور اس واسطے کہ معلوم کرے ایمان والوں کو اور تا معلوم کرے ان کو جو منافق تھے اور کہا ان کو کہ آؤ

قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ

لڑو اللہ کی راہ میں یا دفع کرو دشمن کو بولے اگر ہم کو معلوم ہو لڑائی تو تمہارا ساتھ کریں وہ لوگ

يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ

اس دن کفر کی طرف نزدیک ہیں ایمان سے کہتے ہیں اپنے منہ سے جو نہیں ان کے دل میں

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا

اور اللہ خوب جانتا ہے جو چھپاتے ہیں وہ جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو اور آپ بیٹھ رہے ہیں اگر وہ ہماری بات مانتے

شکست ہوکر ستر آدمی شہید ہوئے ہیں۔ چنانچہ ترمذی اور نسائی میں حضرت علیؓ سے جو روایت ہے جس حدیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ بدر کی لڑائی میں جب ستر قیدیوں کو فدیہ پر چھوڑنے کی صلاح مسلمانوں کو جم گئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ کی طرف سے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ فدیہ پر یہ ستر قیدی اس شرط سے چھوٹ سکتے ہیں کہ آئندہ کسی لڑائی میں اسی قدر آدمی مسلمانوں میں کے شہید ہوں گے۔ مسلمانوں نے اس شرط الٰہی کو قبول کیا۔ اور قیدیوں کو فدیہ پر چھوڑ دیا[1]۔

۱۶۵ — ۱۶۸۔ احد کی لڑائی میں جو مسلمانوں کو شکست ہوئی اس کی تسلی میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرما کر فرمایا کہ اس لڑائی میں تمہارے ستر آدمی جو شہید ہوئے تو اس کا زیادہ رنج کیا ہے تم بھی تو بدر کی لڑائی میں مخالفوں کو اس سے دو چند صدمہ پہنچا چکے ہو کہ ستر آدمی ان کے مارے اور ستر کو پکڑ لائے اور یہ جو تم کہتے ہو کہ اتنی بڑی مصیبت ہم لوگوں پر کیوں آئی تو یہ مصیبت تم میں ہی کے بعضے لوگوں کے سبب سے آئی کہ برخلاف مرضی اللہ تعالیٰ کے بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے لیا۔ اور برخلاف حکم اللہ تعالیٰ کے رسول کے تیر اندازوں نے۔

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۲۵ و جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۹۰ باب ما جاء فی قتل الاساری والفداء۔

النصف

قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ

تو مارے نہ جاتے تو کہہ اب ہٹا دیجیو اپنے اوپر سے موت اگر تم سچے ہو اور تو نہ سمجھ جو

الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ

لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے خوشی کرتے ہیں

بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ

اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور خوش وقت ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی نہیں پہنچے ان میں

خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ

پیچھے سے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور نہ ان کو غم خوش وقت ہوتے ہیں اللہ کی نعمت

گھاٹی چھوڑ دی۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شکست میں یہ مصلحت تھی کہ کامل الایمان وار اور منافقوں کا اچھی طرح سے پردہ کھل جائے وہی ہوا کہ ایمان دار ثابت قدم رہے اور منافق کچھ تو اپنے اپنے گھروں میں آن بیٹھے۔ اور کچھ طرح طرح کی باتیں بنانے لگے پھر فرمایا کہ یہ لوگ ایسی باتوں سے موت کے وقت کو ہرگز نہیں ٹال سکتے ⁂

۱۶۹۔۔۔۱۷۱ ابوداؤد اور مسند امام احمد بن حنبل اور مستدرک حاکم تفسیر ابن جریر وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اور ترمذی میں حضرت جابرؓ سے روایات ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ تمہارے ساتھ کے لوگ جو شہید ہوئے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ درجہ دیا کہ ان کی جانوں کو ایک طرح کے سبز جانوروں کی پوٹوں میں رکھا۔ اور وہ جانور جنت میں میوے کھاتے ہیں اور جنت کی نہروں میں پانی پیتے ہیں اور سونے کی قندیلیں جو عرش معلےٰ کے نیچے لٹکتی ہیں ان میں رہتے ہیں تو ان شہیدوں کی روحوں نے یہ تمنا کی کہ ان کے اس عیش اور راحت کی خبر کسی طرح ان کے ساتھ کے زندہ مسلمانوں کو پہنچ جائے تاکہ وہ زندہ مسلمان بھی شہادت کا درجہ حاصل کرنے کی کوشش کریں اللہ تعالیٰ نے ان شہیدوں کی روحوں سے فرمایا کہ میں تمہاری خبر تمہارے مسلمان بھائیوں کو پہنچا دیتا ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حاکم نے اس شان نزول کو بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے[1]۔ اور مسلم میں یہ روایت عبداللہ بن مسعودؓ سے ہے اس میں اس قدر اور زیادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان شہداء کی روحوں سے پوچھتا ہے کہ اب تمہیں کیا تمنا باقی ہے وہ روحیں کہتی ہیں کہ ہم نے سب کچھ پا یا اگر ہے تو تمنا یہی ہے کہ ایک دفعہ ہم دنیا میں جائیں اور پھر تیرے نام پر شہید ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ اور مسند امام احمد بن حنبل میں جو صحیح روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوا شہیدوں کے اور مسلمانوں کی روحیں بھی جنت میں جانوروں

[1] تفسیر الدر المنثور ج ۲ ص ۹۵ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۲۶ نیز ابوداؤد طبع اصح المطابع ج ۱ ص ۳۴۱ باب فی فضل الشہادۃ و مستدرک ص ۲۹۷ ج ۲ کتاب التفسیر [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۵ باب فی بیان ان ارواح الشہداء فی الجنۃ الخ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۲۶ ⁂

اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۱﴾

اور فضل سے اور اس سے کہ اللہ ضائع نہیں کرتا مزدوری ایمان والوں کی

کے بھیس میں میوے کھاتی ہیں[1]۔ فرق اسی قدر ہے کہ شہیدوں کی روحیں قندیلوں میں عرش کے نیچے لٹکتی رہیں اور عام مسلمانوں کی روحیں یوں ہی جنت کے جانوروں کے بھیس میں جنت میں رہتی ہیں۔ شہیدوں کی زندگی اور رزق کا ذکر آیت کی تفسیر کے طور پر جو ان حدیثوں میں آیا ہے۔ اکثر سلف نے اس کے معنے ظاہری زندگی اور رزق کے لیے ہیں۔ بعضے مفسروں نے اگرچہ ان معنے میں کچھ کچھ تاویلیں کی ہیں۔ لیکن آیت اور حدیثوں کے لفظوں سے ان تاویلوں کو کچھ مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔

ان صحیح حدیثوں سے جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ مرنے کے بعد پھر کسی طرح انسان دنیا میں نہیں آسکتا تو اس سے اہل تناسخ کا یہ مذہب غلط قرار پاتا ہے کہ نیک روح اچھی صورت کے بھیس میں اور بد روح بُری صورت کے بھیس میں ثواب اور عذاب کے طور پر دوبارہ پھر دنیا میں آتی ہے اسی طرح صحیح حدیثوں سے جب کہ یہ معلوم ہو گیا کہ حشر کے دن ہر روح کا تعلق جسم سے ہو جائے گا۔ اور پھر جنت اور دوزخ میں ہمیشہ وہی تعلق باقی رہے گا تو اس سے فلسفی لوگوں کا یہ مذہب بے اصل ٹھہرتا ہے کہ مرنے کے بعد جسم تو ہمیشہ کے لئے خاک ہو جاتے گا فقط روح اس طرح باقی رہے گی کہ نیک روح نیکی کی تصور سے خوش اور بد روح بدی کی تصور سے غمزدہ رہے گی اس کا نام ثواب و عذاب ہے۔

احد کے چند شہدا ایسے ہیں جن کا قصہ قابل ذکر ہے ان میں ایک تو سید الشہدا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت امیر حمزہؓ نے بدر کی لڑائی میں ایک شخص کا طعمہ بن عدی کو قتل کر ڈالا تھا۔ اس عداوت سے اس طعمہ کے بھتیجے جبیر بن مطعم نے اپنے غلام وحشی سے یہ کہہ رکھا تھا کہ کسی لڑائی میں موقع پا کر اگر امیر حمزہؓ کو شہید کر ڈالے گا تو میں تجھ کو آزاد کر دوں گا اس وحشی نے جنگ احد میں ایک پتھر کی آڑ میں سے حضرت امیر حمزہؓ کے برچھا مار دیا۔ جس سے وہ شہید ہو گئے۔ شہید ہو جانے کے بعد ہندہ ابو سفیان کی بی بی یزید کی دادی نے حضرت امیر حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبا ڈالا۔ اور جب اس کو نگل نہ سکی تو تھوک دیا احد کے ستر شہیدوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی ستر مرتبہ جنازہ کی نماز پڑھی اور سید الشہدا کا خطاب دیا۔ فتح مکہ کے بعد یہ وحشی مسلمان ہوا اور مسیلمہ کذاب کو حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت میں اسی وحشی نے قتل کیا دوسرے شہید احد کے حنظلہ بن عامرؓ ہیں جن کو ملائکہ نے غسل دیا ہے۔ تیسرے عبداللہ بن عمرؓ و جابرؓ کے باپ ہیں جن کی لاش پر فرشتوں نے اپنے پروں کا سایہ کیا تھا۔ غازیوں میں حضرت طلحہؓ نے ایک ہاتھ سے لڑائی کی اور دوسرے ہاتھ میں ڈھال لے کر آخر لڑائی تک آنحضرت کی محافظت کرتے رہے اور بڑی بڑی جرأت کی۔ چنانچہ جب احد کی لڑائی کا ذکر آیا کرتا تھا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ فرمایا کرتے تھے کہ احد کی ساری لڑائی طلحہؓ پر ختم ہے دوسرے نامی غازی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہیں جن پر آنحضرت نے اس لڑائی میں اپنے ماں باپ کو فدا کیا ہے۔

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۲۷ بحوالہ مسند امام احمد بروایت کعب بن مالک عن ابیہ۔

مع

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِينَ

جن لوگوں نے حکم مانا اللہ کا اور رسول کا پیچھے اس کے کہ ان میں پڑ چکا تھا گھاؤ جو ان میں

أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٢﴾ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ

نیک ہیں اور پرہیزگار ان کو ثواب بڑا ہے جن کو کہا لوگوں نے کہ انہوں نے

قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۖ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ

جمع کیا ہے اسباب تمہارے مقابلہ کو سو تم ان سے خطرہ کرو پھر ان کو زیادہ آیا ایمان اور بولے بس ہے ہم کو اللہ اور کیا خوب

۱۷۲ — ۱۷۵ – آیت یایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا الربٰوا کی تفسیر میں گذر چکا ہے کہ احد کی لڑائی کے بعد مکہ کو واپس جاتے وقت اپنے ساتھ کے مشرکین سے ابوسفیان نے کہا تھا کہ مسلمانوں کے سرگروہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام تمام نہ کیا اور مسلمانوں کی جوان جوان عورتیں لونڈیاں بنا کر نہ لائے اس کا بڑا افسوس ہے۔ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی آپ نے حکم دیا کہ کل کے روز احد کی لڑائی میں جو لوگ گئے تھے وہی لوگ آج پھر مشرکین کا پیچھا کریں اگرچہ احد کی لڑائی والے لوگ زخمی اور تھکے ہوئے تھے لیکن انہوں نے فوراً اللہ کے رسول کے حکم کی تعمیل کی۔ اور مدینہ سے آٹھ میل پر حمراء الاسد ایک مقام ہے وہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ستر صحابہ کو ساتھ لے کر ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کی تلاش میں تشریف لے گئے۔ لیکن حکمت الٰہی یوں مقتضی ہوئی کہ اللہ تعالےٰ نے مشرکین کے دل میں رعب ڈال دیا۔ جس سے پلٹ کر لڑائی کے لئے انہی سے کچے ہو گئے ابوسفیان نے جب یہ حال دیکھا کہ لوگوں کی ہمت لڑائی پر جانے کی نہیں ہے تو اپنے لشکر کی ہوا باندھنے کی نیت سے ادھر کے آنے والے کچھ تاجر لوگوں کی زبانی یہ خبر اڑادی کہ ابوسفیان بہت بڑا لشکر جمع کر رہا ہے۔ لشکر کے جمع ہوتے ہی وہ لڑائی کے ارادہ سے آنے والا ہے اس خبر کو سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے یہ لفظ کہے حسبنا اللہ ونعم الوکیل غرض جن ستر صحابہ نے باوجود زخمی اور تھکے ہوئے ہونے کے حمراء الاسد تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے کی ہمت کی اور ابوسفیان نے جو خبر اڑادی تھی اس سے ان کے دل پر کچھ خوف نہیں ہوا ان ہی کی تعریف میں اللہ تعالےٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ اس شان نزول کو طبرانی نے معتبر سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالہ سے روایت کیا ہے اور حافظ ابن کثیرؒ نے اسی شان نزول کو صحیح قرار دیا ہے[1]۔ ابوسفیان نے احد کی لڑائی سے واپس ہوتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی کہا تھا کہ بدر کے مقام پر ہمارے بڑے بڑے سرداروں کو مسلمانوں نے قتل کیا ہے۔ جس کا ہم لوگوں کے دل پر بڑا داغ ہے اب تو نہیں پر آئندہ سال ہم بدر صغریٰ پر آئیں گے۔ یہ بنی کنانہ کے ایک چشمہ کا نام ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ ان شاء اللہ ہم بھی آئندہ سال اس مقام پر آئیں گے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وعدہ کے موافق وقت مقررہ پر وہاں مع صحابہ کے تشریف لے گئے۔ مگر مشرکین نہیں آئے حمراء الاسد کے سفر اور بدر صغریٰ کے سفر

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۳۰

الْوَكِيلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوا

کارساز ہے پھر چلے گئے اللہ کے احسان سے اور فضل سے کچھ نہ پہنچی انہیں برائی اور چلے

رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ

اللہ کی رضا پر اور اللہ کا فضل بڑا ہے یہ جو ہے شیطان ہے کہ ڈراتا ہے

اَوْلِيَاۗءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْھُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

اپنے دوستوں سے سو تم ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔

ان دونوں سفروں میں مسلمانوں نے تجارت کا مال خریدا۔ اور اس تجارت میں ان کو بڑا نفع ہوا اس نفع کو ان آیتوں میں اللہ کی نعمت اور اللہ کا فضل فرمایا۔ "نہ پہنچی ان کو برائی" کا مطلب یہ ہے کہ اس موقع پر ان کو لڑنا نہیں پڑا بعضے مفسروں نے اس بدر صغریٰ کے سفر اور قصے کو ان آیتوں کے نازل ہونے کا سبب قرار دیا ہے۔ مگر صحیح شان نزول ان آیتوں کا وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی یہ تو اوپر گذر چکا ہے کہ احد کی لڑائی کے وقت ہزار آدمی کی جمعیت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے نکلے تھے پھر عبد اللہ بن ابی کے بہکانے سے جب تین سو آدمی لڑائی سے پہلے مدینہ کو واپس چلے آئے اس کے بعد بھی سات سو آدمی لڑائی میں موجود تھے اور اب حمراء الاسد کے سفر کے وقت صرف ستر آدمی آپ کے ساتھ گئے ابوسفیان نے جو خبر اڑادی تھی اس کی دہشت سے کچھ لوگ نہیں گئے۔ اس لئے جو لوگ اس سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے ان کی اور آئندہ عام مسلمانوں کی ہدایت کے لئے فرمایا کہ شیطان کا کام یہی ہے کہ وہ اپنے ہوا خواہوں کے ذریعہ سے مومنوں کو ڈراتا ہے ایسے موقع پر ایمان دار آدمی کو چاہئے کہ شیطان کے ہوا خواہوں کی جھوٹی دھمکیوں سے نہ ڈرے۔ کیونکہ ایسی جھوٹی دھمکیوں میں آن کر دین کے کسی کام سے باز رہنا اللہ کی نافرمانی کا موجب ہے۔ اور اللہ کی نافرمانی ایمان دار آدمی کے لئے بڑے خوف کی چیز ہے۔ الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم کا مطلب یہ ہے کہ قبیلہ عبد القیس کے ان سوداگر لوگوں نے جن کی معرفت ابوسفیان نے لشکر جمع کرلنے کی خبر اڑائی تھی مسلمانوں سے ملنے کے وقت یہ کہا کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے تمہارے مقابلہ کے لئے بڑا لشکر جمع کیا ہے۔ جس لشکر کا مقابلہ اندیشہ کے قابل ہے فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل کا مطلب یہ ہے کہ جن مسلمانوں کا ایمان کامل تھا انہوں نے اس اندیشہ ناک خبر کو سنکر کچھ خوف نہیں کیا۔ بلکہ ایسے ایمان کے ڈگ جانے کے وقت میں اپنے ایمان کی مضبوطی دکھلائی اور یہ کہا کہ ابوسفیان کو لشکر پر بھروسہ ہوگا۔ ہمارا پورا پورا بھروسہ اللہ پر ہے اور وہی ہمارا ہر حال میں مددگار ہے اور اس بھروسہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ صحیح سالم اس سفر سے اپنے گھر کو آئے اور تجارت کے مال سے نفع کمایا۔ صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں ڈالے جانے کے وقت یہی کہا تھا کہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ کسی بڑی مشکل کے وقت اس دعا کے پڑھنے کی اور بھی صحیح حدیثیں ہیں۔

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۳۰۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۵ کتاب التفسیر۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ

اور تجھ کو غم نہ آئے ان لوگوں سے جو دوڑ کر گرتے ہیں کفر کرنے وہ نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ اللہ چاہتا ہے کہ

اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا

ان کو فائدہ نہ دے آخرت میں اور ان کو بڑی مار ہے جنہوں نے خرید کیا

الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ

کفر کو ایمان کے بدلے وہ نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ اور ان کو دکھ کی مار ہے اور یہ نہ سمجھیں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا

منکر کہ ہم جو فرصت دیتے ہیں ان کو کچھ بھلائی ہے ان کے حق میں ہم تو فرصت دیتے ہیں ان کو تا بڑھتے جائیں

اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ

گناہ میں اور ان کو ذلت کی مار ہے اللہ وہ نہیں کہ چھوڑ دے گا مسلمانوں کو جس طرح پر تم ہو

عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي

جب تک جدا نہ کرے ناپاک کو پاک سے اور اللہ یوں نہیں کہ تم کو خبر دے

الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ

غیب کی لیکن اللہ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے سو تم یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر

وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ

اور اگر تم یقین پر رہو اور پرہیزگاری پر تو تم کو بڑا ثواب ہے اور نہ سمجھیں جو لوگ بخل کرتے ہیں ایک چیز پر

اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ھُوَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا

کہ اللہ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے کہ یہ بہتر ہے ان کے حق میں بلکہ یہ برا ہے ان کے واسطے آگے طوق پڑے گا ان کے جس پر بخل کیا تھا

۱۷۶ ـــ ۱۸۰ ۔ کافر اور منافق جب کوئی مخالفت کی بات کرتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بڑا رنج ہوا کرتا تھا اس لئے اس لڑائی کے موقع سے جب عبداللہ بن ابی تہائی لشکر لے کر مدینہ واپس چلا آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا رنج ہوا اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور ان میں اپنے رسول کی یوں تسلی فرمائی ۔ کہ یہ لوگ اس طرح کی مخالفت کے سبب سے اللہ کے دین کو کسی طرح کا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے ۔ بلکہ اس مخالفت کے سبب سے ان ہی کو وقت مقررہ پر وہ سخت عذاب بھگتنا پڑے گا جو اللہ کے ارادہ میں ان کے لئے قرار پا چکا ہے اور یہ منکر حکم الٰہی یہ نہ سمجھیں کہ اللہ نے ان کو جیتے جی کچھ مہلت جو دے رکھی ہے اس میں ان کے حق میں کچھ بہتری ہے ۔ بلکہ اس طرح کی زیست سے ان کے گناہوں کا تودہ اور بڑھتا جاتا ہے ۔ عقبیٰ میں اس کی سب کسر نکل جائے گی رہی لڑائیوں میں اس طرح کی شکست اس سے تو پردۂ غیب میں جو بھلے برے ہیں ان کا حال اللہ کے رسول کے ذریعہ سے معلوم ہو جاتا ہے پھر جس طرح ان برے لوگوں کو اپنی جان پیاری ہے اسی طرح ان کو اپنا مال بھی پیارا ہے جس کے

بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
دن قیامت کے اور اللہ وارث ہے آسمان اور زمین کا اور اللہ جو کرتے ہو

خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ
سو جانتا ہے اللہ نے سنی ان کی بات جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ
اب لکھ رکھیں گے ہم ان کی بات اور جو خون کیے ہیں نبیوں کے ناحق اور کہیں گے چکھو جلن کی

الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ ۚ
مار یہ بدلا اس کا ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں بھیجا اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ
وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو کہہ رکھا ہے کہ ہم یقین نہ کریں کسی رسول کو جب تک نہ لائے ہم پاس ایک نیاز جس کو کھا جائے

سبب سے حق مال ادا کرنے میں یہ لوگ پہلوتہی کرتے ہیں لیکن یہ مال قیامت کے دن ان کے حق میں بڑا وبال ہو جائے گا۔ صحیح بخاری صحیح ابن حبان وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس طرح کے لوگوں کے مال کا ایک گنجا سانپ طوق کی طرح ان کے گلے میں لپیٹا جائے گا جو سانپ گھڑی گھڑی صاحب مال کو کاٹے گا اور یہ کہے گا۔ اے شخص میں تیرا مال ہوں[1]۔

۱۸۱—۱۸۲۔ ابن ابی حاتم اور ابن منذر نے اپنی تفسیر میں متعدد معتبر طریقوں سے جو اس آیت کی شان نزول بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب آیت من ذا الذی یقرض اللہ اتری تو یہود کہتے تھے کہ اللہ محتاج اور فقیر ہے جو لوگوں سے قرض مانگتا ہے ایک روز ابوبکر صدیقؓ یہود کے مدرسہ میں گئے وہاں فخاص یہودیوں کا بڑا عالم اور بہت سے یہود جمع تھے فخاص نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے یہی بات کہی کہ اللہ فقیر ہے جو لوگوں سے قرض مانگتا ہے حضرت ابوبکر صدیق نے فخاص کے منہ پر ایک طمانچہ مارا فخاص نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کی فریاد کی۔ آنحضرت نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے طمانچہ مارنے کا سبب پوچھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سارا قصہ بیان کیا۔ فخاص اس بات کے کہنے سے منکر ہو گیا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تصدیق میں اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[2]۔ اور فرمایا کہ ان لوگوں کی سب گستاخیاں جو یہ لوگ اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ کر رہے ہیں اللہ کو وہ سب معلوم ہیں۔ وقت مقررہ آنے کی دیر ہے۔ پھر ان کو سب گستاخیوں کا بدلا مل جائے گا حریق بھڑکتی ہوئی آگ کو کہتے ہیں۔

۱۸۳—۱۸۴۔ انبیائے بنی اسرائیل میں سے بعضے نبیوں کا یہ معجزہ تھا کہ اللہ کی نیاز جس چیز پر کی جاتی تھی ان نبیوں کے معجزہ کے

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۸ باب اثم مانع الزکوٰۃ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۳۲[2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۳۳ و معالم ج ۲ ص ۴۰ طبع المنار مصر و تفسیر الدر المنثور ج ۲ ص ۱۰۵۔ مگر ان سب میں اس یہودی کا نام فنحاص ہے فخاص نہیں۔

النَّارُ ۚ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ

آگ تو کہہ تم میں آچکے کتنے رسول مجھ سے پہلے نشانیاں لے کر اور یہ بھی جو تم نے کہا پھر ان کو

قَتَلْتُمُوهُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (۱۸۳) فَإِن كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّن

کیوں مارا تم نے اگر تم سچے ہو پھر اگر یہ تم کو جھٹلائیں گے تو آگے تجھ سے جھٹلائے گئے بہت رسول

قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ (۱۸۴) كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

جو لائے نشانیاں اور ورق اور کتاب چمکتی ہر جی کو چکھنی ہے موت

وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ

اور تم کو پورے بدلے ملیں گے دن قیامت کے پھر جس کو سرکا دیا آگ سے اور داخل کیا جنت میں

فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ (۱۸۵) لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ

اس کا کام بنا اور دنیا کی زندگی تو یہی ہے دغا کی جنس البتہ تم آزمائے جاؤ گے مال سے

وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ

اور جان سے اور البتہ سنو گے اگلی کتاب والوں سے اور

أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ۚ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (۱۸۶)

مشرکوں سے بدگوئی بہت اور اگر تم ٹھہرے رہو اور پرہیزگاری کرو تو یہ ہمت کے کام ہیں

سبب سے آگ آسمانی اس نیاز کی چیز کو جلا دیتی تھی اور یہی نشانی تھی کہ وہ نیاز قبول ہو گئی۔ اب یہود سے نبی آخر الزمان پر جب ایمان لانے کو کہا جاتا تھا تو یہ بہانہ کرتے تھے کہ ہم کو تورات میں حکم ہے کہ جس نبی سے وہ آگ کا معجزہ ظاہر نہ ہو اس پر ہم ایمان نہ لائیں اگرچہ یہ بہانہ جھوٹا تھا تورات میں کہیں ایسا ذکر نہیں ہے کہ ہر نبی کے لئے وہ آگ کا معجزہ ضروری ہے لیکن یہود کو پورا قائل کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے ان کی وہ حد سے زیادہ زیادتی انہیں یاد دلائی جس کا اوپر کی آیت میں ذکر تھا۔ چنانچہ فرمایا کہ اگر تم اپنے اس بہانے میں سچے ہو کہ ہر نبی کے لئے وہ آگ کا معجزہ ضرور ہے تو جن نبیوں کے پاس یہ معجزہ بھی تھا ان کے خون ناحق کے درپے تم کیوں ہوئے اور ان کو کیوں قتل کیا پھر آخر آیت میں اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کی یوں تسلی فرمائی کہ اس قائلی معقولی کے بعد بھی یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئیں تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ان کی یہ ہٹ دھرمی کچھ نئی نہیں ہے۔ بلکہ ان کے بڑوں سے یہی ہوتی آئی ہے +

۱۸۵-۱۸۶- اوپر کی آیت میں اللہ تعالےٰ نے اہل کتاب کی ہٹ دھرمی پر صبر اور درگذر کی ہدایت فرمائی تھی اور یہ فرمایا تھا کہ یہ ان کی ہٹ دھرمی کچھ نئی نہیں ہے۔ بلکہ ان کے بڑوں سے بھی ہوتی آئی ہے یہ آیتیں اس ہدایت کی تکمیل میں نازل فرما کر فرمایا کہ یہ تو آخر سب کی آنکھوں کے سامنے کی بات ہے کہ دنیا میں اچھے اور

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ

اور جب اللہ نے قرار لیا کتاب والوں سے کہ اس کو بیان کر دو گے لوگوں پاس اور نہ چھپاؤ گے

فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿۱۸۷﴾

پھر پھینک دیا وہ قرار اپنی پیٹھ کے پیچھے اور خرید کیا اس کے بدلے مول تھوڑا سو کیا بُری خرید کرتے ہیں

بڑے کسی کو قیام نہیں موت سب کے پیچھے لگی ہوئی ہے اچھے بُرے جو مر گئے ان کو تو دنیا کی بھلائی برائی کا نتیجہ معلوم ہو گیا جو رہ گئے ہیں ان کو بھی یہی موقع پیش آنے والا ہے۔ فقط آنکھ بند ہونے کی دیر ہے اور آنکھ کا بند ہونا کچھ دور نہیں۔ کوئی اس میں آگے ہے کوئی پیچھے اور جب بھلائی برائی کا نتیجہ وقت مقرر پر سامنے آنے والا ہے تو بھلوں کو ہر طرح کی آزمایش کو موجب اجر جاننا اور اس پر صبر کرنا چاہئے کہ دنیا میں یہ بڑی ہمت اور عقبےٰ میں بڑے اجر کا کام ہے۔

۱۸۷۔ یہ وہی معاہدہ ہے جس کا ذکر اوپر کی آیتوں میں گذرا کہ اللہ تعالےٰ نے دنیا کے پیدا کرنے سے ہزارہا برس پہلے دنیا کے ہر ایک دورہ کی مصلحت کے موافق اپنے علم ازلی میں ایک قانون قرار دیا ہے جس کو اس دورہ دنیوی کی شریعت کہتے ہیں اور اللہ تعالےٰ نے سب نبیوں سے اور نبیوں نے اپنی اپنی امتوں سے یہ عہد لیا ہے کہ ہر زمانہ میں اس شریعت کے موافق عمل ہوگا جو شریعت اس زمانہ کے لئے ٹھرائی گئی ہے۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے اہل کتاب نے محض اس دشمنی سے کہ یہ نبی آخر الزمان بنی اسمٰعیل میں کیوں ہوئے بنی اسرائیل میں کیوں نہیں ہوئے اس معاہدہ کی پابندی چھوڑ دی تھی۔ اور نبی آخر الزماں کے اوصاف کی آیتوں کو چھپا ڈالا تھا۔ لوگوں کو اپنی طرف رجوع رکھنے اور اپنی ریاست اور فضیلت قائم رہنے کے لئے تورات کے مسئلے غلط بتلاتے تھے۔ اسی معاہدہ کی یاددہی کی تنبیہ میں اللہ تعالےٰ نے بہت سی آیتیں قرآن شریف میں حسب موقع نازل فرمائی ہیں۔ چنانچہ پچھلی آیتوں میں یہود کی ایک غلط بیانی کا ذکر تھا کہ ہر نبی کے لئے آگ کا معجزہ ضرور ہے اللہ تعالےٰ نے ان آیتوں میں ان کی اس غلط بیانی کا جواب دیا۔ اور ان آیتوں میں یہ تنبیہ فرمائی کہ دنیا کے تھوڑے سے لالچ کے لئے اتنے بڑے سخت اور قدیمی معاہدہ کی مخالفت جو ان لوگوں نے اختیار کی ہے اور پھر اس پر اس بات کی ان کو خوشی ہے کہ ان کی چوری کوئی پکڑ نہیں سکتا یہ ان کی تجارت ایک بڑے ٹوٹے کی تجارت ہے دنیا چند روزہ ہے اس میں پھر چل کر انہوں نے کچھ کھا کما لیا تو پھر عقبےٰ کے ابدالآباد عذاب سے بچ کر کہاں جائیں گے وہ اللہ جس کی بادشاہت زمین و آسمان میں ہے کیا کوئی ہے ایسا جو ان کو اس کے عذاب سے چھوڑا سکے بعضی روایتوں میں یہ جو ہے کہ یہ آیتیں منافقوں کی شان میں نازل ہوئی ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ منافقوں کے حال پر بھی ان آیتوں کا مضمون صادق آتا ہے کہ وہ بھی یہود کی طرح کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں ورنہ جو شان نزول ان آیتوں کی اوپر بیان کی گئی ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا
تو نہ سمجھیو کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور چاہتے ہیں تعریف جن کئے پر
فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ
سو نہ جان کہ وہ خلاص ہیں عذاب سے اور ان کو دکھ کی مار ہے اور اللہ کو ہے سلطنت
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
آسمان اور زمین کی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے بے شک آسمان
وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِيْنَ
اور زمین کا بنانا رات اور دن کا بدلتے آنا ان میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو وہ جو

وہ صحیحین[1] وغیرہ میں امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے ہے جو قابل ترجیح ہے اتنا ضرور ہے کہ اس روایت کے موافق اگرچہ یہ آیتیں اہل کتاب کی شان میں ہیں لیکن حکم ان کا عام ہے اس امت کا کوئی عالم بھی کسی حق بات کو جان بوجھ کر چھپائے گا تو قیامت کے دن اس سے ضرور مؤاخذہ ہوگا۔ چنانچہ ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ صحیح ابن حبان وغیرہ میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو عالم جان کر کسی دین کی بات کو چھپائے گا تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے[2] اور حاکم نے اس کو بخاری مسلم کی شرط کے موافق صحیح بتلایا ہے[3]

۱۸۸—۱۸۹۔ صحیحین میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی لڑائی پر جاتے تو منافق لوگ جھوٹے عذر پیش کرکے مدینہ میں رہ جاتے اور اپنے اس حیلہ سازی پر بہت خوش ہوتے تھے۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ لڑائی پر سے واپس آتے تو اپنے ان عذروں کے سچے ہونے اور لڑائی سے رہ جانے کے افسوس پر قسمیں کھاتے تھے[4]۔ غرض ان کی اس قسماقسمی سے یہ ہوتی تھی کہ باوجود لڑائی میں شریک نہ ہونے کے لوگ ان کی تعریف کریں اور کہیں کہ مجبوری سے وہ لڑائی میں شریک نہ ہو سکے۔ ورنہ وہ شریک ہونے پر پورے آمادہ تھے اب حکم اس آیت کا عام ہے جو کوئی بغیر کسی نیک کام کرنے کے اس کام پر اپنی جھوٹی تعریف چاہے گا وہ اسی حکم میں داخل ہو کر جس سخت عذاب کا اس آیت میں ذکر ہے اس عذاب میں مبتلا ہوگا اسی واسطے یہود لوگ جو تورات کے بعضے مسئلے چھوڑ کر پھر اپنے آپ کو توریت کا پورا پابند جھوٹ موٹ بتلاتے تھے۔ اور اس جھوٹی پابندی پر لوگوں سے اپنی مدح چاہتے تھے ان کا اس آیت کے حکم ہی داخل ہونا خیال کرکے بعض صحابہ نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آیت یہود کی شان میں اتری ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ یہود پر بھی اس آیت کا مطلب صادق آتا ہے۔

۱۹۰—۱۹۴۔ طبرانی اور ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے شان نزول اس آیت کی وہی بیان کی ہے جو اِنَّ فِیْ

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۵ کتاب التفسیر و جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۶ کتاب التفسیر [2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۸۹ و ابوداؤد ج ۲ ص ۵۱۵ کتاب العلم
[3] مستدرک حاکم ص ۱۰۱ ج ۱ کتاب العلم [4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۶ کتاب التفسیر۔

يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور دھیان کرتے ہیں آسمان

وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾
اور زمین کی پیدائش میں اے رب ہمارے تو نے یہ عبث نہیں بنایا تو پاک ہے عیب سے سو ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾
اے رب ہمارے جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا سو اس کو رسوا کیا اور گنہ گاروں کا کوئی نہیں مددگار

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ڰ رَبَّنَا
اے رب ہمارے ہم نے سنا کہ ایک پکارنے والا پکارتا ہے ایمان لانے کو کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر سو ہم ایمان لائے اے رب ہمارے

فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا
اب بخش ہم کو گناہ ہمارے اور اُتار ہماری برائیاں اور موت دے ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ اے رب ہمارے اور دے ہم کو جو

وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾
وعدہ دیا تو نے اپنے رسولوں کے ہاتھ اور رسوا نہ کر ہم کو قیامت کے دن تحقیق تو خلاف نہیں کرتا وعدہ

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ
پھر قبول کی ان کی دعا ان کے رب نے کہ میں ضائع نہیں کرتا محنت کسی محنت کرنے والے کی تم میں سے مرد ہو یا عورت

بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا
تم آپس میں ایک ہو پھر جو لوگ اپنے وطن سے چھوٹے اور نکالے گئے گھروں سے اور ستائے گئے

خلق السموات (۲ - ۱۶۴) کے تحت میں اس سے پہلے سورۂ لبقرہ میں بیان ہو چکی۔ لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے اس شان نزول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور سورہ بقرہ بھی بلا خلاف مدنی ہے۔ اور قریش کا یہ سوال کہ صفا پہاڑ سونے کا ہو جاتے مکہ میں تھا۔ پھر یہ شان نزول کیونکر صحیح ہو سکتی ہے۔[1] جواب اس اعتراض کا وہی ہے جو حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری[2] میں دیا ہے کہ قریش کا وہ سوال اگرچہ مکہ میں تھا مگر اس زمانہ میں نہیں تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے مکہ میں مقیم تھے بلکہ یہ سوال ہجرت کے بعد اس زمانہ کا ہے۔ جب قریش میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں صلح تھی۔

۱۹۵۔ ترمذی، حاکم، سعید بن منصور، عبدالرزاق اور ابن ابی حاتم نے حضرت ام سلمہؓ سے روایت کی ہے وہ کہتی ہیں کہ ایک روز میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی ہجرت کے اجر کا ذکر قرآن شریف میں نہیں فرمایا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔[3] حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ اللہ تع

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۰۲ — ۴۳۷ — ۴۳۸ [2] ج ۴ ص ۱۵۱ طبع دہلی کتاب التفسیر شرح باب قولہ ان فی خلق السموات والارض الآیۃ

[3] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۴۱ و معالم ج ۲ ص ۳۲۶ و جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۷ کتاب التفسیر۔

فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ

میری راہ میں اور لڑے اور مارے گئے اتاروں گا ان سے برائیاں ان کی اور داخل کروں گا باغوں میں

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

جن کے نیچے بہتی ندیاں بدلا اللہ ہی کے یہاں سے اور اللہ کے یہاں ہے اچھا بدلا

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ

تو نہ بہک اس پر کہ آتے جاتے ہیں کافر شہروں میں یہ فائدہ ہے تھوڑا سا پھر ان کا ٹھکانہ

جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ

دوزخ ہے اور کیا بُری تیاری ہے لیکن جو لوگ ڈرتے رہے اپنے رب سے ان کو باغ ہیں جن کے

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِلْأَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

نیچے بہتی ندیاں رہ پڑے ان میں مہمانی اللہ کے یہاں سے اور جو اللہ کے یہاں ہے سو بہتر ہے نیک بختوں کو

نیک کاموں کا بڑا قدردان ہے۔ نیک کام خواہ کوئی مرد کرے یا عورت اللہ تعالیٰ ضرور اس کا اجر دے گا۔ حاکم نے اس شان نزول کو بخاری کی شرط کے موافق صحیح بتایا ہے[۱]۔

۱۹۶۔۱۹۸۔ اوپر کی آیتوں میں ذکر تھا کہ مخالف شریعت لوگوں کی تجارت بڑے ٹوٹے کی تجارت ہے کیونکہ دنیا چند روزہ ہے اس میں پھر چل کر ان لوگوں نے کچھ کما لیا تو بسبب مخالفت شریعت الٰہی کے پھر عقبیٰ کا ابدالآباد عذاب الٰہی ان کو بھگتنا پڑے گا۔ اس مطلب کی فہمایش کے لئے اللہ نے سورت کو اس مضمون پر ختم فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان لوگوں کی دنیا کی آسودگی بہت جلد جانے والی چیز ہے۔ پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے پھر فرمایا جو لوگ پابند شریعت الٰہی ہیں وہ بھی تجارت سے نفع دنیاوی اٹھاتے ہیں۔ لیکن ان میں یہ وصف ہے کہ دنیا کے پیچھے انہوں نے اپنے دین کو نہیں گنوایا۔ اس لئے ان کو عقبیٰ میں بڑی بڑی راحتیں ہیں جنت اور دوزخ کے طرح طرح کے حالات میں اس قدر کثرت سے حدیثیں ہیں جن کا بیان کرنا مشکل ہے اس لئے مختصر طور پر اتنا ذکر کر دینا کافی ہے کہ جنت کی نعمتوں کے باب میں تو ابوہریرہؓ کی حدیث قدسی صحیح بخاری و مسلم کی اوپر گذر چکی ہے کہ جنت کی نعمتوں کا تفصیلی حال نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا نہ ان کا تصور خیال کسی کے دل میں گذر سکتا ہے[۲]۔ اور دوزخ کے باب میں نعمان بن بشیرؓ سے صحیحین کی روایت ہے کہ کم سے کم دوزخ کا عذاب یہ ہوگا کہ آگ کی جوتیاں ان کم عذاب والے دوزخیوں کے پاؤں میں پہنا دی جائیں گی۔ جن سے ان کا بھیجا کھولنے لگے گا جس طرح دیگ میں پکتے وقت کوئی چیز کھولنے لگتی ہے[۳]۔ غرض خدا تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو ایسے عملوں کی توفیق دے جس سے ان کو دوزخ کی آفتوں سے بچنا اور جنت کی نعمتوں کو برتنا نصیب ہو۔ آمین یارب العالمین۔

۱؎ مستدرک ص ۳۰ ج ۲ کتاب التفسیر ۲؎ صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۶۰ و مسلم باب ما جاء فی صفۃ الجنۃ و انہا مخلوقۃ ۳؎ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۱ باب صفۃ الجنۃ والنار۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ

اور کتاب والوں میں بعضے وہ بھی ہیں جو مانتے ہیں اللہ کو اور جو اترا تمہاری طرف اور جو اترا ان کی طرف

خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ

عاجزی کرتے ہوئے اللہ کے آگے نہیں خریدکرتے اللہ کی آیتوں پر مول تھوڑا وہ جو ہیں ان کو ان کی مزدوری ہے

رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا

ان کے رب کے ہاں بے شک اللہ شتاب لیتا ہے حساب اے ایمان والو ثابت رہو اور مقابلہ میں مضبوطی کرو

وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

اور لگے رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے شاید تم مراد کو پہنچو۔

آیاتھا ۱۷۶ (۴) سُوْرَةُ النِّسَاۤءِ مَدَنِيَّةٌ (۹۲) رکوعاتھا ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا

اے لوگو ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے بنایا تم کو ایک جان سے اور اسی سے بنایا اس کا

۱۹۹ ــ ۲۰۰۔ مستدرک حاکم میں عبداللہ بن زبیرؓ سے اور نسائی میں حضرت انسؓ سے اور تفسیر ابن جریر میں حضرت جابرؓ سے جو روایت اس آیت کی شان نزول میں ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ نجاشی بادشاہ حبشہ کا جب انتقال ہو گیا تو آپ نے صحابہ کو ساتھ لے کر بقیع میں جا کر نجاشی کی صلوٰۃ الغائب پڑھی۔ بعضے منافقوں نے یہ چرچا کیا کہ نصرانی غلام حبشی کی نماز مسلمانوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں پڑھوائی اس چرچے کو غلط ٹھہرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1] حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ سب اہل کتاب ایک سے نہیں ہیں بعضے وہ ہیں کہ عہد کے بعد اللہ کے احکام کو بدلتے اور چھپاتے ہیں جن کا ذکر اوپر گذرا۔ اور بعضے وہ ہیں جو اللہ کی کتابوں پر پورا ایمان رکھتے ہیں جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے ساتھی اور نجاشی ان لوگوں کو اللہ اجر دے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نجاشی درپردہ مسلمان تھا۔ حاکم نے اس شان نزول کو صحیح بتایا ہے[2]۔

صحیح قول یہ ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری میں جو روایت[3] ہے اس میں حضرت عائشہؓ کے نکاح کے بعد اس سورت کا نازل ہونا پایا جاتا ہے۔ اور اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح ہجرت کے بعد مدینہ میں ہوا ہے۔

۱۔ تفسیر ابن جریر وغیرہ میں جو متعدد روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ آگے جو اس سورت کی آیتیں آتی ہیں

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۴۳ [2] تفسیر در منثور ج ۲ ص ۱۱۳ و تفسیر معالم ج ۲ ص ۳۲۹ [3] مستدرک حاکم ص ۲۰۰ ج ۲۔
[4] تفسیر در منثور ج ۲ ص ۱۱۶۔

زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ

جوڑا اور بکھیرے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کا واسطہ دیتے ہو آپس میں

بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ① وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا

اور خبردار ہو ناتوں سے اللہ ہے تم پر مطلع اور دے ڈالو یتیموں کو ان کے مال اور

تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ

بدل نہ لو گندا ستھرے سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ یہ ہے

حُوْبًا كَبِيْرًا ②

بڑا وبال ۔

ان میں اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے احکام قرابت کے ذکر فرمائے ہیں مثلاً قرابت دار ولی جن کی پرورش میں یتیم بچے ہوں۔ یتیموں کے مال کی بابت ان کو حکم فرمایا ہے یا کوئی شخص اگر مرجائے تو اس کا مال قرابت دار وارثوں میں کیونکر تقسیم ہونا چاہئے اس کا حکم فرمایا ہے پھر جب تک آدمی قرابت داروں کا پاس اور لحاظ پورا پورا نہ رکھے گا تو ان حکموں کی پابندی پوری پوری آدمی سے نہیں ہوسکتی۔ اس واسطے ان حکموں کے ذکر فرمانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قرابت داری کو اپنے نام پاک کے ساتھ اس آیت میں ذکر فرما کر قرابت داری کی پاس داری کا دھیان لوگوں کو دلا دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جس طرح لوگوں کو اللہ سے ڈرنا چاہئے اسی طرح قرابت داری کی فروگذاشت سے ڈرنا چاہئے۔ کس لئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے آدمی دوزخی ہوجاتا ہے اسی طرح قرابت داری کے شرعی برتاؤ میں کچھ فروگذاشت کرنے سے بھی آدمی دوزخی ہوجاتا ہے۔ صحیحین میں جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قرابت کے حق کو ادا نہ کرے گا وہ ہرگز جنت میں نہیں جائے گا[1]۔ اسی طرح صحیح بخاری[2] اور صحیح مسلم[3] میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رحم عرش معلّے میں لٹکا ہوا ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ یا اللہ جو شخص صلہ رحمی کرے اس پر رحم فرما اور جو قطع رحمی کرے اس کو کاٹ ڈال۔ اس باب میں اور بھی صحیح حدیثیں ہیں غرض آگے جو احکام آتے ہیں ان کی تعمیل کی تاکید میں یہ آیت اللہ تعالیٰ نے بطور پیش بندی کے نازل فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ اصل پیدائش انسان کی ایک ماں باپ سے ہے اس سے یہ مطلب ہے کہ آپس کے سلوک میں اول تو اصل پیدائش کو ہرگز نہیں بھولنا چاہئے یہ خیال کرنا چاہئے کہ جب اس اصل پیدائش کے ساتھ اور قرابت قریبہ مل جائے۔ تو آپس کے سلوک کی تاکید اور بڑھ جاتی ہے۔ رقیب کہتے ہیں اس کو جو ہر طرح کی خبر رکھے۔

۲۔ تفسیر خازن وغیرہ میں جو سعید بن جبیر کی معتبر سند سے روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ غطفان قبیلہ میں ایک شخص

---

[1] صحیح بخاری ص ۸۸۵ ج ۲ باب اثم القاطع و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۵ [2] ج ۲ ص ۸۸۶ باب من وصل وصلہ اللہ۔ [3] ج ۲ ص ۳۱۵ باب صلۃ الرحم و تحریم قطیعتہا۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ

اور اگر ڈرو کہ انصاف نہ کرو گے یتیم لڑکیوں کے حق میں تو نکاح کرو جو تم کو خوش آئیں عورتیں

مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ

دو دو تین تین اور چار چار پھر اگر ڈرو کہ برابر نہ رکھو گے تو ایک ہی یا جو اپنے ہاتھ کا مال ہے

اَیْمَانُکُمْ ؕ ذٰلِکَ اَدْنٰۤی اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ ﴿۳﴾

اس میں لگتا ہے کہ ایک طرف نہ جھک پڑو ؛

کے پاس اس کا یتیم بھتیجا پرورش پاتا تھا۔ جب وہ لڑکا ہوشیار ہوا تو اس نے اپنے باپ کا مال چچا سے مانگا چچا نے مال کے دینے سے انکار کیا۔ یہ جھگڑا آنحضرت کے پاس آیا۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1] تو اس آیت کا حکم سُن کر چچا نے اپنے بھتیجے کو مال دے دیا اور اس لڑکے نے وہ سب مال خیرات کر دیا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹے کو خیرات کا اجر ملا اور باپ پر مال کے جمع کرنے کا وبال باقی رہا۔ اور اکثر رشتہ دار لوگ یتیموں کا اچھا مال رکھ کر اس کے عوض میں اپنا ناکارہ مال یتیموں کو دے دیتے تھے یا کھا جاتے تھے۔ ان دونوں باتوں سے بھی اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں منع فرمایا۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا یتیم کا مال کھا جانا۔ شرک کرنا۔ جادو کرنا۔ کسی کو ناحق قتل کرنا۔ جہاد سے بھاگنا۔ پارسا عورتوں پر بدکاری کا بہتان باندھنا۔ سود کھانا۔ یہ سات بڑے گناہ ہیں۔ جن سے آدمی ہلاک ہو جاتا ہے[2]۔ ان سے بچو۔ حوب کے معنے گناہ کے ہیں ؛

۳۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ عروہ ابن زبیرؓ نے عائشہ صدیقہؓ سے اس آیت کی شان نزول پوچھی تھی حضرت عائشہ نے فرمایا کہ اے میرے بھانجے بعضے یتیم لڑکیاں لوگوں کی پرورش میں ہوتی تھیں وہ لوگ ان لڑکیوں کو مالدار اور قبول صورت دیکھ کر ان کے مال اور جمال پر گرویدہ ہو جاتے تھے اور پہلے تو ان لڑکیوں سے نکاح کر لیتے تھے پھر ان کو گھر کی لڑکیاں سمجھ کر پرائے گھر کی لڑکیوں جیسے ان کے حق ادا نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں اس سے منع فرمایا اور فرما دیا کہ ایسی صورت میں ایک سے لے کر چار تک تم پرائے گھر کی لڑکیاں کیا کرو تاکہ ان کے حق ادا کرنے پر تم کو پرائے گھر کی شرم دامن گیر ہو۔ چار سے زیادہ عورتوں کے نکاح میں رکھنے کی حرمت پر حدیثیں وارد ہیں اس لئے شیعہ یا جو اور لوگ چار سے زیادہ عورتیں منکوحہ رکھنے کے قائل ہیں ان کا قول ان حدیثوں کے مخالف ہے۔ چنانچہ ترمذی میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ غیلان بن سلمۃ ثقفی جب مسلمان ہوئے تو ان کی دس بیبیاں تھیں وہ سب ان کے ساتھ مسلمان ہو گئیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیلان سے فرمایا چار عورتوں

---

[1] تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۴۱ ۳ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۸ کتاب الوصایا و صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۴ باب الکبائر و اکبرھا و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۵۶
[3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۸ کتاب النکاح، ص ۶۶۳ کتاب التفسیر، و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۹ ؛

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا

اور دے ڈالو عورتوں کو مہر ان کے خوشی سے پھر اگر وہ اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تم کو دل کی خوشی سے

فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــٴًـا مَّرِیْٓــٴًـا ﴿۴﴾ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ

تو وہ کھاؤ رچتا پچتا اور مت پکڑا دو بے عقلوں کو اپنے مال جو اللہ نے بنائے

لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۵﴾

تمہاری گزران اور ان کو اس میں کھلاؤ اور پہناؤ اور کہو ان سے بات معقول

کو ان میں سے تم رکھ لو۔ باقی کو چھوڑ دو[1] اور ابو داؤد میں حارث بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ مسلمان ہوئے تو ان کی آٹھ بیبیاں تھیں۔ ان کو بھی آنحضرت ﷺ نے وہی حکم فرمایا جو حکم غیلان رضی اللہ عنہ کو دیا تھا[2]۔ غیلان بن سلمہ رضی اللہ عنہ اور حارث بن قیس رضی اللہ عنہ کی روایتیں حسن اور قابل حجت ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ جس طرح آپ نے لوگوں کے پاس ایک ساتھ دو بہنوں کو پاکر ایک کو ان میں سے چھوڑوا دیا ہے جس کی روایت معتبر سند سے مسند امام احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے[3] اسی طرح آپ نے چار سے زیادہ عورتوں کو چھوڑوا دیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حرمت میں یہ دونوں امر برابر ہیں آخر آیت میں فرمایا کہ زیادہ بیبیاں کرنے میں تم کو یہ ڈر ہو کہ تم نان و نفقہ وغیرہ میں ان کے ساتھ انصاف سے نہ پیش آسکو گے تو نہ چار کرو نہ تین نہ دو۔ بلکہ ایک ہی بی بی۔ یا لونڈی پر قناعت کرو تاکہ تم پر بار کم ہو اور جس بے انصافی کا خطرہ ہے وہ پیش نہ آئے ؛

۴۔ صحیحین وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ نکاح کے باب میں اسلام سے پہلے طرح طرح کے رواج تھے یہ آیت نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے اسلام میں جن کو بند فرما دیا ایک رواج تو یہ تھا کہ جب کوئی یتیم لڑکی ایسی مالدار یا خوبصورت نہ ہوتی کہ پرورش کرنے والا قرابت دار خود اس سے نکاح کرنے پر مائل ہو تو ایسی حالت میں وہ ولی پرورش کرنے والا۔ اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر دیتا تھا۔ مگر یہ نکاح اس طرح بے دلی سے کیا جاتا تھا کہ ماں باپ والی لڑکی کی طرح اس کا مہر نہیں باندھا جاتا تھا جو قدر قلیل مہر ٹھہر جاتا تھا۔ وہی کافی خیال کیا جاتا تھا۔ اور کبھی کبھی اس طرح کی لڑکی کو بلا مہر کے ایک اونٹ پر بٹھا کر خاوند کے گھر بھیج دیا جاتا تھا۔ کبھی کسی خاندان میں اپنی لڑکی بلا مہر بیاہی جاکر نکاح کے وقت یہ شرط ٹھہر جاتی تھی کہ اس خاندان کی ایک لڑکی ہم بھی بلا مہر لیویں گے۔ اسی کو نکاح شغار کہتے ہیں اور نکاح کے بعد عورت اگر اپنا سارا مہر یا اس کا کوئی حصہ معاف کر دیوے تو اس کو بھی جائز نہیں خیال کیا جاتا تھا۔ اور پرورش کرنے والے مہر لے کر خود رکھ لیتے تھے۔ لڑکی کو اس میں سے کچھ نہیں دیتے تھے ؛

۵۔ یہاں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ و سعید بن جبیر میں اختلاف ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی شان نزول یہ فرماتے

---

[1] جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۴۳ باب ما جاء فی الرجل یسلم وعندہ عشر نسوۃ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۵۰ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۵۱ و سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۰۴ باب فی من اسلم وعندہ نساء اکثر من اربع [3] ج ۱ ص ۱۴۳ باب ما جاء فی الرجل یسلم وعندہ اختان ؛

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا

اور سدھاتے رہو یتیموں کو جب تک پہنچیں نکاح کی عمر کو پھر اگر دیکھو ان میں ہوشیاری تو حوالے کرو

اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ

ان کے مال اور کھا نہ جاؤ ان کو اڑا کر اور گھرا کر کہ یہ بڑے نہ ہو جائیں اور جو کوئی

غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ

محفوظ ہے تو چاہئے کہ بچتا رہے اور جو کوئی محتاج ہے تو کھائے موافق دستور کے پھر جب ان کو حوالے کرو

اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶

ان کے مال تو شاہد کرلو اس پر اور اللہ بس ہے حساب سمجھنے والا

ہیں کہ جس شخص کی بی بی بدسلیقہ ہو یا اولاد بدخرچ اور بے وقوف ہو تو ایسی بی بی بچوں کے ہاتھ میں خرچ نہ دینے کے لئے یہ آیت اتری ہے، اور سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ نہیں جو یتیم بے وقوف ہوں ان کا مال ان کے ہاتھ میں نہ سونپ دینے کے لئے یہ آیت اتری ہے۔ لیکن اصل میں اس آیت کا حکم عام ہے ہر طرح کے بے وقوف کو شامل ہے اور حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ بدسلیقہ خواہ بی بی بچے ہوں یا یتیم مال ان کے حوالہ نہ کیا جائے ہاں ان کو اس مال میں سے کھلانا پہنانا چاہئے اور ان سے اس طرح کی فہمایشی کی باتیں کہہ دینی چاہئیں جس سے ان کا دل خوش ہو مال کو گذران اس لئے فرمایا کہ اس سے ہر طرح کا کام چلتا ہے۔

۶۔ تفسیر خازن وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص رفاعہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں انتقال ہوا رفاعہ کے بھائی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آن کر مسئلہ پوچھا کہ رفاعہ کا بیٹا ثابت میری پرورش میں ہے اس کا مال جو اس کا باپ چھوڑ مرا ہے کب اس کے حوالہ کیا جائے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1]۔ حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ یتیم لڑکا لڑکی جب بالغ ہو جائیں اور ان کی عقل بھی ترکہ کا مال سنبھالنے کے قابل نظر آئے اس وقت ان کا مال ان کے حوالہ کر دیا جائے اور غنی پرورش کرنے والا قرابت دار یتیم کے مال میں سے کچھ خرچ نہ کرے البتہ محتاج پرورش کرنے والا قرابت دار ضروری اپنا ذاتی خرچ یتیم کے مال میں سے چلالیا کرے اور یتیم کو جب مال حوالہ کیا جائے تو دو گواہوں کے روبرو حوالہ کیا جایا کرے تاکہ آیندہ کو جھگڑا نہ پڑے بعضے علما نے لڑکا لڑکی کی عقل اور ہوشیاری آزمانے کی یہ صورت بیان کی ہے کہ پہلے ان کو تھوڑا سا مال دے کر ان کا کام کاج دیکھا جائے اور اس سے انکی ہوشیاری کا اندازہ کیا جائے۔ بالغ ہونے کی علامت زیر ناف کے بال اور احتلام ہے۔

[1] تفسیر معالم ج ۲ ص ۳۵۰۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ

مردوں کو بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور ناتے والے اور عورتوں کو بھی حصہ ہے

مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿٧﴾

اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور ناتے والے اس تھوڑے میں یا بہت میں حصہ مقرر کیا ہوا

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَ

اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت ناتے والے اور یتیم اور محتاج تو ان کو کچھ کھلا دو اس میں سے اور

قُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٨﴾

کہو ان کو بات معقول

۷۔ ابن حبان نے کتاب الفرائض صحیح ابن حبان میں اور ابوالشیخ نے اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ لڑکوں کے قرابت دار مردے کے مال میں سے لڑکیوں کو حصہ نہیں دیتے تھے۔ اور لڑکوں کو بھی حد بلوغ تک پہنچنے سے پہلے حصہ سے محروم رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ مردے کے مال میں سے حصہ پانے کا وہی حق دار ہے جو لڑائی بھڑائی کے کام کا ہو اسلام کے بعد ایک شخص اوس بن ثابتؓ انصاری نے وفات پائی تین لڑکیاں اور ایک بی بی ام کجہ اوس بن ثابتؓ کے وارث اگرچہ موجود تھے لیکن اوس بن ثابتؓ کے چچازاد بھائی سوید اور عرفطہ نے سب مال اوس بن ثابتؓ کا لے لیا اور اوس بن ثابتؓ کی بی بی اور لڑکیوں کو کچھ نہ دیا۔ اوس بن ثابتؓ کی بی بی ام کجہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ماجرے کا ذکر کیا۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ مگر یہ آیت مجمل تھی اس سے اسی قدر معلوم ہوتا تھا کہ جاہلیت کا دستور اللہ کو ناپسند ہے بی بی اور لڑکیوں کا حصہ خاوند اور باپ کے مال میں ہونا چاہئے لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ حصہ کس قدر ہے اس لئے اللہ تعالےٰ نے بطور تمہید کے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور آگے کی آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ میں ہر ایک کے حصہ کی تفصیل نازل فرمائی؎

۸۔ اس آیت کے منسوخ ہونے اور نہ ہونے میں صحابہ اور تابعین کا بڑا اختلاف ہے یہاں تک کہ امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی اس باب میں دو روایتیں آئی ہیں۔ ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت یوصیکم اللہ سے منسوخ ہے اور دوسری روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ منسوخ نہیں ہے اور رفع اس اختلاف کا یہی ہے کہ منسوخ نہ ہونے کی روایت بہ نسبت منسوخ ہونے کی روایت کے زیادہ قوی ہے چنانچہ اسی وجہ سے امام بخاری نے صحیح بخاری میں بوجہ ثقاہت راویوں کے منسوخ نہ ہونے کی روایت کو لیا ہے دوسری روایت کو نہیں لیا۔ اور اس صورت میں معنے اس آیت کے آیت یوصیکم اللہ کے ساتھ ملا کر یہ ہوں گے کہ آیت یوصیکم اللہ سے جن قرابت داروں کے حصہ قرار پائے ہیں ان قرابت داروں کے ماسوا جو اور ایسے قرابت دار ہیں جن کا کچھ حصہ مقرر نہیں ہے ان کا اس

؎ لباب النقول فی اسباب النزول للسیوطی ص ۵۸ طبع مصر ۱۹۳۵ء و معالم ج ۲ ص ۵۶ ۳ سے ج ۲ ص ۵۸ ۶ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۵۵؎

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ ص

اور چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ اللہ سے کہ اگر چھوڑیں اپنے پیچھے اولاد ضعیف تو خطرہ کھائیں ان پر

فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ

تو چاہیے ڈریں اللہ سے اور کہیں بات سیدھی جو لوگ کھاتے ہیں مال یتیموں کے

ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾

ناحق وہی کھاتے ہیں اپنے پیٹ میں آگ اور اب پیٹھیں گے آگ میں

ع ۱۰ / ۱۲

آیت میں ذکر ہے کہ تقسیم مال کے وقت ان کو کھانا کھلایا جائے۔ یا کچھ دے دیا جائے اور زیادہ نہ دینے کا عذر نرم لفظوں میں کر دیا جائے اس وجہ سے دونوں آیتوں کا حکم اپنی اپنی جگہ قائم ہے ایک حکم دوسرے حکم سے منسوخ نہیں ہے چنانچہ بعضی روایتوں میں خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان معنوں کی صراحت فرمائی ہے[1]۔

۹-۱۰۔ علمائے مفسرین نے اس آیت کی شان نزول دو طرح بیان کی ہے بعضے کہتے ہیں کہ قریب المرگ بیمار کے پاس اوپر والے لوگ بیمار کو ایسی صلاحیں دیا کرتے تھے کہ حق دار وارثوں کا حق مار کر غیروں کے نام تہائی سے زیادہ نام نمود کے لئے وصیت کرے ان کی ممانعت میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اور اس طرح کے صلاح کاروں کو ڈرایا ہے کہ صلاح نیک دو آج دوسروں کی اولاد کا حق مارا جانے کی صلاح دو گے تو کل تمہاری اولاد کے لئے بھی یہی دن پیش آنے والا ہے۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ یتیموں کے بڑے بوڑھے یتیموں کو اور یتیموں کے مال کو بے احتیاطی سے رکھتے تھے ان کے ڈرانے کو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے کہ کل کو تمہاری اولاد بھی یتیم ہونے والی ہے دوسروں کی یتیم اولاد کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھو اور اپنی اولاد کا یہ دن یاد کرو رفع اس اختلاف کا یہی ہے کہ آیت عام ہے دونوں حکموں کو شامل ہے چنانچہ خود امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دونوں شان نزول کی روایتیں ہیں۔ صحیح ابن حبان میں ابی برزہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا کہ قیامت کے دن ایک گروہ خلقت کا قبروں سے جب اٹھے گا تو ان کے منہ اور آنکھ ناک کانوں سے آگ کے شعلے نکلتے ہوں گے صحابہ نے پوچھا کہ حضرت وہ کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا یتیموں کا مال کھانے والے[2]۔ اور وصیت میں بے احتیاطی کی ممانعت کی یہ حدیث ترمذی[3] اور ابوداؤد کے حوالہ سے اوپر سورۂ بقرہ[4] میں گذر چکی ہے کہ بعضے لوگ ساری عمر نیک عمل کر کے آخر وقت وصیت میں بے احتیاطی کرتے ہیں جس سے ان کے سارے نیک عمل ضائع ہو جاتے ہیں بعضے مفسروں نے یہ جو وہم کیا ہے کہ آیت وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ[5] سے آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ

---

[1] تفسیر در منثور ج ۲ ص ۱۲۳۔ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۵۴۔ [3] جامع ترمذی ج ۲ ص ۳۳ کتاب الوصایا و ابوداؤد ج ۲ ص ۳۹ باب فی کراھیۃ الاضرار فی الوصیۃ بروایت ابی ہریرہؓ۔ [4] وَلَا نَزَلَتْ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۸۲)

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً

حکم کرتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد میں مرد کو حصہ برابر دو عورتوں کے پھر اگر نری عورتیں ہوں

فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ

دو سے اوپر تو ان کو دو تہائیاں جو چھوڑ مرا اور اگر ایک ہے تو اس کو آدھا

وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن

اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو دونوں میں چھٹا حصہ جو چھوڑ مرا اگر میت کی اولاد ہے پھر اگر

لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ

اس کو اولاد نہیں اور وارث ہیں اس کے ماں باپ تو اس کی ماں کو تہائی پھر اگر میت کے کئی بھائی ہیں تو اس کی ماں

السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا

کو چھٹا حصہ بعد وصیت کے جو دلوا مرا یا قرض کے تمہارے باپ اور بیٹے تم کو معلوم نہیں

تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ⑪

کون ستا ب پہنچے ریں تمہارے کام میں حصہ باندھا اللہ کا ہے اللہ خبردار ہے حکمت والا

اَسْعُوک الیتا می ظلماً۔ منسوخ ہے یہ وہم بالکل غلط ہے یتیم کا مال کھانا کسی طرح جائز نہیں ہے اور نہ آیت وان تخالطوھم کا مطلب یہ ہے کہ یتیم کا مال کھانا جائز ہے بلکہ اس آیت کا مطلب تو اسی قدر ہے کہ یتیم کے خرچ سے یتیم کے کھانے کے موافق آٹا دال وغیرہ جنس میں ملا کر پکا سکتے ہو غرض یتیم کے مال کی بابت جب اللہ تعالیٰ نے سخت اور تشدد کے احکام نازل فرمائے تو لوگ بہت ڈر گئے تھے۔ اور جن لوگوں کی پرورش میں یتیم تھے انہوں نے یہاں تک احتیاط کی کہ یتیموں کا کھانا بھی الگ پکوانے لگے اس میں ایک طرح کا حرج تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آیت وان تخالطوھم سے صرف اس حرج کو رفع فرما دیا ہے کسی حکم کی منسوخی اس آیت سے نہیں فرمائی ہے اوپر حضرت ابوہریرہ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یتیم کے مال کھا جانے کو بڑا گناہ فرمایا ہے۔ اس سے ابن حبان کی روایت کی تائید ہوتی ہے ؛

۱۱ ۔ صحاح ستہ اور مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت جابرؓ سے ان آیات کی شانِ نزول جو بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ خود حضرت جابرؓ بیمار تھے آنحضرت ان کی خیروعافیت کی خبر کو تشریف لائے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی آنحضرت کے ساتھ تھے اتنے میں حضرت جابرؓ کو غش آ گیا۔ آنحضرت نے ان کا یہ حال دیکھ کر پانی منگوا کر وضو کیا اور وضو کا بچا ہوا پانی حضرت جابرؓ پر چھڑکا۔ جس سے حضرت جابرؓ کو ہوش آیا۔ اور حضرت جابرؓ نے اپنے مال کی تقسیم کی بابت آنحضرت سے مسئلہ پوچھا۔ اسی طرح سعد بن ربیعؓ کی بی بی نے بھی آنحضرت سے فریاد کی تھی کہ سعد بن ربیعؓ کے بھائی نے سب مال سعدؓ کا لے لیا ہے۔ سعد بن ربیعؓ کی دونوں بیٹیوں کو

ل یعنی سورۃ النساء کے شروع میں آیت نمبر (۲) ۲ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۸ کتاب التفسیر و کتاب الفرائض ص ۹۹۵ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۵۷

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ

اور تم کو آدھا مال جو چھوڑ مریں تمہاری عورتیں اگر نہ ہوں ان کی اولاد پھر اگر ان کی اولاد ہے

وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَ

تو تم کو چوتھائی مال جو چھوڑا بعد وصیت کے جو دلوا مریں یا قرض کے اور

لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ

عورتوں کو چوتھائی مال جو چھوڑ مرو تم اگر نہ ہو تم کو اولاد پھر اگر تم کو اولاد ہے تو ان کو

الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ

آٹھواں حصہ جو کچھ تم نے چھوڑا بعد وصیت کے جو تم دلوا مرو یا قرض کے اور اگر جس

رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا

مرد کی میراث ہے باپ بیٹا نہیں رکھتا یا عورت ہو اور اس کا ایک بھائی ہے یا بہین تو دونوں میں ہر ایک کو

کچھ نہیں دیا۔ اورام کجہ نے فریاد کی تھی جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے[1]۔ اس طرح کی تقسیم کے سوالات پیش آنے سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور طرح طرح کے حصوں کو اس آیت اور اس کے مابعد کی آیت اور آخر سورت کی آیت میں بیان فرمایا۔ منجملہ اس کے اس آیت میں دو میراثیں بیان فرمائیں اولاد کی اور ماں باپ کی۔ اولاد میں اگر لڑکے لڑکیاں دونوں ہوں تو لڑکوں کا دوہرا حصہ ہے اور لڑکیوں کا اکہرا اور اگر میت کا کوئی لڑکا نہ ہو بلکہ فقط ایک لڑکی اولاد میں ہو تو آدھا مال لیوے اور کئی لڑکیاں ہوں تو دو تہائی مال برابر بانٹ لیں۔ اگر میت کی اولاد ہے یا ایک سے زیادہ بھائی بہین ہیں تو ماں کا چھٹا حصہ اور دونوں نہیں تو تہائی اسی طرح میت کی اگر اولاد ہے تو باپ کا چھٹا حصہ ہے۔ اور اولاد نہیں ہے تو ماں کو تہائی مال دیا جا کر باپ کو باقی سب مال مل جائے گا۔ میت نے کچھ وصیت کی ہو یا اس کے ذمہ کچھ قرض ہو تو اجرائے وصیت اور ادائے قرضے کے بعد یہ حصے ہوں گے۔ آخر آیت کا یہ مطلب ہے کہ میت کا نفع ماں۔ باپ اور بیٹے دونوں سے متعلق ہے اس لئے وہ طریقہ جس میں مال بغیر وصیت کے فقط بیٹے کو ملتا تھا۔ اور وصیت ماں باپ کے لئے ہوتی تھی۔ آیندہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے موقوف کر دیا ہ

۱۲۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ بی بی کے مال میں شوہر کا آدھے مال کا حصہ ہے جب کہ بی بی کے اولاد نہ ہو اور اگر اس شوہر یا اور شوہر سے اولاد ہو تو شوہر کا چوتھائی مال کا حصہ ہے۔ اسی طرح شوہر کے مال میں بی بی کا چوتھائی مال کا حصہ ہے جب کہ شوہر کے کوئی اولاد نہ ہو اور اگر اولاد ہو تو بی بی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ اب میاں بی بی کے میراث کے بعد آیت میں بھائی بہین کی میراث کا جو ذکر ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ باپ اور بیٹے کے ساتھ بھائی بہین کو کچھ نہیں ملتا جب باپ اور بیٹا نہ ہوں تو میت کے بھائی بہین کی یہ صورت ہے کہ اگر وہ بھائی بہین سگے ہوں یا فقط باپ

[1] یعنی اسی سورت کی آیت (۷) میں۔ [2] بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۷ و لباب النقول ص ۵۸-۵۹۔

السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ
چھٹا حصہ پھر اگر زیادہ ہوئے اس سے تو سب شریک ہیں ایک تہائی میں بعد وصیت کے

يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿١٢﴾
جو ہو چکی ہے یا قرض کے جب اوروں کا نقصان نہ کیا ہو یہ حکم رکھا اللہ نے اور اللہ سب جانتا ہے تحمل والا

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
یہ حدیں باندھی اللہ کی ہیں اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور رسول کے اس کو داخل کرے باغوں میں جنکے نیچے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٣﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ
بہتی ندیاں وہ پڑے رہے ان میں اور یہی ہے بڑی مراد ملنی اور جو کوئی بے حکمی کرے اللہ کی

میں شریک ہوں تو اُن کا حصہ مثل میت کے اولاد کے دوہرا اور اکہرا ہے۔ لیکن ان کے حصہ کا ذکر اس آیت میں نہیں ہے بلکہ اس آیت میں فقط ان بھائی بہن کے حصہ کا ذکر ہے جو ماں میں شریک ہیں کہ ایک کو ان میں سے چھٹا حصہ ہے اور زیادہ کو تہائی اور اکثر علماء کا قول ہے کہ جس میت کا باپ بیٹا دونوں میں سے کوئی نہ ہو اس کو کلالہ کہتے ہیں۔ شروع رکوع سے یہاں تک حصہ داروں کا بیان ہوا۔ آدھا۔ پاؤ۔ آٹھواں۔ تہائی دو تہائی۔ چھٹا۔ یہ حصے ہیں جو ان حصہ داروں کو مل سکتے ہیں اگر ان حصوں میں کچھ خلل تقسیمی پڑ جائے تو تہائی یا چھٹا حصہ مقررہ حصہ پر بڑھا لیتے ہیں جس کو عول کہتے ہیں زیادہ تفصیل اس کی فرائض کی کتابوں میں ہے۔ اب حصہ داروں کے سوا اور قسم کے وارث ہیں جن کو عصبہ کہتے ہیں ان کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ لیکن اگر حصہ دار نہ ہوں تو عصبہ سب مال لے لیتا ہے اور کبھی عصبہ کو حصہ داروں سے بچا ہوا سب مل جاتا ہے جیسے اوپر گذرا کہ میت کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ ہوں تو ماں کو تہائی مال۔ دیا جا کر باقی سب مال باپ کو مل جاتا ہے۔ اگر حصہ دار اور عصبہ دونوں نہ ہوں تو تیسری قسم ذوی الارحام کی ہے وہ ایسے قرابت دار ہیں جن میں عورت کا واسطہ ہے جیسے نانا یا نواسا ان کا حساب بھی عصبہ کا سا ہے زیادہ تفصیل ان سب مسائل کی فرائض اور فقہ کی کتابوں میں ہے۔ وصیت میں نقصان کی دو صورتیں ہیں یا تو یہ کہ تہائی سے زیادہ وارثوں کے سوا کسی اجنبی شخص کے نام وصیت کرائی جائے یا یہ کہ جس وارث کا حصہ معین ہے اس کو اپنی طرف سے رعایت کر کے کچھ زیادہ کی وصیت کر دے۔ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں یہ ہے کہ بعضے آدمی عمر بھر اچھے کام کرتے ہیں اور آخر عمر میں خلاف شریعت وصیت کر کے اپنی عقبیٰ بگاڑ لیتے ہیں[1]۔ اس حدیث کی سند میں شہر بن حوشب ہے جن کا حال اوپر ایک جگہ گذر چکا ہے[2] اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

۱۳ ۱۴۔ لفظ تلک سے ان احکام کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو شروع سورت سے یہاں تک نکاح، یتیموں کے مال، میراث، اور وصیت کے باب میں گذرے ہیں اور ان احکام کا نام حدود اس لئے فرمایا کہ ان کی پابندی اور ترک پابندی پر

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۳۲ کتاب الوصایا و ابوداؤد ج ۲ ص ۳۹۶ [2] یعنی سورت بقر کی دو آیت (۱۸۲)

وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ

اور رسول کی اور بڑھے اس کی حدوں سے اس کو داخل کرے آگ میں رہ پڑے اس میں اور اس کو ذلت

مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ

کی مار ہے اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں تو شاہد لاؤ ان پر

اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ

چار مرد اپنے پھر اگر وہ گواہی دیں تو ان کو بند رکھو گھروں میں جب تک بھر لے ان کو

الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ

موت یا کردے اللہ ان کی کچھ راہ اور جو دو کرنے والے کریں تم میں سے وہی کام تو ان کو ستاؤ

فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾

پھر اگر توبہ کریں اور سنوار پکڑیں تو ان کا خیال چھوڑ دو اللہ توبہ قبول کرتا ہے مہربان

جنت کے وعدے اور دوزخ کے وعید کو مختصر فرمایا ہے لیکن باوجود اس وعدہ اور وعید کے اس آخری زمانہ میں ان حدود اللہ کے اکثر لوگ پابند نہیں ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو اپنے احکام کی پابندی کی توفیق عنایت فرمائے۔

۱۵ — ۱۶۔ معتبر سند سے مسند بزار میں حضرت امام المفسرین عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سورہ نور کی آیت الزانیۃ والزانی کے نازل ہونے تک بدکار عورت کو بدکاری سے باز رکھنے کے لئے گھر میں تازیست بند رکھنے کا حکم تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ سورہ نور میں کنوارے مرد عورت کے لئے سو کوڑے مارنے اور سال بھر کی جلاوطنی کا اور بیاہے ہوئے مرد عورت کے لئے سنگسار کرنے کا حکم نازل فرمایا۔ اسی طرح مسند امام احمدؒ صحیح مسلم اور سنن میں عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سورہ نور کی آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی عورتوں کے تازیست گھر میں بند رکھنے کی بجائے اللہ تعالیٰ نے کنوارے مرد و عورت کے لئے سو کوڑے اور برس دن کی جلاوطنی کا اور بیاہے ہوئے مرد و عورت کے لئے سو کوڑے اور سنگسار کرنے کا حکم نازل فرما دیا اس حکم کو یاد کر لو۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے[1]۔ سنگساری کے ساتھ کوڑوں کا حکم اس حدیث میں جو ہے امام احمدؒ کا عمل بھی اس کے موافق ہے۔ باقی ائمہ کا اس میں اختلاف ہے۔ اسی طرح برس دن کی جلاوطنی کو امام ابو حنیفہؒ نے حاکم کی رائے پر منحصر رکھا ہے[2]۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ سورہ نور کی آیت سے یہ آیت منسوخ ہے یا نہیں ظاہر یہی ہے کہ یہ صورت ناسخ منسوخ کی نہیں۔ کیونکہ یہ آیت سرے سے ایک مدت معینہ کے عمل کے لئے تھی۔ منسوخ تو وہ ہے کہ بلا قید مدت کے ایک حکم نازل ہو اور پھر دوسرے حکم سے اس پہلے حکم کا عمل موقوف کر دیا جائے آیت کے دوسرے ٹکڑے میں یہ جو فرمایا کہ "جو دو کرنے والے کریں تم میں

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۵ باب حد الزنا و جامع ترمذی ص ۲۰۷ ج ۱ باب ما جاء فی الرجم و ابوداؤد ج ۲ ص ۲۰۶ باب فی الرجم و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۶۲ [2] دوسرے تقریباً سب ہی اماموں کا مسلک اوپر کی حدیث کے موافق ہے اور وہی درست اور راجح ہے پوری بحث کے لئے دیکھئے نیل الاوطار ج ۷ ص ۲۵۲ — ۲۵۳ طبع منیریہ مصر۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾

توبہ قبول کرنی اللہ کو ضرور سو ان کی جو کرتے ہیں برا نادانی سے پھر توبہ کرتے ہیں شتاب سے تو ان کو اللہ معاف کرتا ہے اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا اور ان کی توبہ نہیں جو کرتے جاتے ہیں بُرے کام جب تک سامنے آئے ایسے کسی کو موت کہنے لگا میں نے توبہ کی اب اور نہ ان کو جو مرتے ہیں کفر میں ان کے واسطے ہم نے تیار کی دُکھ کی مار

وہی کام تو ان کو ستاؤ" اس کی تفسیر میں مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ بدفعلی ہے جو دو مرد آپس میں کریں۔ حد کے نازل ہونے سے پہلے ان کے ستانے کا حکم تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ ان کو توبہ کرنے سے پہلے زبانی جھڑک دیا جائے اور کچھ معمولی مارپیٹ کر دی جائے اب حد کے نازل ہو جانے کے بعد بعضے سلف تو ان کے حق میں حد زنا کے قائل ہیں۔ ایک قول کے موافق امام شافعی کا مذہب بھی یہی ہے۔ اور بعضے حد قتل کے اور بعضے آگ میں جلانے یا بلند جگہ پر سے دھکا دے کر گرا دینے کے قائل ہیں حد قتل کے باب میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک مرفوع روایت بھی مسند امام احمدؒ ترمذی ابو داؤد ابن ماجہ مستدرک حاکم اور بیہقی میں[1] اور ایک روایت ابوہریرہؓ سے ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ہے۔ لیکن علماء نے ان حدیثوں میں طرح طرح کا کلام کیا ہے ہاں اتنی بات ہے کہ اس باب کی سب روایتوں کو ملایا جائے تو اس حکم کو ایک طرح کی قوت ہو جاتی ہے اسی واسطے ایک روایت کے موافق امام شافعی کا مذہب یہی قرار پایا ہے۔[2]

۱۷-۱۸۔ اوپر کی آیت میں توبہ کا ذکر تھا۔ اس لئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کے قبول ہونے اور نہ ہونے کا ذکر فرمایا اوپر گذر چکا ہے کہ توبہ کے قبول ہونے کا وقت وہی ہے کہ آدمی گناہ کر کے اضطرار کی حالت سے پہلے توبہ کرلے ورنہ موت کے آثار پیدا ہو جانے اور اضطرار کی حالت پیش آجانے کے وقت کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اضطرار کی حالت کے پیش آجانے کا یہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح فرعون نے بالکل ڈوبتے وقت توبہ کی اور قبول نہ ہوئی اسی طرح خرا ٹا لگ جانے اور دم اکھڑ جانے کے وقت کوئی شخص توبہ کرے گا تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی چنانچہ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث

[1] جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۷۰، باب ما جاء فی حد اللوطی و سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۱۳ باب فیمن عمل عمل قوم لوط و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۶۳ و ابن ماجہ ص ۱۸۰ باب من عمل عمل قوم لوط بروایت ابن عباسؓ و ابی ہریرہؓ۔

[2] پوری مدلل بحث کے لئے دیکھئے نیل الاوطار ج ۷ ص ۲۸۷-۲۸۸ طبع منیریہ مصر۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ

اے ایمان والو حلال نہیں تم کو کہ میراث میں لے لو عورتوں کو زور سے اور نہ ان کو بند کرو

لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَ

کہ لے لو ان سے کچھ اپنا دیا مگر یہ کہ وہ کریں بے حیائی صریح اور

عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا

گزران کرو عورتوں کے ساتھ معقول پھر اگر وہ تم کو نہ بھاویں تو شاید تم کو نہ بھاوے ایک چیز

وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ

اور اللہ نے رکھی ہو اس میں بہت خوبی اور اگر بدلا چاہو ایک عورت کی جگہ دوسری عورت

وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا

اور دے چکے ہو ایک کو ڈھیر مال تو پھیر نہ لو اس میں سے کچھ کیا لیا چاہتے ہو ناحق

وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ

اور صریح گناہ سے اور کیوں کر اس کو لے سکو اور تحقیق پہنچ چکا ایک دوسرے تک اور لے چکیں

مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾

تم سے عہد گاڑھا

جس کو ترمذی نے حسن کہا ہے[1] اوپر گذر چکی ہے[2] حاصل کلام یہ ہے کہ توبہ کے قبول ہونے کے لئے آیندہ گناہ سے باز رہنے اور نیک کام کرنے کا ارادہ ضرور ہے غرارا لگ جانے کے بعد موت کا بالکل یقین ہو جاتا ہے اور اس ارادہ کا موقع باقی نہیں رہتا اس واسطے اس وقت کی توبہ پوری نہیں جیسے مغرب کی طرف سے آفتاب نکلنے کے وقت سب کو موت کا یقین ہو جائے گا۔ اور اس وقت کی توبہ مفید نہ ہونے کے سبب سے توبہ کا دروازہ جو مغرب کی طرف ہے وہ بند ہو جائے گا۔ چنانچہ ترمذی[3] وغیرہ میں جو معتبر سند سے روایتیں ہیں ان میں صراحت سے اس کا ذکر ہے ؛

۱۹ـــ۲۱ بخاری ابوداؤد اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اسلام سے پہلے یہ دستور تھا کہ مرنے کے وارث بیوہ عورت کو غیر جگہ نکاح نہیں کرنے دیتے تھے بلکہ اس عورت کو مجبور کر کے خود ہی اس سے نکاح کرتے تھے اور دوسرے شخص سے نکاح کرنے کی اجازت دیتے تو مہر کی ساری رقم یا اس میں کا کوئی حصہ اس عورت سے خود لے لیتے تھے غرض بہ نسبت عورت کے رشتہ داروں اور وارثوں کے خود ہی عورت کے زیادہ حق دار ٹھہرتے تھے اس دستور کو اسلام میں بند کرنے کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[4] اور فرمایا کہ مرنے کے وارثوں کو یہ نہ چاہئے کہ بیوہ کو غیر جگہ نکاح کرنے سے روکیں تاکہ بیوہ عاجز ہو کر جو کچھ میت نے اس کو دیا تھا وہ پھیر دیوے ہاں بیوہ کوئی بے شرع بات کرے تو اس سے

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۹۲ [2] یعنی زیر آیت (۸۶ ـــ ۹۱) سورۃ آل عمران [3] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۹۲ باب ماجاء فی فضل التوبۃ والاستغفار [4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۸ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۶۶۵ م ؛

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً

اور نکاح میں نہ لاؤ جن عورتوں کو نکاح میں لائے تمہارے باپ مگر جو آگے ہو چکا یہ بے حیائی ہے

وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ

اور کام غضب کا اور بری راہ ہے حرام ہوئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں

وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ

اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں اور جن ماؤں نے تم کو

روکنا ان کو پہنچتا ہے پھر فرمایا کہ عورتوں کے ساتھ گذران حسن سلوک سے کرنی چاہئے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اگر ان میں کوئی بات بدخوئی کی ہوتی ہے تو کوئی بات خوبی کی ہوتی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ زبردستی مہر کا پھیر لینا مرے کے وارثوں کو یا خود شوہر زندہ کو دوسرا نکاح کرنے اور پہلی بی بی کے چھوڑ دینے کی صورت میں ہرگز نہیں پہنچتا۔ کیونکہ نکاح کے وقت حسن سلوک کا عہد پیمان ہو چکا اور ایک عرصہ تک عورت خانہ داری کر چکی تو اب زبردستی اس سے مہر کا پھیر لینا ایک ناحق اور صریح گناہ ہے ؛

۲۲- طبرانی اور ابن ابی حاتم اور ابن سعد نے انصار کا یہ دستور بیان کیا ہے کہ اسلام سے پہلے جب ایسا کوئی شخص مر جاتا تھا جس کی منکوحہ عورت ہو اور اس عورت کا سوتیلا بیٹا بھی ہو تو وہ سوتیلا بیٹا اس اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیا کرتا تھا چنانچہ اسلام کے بعد ایک شخص ابو قیس نے وفات پائی اور اس کے بیٹے قیس نے اپنی ماں سے نکاح کرنا چاہا اس عورت نے انکار کیا اور کہا کہ میں تجھ کو اپنا بیٹا شمار کرتی ہوں۔ اور اس عورت نے اس قصہ کو آنحضرت سے آن کر بیان کیا آپ نے فرمایا تو اپنے گھر جا کر بیٹھ اس دستور کے بند کرنے میں شاید اللہ تعالیٰ کوئی حکم نازل فرمائے گا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور فرمایا کہ اسلام سے پہلے جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا مگر اسلام میں یہ کام بے حیائی اور قباحت شرعی اور گمراہی کا ہے اس سے پرہیز کرنا چاہئے جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان کے سلسلہ سے علیحدہ سوتیلی ماں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ اس کی تاکید زیادہ مقصود تھی۔ اور اسی حکم سے امہات مومنین امت کے لوگوں پر حرام ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کے حق میں بمنزلہ باپ کے ہیں مسند امام احمد بن حنبل اور سنن میں براء بن عازب سے روایت ہے کہ اسلام کے بعد جب اس آیت سے وہ دستور جاہلیت موقوف ہو گیا اس پر ایک شخص نے پہلے دستور کے موافق اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کر لیا تھا۔ آنحضرت نے اس شخص کے قتل کا حکم دیا۔ اور علماء نے یہ بھی فتویٰ دیا ہے کہ باپ کی صحبت کی ہوئی لونڈی بھی اس حکم میں داخل ہے طبرانی کی ایک اسناد میں ایک شخص عبداللہ بن محمد بن سعید بن ابی مریم ضعیف ہے لیکن ابن ابی حاتم اور ابن سعد کی روایت سے طبرانی کی روایت کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے ؛

۲۳- اوپر کی آیت میں سوتیلی ماں سے نکاح کے دستور کو منع فرما کر اسی سلسلہ میں دوسری اور ایسی عورتوں کا ذکر فرمایا ہے جن سے نکاح حرام ہے آدمی کی پیدائش جس خاندان میں ہو اس میں سے سات عورتیں اس شخص پر

لہ تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۵ ج ۱ و معالم ج ۱ ص ۳۸۷ سلہ جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۶۳ باب ما جاء فی من تزوج امرأۃ ابیہ و ابو داؤد ج ۲ ص باب فی الرجل یزنی بحریمہ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۶۶ ؛

أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ وَأُمَّهَٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَٰٓئِبُكُمُ ٱلَّٰتِى

دودھ دیا اور دودھ کی بہنیں اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو

فِى حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ ٱلَّٰتِى دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا۟ دَخَلْتُم

تمہاری پرورش میں رہیں جن عورتوں سے کہ تم نے صحبت کی پھر اگر تم نے صحبت نہیں

بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَٰٓئِلُ أَبْنَآئِكُمُ ٱلَّذِينَ مِنْ أَصْلَٰبِكُمْ وَأَن

کی تو تم پر گناہ نہیں اور عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ کہ

حرام ہیں وہ عورتیں یہ ہیں۔ ماں[۱]۔ بہن[۲]۔ بیٹی[۳]۔ پھوپھی[۴]۔ خالہ[۵]۔ بھتیجی[۶]۔ بھانجی[۷]۔ ان کو محرمات نسبی کہتے ہیں دودھ پلانے سے بھی جو عورتیں اس رشتہ کی ہوں وہ ساتوں حرام ہیں آیت میں فقط دودھ کی ماں اور بہن کا ذکر فرما کر باقی کو نسب کے قیاس پر اس سبب سے چھوڑ دیا ہے کہ دودھ کا رشتہ بھی پیدائش کے رشتہ کی ایک شاخ ہے وہاں خون آدمی کے بدن کا جز۔ تو یہاں دودھ کا خون بن کر وہی بات پیدا ہو گئی ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ[ؓ] سے بصراحت روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دودھ پلانے سے بھی ان دودھ کے رشتہ داروں سے نکاح حرام ہو جاتا ہے جن رشتہ داروں سے پیدائش کے سبب سے نکاح حرام ہے[۱]۔ زید کے دودھ کی بہن وہ ہے جس کو زید کی ماں نے زید یا اپنے اگلے پچھلے کسی بچہ کے ساتھ ایک لڑکی کو دودھ پلایا ہے۔ یہ لڑکی زید پر بوجہ دودھ کے بہن ہونے کے اور زید کے باپ پر بوجہ دودھ کی بیٹی ہونے کے حرام ہے اور یہ نسب اور دودھ کے رشتہ کی عورتیں ہمیشہ کیلئے حرام ہیں۔ بیاہ۔ شادی کے سبب سے۔ ساس اور سوتیلی بیٹی کے حرام ہونے کا ذکر اس آیت میں ہے اور سوتیلی ماں کا ذکر اوپر کی آیت میں گذرا۔ سوتیلی بیٹی کے حرام ہونے میں یہ شرط بھی ہے کہ اس کی ماں سے اس سوتیلے باپ نے صحبت بھی کی ہو۔

۲۳۔ تفسیر ابن جریر میں ابن جریج سے روایت ہے کہ میں نے عطاء ابن رباح سے اس آیت کی شان نزول پوچھی انہوں نے کہا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اپنے متبنٰے زید بن حارثہ[ؓ] کی بی بی زینب سے نکاح کر لیا تو مکہ میں مشرکین نے اس کا چرچہ کیا اس چرچہ کے غلط قرار دینے کے لئے اللہ تعالےٰ نے یہ آیت اور آیت وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَآءَكُمْ أَبْنَآءَكُمْ (۳۳-۴) اور آیت مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ (۳۳-۴۰) نازل فرمائی[۲]۔ اور بہو کے حرام ہونے میں بیٹے کے صلبی ہونے کی قید اس لئے لگادی تاکہ معلوم ہو جائے کہ زمانہ جاہلیت میں متبنٰے بیٹے کی بی بی کو جو حرام ٹھہرانے کا دستور تھا وہ دستور ابراہیمی ملت کے برخلاف ہے اس لئے اس غلط دستور کی پابندی کی بنا پر زید بن حارثہ[ؓ] کی بی بی کے

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۴ کتاب النکاح و صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۶۶ کتاب الرضاع و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۶۹ ؛ [۲] لباب النقول فی اسباب النزول ص ۶۱ طبع مصر ۱۹۳۵ء و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۷۲ ؛

تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٢٣﴾

اکٹھی کرو دو بہنوں کو مگر جو آگے ہو چکا اللہ بخشنے والا ہے مہربان

نکاح ثانی کا جو کچھ چرچا ہو رہا ہے وہ غلط ہے مسند امام احمد اور سنن میں ضحاک ابن فیروز دیلمیؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ ضحاکؓ جب اسلام لائے تو جاہلیت کے دستور کے موافق ان کے جاہلی نکاح میں دو بہنیں تھیں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا ذکر کیا آپ نے فرمایا۔ ان دونوں میں سے اپنی مرضی کے موافق خواہ کوئی سی بھی ہو ایک کو رکھ کر دوسری کو طلاق دے دی جائے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے[1]۔ یہ حدیث آیت کے ٹکڑے جمع بین الاختین کی گویا ایک تفسیر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب بھی نو مسلم شخص دونوں میں سے جس کو چاہے چھوڑ سکتا ہے۔ آیت میں فقط بی بی اور سالی کے جمع کرنے کی ممانعت ہے مگر بخاری اور مسلم اور سنن میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس طرح دو بہنوں کا ایک ساتھ نکاح میں رکھنا منع ہے اسی طرح ایک عورت اور اس کی پھوپھی یا خالہ دونوں میں سے کوئی بھی اسی عورت کے ساتھ نکاح میں نہیں رکھی جا سکتی[2]۔ اس صورت میں یہ حدیث بھی آیت کے ٹکڑے ممانعت جمع بین الاختین کی تفسیر ہے اور اس تفسیر کے موافق تمام علماء اہل سنت کا عمل بھی بغیر کسی اختلاف کے پایا جاتا ہے۔ ہاں فرقہ خارجیہ اور شیعہ کی جماعت اس کے مخالف ہے جن کی مخالفت اہل سنت کے نزدیک کچھ اعتبار کے قابل نہیں۔ دو سوکنوں کی باہمی عداوت ایک لازمی بات ہے اسی خیال سے بعضے علماء نے اس ممانعت کا یہی سبب قرار دیا ہے کہ سوکنا پے کے سبب سے ان عورتوں میں عداوت پیدا ہو کر قطع رحمی کا خوف تھا اس لئے شارع نے یہ ممانعت کی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے صحیح ابن حبان وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان سے اس قول کی تائید بھی ہوتی ہے کیونکہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض عورتوں سے جو فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر یہ ممانعت نہ کی جائے تو تم سے قطع رحمی کا اندیشہ ہے ان روایتوں کی اسناد میں ایک شخص ابو حریز عبداللہ بن حسین ہے۔ بعضے علماء نے اس کے ثقہ ہونے میں کلام کیا ہے۔ لیکن ابن معین اور ابو زرعہ نے اس کو ثقہ کہا ہے[3]۔ فقط

---

[1] جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۴۳ باب ما جاء فی الرجل یسلم وعندہ اختان و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۷۲ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۶ باب لا تنکح المرأۃ علی عمتها وجامع ترمذی ج ۱ ص ۱۴۳ کتاب النکاح [3] نیل الاوطار ج ۶ ص ۲۸۷

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ

اور نکاح بندھی عورتیں مگر جن کے مالک ہوجائیں تمہارے ہاتھ حکم ہوا اللہ کا تم پر

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ

اور حلال ہوئیں تم کو جو ان کے سوا ہیں یوں کہ طلب کرو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو

صحیح مسلم ابوداؤد و ترمذی نسائی اور مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کی لڑائی پر صحابہ کرام کا ایک لشکر روانہ کیا۔ وہاں سے کچھ لونڈیاں لوٹ میں ہاتھ لگیں مسلمانوں نے اس خیال سے کہ ان عورتوں کے خاوندان کے دیس میں ہوں گے ان عورتوں کی صحبت سے پرہیز کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1] حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ خاوند والی عورت سے دوسرے کو صحبت حرام ہے مگر جو عورتیں لوٹ میں ہاتھ آئیں وہ غنیمت کے مال کی طرح حلال ہیں مگر اتنا انتظار صحبت کے کرنے میں ضرور ہے کہ حمل کے ہونے نہ ہونے کا حال معلوم ہو جائے تاکہ آئندہ اولاد میں شبہ نہ پڑے کہ کس کی ہے۔ محصنات کا لفظ قرآن شریف میں سوا شوہر والی عورتوں کے اور معنوں میں بھی آیا ہے۔ مگر والمحصنات من النساء میں یہ لفظ بیاہی ہوئی عورتوں کے معنوں میں ہے۔ کتاب اللہ علیکم کا مطلب یہ ہے کہ یہاں تک وہ عورتیں جو بتلائی گئیں جن سے نکاح حرام ہے۔ یہ اللہ کا ایک حکم ہے جو اس نے اپنے بندوں پر لکھ دیا ہے جو کوئی اس کے برخلاف عمل کرے گا وہ اللہ کا گنہ گار ہوگا۔ یہ جو فرمایا "اور حلال ہوئیں تم کو جو ان کے سوا ہیں" اس کا مطلب یہ ہے کہ جن عورتوں کا ذکر ان آیتوں میں ہوا یا اللہ کے رسول نے قرآن کی آیتوں کی تفسیر کے طور پر جن عورتوں کا ذکر کیا جو عورتیں ان کے سوا ہیں وہ تم پر حلال ہیں۔ آیتوں کی تفسیر کے طور پر اللہ کے رسول نے جن عورتوں کے حرام ہونے کا ذکر فرمایا ہے اس کی مثال اوپر گذر چکی ہے کہ مثلاً ان آیتوں میں بی بی اور سالی کے جمع کرنے کی ممانعت ہے مگر ابوہریرہؓ کی صحیح حدیث کے موافق بی بی کی پھوپھی اور خالہ کا بھی یہی حکم ہے[2]۔ سورہ نور میں جن عورتوں کا ذکر آئے گا کہ ان کے شوہر بغیر گواہی کے ان پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور قسما قسمی ہو کر مرد اور عورت میں جدائی ہو جائے اس طرح کی عورت بھی اس قسما قسمی کرنے والے مرد پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ابودرداء[3] وغیرہ کی صحیح روایتوں میں اس کا ذکر ہے۔ زیادہ تفصیل اس کی سورۂ نور کی تفسیر میں آئے گی۔ محصنین غیر مسافحین کا مطلب یہ ہے کہ جن عورتوں کے حرام ہونے کا ذکر کیا جا کر جو عورتیں ان کے سوا تم پر حلال کی گئیں ہیں وہ اس شرط سے کہ قاعدہ شرعی کے موافق ان کا مہر اور نکاح ہونا چاہئے بدکار لوگوں کی طرح چند روزہ حاجت بشری رفع کرنے کے لئے بغیر نکاح کے ان کو نہ رکھا جائے۔

---

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۶ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۷۳ و لباب النقول ص ۷۱ طبع مصر۔ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۶ باب لاتنکح المرأۃ علی عمتھا۔ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۶۵ — ۲۶۷ واضح رہے کہ "ابودرداء" شاید کاتب کی غلطی ہو اور یہ لفظ "ابوداؤد" ہو کیونکہ ابودرداء سے لعان کی کوئی روایت مروی نہیں واللہ اعلم۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ
پھر جو کام میں لائے تم ان عورتوں میں سے ان کو دو ان کے حق جو مقرر ہوئے اور گناہ نہیں

عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا
تم کو اس میں جو ٹھہرالو تم آپس کی رضا سے مقرر کئے پیچھے اللہ ہے خبردار

حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ
حکمت والا اور جو کوئی نہ رکھتا ہو تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں لائے بیبیاں مسلمان

فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ
تو جو ہاتھ کا مال ہے آپس کی تمہاری لونڈیاں مسلمان اور اللہ کو بہتر معلوم ہے تمہاری مسلمانی

۲۴- اگرچہ بعضے مفسروں نے اس آیت سے چند روزہ نکاح کے جائز ہونے کا مطلب نکالا ہے جس کو متعہ کہتے ہیں لیکن اوائل اسلام میں یہ نکاح چند روزہ جائز تھا۔ اب قطعی حرام ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں فتح مکہ یا حجۃ الوداع کے وقت بطور وعظ کے آپ نے جو لوگوں کو مخاطب ٹھہرا کر حدیث فرمائی ہے۔ اس میں صاف فرما دیا ہے کہ یہ نکاح اب قیامت تک حرام ہے[1] اس واسطے صحیح معنے آیت کے وہی ہیں جو مجاہد نے بیان کئے ہیں کہ جن عورتوں سے تم نے نکاح کیا اور ان سے گھرداری کی ان کا مہر ادا کرنا تم پر واجب ہے۔ اب ٹھہرا ہوگا تو وہ دو نہیں تو رواج خاندان کے موافق مہر مثل دو اجور کے معنے مہر کے ہیں اور فریضہ کے معنے ٹھہرے ہوئے مہر کے ہیں پھر فرمایا مہر کے ٹھہر جانے کے بعد میاں بی بی کی رضامندی سے اس میں کچھ کم و بیش ہو تو اس کا مضائقہ نہیں اللہ غیب دان ہے اس کو سب باتیں معلوم ہیں۔ اس لئے اس نے اپنے بندوں کی ضرورتوں کے موافق یہ احکام مقرر فرمائے ہیں:

۲۵- جن عورتوں سے نکاح حرام ہے اوپر ان کا ذکر فرما کر یہ فرمایا تھا کہ جو عورتیں ان کے سوا ہیں وہ تم پر حلال ہیں۔ اس حکم میں آزاد عورتیں اور لونڈیاں سب داخل تھیں اس لئے لونڈی سے نکاح جائز ہونے کی شرطیں ان آیتوں میں فرمائیں کہ جس شخص کو آزاد عورت کے مہر اور روٹی کپڑے کا مقدور نہ ہو اور بغیر نکاح کے اس کو بدکاری میں گرفتار ہو جانے کا اندیشہ ہو تو لونڈی کے مالک کی مرضی سے ایسا شخص لونڈی سے نکاح کر سکتا ہے مسند امام احمد ابوداؤد ترمذی صحیح ابن حبان مستدرک حاکم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گا تو اس کا نکاح نہ ہوگا۔ بلکہ وہ بدکار قرار پائے گا ترمذی نے اس حدیث کو حسن[2]۔ ابن حبان اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے[3]۔ یہ حدیث فانکحوھن باذن اھلھن کی تفسیر ہے کیونکہ مالک کی ملکیت غلام اور لونڈی پر یکساں ہے غرض آیت کے اس ٹکڑے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لونڈی غلام دونوں کے نکاح کے لئے مالک کی اجازت ضرور ہے اب اس لونڈی کی مالک اگر عورت ہے

---

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۱ – ۴۵۲ باب نکاح المتعۃ الخ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۷۴ نیز دیکھئے تلخیص الحبیر ص ۲۹۵ [2] جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۳۲ و سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۸۴ باب ما جاء فی نکاح العبد بغیر اذن سیدہ [3] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۹۴:

بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

تم آپس میں ایک ہو سو ان کو نکاح کر لو ان کے لوگوں کے اذن سے اور دو ان کو مہر

بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ

موافق دستور کے قید میں آتیاں نہ مستی نکالتیاں اور نہ یار کرتیاں چھپ کر پھر جب

اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ

وہ قید میں آچکیں تو اگر کریں بے حیائی کا کام تو اُن پر ہے آدھی وہ مار جو بیبیوں پر مقرر ہے

الْعَذَابِ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ

یہ اس کے واسطے جو کوئی تم میں ڈرے تکلیف میں پڑنے سے اور اگر صبر کرو تو بہتر ہے تمہارے حق میں

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

تو جو مرد اس عورت کے نکاح کا متولی ہے اس کی اجازت اس لونڈی کے نکاح کے لئے ضرور ہو گی۔ کیونکہ ابن ماجہ دار قطنی بیہقی میں ابوہریرہؓ سے مرفوع اور موقوف جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ کوئی عورت نہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے نہ کسی دوسری عورت کے نکاح کی متولی قرار پا سکتی ہے[1]۔ لونڈی۔ غلام۔ اور سب آزاد مرد اور عورت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ کبھی لونڈی آزاد عورت سے زیادہ دیندار ہوتی ہے۔ اسی واسطے فرمایا اللہ کو تمہاری مسلمانی خوب معلوم ہے۔ اور یوں تو تم سب آپس میں ایک ہو پھر فرمایا کہ جب لونڈی سے نکاح ہو گیا تو اس کا مہر جو کچھ ہو وہ دستور کے موافق پورا دینا چاہئے ایسا نہ ہو کہ لونڈی ہونے کے خیال سے اس کے مہر کی ادائی میں کچھ حیل حجت کی جائے اکثر سلف کا قول ہے کہ یہ مہر مالک کو ملے گا۔ پھر فرمایا کہ جن لونڈیوں سے نکاح کیا جائے تو نکاح سے پہلے اتنی بات کا دیکھ لینا ضرور ہے کہ وہ لونڈیاں نہ تو ظاہر طور پر کھلم کھلا بدکار ہوں نہ خاص طور پر کسی سے ان کی آشنائی ہو کیونکہ ان دونوں حالتوں میں طرح طرح کی خرابیاں ہیں پھر فرمایا کہ کوئی لونڈی نکاح کے بعد اگر بدفعلی کر بیٹھے تو اس پر آزاد عورت کی آدھی حد قائم کی جائے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو پچاس کوڑے مارے جائیں۔ بیاہے جانے سے سنگساری کی سزا اُس پر نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ کنواری لونڈی اگر بدفعلی کر بیٹھے تو اس پر حد نہیں ہے۔ مگر یہ قول ابوہریرہؓ کی صحیحین[2] کی روایت کے مخالف ہے جس میں کنواری لونڈی کے کوڑے مارنے کا حکم ہے اس لئے اکثر سلف کا مذہب یہی ہے کہ کنواری بیاہی ہر طرح کی لونڈی کی حد پچاس کوڑے ہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل بڑی تفسیروں میں زیادہ ہے[3]۔ آخر کو فرمایا کہ یہ لونڈیوں سے نکاح کرنے کی اجازت اس حالت میں ہے جب کہ بغیر نکاح کے آدمی کو بدکاری میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو اس پر بھی اگر آدمی آزاد عورت سے نکاح کے

---

[1] نیل الاوطار ج ۶ ص ۲۵۰ بحوالہ سنن ابن ماجہ ص ۱۳۶ طبع لکھنؤ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۱ باب اذا زنت الامۃ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۰ باب حد الزنا۔ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۷۶ تا ۴۷۷۔ تفسیر خازن ج ۲ ص ۵۵ ۔

يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ

اللہ چاہتا ہے کہ بیان کرے تمہارے واسطے اور چلاوے تم کو اگلوں کی راہ اور تم کو معاف

عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۚ وَيُرِيدُ

کرے اور اللہ جانتا ہے حکمت والا اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر متوجہ ہو اور جو لوگ

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُخَفِّفَ

لگے ہیں اپنے مزوں کے پیچھے وہ چاہتے ہیں کہ تم مڑ جاؤ راہ سے بہت دور اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ

عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ﴿۲۸﴾

ہلکا کرے اور انسان بنا ہے کمزور

قابل ہونے تک لونڈی کے نکاح سے اپنے آپ کو روک تھام کر رکھے تو جلدی کر کے لونڈی سے نکاح کرنے اور اولاد کی آزادی کو بٹہ لگانے سے یہ روک تھام بہتر ہے۔ لیکن جن سے صبر نہ ہو سکے گا اللہ اپنی رحمت کے سبب سے ایسے شخص سے اسی طرح درگذر کرنے والا ہے۔ جس طرح اس نے اپنی رحمت سے یہ لونڈیوں کے نکاح کا حکم اپنے بندوں کی آسانی کے لئے نازل فرمایا ہے۔

۲۶ — ۲۸۔ اوپر حرام حلال کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں فرمایا اللہ چاہتا ہے کہ تم کو اپنے دین کی جائز، ناجائز باتیں اچھی طرح سمجھا دے تا کہ مثلاً ماں، بہن، بیٹی، وغیرہ کے حرام جاننے کا تمہارا اور تم سے پہلے لوگوں کا طریقہ ایک ہو جائے اور اللہ نے اپنے وسیع علم سے بندوں کی ہر وقت کی مصلحت کو معلوم کر کے۔ اپنی حکمت سے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کا عمل تم میں آسانی سے جاری ہو جائے اور اللہ یہ بھی چاہتا ہے کہ ان احکام کی تعمیل میں تم سے کوتاہی ہو اور اس کوتاہی پر نادم ہو کر اللہ کی جناب میں تم توبہ کرو۔ تو وہ تمہاری توبہ قبول کرے۔ لیکن جن لوگوں کی قسمت میں اللہ کے دین کی پابندی نہیں لکھی گئی وہ خود بھی حرام حلال کے پابند نہیں بلکہ اپنی خواہش کے پابند ہیں اور تم کو بھی حق سے بچلانا اور اپنے راستہ پر چلانا چاہتے ہیں مثلاً بدکار لوگ خود بھی بدکار ہیں اور جو اُن کی ذیل کا ہو اس سے خوش ہیں اور جو اُن کی ذیل میں نہ ہو اس سے کھٹکتے ہیں اسی طرح مثلاً آتش پرست بہن، بھانجی بھتیجی کو حلال جانتے ہیں اور اوروں کے لئے بھی اسی طریقہ کو اچھا سمجھتے ہیں پھر فرمایا کہ انسان کی پیدائش ایک ضعیف چیز پانی کے قطرہ سے ہے سخت احکام کا تحمل اس سے نہیں ہو سکتا اس واسطے اللہ تعالٰے یہ بھی چاہتا ہے کہ دین کے احکام انسان کی حالت کے موافق نرم ہوں جس طرح مثلاً بے مقدور آدمی کے لئے۔ اس نے لونڈی سے نکاح کرنا جائز ٹھہرا کر بے مقدور شخص کی سختی کو رفع کر دیا صحیح بخاری و مسلم میں سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے شخص پر بڑا وبال پڑے گا جس کے بلا ضرورت مسئلے پوچھنے سے کسی مباح چیز کے حرام ہو جانے کا حکم اللہ تعالٰے کی بارگاہ سے نازل ہو جائے گا[1] اس باب میں اور بھی صحیح روایتیں ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ جب

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۲ باب ما یکرہ من کثرۃ السوال و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ

اے ایمان والو نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ سودا ہو

تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝۲۹

آپس کی خوشی سے اور نہ خون کرو آپس میں اللہ کو تم پر رحم ہے

انسان کی حالت کے لحاظ سے اللہ اور اللہ کے رسول کی مصلحت اس میں ہے کہ دین میں جہاں تک ہو آسانی ہو تاکہ احکام دین کی پابندی انسان پر شاق نہ ہو تو آدمی کو چاہئے کہ پہلی امتوں کے بعضے لوگوں کی طرح کوئی ایسی سخت عبادت اپنے پیچھے نہ لگائے جس کا نباہنا مشکل ہو جائے۔ چنانچہ ابوداؤد میں معتبر سند سے انسؓ کی روایت ہے۔ جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی امتوں کے کچھ عبادت خانے جو ویران پڑے ہیں وہ اس بات کا نمونہ ہیں کہ ان لوگوں نے اپنی طاقت سے باہر کچھ سخت عبادتیں اپنے پیچھے لگائیں اور ان عبادتوں کے ادا کرنے کے لئے جنگلوں میں یہ عبادت خانے بنائے آخر سختی کے سبب سے عبادت اور عبادت خانے سب کچھ چھوڑ بیٹھے۔ پھر فرمایا اے لوگو تم کو ایسا نہیں کرنا چاہئے[1] غرض اس ارشاد سے یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کو ایسا عمل پسند نہیں ہے کہ آج ہو اور کل نہ ہو۔ بلکہ اللہ تعالےٰ کو تو وہ عمل پسند ہے جس کو آدمی نباہ سکے۔ چنانچہ صحیحین[2] کی حضرت عائشہؓ کی حدیث میں اس کا ذکر ہے اور یہ ایک ظاہر بات ہے کہ آدمی سے نباہ اسی عمل کا ہو سکتا ہے جو آسان ہو ورنہ وہی اہل کتاب کی حالت پیش آئے گی جس کا ذکر ابھی اوپر گذرا ؛

۲۹۔ ۳۱۔ جب تک آدمی مجرد رہتا ہے تو اس کو فقط اپنی ذات کے ہی خرچ اخراجات کی ضرورت پڑتی ہے۔ پھر جب شادی بیاہ ہو کر بی بی کا اور بال بچے ہو کر ان کا خرچ اس کے ذمے پڑ جاتا ہے تو کسی نہ کسی حیلہ سے اس کو کمائی کا خیال ہوتا ہے۔ اسی مناسبت کے سبب سے نکاح کے احکام کے بعد ان آیتوں میں انسان کی کمائی کا ذکر فرمایا باطل ناحق کو کہتے ہیں۔ سود۔ چوری۔ خیانت وغیرہ یہ سب مال کے ناحق کے طور پر کمانے کے طریقے ہیں اور ان میں ہر ایک طریقہ کی ممانعت کی جدا جدا بڑی تفصیل سے شریعت میں احکام ہیں۔ ناحق طور پر کمائی کے طریقوں کے ذکر کے بعد جائز اور حق طور پر کمائی کے طریقہ خرید و فروخت کو مستثنےٰ فرما کر ذکر فرمایا۔ خرید و فروخت کی مختلف بہت سی صورتیں ہیں ہر ایک صورت کا شریعت میں جدا جدا حکم ہے یہ جو فرمایا "نہ خون کرو آپس میں" ایک مطلب تو اس کا یہ ہے کہ لوگوں کا مال ناحق کھا کر اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو کیونکہ یہ گناہ حق العباد کی قسم میں سے ہے جو صاحب حق کو رضامند کرنے کے بغیر فقط توبہ سے معاف نہیں ہو سکتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ دنیا کے معاملات سے تنگ آکر خودکشی نہ کرو صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں جس طرح سے کوئی شخص خودکشی کرے گا۔ آخرت میں بھی اسی طرح کے عذاب میں وہ شخص گرفتار ہو گا۔ مثلاً جو شخص زہر کھا کر مرے گا اس کو ہمیشہ زہر کھلایا جائے گا۔ اور جو شخص اونچی جگہ پر سے گر کر مرے گا اس کو ہمیشہ اونچی جگہ پر سے گرایا جائے گا[3]۔ اسی طرح اور باتوں کو سمجھ لینا چاہئے۔ اللہ کا تم پر

[1] سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۴۰۲ باب فی الحسد [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۲ [3] صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۲ باب بیان غلظ تحریم قتل الانسان نفسہ الخ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۸۰ و مجامع۔

وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ عُدۡوَانًا وَّظُلۡمًا فَسَوۡفَ نُصۡلِيۡهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ

اور جو کوئی یہ کام کرے زور سے اور ظلم سے تو ہم ڈالیں گے اس کو آگ میں اور یہ

عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرًا ﴿۳۰﴾ اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبٰٓئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ

اللہ پر آسان ہے اگر تم بچتے رہو گے بڑی چیزوں سے جو تم کو منع ہوئیں تو ہم اتار دیں گے تم سے تقصیریں تمہاری

وَنُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا ﴿۳۱﴾

اور داخل کریں گے تم کو عزت کے مقام میں

رحم ہے" کا یہ مطلب ہے کہ پچھلی امتوں کی توبہ ان کا قتل کرنا قرار پائی تھی۔ اور تم پر ایسا کوئی سخت حکم نہیں نازل کیا جاتا۔" جو کوئی یہ کام کرے تعدی اور ظلم سے تو ہم اس کو ڈالیں گے آگ میں اور یہ اللہ پر آسان ہے" اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی شخص خودکشی کرے گا۔ اس پر جنت حرام ہو جائے گی۔ اور اس کو ہمیشہ دوزخ میں رہنا پڑے گا۔ چنانچہ صحیحین میں جو روایتیں ہیں ان میں ایسے شخص پر جنت کے حرام ہو جانے کا ذکر ہے[1]" اللہ تعالیٰ پر یہ سب آسان ہے" کا مطلب یہ ہے کہ جنت اللہ کی ہے اس کو کچھ مشکل نہیں کہ جس پر وہ چاہے اپنی جنت کو حرام کر دے۔ اور تعدی اور ظلم کی قید لگا دینے سے بھول چوک کی خودکشی کا حکم الگ ہو گیا" اگر تم بچتے رہو گے بڑی چیزوں سے جو تم کو منع ہوئی ہیں تو ہم اتار دیں گے تم سے تقصیریں تمہاری اور داخل کریں گے تم کو عزت کے مقام میں"۔ اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کبیرہ گناہوں سے بچتے رہیں گے اگر ان سے کچھ صغیرہ گناہ ہو جائیں گے تو نیک عملوں کے طفیل سے وہ صغیرہ گناہ خود بخود معاف ہو جائیں گے چنانچہ فرمایا ان الحسنات یذھبن السیات۔ دنیا میں جس گناہ پر حد شرعی ہے یا لعنت کی گئی ہے یا جس گناہ پر عذاب سے ڈرایا گیا ہے وہ گناہ کبیرہ ہے اور جو گناہ ایسا نہیں ہے وہ صغیرہ ہے۔ معتبر سند سے نسائی، مستدرک حاکم، صحیح ابن حبان میں ابوہریرہؓ اور ابوسعیدؓ سے جو روایت ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا جو شخص نماز روزہ کا اور ادائے زکوٰۃ کا پابند ہوگا اور سات کبیرہ گناہوں سے بچے گا وہ جنت میں جائے گا[2]۔ اس خطبہ کے وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا۔ اس لئے آپ نے اس خطبہ میں حج کا ذکر نہیں فرمایا۔ اب حج بھی دین کا ایک رکن ہے۔ ابوہریرہؓ کی دوسری ایک حدیث صحیح بخاری و مسلم میں ہے اس میں سات کبیرہ گناہوں کی تفصیل یوں فرمائی ہے کہ شرک[1]۔ قتل[2] ناحق۔ جادو[3] کرنا۔ سود[4] کھانا۔ یتیم[5] کا مال کھانا۔ جہاد[6] سے بھاگنا۔ پارسا[7] عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانا[3]۔ یہ ساتوں کبیرہ گناہ آدمی کو ہلاکت میں ڈالنے والے ہیں۔ ہلاکت میں ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ شرک تو بغیر خالص توبہ کے ہرگز معاف نہ ہوگا۔ باقی گناہوں کا گنہگار اگر بغیر توبہ کے مر جائے گا تو اس کی مغفرت اللہ کی مرضی پر منحصر ہے چاہے بخشے چاہے نہ بخشے۔ ان سات کبیرہ گناہوں کی تفصیل بعض روایتوں میں اور طرح بھی آئی ہے اور

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۲ باب ما جاء فی قتل النفس و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۸۰۔ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۸۱۔ [3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۸ باب قول اللہ تعالیٰ ان الذین یاکلون اموال الیتمٰی الخ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۸۱۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا
اور ہوس مت کرو جس چیز میں بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک سے مردوں کو حصہ ہے اپنی

اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ
کمائی سے اور عورتوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے اور مانگو اللہ سے اس کا فضل

اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾
اللہ کو ہر چیز معلوم ہے۔

بعض روایتوں میں سات کا حصر بھی باقی نہیں رہا۔ اس واسطے سلف سے کبیرہ گناہ کے معنے وہی بتلائے ہیں جو اوپر بیان کئے گئے "عزت کے مقام" سے مراد جنت ہے۔

۳۲۔ ترمذی مستدرک حاکم وغیرہ میں مجاہد کی روایت سے اس آیت کی شان نزول جو بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ بعض عورتوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حسد کے طور پر یہ کہا تھا کہ مرد جہاد میں جاتے ہیں اس لئے ان کو لوٹ کے مال میں سے حصہ ملتا ہے اور جہاد کا ثواب بھی پاتے ہیں اور میراث میں بھی مردوں کا دوہرا حصہ ہے۔ عورتیں بڑے ٹوٹے میں ہیں کہ ان باتوں سے محروم ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[۱] اور فرمایا کہ اللہ عالم الغیب ہے اس کو عورت مرد سب کی دین و دنیا کی ہر طرح کی مصلحتیں خوب معلوم ہیں اس نے دنیا کا انتظام ہر ایک کی مصلحت کے موافق کیا ہے جو کسی کے حسد سے پلٹ نہیں سکتا اس لئے بجائے ان حسد کی باتوں کے اللہ کے فضل اور مہربانی کی دعا کرنی چاہئے۔ کیونکہ وہ ایسا مالک ہے کہ دنیا میں گھر بیٹھے جس کو چاہے مالا مال کردے اور عقبیٰ میں جس کو چاہے تھوڑے سے عمل کا بہت سا ثواب عطا فرمادے اس کی بارگاہ میں خلوص نیت پرا جر ہے مرد عورت کی اس میں کچھ خصوصیت نہیں پھر حسد کا کیا موقع ہے۔ صحیحین[۲] وغیرہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کی جو حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حسد دو شخصوں کی حالت پر جائز ہے ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ مال دے اور وہ شخص اس کو نیک راہ میں بیدریغ خرچ کرے دوسرا وہ شخص جسے اللہ علم عطا فرمائے اور وہ اس علم سے خلق اللہ کو فائدہ پہنچائے اس حدیث اور آیت میں کچھ مخالفت نہیں ہے کیونکہ حسد کا لفظ دو موقع پر بولا جاتا ہے ایک تو دوسرے شخص کی برتر حالت پر جلنا اور اپنے سوا دوسرے کو اس حالت پر نہ دیکھ سکنا۔ اس طرح کا حسد حرام ہے اور آیت میں اسی کا ذکر ہے۔ دوسرا موقع حسد کے استعمال کا یہ ہے کہ دوسرے شخص کی حالت اپنے سے بالاتر دیکھ کر کوئی شخص خدا تعالیٰ سے یہ التجا کرے کہ یا اللہ تو مجھ کو بھی اپنے فضل سے اس بالاتر حالت پر پہنچا دے۔ لیکن اس التجا میں دوسرے شخص کی بالاتر حالت کے زائل ہو جانے کا کچھ خیال نہ ہو اس کو غبطہ کہتے ہیں حدیث میں اسی کا ذکر ہے اور اکثر سلف کا یہی قول ہے کہ غبطہ جائز ہے اور شان نزول کی جو مجاہد کی روایت بیان کی گئی ہے اگرچہ ترمذی نے اس کو مرسل کہا ہے۔ لیکن اس تفسیر کے مقدمہ میں

[۱] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۷ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۸۷ ۔ [۲] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷ کتاب العلم و ج ۱ ص ۱۸۹ باب انفاق المال فی حقہ۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۸۹ ۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ

اور ہر کسی کے ہم نے ٹھہرا دئیے وارث اس مال میں جو چھوڑ جاویں ماں باپ اور قرابت والے اور جن سے قرار باندھا تم نے

أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿۳۳﴾ ع ۵

ان کو پہنچاؤ ان کا حصہ اللہ کے روبرو ہے ہر چیز

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس واسطے کہ بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر

یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ تفسیر کے باب میں مجاہد کی کل روایتیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے واسطے سے ہوا کرتی ہیں اور جس مرسل میں واسطہ معلوم ہو جائے تو اس کا حکم مرفوع کا ہے اسی واسطے امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں قال مجاھد، قال مجاھد کہہ کر مجاہد کے اس طرح کے بہت سے قول لئے ہیں غرض کہ یہ شان نزول صحیح ہے۔

۳۳۔ اس آیت کے منسوخ ہونے اور نہ ہونے میں علمائے مفسرین کا اختلاف ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس آیت کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک روایت تو بخاری[1] میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جن دو شخصوں میں دینی بھائی چارہ ہوا گر ان میں سے ایک دوسرے کو مرتے وقت کچھ وصیت کرے گا تو وصیت کے موافق عمل ہوگا ورنہ بھائی چارہ کے سبب سے وراثت کا جو طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں قرار دیا تھا وہ طریقہ آیت ولکل جعلنا موالی سے موقوف ہے اس صورت میں فاتوھم نصیبھم سے وصیت کا ادا کرنا مراد ٹھہرے گا۔ دینی بھائی کو وارث ٹھہرا کر وراثت کا حصہ اس کو دینا مراد نہیں ہے اور وصیت کا ذکر خود آیت اولوالارحام بعضھم (۸-۷۵) میں موجود ہے اس لئے آیت واولوالارحام سے اس آیت کی تفسیر ہو سکتی ہے۔ تنسیخ نہیں ہو سکتی۔ دوسری روایت وہ ہے جس کو ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ یہ آیت۔ آیت اولوالارحام سے منسوخ ہے[2] رفع اس اختلاف کا یہ ہے کہ بخاری کی روایت بہ نسبت ابن جریر کے قابل ترجیح ہے اس واسطے یہی قول صحیح ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے چنانچہ شاہ ولی اللہ نے اس اختلاف کو الفوز الکبیر[3] میں اسی طرح رفع کیا ہے۔ اگرچہ ابوداؤد اور تفسیر ابن ابی حاتم میں شان نزول اس آیت کی یہ بیان کی ہے کہ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے جب اسلام لانے سے انکار کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اپنی وراثت سے محروم رکھنے کی قسم کھائی تھی۔ پھر جب عبدالرحمنؓ اسلام لے آئے تو اللہ نے ان کے وارث ٹھہرانے کے باب میں یہ آیت نازل فرمائی[4] لیکن یہ شان نزول بخاری کے شان نزول کے مخالف ہے اس واسطے مفسرین نے اس کو قوی شان نزول قرار نہیں دیا۔ موالی کے معنے ورثا کے ہیں اور والوالدان والاقربون اس کا بیان ہے۔

۳۴۔ ابن ابی حاتم ابن جریر ابن مردویہ نے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ انصار

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۹ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۸۹۔ [2] تفسیر ابن جریر ج ۵ ص ۳۲۔ [3] الفوز الکبیر ص ۲۰ طبع اول المکتبۃ السلفیہ لاہور۔ [4] تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۱۵۰۔

وَبِمَآ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَيۡبِ بِمَا

اور اس واسطے کہ خرچ کئے انہوں نے اپنے مال پھر جو نیک بختیں ہیں سو حکم بردار ہیں خبرداری کرتیاں ہیں پیٹھ پیچھے

حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ فَعِظُوۡهُنَّ وَاهۡجُرُوۡهُنَّ فِى

اللہ کی خبرداری سے اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہو تم کو تو ان کو سمجھاؤ اور جدا کرو سونے میں

میں سے ایک صحابی نے اپنی بی بی کو ایک طمانچہ مارا اس عورت کا باپ اس عورت کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فریاد کو آیا آپ نے قصاص کا حکم دیا۔ یہ دونوں عوض لینے کی نیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گھر کی طرف مڑے ابھی اپنے گھر تک نہیں پہنچے تھے کہ حضرت جبرئیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیتیں لائے آپ نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد قصاص کا حکم موقوف رکھا[1] حاصل یہ ہے کہ عورت پر مرد کا بڑا حق ہے۔ ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر روئے زمین پر کسی آدمی کو آدمی کے سجدہ کرنے کا حکم ہوتا تو میں عورت کو خاوند کے سجدہ کا حکم دیتا ترمذی نے اگرچہ اس حدیث کو غریب کہا ہے لیکن ساتھ ہی اس کے یہ کہا ہے کہ اس باب میں معاذ بن جبل رضہ سے بھی روایت ہے[2] معاذ بن جبل رضہ کی یہ حدیث مسند بزاز میں معتبر سند سے آئی ہے[3] مسند امام احمد بن حنبل میں عبدالرحمٰن بن عوف رضہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور بدکاری سے بچے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے وہ جس دروازے سے چاہے جنت میں جا سکتی ہے[4]۔ اس حدیث کی روایت میں امام احمد منفرد ہیں اور اس کی سند میں ایک شخص عبداللہ بن قارظ ہے جس کے نام میں بعضے علماء نے شبہ ڈالا ہے لیکن تقریب[6] میں اس کو صدوق کہا ہے۔ قوامون کے معنے یہ ہیں کہ مرد عورتوں کے حاکم ہیں۔ عورتوں پر ان کی فرمانبرداری لازم ہے فضل اللہ بعضھم علی بعض کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کو نبی ہونے اور قاضی ہونے امام ہونے جہاد جمعہ وجماعت میں حاضر ہونے کی طرح طرح کی عورتوں پر فضیلتیں ہیں قانتات وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کی فرمانبردار ہوں۔ حافظات للغیب کے معنے اپنے شوہروں کے پیٹھ پیچھے شوہر کی عزت وحرمت اور اس کے مال کی حفاظت کرنے والیاں۔ بما حفظ اللہ کے یہ معنے کہ اللہ نیک عورتوں کو شوہر کی عزت اور اس کے مال کی حفاظت کی توفیق دیتا ہے۔ ناشزہ وہ عورت جو اپنے شوہر کی فرمانبردار نہ ہو۔ جو عورتیں ایسی ہوں تو ان کو پہلے تو ہر طرح سمجھایا جائے۔ اور پھر بات چیت کرنی چھوڑ دی جائے۔ اور پھر مجبوری سے آخری درجہ مارنے کی اجازت ہے۔ لیکن وہ مار ایسی ہونی چاہئے جس سے زخم نہ پڑ جائے اور منہ پر بھی نہ مارنا چاہئے چنانچہ عمرو بن الاحوص رضہ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے وقت عورتوں کے باب میں یہ نصیحت فرمائی کہ عورتوں کو ایسی مار نہ ماری جائے جس سے ان کے جسم پر زخم پڑ جائے۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[5]۔ مسند امام احمد نسائی ابوداؤد ابن ماجہ مستدرک حاکم صحیح ابن حبان میں معاویہ بن قشیری رضہ کی حدیث ہے جس کے ایک

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۹۱ [2] جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۳۸ باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۹۲ [3] مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۰۹ [4] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۹۱ و مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۰۶ [5] جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۳۹ باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجہا۔ [6] دیکھیے تقریب ص ۲۳

الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ۚ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۗ

اور مارو ان کو پھر اگر تمہارے حکم میں آویں تو مت تلاش کرو ان پر راہ الزام کی

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا ﴿۳۴﴾

بے شک اللہ ہے سب سے اوپر بڑا

ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کے منہ پر نہ مارنا چاہئے۔ حاکم اور ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[2] عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک عورت کی پاک دامنی میں دھبہ لگنے کی کوئی بات نہ ظاہر ہو اس وقت تک عورت کو مارنا جائز نہیں ہے۔ اس سے عورتوں کے ماسنے اور نہ مارنے کی حدیثوں میں مطابقت ہو سکتی ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر نافرمانی کے بعد ظاہر میں عورت فرمانبردار بن جائے تو اس باب میں زیادہ کرید نہ کی جائے۔ کیونکہ زبردستی کی کرید کرنے ہیں۔ عورت کے ساتھ گذران مشکل ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں[3] اس لئے پسلی کی ہڈی کی کجی کی طرح ہر ایک عورت کی عادت میں ایک کجی ہے جو کوئی اس کجی کی برداشت کرلے گا تو وہ عورت کے ساتھ زندگی بسر کر سکتا ہے۔ ورنہ گذران مشکل ہے۔ مسند امام احمد اور صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت میں اگر کوئی بات بدخوئی کی ہوگی تو کوئی بات اچھی بھی ضرور ہوگی[4] اس واسطے عورت کی ہر طرح کی عادت کو مدنظر رکھ کر آدمی کو عورت کے ساتھ گذران کرنی چاہئے۔ مسند امام احمد اور ترمذی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے پورے ایماندار ہونے کی یہ نشانی ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ نیک خصلت ہو[5]۔ عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ میاں کا بی بی پر یہ بھی حق ہے کہ بی بی گھر میں ایسے کسی شخص کو نہ آنے دے جس کے آنے کا اس کا میاں روادار نہ ہو اور بی بی کا میاں پر یہ حق ہے کہ میاں اپنے مقدور کے موافق اس کو روٹی کپڑا اچھی طرح سے دے۔ آخر کو یہ فرمایا کہ اللہ سب سے بالا اور بڑا ہے" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر حاکم کیا ہے۔ لیکن اللہ سب کا حاکم اور مالک ہے کوئی مرد بے جا زیادتی عورت پر کرے گا تو اس کو قیامت کے دن اس کی جواب دہی اللہ کے روبرو کرنی پڑے گی۔ مسند امام احمد اور ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اپنے دو غلاموں کا ذکر کیا کہ وہ دونوں غلام شرارت بہت کرتے ہیں اس لئے میں ان کو

[1] ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۱ باب فی حق المرأۃ علی زوجہا [2] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۸۷ کتاب النکاح [3] صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۵ حدیث کے شروع کے لفظ یہ ہیں ان المرأۃ خلقت من ضلع جناب مفسر نے "المرأۃ" کے الف لام کو عہد خارجی قرار دیتے ہوئے حضرت حوا مراد لی ہے۔ اور حدیث کے یہ معنے سلف سے مروی آثار کی روشنی میں کئے ہیں۔ یہ آثار الدر المنثور (ج ۲ ص ۱۱۴) میں ذکر کئے ہیں حافظ ابن کثیر نے بھی یہی تفسیر اختیار کی ہے اور یہی صحیح ہے (ع، ح) [4] صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۵ کتاب الطلاق [5] جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۳۸ باب ما جاء فی حق الزوج علی المرأۃ۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا

اور اگر تم لوگ ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے

اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

اگر یہ دونوں چاہیں گے صلح تو اللہ ملاپ دے گا ان میں اللہ سب جانتا ہے خبر رکھتا

برا بھلا اکثر کہتا رہتا ہوں اور مارا بھی کرتا ہوں کیا مجھ سے اس کی قیامت کے دن کچھ پرسش ہوگی۔ آپ نے فرمایا قصور سے زیادہ سزا کی ضرور پرسش ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا رعایا۔ لونڈی۔ غلام اہل وعیال غرض جس زبردست پر کوئی صاحب اقتدار بے جا زیادتی کرے گا۔ قیامت کے دن اس کی سزا ہوگی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ سوائے عبدالرحمٰن بن غزوان کے روایت کے کسی دوسرے راوی کی روایت سے یہ حدیث پائی نہیں جاتی[1]۔ اس عبدالرحمٰن بن غزوان کی کنیت ابو نوح ہے اور یہ ثقہ شخص ہے امام بخاریؒ نے اس سے روایت کی ہے[2]۔

۳۵۔ فقط عورت کی طرف سے جب بگاڑ کی باتیں ہوں تو ان کا ذکر تھا۔ اس آیت میں میاں بی بی دونوں کی طرف سے جب بگاڑ کی باتیں ہوں تو ان کا ذکر ہے کہ عورت مرد دونوں کے رشتہ داروں میں سے ایک ایک پنچ ٹھہرایا جائے تاکہ وہ اس بگاڑ کا تصفیہ کردیں۔ خواہ یہ تصفیہ آئندہ کے ملاپ کا ہو یا جدائی کا ابوداؤد و ابن ماجہ مستدرک حاکم میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو ناپسند چیز ہے وہ عورت کی طلاق ہے[3]۔ ابو داؤد کی سند میں اگرچہ ایک راوی یحییٰ بن مسلم ہے[4] جس کے حافظہ میں فتور ہے۔ لیکن وہ صدوق ہے۔ اسی واسطے حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[5]۔ غرض اللہ تعالیٰ کو میاں بی بی کا ملاپ پسند ہے اور طلاق ناپسند ہے اس لئے آیت میں فقط ملاپ کا ذکر فرمایا ناپسند چیز طلاق کا ذکر نہیں فرمایا۔ تاکہ پنچوں کی توجہ ملاپ کی طرف زیادہ مصروف رہے آیت میں فقط ملاپ کا ذکر ہے اس واسطے امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ پنچوں کو میاں بی بی میں تفریق کر دینے کا اختیار نہیں ہے اور علماء نے اس کا جواب دیا ہے کہ آیت میں اصلاح کا لفظ ہے جس میں ملاپ تفریق دونوں باتیں آسکتی ہیں۔ کیونکہ بعض صورتوں میں بغیر تفریق کے اصلاح نہیں ہوسکتی[6] رشتہ دار پنچ اس لئے فرمائے کہ وہ میاں بی بی کی حالت کو خوب جانتے ہیں۔ آخر کو فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔ خبر رکھتا ہے۔ اس میں میاں بی بی پنچ سب کو تنبیہ ہے کہ ان میں سے جو ناحق طریقہ اختیار

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۵۱ کتاب التفسیر [2] اور ثقہ ہے مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۱۴۳ طبع منیریہ مصر [3] ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۴۶ ابواب الطلاق طبع لکھنؤ و ابوداؤد ص ۲۹۶ باب فی کراہیۃ الطلاق [4] نیل الاوطار ج ۷ ص ۳ لیکن مذکورہ بالا تینوں کتابوں کی سندوں میں یحییٰ بن مسلم راوی نہیں۔ معلوم نہیں امام شوکانیؒ کا کیا ماخذ ہے، واللہ اعلم [5] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۹۶ [6] اس اہم مسئلہ کی تحقیق کے لئے ملاحظہ فرمائیے تفسیر ابن جریر ص ۴۲ – ۴۶ جزء ۵، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۹۳ تفسیر خازن ج ۲ ص ۶۸ – ۶۹ وغیرہا۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى
اور بندگی کرو اللہ کی اور ملاؤ مت اس کے ساتھ کسی کو اور ماں باپ سے نیکی اور قرابت والے سے

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ
اور یتیموں سے اور فقیروں سے اور ہمسایہ قریب سے اور ہمسایہ اجنبی سے اور برابر کے رفیق سے

وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝۳۶
اور راہ کے مسافر سے اور اپنے ہاتھ کے مال سے اللہ کو خوش نہیں آتا جو کوئی ہو اتراتا بڑائی کرتا

کرے گا وہ اللہ کے نزدیک مؤاخذہ کے قابل قرار پائے گا۔ اکثر علماء کے نزدیک ان پنچوں کا حکم میاں بی بی کے برخلاف جاری ہو سکتا ہے۔

۳۶۔ اوپر کی آیتوں اور ان آیتوں میں بندوں کے آپس کے حقوق کا ذکر تھا اور سب سے بڑا حق انسان پر اللہ تعالیٰ کا ہے جس نے انسان کو اور انسان کی سب ضرورت کی چیزوں کو پیدا کیا۔ اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حق عبادت کو ان آیتوں میں ذکر فرمایا کہ جب انسان کا خالق رازق وہی وحدہ لاشریک ہے تو اس کی عبادت میں کسی مخلوق کو شریک ٹھہرانا بڑی غلطی ہے۔ صحیحین میں معاذ بن جبل ؓ سے روایت ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ وہ ان کو جنت میں داخل کریگا[1]۔ ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے ان کی خدمت کرے۔ اور کوئی بات ان کی شان کے برخلاف نہ کرے۔ قرآن شریف کی اکثر آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد ماں باپ کے احسان کا ذکر فرمایا ہے جس سے ہر کوئی ماں باپ کے درجہ کو سمجھ سکتا ہے۔ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے ماں باپ دونوں کو یا ان میں سے ایک کو ضعیفی کی حالت میں پایا اور ان کی ہر طرح کی خدمت کر کے اپنے آپ کو جنت کا مستحق نہ ٹھہرایا تو ایسا شخص بڑا بدنصیب ہے[2]۔ ذی القربیٰ رشتہ داروں کو کہتے ہیں صحیحین میں انس ؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو یہ منظور ہو کہ اس کی عمر بڑھے اور اس کے رزق میں کشائش ہو تو وہ اپنے رشتہ داروں سے سلوک کیا کرے[3]۔ بخاری میں سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کو ذرا فرق سے کھڑی کر کے فرمایا میں اور یتیم کے ساتھ شفقت سے پیش آنے والا شخص جنت میں ایسے قریب ہوں گے جس طرح یہ دو انگلیاں ملی ہوئی ہیں[4]۔ مسکین کے معنے محتاج۔ صحیحین میں ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حاجت مند کی حاجت رفع کرنے والے کو قیامت کے دن مجاہدین کا سا اجر ہے[5]۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۲ کتاب اللباس و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۹۳ و معالم ج ۲ ص ۱۴۱ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۴ باب فضل صلۃ اصدقاء الاب والام ونحوہما
[3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۵ باب من بسط له فی الرزق بصلۃ الرحم [4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۸ باب فضل من یعول یتیما و معالم ج ۲ ص ۱۴۲
[5] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۸ باب الساعی علی المسکین ؛

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ

وہ جو بخل کرتے رہیں اور سکھاتے ہیں لوگوں کو بخل اور چھپاتے ہیں جو ان کو دیا اللہ نے

مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ

اپنے فضل سے اور رکھی ہے ہم نے منکروں کو ذلت کی مار اور وہ جو خرچ کرتے ہیں

اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ

اپنے مال لوگوں کے دکھانے کو اور یقین نہیں رکھتے اللہ پر اور نہ پچھلے دن پر اور جس کا

صحیحین میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام نے مجھ کو ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی یہاں تک تاکید کی کہ مجھے گمان گذرا شاید دو ہمسایوں کی وراثت کا حکم آئے گا[۱]۔ والصاحب بالجنب کے معنے بعضے علماء نے گھر کی بی بی کے لئے ہیں۔ اور بعضوں نے مسافرت کے ساتھی کے گھر کی بی بی کے ساتھ احسان کی حدیثیں اوپر گذر چکی ہیں کہ عورت کی اچھی بُری عادتیں سب مد نظر رکھ کر گذران کرنی چاہیئے اور اپنے مقدور کے موافق روٹی کپڑا اچھی طرح سے دینا چاہیئے۔ سفر اور حضر کے ساتھی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کے باب میں عبداللہ بن عمروؓ کی ترمذی کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ کے نزدیک اچھے وہ لوگ ہیں جو اپنے ساتھیوں سے اچھی طرح پیش آتے ہیں[۲]۔ ابن السبیل کے معنے اکثر سلف نے مہمان کے لئے ہیں۔ صحیحین میں خویلد بن عمر العدوی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمان آدمی کو چاہیئے وہ اپنے مہمان کی عزت اور خاطر داری کرے[۳]۔ لونڈی غلام کے باب میں ابوذرؓ کی صحیحین کی روایت میں آنحضرت نے فرمایا کہ ان کو اچھی طرح سے کھلاؤ پہناؤ۔ اور ان کی طاقت سے بڑھ کر ان سے کام نہ لو۔ اور سخت کام میں تم خود بھی ان کی مدد کرو[۴]۔ آخر کو فرمایا جو شخص ان احسانات کے بجا لانے میں تکبر اور خود پسندی کرے اللہ اس کو پسند نہیں کرتا۔

۳۷ - ۳۹ - ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اور ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے جو شان نزول ان آیات کی بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یہود لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو جن کا ذکر تورات میں چھپاتے تھے یہ تو علم کے چھپانے کا بخل ہوا علاوہ اس کے وہ لوگ صدقہ اور خیرات میں خود بھی بخیلی کرتے تھے اور انصار کے جن لوگوں سے ان کی جان پہچان تھی ان کو بھی خیرات سے ہاتھ روکنے کی نصیحت کرتے رہتے تھے اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں[۵]۔ مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۹ باب الوصاۃ بالجار و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۹ باب الوصیۃ بالجار والاحسان الیہ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۹۴ [۲] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۶ باب ما جاء فی حق الجوار و الترغیب و الترہیب ج ۲ ص ۱۳۷۔ تفسیر کے مطبوعہ نسخہ میں عبداللہ بن عمرؓ تھا جامع ترمذی و الترغیب کی طرف مراجعت کر کے تصحیح کر دی گئی [۳] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۹ باب من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یؤذ جارہ [۴] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۴۶ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم العبید اخوانکم الخ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۹۵ [۵] الدر المنثور ج ۲ ص ۱۶۲ و لباب النقول ص ۶۲۔

يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ

ساتھی ہو شیطان تو بہت بُرا ساتھی ہے اور کیا نقصان تھا ان کا اگر ایمان لاتے اللہ پر اور

الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ

پچھلے دن پر اور خرچ کرتے اللہ کے دیئے میں سے اور اللہ کو ان کی خوب خبر ہے

اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ

اللہ حق نہیں رکھتا کسی کا ذرہ برابر اور اگر نیکی ہو تو اس کو دونا کرے اور دیوے اپنے

کہ جس نیک عمل میں دکھاوے کی شرکت ہے وہ عمل ہرگز قبول نہیں ہے[۱]۔ اور ترمذی میں حضرت ابی سعید رضی اللہ عنہ خدری سے روایت ہے کہ بخل اور بدمزاجی یہ دو خصلتیں کسی مسلمان میں نہیں ہونی چاہئیں ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے[۲]۔ لیکن اس حدیث کو امام بخاری نے الادب المفرد[۳] میں روایت کیا ہے۔ علاوہ اس کے بخل اور بدخلقی کی مذمت کی صحیح حدیثوں سے اس حدیث کی تائید ہوتی ہے۔ حاصل معنے دونوں آیتوں کے یہ ہیں کہ اللہ تعالے نے جن لوگوں کو اپنے فضل سے علم کی دولت یا خوش مزاجی اور خوش حالی کی نعمت دی ہے۔ اگر وہ اس کے صرف کرنے میں بخل کریں گے یا دکھاوے کے طور پر اس کو صرف کریں گے تو ایسے لوگوں سے قیامت میں سخت مؤاخذہ ہوگا۔ صحیح مسلم ترمذی نسائی وغیرہ[۴] میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اول دوزخ کو ریاکار لوگوں سے سلگایا جائے گا۔ اگرچہ یہ آیتیں یہود کی شان میں نازل ہوئی ہیں لیکن سوا یہود کے جس کسی میں یہ خصلتیں پائی جائیں گی وہ بھی ان آیتوں کے حکم میں داخل ہے۔ صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر آدمی کے ساتھ ایک شیطان اور ایک فرشتہ رہتا ہے[۵]۔ شیطان ہمیشہ بُرے کاموں کی رغبت دلاتا ہے اور فرشتہ اچھے کاموں کی اسی واسطے فرمایا کہ جس کا ساتھی شیطان ہوا وہی بُرے کاموں میں لگے گا۔ کیونکہ اس نے بُرے ساتھی کا کہا مانا۔ اور اچھے ساتھی کا کہنا نہ مانا۔ پھر فرمایا جب ان لوگوں کو جتلایا گیا کہ عاقبت کے منکروں بخیلوں اور ریاکاروں کے لئے اللہ تعالے نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ تو پھر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو یہ لوگ وہ بُری خصلتیں چھوڑ کر راہ راست پر نہیں آتے اور یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالے عالم الغیب ہے اس کو ان کی سب بُری خصلتوں کا حال خوب معلوم ہے ایک دن ان کو ان بُری خصلتوں کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ یہاں بخیلوں کا کفر کفرانِ نعمت کے معنوں میں ہے۔ اوپر رشتہ داروں اور محتاجوں کے ساتھ سلوک کرنے کا ذکر تھا۔ اسی مناسبت سے ان آیتوں میں بخیلی کی مذمت فرمائی ہے ؛

۴۰۔ اوپر کی دونوں آیتوں میں اللہ تعالے نے بخل اور ریاکاری کی مذمت فرما کر ایمان اور خیرات کی جو ترغیب فرمائی

[۱] صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۱ باب تحریم الریاء [۲] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۸ باب ماجاء فی البخل [۳] الادب المفرد ص ۸۰ باب الشح طبع جدید مصر [۴] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۴۰ باب من قاتل للریاء والسمعۃ استحق النار جامع ترمذی ج ۲ ص ۶۱ باب فی الریاء والسمعۃ وسنن نسائی ج ۲ ص ۱۵ باب من قاتل لیقال فلان جری

[۵] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶ مشکوٰۃ باب الوسوسہ ۔

لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا

پاس سے بڑا ثواب پھر کیا حال ہوگا جب بلاویں گے ہم ہر امت میں سے احوال کہنے والا اور بلاویں گے

بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ

تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتانے والا اس دن آرزو کریں گے جو لوگ منکر ہوئے تھے۔ اور رسول کی بے حکمی کی تھی

لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ ع

کسی طرح ملا دیجئے ان کو زمین میں اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے ایک بات

تھی یہ ٹکڑا آیت کا اس ترغیب کی تائید میں ہے۔ حاصل معنے یہ ہیں کہ جب ذرہ ذرہ بھر کا قیامت میں اللہ تعالےٰ ان کو اجر دوگنا چوگنا دینے کا وعدہ فرماتا ہے تو پھر کیوں لوگ نیک کاموں سے رک کر اپنے اتنے بڑے اجر کو ضائع کرتے ہیں اور دکھاوے کے عمل کیوں کرتے ہیں کیا جن لوگوں کے دکھانے کی غرض سے کوئی عمل کیا جاتا ہے وہ لوگ ان کو اللہ کا سا اجر دے سکتے ہیں۔ صحیحین[1] میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے شفاعت کی جو بڑی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اچھے لوگ جب پل صراط سے گذر جائیں گے اور بد لوگ پل صراط پر سے دوزخ میں گر جائیں گے تو وہ اچھے لوگ اللہ تعالےٰ سے گنہگاروں کی سفارش کریں گے اور ان کی سفارش قبول ہو کر جس کے دل میں ذرا برابر بھی ایمان ہوگا اس کی نجات کا ذکر فرما کر حضرت ابو سعید خدریؓ اس آیت کو پڑھا کرتے تھے[2] جس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ اس حالت کی تصدیق میں جن کا ذکر حدیث میں ہے یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

۴۱ — ۴۲۔ جس طرح اوپر کی آیت میں اللہ تعالےٰ نے قیامت کے دن کی ایک حالت کو بیان فرمایا ہے اسی طرح اس آیت میں ایک دوسری حالت قیامت کے دن کی بیان فرمائی ہے۔ تاکہ سمجھانے بجھانے سے ایک ذرہ برابر جن کو ایمان نصیب ہوا ہے جس طرح ان کی نجات کی حالت معلوم ہوئی ہے۔ اسی طرح جو لوگ باوجود سمجھانے کے حضرت نوحؑ سے لے کر اب تک صاحب شریعت انبیاء کو جھٹلاتے رہے ہیں ان کی حالت بھی معلوم ہو جائے۔ بخاری، ابن ماجہ، نسائی، مسند امام احمد بن حنبل میں اس حالت کا جو ذکر ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حساب کے وقت حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت عیسےٰؑ تک کے منکر لوگوں سے اللہ تعالےٰ پوچھے گا کہ باوجود انبیاء کی ہدایتوں کے تم لوگ منکر کیوں رہے یہ لوگ انبیاء کی ہدایت کا انکار کر کے صاف مکر جائیں گے۔ اور کہیں گے یا اللہ ہم کو کسی نے ہدایت نہیں کی اس پر سب انبیاء کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخر الزماں نبی جو ہیں ان کی شریعت میں ہر زمانہ کے نبی کی ہدایت کرنے کی تصدیق موجود ہے۔ پھر آنحضرت اور آپ کی امت کے لوگ حاضر کئے جائیں گے۔ اور ان انبیاء کے قول کی گواہی ادا کریں گے[3]۔ اس پر نادم ہو کر یہ منکر لوگ جانوروں کو خاک

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۷ باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۹۷ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۴ کتاب التفسیر [3] ج ۱ ص ۴۷۰ کتاب الانبیاء و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۰ — ۱۹۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا

اے ایمان والو نزدیک نہ ہو نماز کے جب تم کو نشہ ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو

مَا تَقُوْلُوْنَ

جو تم کہتے ہو

ہوتا ہوا دیکھ کر اپنے خاک ہو جانے کی آرزو کریں گے۔ بعض آثار[1] سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سوا اس گواہی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی نیکیوں کی گواہی قیامت تک کی ادا فرمائیں گے۔ اسی واسطے امت کے اعمال آپ کے روبرو پیش ہوتے رہتے ہیں تاکہ گواہی کے لئے آپ کو امت کے اعمال کی اطلاع رہے چنانچہ چند روایتوں میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن تم لوگ درود زیادہ پڑھا کرو کہ اس دن تمہارے درود میرے روبرو پیش کئے جاتے ہیں اگرچہ ان روایتوں کی سند میں تردد ہے لیکن بعض روایتوں کو بعض سے ایک طرح کی قوت ہو جاتی ہے[2] خصوصاً مسند امام احمد ابوداؤد اور نسائی وغیرہ[3] کی اوس بن اوس کی حدیث سے جس کو حاکم نے صحیح کہا ہے[4]

۴۳ ۔ ترمذی ابوداؤد نسائی اور حاکم میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ہم لوگوں کی دعوت کی اس وقت تک شراب حرام نہ تھی۔ اس سبب سے ہم لوگوں نے خوب شراب پی اتنے میں مغرب کی نماز کا وقت آیا۔ سب نے مجھ کو امام بنایا میں نے قل یاایھا الکفرون نحن نعبد ما تعبدون یعنے جس کی بندگی تم کرتے ہو اس کی ہم بھی کرتے ہیں پڑھ دیا۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[5] اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نماز کے وقت لوگوں نے شراب کا پینا موقوف کر دیا تھا۔ ایسے وقت پر شراب پیتے تھے کہ نماز کے وقت تک نشہ کی حالت باقی نہ رہے یہاں تک کہ سورہ مائدہ کی آیت یاایھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر نازل ہوئی اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے قطعی حرام ہونے کا مطلب سمجھا اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے شراب کے استعمال شراب کی بیع سب کے حرام ہونے کا صریح حکم دے دیا چنانچہ مسند امام احمد صحیح مسلم اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سورہ مائدہ کے آیت کے نازل ہونے کے بعد ایک شخص نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ شراب تحفہ کے طور پر

[1] وہ اثر سعید بن مسیب کی طرف منسوب ہو کر مختصر تذکرہ القرطبی (ص ۵۸) میں مذکور ہے لیکن حسب تحقیق حافظ ابن کثیر (ص ۹۹ ج اول) منقطع ہونے کے علاوہ مرسل ہونے کی بنا پر پایہ اعتبار سے ساقط ہے [2] لیکن تردد اس طرح رفع نہیں ہوتا اوس بن اوس کی حدیث کو امام ابوحاتم نے منکر بتلایا ہے (کتاب العلل لابن ابی حاتم ج ۱ ص ۱۹۷) ان کے علاوہ بھی اکثر محققین نے اس قسم کی روایات کو کمزور قرار دیا ہے (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۴)

[3] ابوداؤد باب الجمعہ و باب فی الاستغفار و سنن نسائی ج ۱ ص ۱۶۲ اکثار الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم طبع المکتبۃ السلفیۃ لاہور [4] ج ۱ ص ۲۷۸ کتاب الجمعہ لیکن یہ روایت بھی سخت کمزور ہے جیسا کہ اوپر کے حاشیہ میں ہم نے علماء سے نقل کیا ہے اور حافظ منذری نے بھی اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے (عون المعبود ج ۱ ص ۵۶۳) [5] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۷ کتاب التفسیر و سنن ابی داؤد ص ۵۱۷ ج ۲ و باب تحریم الخمر و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۰۰ و مستدرک حاکم ص ۳۰۷ ج ۲ کتاب التفسیر۔

وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا ؕ

اور نہ جب جنابت میں ہو مگر راہ چلتے ہوئے جب تک کہ غسل کر لو

بھی آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ شراب سورہ مائدہ کے بعد حرام ہو گئی۔ اس شخص نے اس شراب کے بیچ ڈالنے کی اجازت اپنے غلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو دی۔ آپ نے اس سے بھی اس شخص کو منع کیا۔ اور فرمایا کہ جس اللہ نے شراب کا پینا حرام کر دیا۔ اسی نے شراب کا بیچنا بھی حرام کر دیا۔ آخر وہ شراب پھینکوا دی گئی[1]۔ اس سے زیادہ تفصیل اس مسئلہ کی سورہ مائدہ میں آئے گی۔

ابن جریر نے یزید بن ابی حبیب سے روایت کی ہے کہ بعضے انصار کے گھروں کے دروازے مسجد نبوی میں اس طرح پر تھے کہ بغیر مسجد کے گذر کے وہ گھر سے نہیں آسکتے تھے اور گھروں میں نہانے کے لائق پانی نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے ناپاکی کی حالت میں ان کو مسجد میں سے گذرنے اور گھروں کے باہر آنے میں بڑا تردد ہوتا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ناپاک آدمی کو مسجد سے گذر جانے کی اجازت فرما دی[2]۔ ناپاک آدمی کے حکم میں حیض و نفاس والی عورت بھی ہے چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ کی جو حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ مسجد میں سے بوریا اٹھا لاؤ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ میں حیض کی حالت میں ہوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خفا ہو کر فرمایا کہ حیض کیا تمہارے ہاتھ کو لگا ہوا ہے[3]۔ اس حدیث سے یہی تفسیر اس آیت کی صحیح ہے کہ اس آیت کے حکم میں حیض و نفاس والی عورت داخل ہے[4]۔ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ ناپاک آدمی جب تک نہا نہ لے اس کو مسجد میں راستہ کے طور پر گذر جانے کے سوا ٹھہرنا جائز نہیں۔ لیکن امام احمد کے نزدیک فقط وضو بھی کافی ہے۔ اور امام احمدؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جو خود ان کی مسند اور سنن سعید بن منصور میں ہے کہ اکثر صحابہ ناپاکی کی حالت میں وضو کر کے مسجد میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ لیکن یہ بعضے صحابہ کا عمل ہے۔ صحابہؓ کا اس پر اجماع نہیں اس لئے اکثر علماء کا یہی قول ہے کہ ناپاک آدمی کو مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں ہے۔ خواہ مرد ہو یا حیض و نفاس والی عورت ہو۔ بعضے علمائے راہ چلتے کے معنے مسافر کے جو کئے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ کیونکہ مسافر کا الگ ذکر ہے۔ پھر وہ ذکر دو دفعہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ اگرچہ مسند امام احمد اور سنن سعید بن منصور کی سند میں ہشام بن سعد راوی ہے جس کو ابو حاتم وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ لیکن یہ روایت ہشام کی زید بن اسلم سے ہے جو مقبول ہے۔ اس لئے اس سند کو بعضے علماء نے مسلم کی شرط پر کہا ہے۔ ناپاک حالت میں جس طرح مسجد میں ٹھہرنا منع ہے اسی طرح قراءت قرآن اور طواف بھی منع ہے چنانچہ اس کی صراحت صحیح حدیثوں[5] میں آئی ہے۔

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۲ باب بیع الخمر و سنن نسائی ج ۲ ص ۲۲۴ بیع الخمر مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ لاہور و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۹۳ [2] تفسیر ابن جریر جز ۵ ص ۶۰ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۰۱ [3] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۴۳ کتاب الحیض و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۰۱ [4] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۰۱ [5] ان مسائل کے پورے تفصیلی مباحث کے لئے ملاحظہ فرمائیے تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۰۲ و تفسیر خازن ج ۲ ص ۸۰ — ۸۱ و نیل الاوطار جلد اول ص ۲۸۶ — ۲۷۹۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ

اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں یا آیا ہے کوئی شخص تم میں سے جائے ضرورسے یا لگے ہو

النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ

عورتوں سے پھر نہ پایا پانی تو ارادہ کرو زمین پاک کا پھر لو اپنے منہ کو

وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

اور ہاتھوں کو اللہ ہے معاف کرنے والا بخشنے والا

اگرچہ تیمم کی شان نزول میں مفسروں نے مختلف روایتیں نقل کی ہیں۔ لیکن صحیح شان نزول وہی ہے جس کو امام بخاریؒ نے اور امام احمد بن حنبلؒ نے روایت کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک سفر میں حضرت عائشہؓ حضور کے ساتھ تھیں حضرت عائشہؓ کے گلے کا ہار گر پڑا۔ اس کے ڈھونڈھنے میں صبح تک قافلہ روانہ نہ ہوسکا یہاں تک کہ صبح کی نماز کا وقت آگیا۔ اس جنگل میں سب قافلے کے وضو کے لئے پانی نہ تھا اس سبب سے لوگ بہت گھبرائے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حضرت عائشہؓ کی شکایت کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی حضرت عائشہؓ پر بہت خفا ہوئے اتنے میں اللہ تعالے نے یہ تیمم کا حکم نازل فرمایا۔ اس حکم کی خوشی میں پھر سب نے مل کر حضرت عائشہؓ کو بہت دعائیں دیں[1]۔ تیمم کی یہ حدیثیں کہ فقط ایک دفعہ دونوں ہاتھ زمین پر مارکر پہونچوں تک دونوں ہاتھوں اور منہ کو مل لے۔ زیادہ صحیح ہیں[2]۔ جس مرض میں پانی کا استعمال مضر ہو اس میں تیمم جائز ہے اسی طرح سفر میں پانی نہ ملے تو اس صورت میں بھی تیمم جائز ہے۔ ابوداؤد، ابن ماجہ، دارقطنی میں جابرؓ سے روایت ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ ہم لوگ سفر میں تھے اور ہم میں سے ایک شخص کے سر میں زخم تھا۔ اتفاق سے اس زخمی شخص کو نہانے کی حاجت ہوئی اور اس نے ہم سب ساتھ والے لوگوں سے تیمم کا مسئلہ پوچھا ہم نے اس کو تیمم کی اجازت دینے میں تامل کیا اس لئے اس شخص نے غسل کیا جس کے صدمہ سے وہ شخص فوت ہوگیا۔ مدینہ میں آنے کے بعد جب یہ ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو آیا تو آپ بہت خفا ہوئے اور فرمایا اس شخص کو تیمم کافی تھا[3]۔ ابن سکن نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[4]۔

یہ ابن سکن ابوعلی سعید بن عثمان بن سعید بن السکنؒ بغدادی علم حدیث میں صاحب تصنیف اور اپنے وقت کے مشہور عالم ہیں۔ صحیح ابن السکن ان کی تصنیفات میں زیادہ شہرت رکھتی ہے[5]۔

اسی حدیث میں زخمی شخص کے لئے ایک صورت یہ بھی ہے کہ بدن پر جہاں زخم نہ ہو وہاں پانی بہا لیا جائے اور زخم کی جگہ پر پٹی باندھ کر اس پٹی پر مسح کر لیا جائے۔ صحیحین میں عمران بن حصینؓ سے روایت ہے جس کا حاصل

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۸ کتاب التیمم و تفسیر [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۸ کتاب التیمم للوجہ والکفین۔ و نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۳۳-۳۳۴ [3] ابوداؤد ج ۱ ص ۴۹ باب المجدور یتیمم و ابن ماجہ ص ۴۳ باب فی المجروح تصیبہ الجنابۃ الخ طبع لکھنؤ و دارقطنی ص ۶۹ باب جواز التیمم لصاحب الجراح الخ [4] تلخیص الحبیر ص ۵۲ و نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۴۳ [5] دیکھئے مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۷۵ وغیرہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ

تو نے نہ دیکھے جن کو ملا ہے کچھ ایک حصہ کتاب سے خرید کرتے ہیں گمراہی

وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى

اور چاہتے ہیں کہ تم بھی بھٹکو راہ سے اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ بس ہے

بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۫ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ

حمایتی اور اللہ بس ہے مددگار وہ جو یہود ہیں بے ڈھب کرتے ہیں بات کو

عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ

اس کے ٹھکانے سے اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور سُن نہ سنایا جائیو

یہ ہے کہ سفر کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کی نماز پڑھی۔ ایک شخص اس جماعت میں شریک نہیں ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے جماعت میں شریک نہ ہونے کا سبب پوچھا اس نے کہا مجھ کو نہانے کی حاجت تھی۔ اور نہانے کے قابل پانی نہیں تھا آپ نے فرمایا ایسی حالت میں تیمم کافی تھا[1] حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے لامستم النساء کی تفسیر عورت سے صحبت کرنے کی کی ہے[2]۔ اس تفسیر کے مقدمہ میں یہ بات گذر چکی ہے کہ جہاں تفسیر کے باب میں سلف کا اختلاف ہو وہاں امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اس لئے بعضے سلف نے آیت سے یہ مطلب جو نکالا ہے کہ فقط عورت کو ہاتھ لگانے سے بھی وضو والے کو وضو اور تیمم والے کو تیمم لازم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر کے مخالف وہ مطلب ترجیح دینے کے قابل نہیں ہے۔ صعید کے معنے روئے زمین اور مٹی دونوں کے ہیں۔ اس واسطے اس میں اختلاف ہے کہ تیمم فقط زمین پر کی مٹی سے ہی ہوسکتا ہے یا روئے زمین پر کی اور چیزوں مثلاً چونہ وغیرہ سے بھی ہوسکتا ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک سوائے مٹی کے اور کسی چیز سے تیمم جائز نہیں ہے اور سلف اس کے مخالف ہیں، دلیل ہر ایک مذہب کی فقہ کی کتابوں میں ملیگی[3] " اللہ معاف کرنے والا بخشنا " کا یہ مطلب ہے کہ اس نے اپنی مہربانی اور درگذر کے سبب سے اس طرح نرم اور سہل احکام نازل فرمائے ؂

۴۴ ۔ ۴۶۔ ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رفاعہ بن زید اور مالک بن خشم یہودیوں میں دو بڑے سردار تھے وہ طرح طرح کی شرارتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے تھے کبھی آپ سے کوئی مسئلہ پوچھتے اور آپ جو جواب دیتے اس کو بدل کر اور طرح پر لوگوں سے بیان کرتے اور کبھی زبان دبا کر دو معنے کلمات آپ کو کہتے مثلاً راعنا کو ان معنوں میں بولتے جن کا ذکر سورہ لقبرہ میں گذرا اور ظاہر میں سمعنا واطعنا کہہ کر چپکے سے کہتے سنا ہم نے اور نہ مانا۔ اور واسمع غیر مسمع سے یہ مطلب نکالتے۔ آپ بہرے ہوجائیں غرض ان دونوں شخصوں اور اس قسم کے شریر النفس جو یہود تھے ان سب

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹ باب الصعید الطیب وضوء المسلم یکفیہ الماء، وتفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۰۳ [2] تفسیر ابن جریر ج ۵ ص ۱۰۱، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۰۲ [3] مثلاً دیکھئے نیل الاوطار ج اول ص ۳۲۷ ۔ ۳۲۸ ۔ ۳۳۰ وغیرہ ؂

وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا

اور کہتے ہیں راعنا موڑ کر اپنی زبان کو اور عیب دے کر دین میں اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور مانا

وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ وَلَٰكِن لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ

اور سن اور ہم پر نظر کر تو بہتر ہوتا ان کے حق میں اور درست لیکن لعنت کی ان کو اللہ نے ان کے کفر سے

فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٤٦﴾

سو ایمان نہیں لاتے مگر کم ۔

کی تنبیہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1] اور فرمایا جس تورات سے ان لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت معلوم ہوئی اس تورات میں نبی آخر الزماں کی نبوت کا بھی ذکر ہے۔ مگر ان لوگوں نے ایسی بری سوداگری کی کہ ہدایت کے معاوضہ میں گمراہی خریدی اور کچھ تو اسی دشمنی کے سبب سے کہ ان کے گھرانے میں یہ آخری نبوت کیوں نہ ہوئی۔ اور کچھ دنیا کے تھوڑے سے لالچ کے خیال سے انہوں نے تورات کے لفظوں اور بعض جگہ معنوں کو بدلا اور اس دھوکے سے اے مسلمانوں یہ لوگ تم کو بھی نیک راستہ سے بھلانا چاہتے ہیں لیکن اللہ کو خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ تمہارے دشمن ہیں تم ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دو اس کی مدد تم کو کافی ہے اس کی مدد کے آگے ان کی دشمنی کیا چل سکتی ہے " اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور مانا اور سن اور ہم پر نظر کر تو بہتر ہوتا ان کے حق میں اور درست لیکن لعنت کی ان کو اللہ نے ان کے کفر سے اس لئے ایمان نہیں لاتے مگر کم"۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ یہ یہود لوگ اگر اُن شرارت کے لفظوں کی جگہ یہ سیدھے سیدھے لفظ کہتے تو ان کے لئے دین دنیا میں یہ ان کے حق میں بہتر تھا۔ دین کی بہتری تو یہ تھی کہ تورات میں نبی آخر الزماں پر ایمان لانے کا حکم تھا۔ اس کی تعمیل ہو کر ان لوگوں کی عقبےٰ درست ہو جاتی اور دنیا کی بہتری یہ تھی کہ یہ لوگ جزیہ کی چٹی سے بچ جاتے اور ان لوگوں کے طرح طرح کے گناہوں کے سبب سے ان پر تنگ دستی جو سوار ہے وہ جاتی رہتی۔ چنانچہ سورہ مائدہ میں فرمایا وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِم مِّن رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ (۵- ۶۵/۶۶) حاصل مطلب ان سورہ مائدہ کی آیتوں کا وہی ہے جو اوپر بیان ہوا کہ اگر یہ اہل کتاب تورات اور انجیل کے پابند ہو کر نبی آخر الزماں اور قرآن پر ایمان لاتے تو ان کے لئے دین و دنیا میں بہتر تھا۔ پھر فرمایا کہ یہ ہوتا تو کیونکر ہوتا۔ یہ تو اسرائیل کی اولاد اور ان ہی اپنے بڑوں کے ڈھنگ پر ہیں جن پر داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں خدا کی لعنت اتر چکی ہے۔ یہ پورا قصہ سورہ مائدہ میں آئے گا۔ لیکن مسند امام احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ میں جو روایتیں بنی اسرائیل پر لعنت اترنے کی ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں جب گناہوں کی کثرت ہوگئی اور ان کے علماء نے جاہل لوگوں کی نصیحت کو چھوڑ کر خود بھی ان گنہگاروں کی مجلسوں میں شریک ہونا شروع کر دیا۔

[1] لباب النقول ص ۷۴ و تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۴۰۷ و تفسیر در منثور ج ۲ ص ۱۶۸ ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ

اے کتاب والو ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا سچ بتاتا تمہارے پاس والے کو پہلے اس سے

اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ

کہ ہم مٹا ڈالیں کتنے منہ پھر الٹ دیں ان کو پیٹھ کی طرف یا ان کو لعنت کریں جیسے لعنت کی

السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝۴۷

ہفتے والوں کو اور اللہ نے جو حکم کیا سو ہوا

تو حضرت داؤد علیہ السلام اور عیسٰے علیہ السلام کی زبانی ان پر اللہ کی لعنت اتری۔ یہ روایت متصل، اور مرسل چند طریقوں سے ہے جس سے ایک روایت کو دوسری سے تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔[1] آخر آیت میں فرمایا کہ اس خاندانی پھٹکار کے سبب سے ان میں سے عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ چند لوگ راہِ راست پر آ گئے باقی سب اسی پھٹکار میں گرفتار ہیں۔ اللہ کی لعنت اور پھٹکار کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں پر اللہ کی رحمت نہ ہو گی۔ اگرچہ یہ قصہ یہود کا ہے۔ لیکن اس امت میں بھی جب وہ حالت گناہوں کی کثرت اور علماؤں کی چشم پوشی کی پیش آئے گی تو اسی طرح کے کسی عذاب کے آنے کا خوف ہے چنانچہ ترمذی میں حذیفہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا اے لوگو نیک باتوں کی تاکید اور بری باتوں کی ممانعت انجان لوگوں کو کرتے رہو ورنہ جب یہ بات تم میں نہ رہے گی تو کوئی نہ کوئی اللہ کا عذاب آئے گا۔ اور پھر اس عذاب سے بچنے کی دعا کی جائے گی تو کسی کی دعا قبول نہ ہو گی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔[2]

۴۷۔ ابن اسحاق وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن صوریا اور کعب بن اسید یہود کے علماء سے کہا کہ تورات سے تم کو میری نبوت بخوبی معلوم ہو چکی ہے پھر تم خدا سے کیوں نہیں ڈرتے اور نبی برحق پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم کو تورات سے آپ کی نبوت ہرگز نہیں معلوم ہوتی۔ اس پر اللہ تعالٰے نے یہ آیت نازل فرمائی[3] اور فرمایا کہ ان لوگوں کو تورات کی ہدایت کے موافق قرآن اور نبی آخر الزماں پر ایمان لانا ہے تو یہ لوگ جلدی کریں ورنہ جس طرح ان لوگوں نے جان بوجھ کر حق باتوں سے منہ پھیرا ہے اسی طرح ہم بھی ان کو یہ سزا دیں گے کہ ان کا چہرہ۔ آنکھ۔ ناک سب گدی کی طرف سے پھیر دیں گے اور ان کے بڑوں میں سے جن لوگوں نے شکار کھیلا تھا۔ ان کی طرح ان کو بھی ملعون ٹھہرا کر بندر اور سور کی شکل کر دیا جائے گا۔ اس قصہ کا تذکرہ سورہ بقرہ میں گذر چکا ہے۔ اور زیادہ تفصیل اس قصہ کی سورہ اعراف میں آئے گی۔ عبداللہ بن سلامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور کعب احبار حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسی آیت کو سن کر ایمان لائے۔ "اللہ نے جو حکم کیا سو ہوا" اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا حکم ایسا زبردست ہے کہ ایک کن کے

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۰ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۲ [2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۳۹ باب ما جاء فی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر۔
[3] تفسیر معالم ج ۲ ص ۴۷۵۔ لباب النقول ص ۶۹

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ

تحقیق اللہ نہیں بخشتا ہے یہ کہ اس کا شریک پکڑیے اور بخشتا ہے اس سے نیچے جس کو چاہے اور

مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى إِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا اس نے بڑا طوفان باندھا ۔

کہنے سے سب کچھ پیدا ہوگیا۔ اس لئے اس کے حکم کے آگے کسی عذاب کا ان لوگوں پر آجانا ادنے سی بات ہے ۔

۴۸۔ طبرانی[1] اور ابن ابی حاتم نے ابوایوب انصاری رضؓ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میرا ایک بھتیجا ہے وہ رات دن بُرے کاموں میں مصروف رہتا ہے آپ نے فرمایا اس کا دین کیا ہے اس شخص نے عرض کیا خدا کو ایک جانتا ہے۔ نماز پڑھتا ہے۔ آپ نے فرمایا پہلے اس کو اس کے دین سے مفت پھر کچھ لالچ دے کر ہٹانا چاہئے۔ تاکہ معلوم ہو کہ باوجود بُرے کام کرنے کے وہ دین پر کہاں تک پکا ہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد اس شخص نے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر بیان کیا کہ وہ اپنا دین کسی طرح نہیں چھوڑتا اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[2] حاصل معنے آیت کے وہی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمائے ہیں چنانچہ مسند ابویعلی موصلی اور تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے اس آیت کو پڑھ کر یہ معنے بیان فرمائے کہ جو شخص ایسی حالت میں مرا کہ ایک شرک تو اس میں نہیں ہے۔ لیکن سوا شرک کے اور طرح طرح کے گناہوں میں بلا توبہ کے مبتلا ہے تو ایسے شخص کے لئے مغفرت تو اللہ کی حلال ہو چکی اب یہ بات اللہ کے اختیار میں ہے کہ چاہے بلا کسی مؤاخذہ کے اس کو جنت نصیب کرے چاہے کسی قدر مؤاخذہ کے بعد اس کو جنت میں داخل کرے۔ یہ جابرؓ کی روایت صحیح مسلم میں بھی ہے[3] مگر مختصر طور پر بغیر ذکر آیت کے طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو شخص اللہ کو گناہوں کے بخشنے پر قادر جان کر مرے گا اور اس کے گناہوں میں شرک بلا توبہ نہ ہوگا تو اللہ کو اس کے بخشنے میں کچھ دریغ نہ ہوگا[4] حاصل کلام یہ ہے کہ اس آیت اور ان احادیث کے سبب سے جمہور سلف اور عام اہل سنت کا مذہب یہی ہے کہ خواہ قتل نفس کا گنہ گار یا اور کسی کبیرہ کا گنہ گار اگر وہ بلا توبہ کے مرجائے گا تو اس کی مغفرت اللہ کے اختیار میں ہے اور توبہ شرک اور ہر کبیرہ گناہ کی مقبول ہے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا خلاف اس باب میں مشہور ہے کہ وہ آیت ومن یقتل مؤمنا متعمدا سے یہ حجت قائم کرتے ہیں کہ جو شخص مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوسکتی ہے

[1] طبرانی کی سند میں اگرچہ ایک شخص واصل بن السائب ضعیف ہے لیکن ابن ابی حاتم کی روایت سے طبرانی کی روایت کو تقویت ہو جاتی ہے۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالےٰ لیکن تفسیر ابن ابی حاتم کی جو سند تفسیر ابن کثیر (ج ۱ ص ۵۱۰) میں مذکور ہے اس میں بھی یہی راوی ہے لہٰذا روایت ضعیف ٹھہری۔ ع۔ ر۔

[2] الدر المنثور ج ۲ ص ۱۶۹

[3] صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۶ باب الدلیل علی ان من مات لا یشرک باللہ شیئا الخ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۰۹ و تفسیر معالم ج ۲ ص ۱۸۱۔

[4] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۱۰۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُم ۚ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ

تو نے نہ دیکھے وہ جو آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں بلکہ اللہ پاکیزہ کرتا ہے جس کو چاہے اور ان پر ظلم نہ ہوگا

یہ مذہب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ایسا ہے کہ اس میں سلف کو بھی بڑا تردد رہا ہے۔ چنانچہ بخاری[1] وغیرہ کتب حدیث میں روایت ہے کہ سعید بن جبیر نے خاص طور پر جا کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے آیت ومن یقتل مومنا متعمدا اور آیت والذین لا یدعون مع اللہ الٰہا اٰخر ولا یقتلون النفس (۲۶-۶۸) ان دونوں کو بلا کر مطلب پوچھا اس سے غرض سعید بن جبیر کی یہ تھی کہ جب آیت والذین لا یدعون میں قاتل کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے تو پھر آپ یہ کیونکر فتوے دیتے ہیں کہ مسلمان کے قاتل کی نہ مغفرت ہے نہ اس کی توبہ قبول ہے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ جواب دیا کہ آیت والذین لا یدعون خاص اہل شرک کے قاتلین کے لئے ہے مسلمان قاتل کا حکم سورہ نساء کی آیت ومن یقتل میں جدا ہے۔ اور سورہ نساء سورہ فرقان سے چھ مہینے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس لئے سورۂ نساء کی آیت سے میں یہی کہتا ہوں کہ مسلمان کے قاتل مسلمان کی نہ مغفرت ہے نہ توبہ ہے اور علماء نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے جواب کا جواب الجواب اس طرح دیا ہے کہ طبرانی کی روایت میں یہ صراحت آچکی ہے کہ جب آیت والذین لا یدعون نازل ہوئی تو صحابہ حاضرین مجلس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ یہ آیت اہل شرک کے لئے خاص ہے آپ نے فرمایا نہیں سب مسلمانوں کے لئے عام ہے[2]۔ پھر یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ آیت اہل شرک کے لئے خاص ہے ابو سعید خدریؓ کی متفق علیہ حدیث میں جب یہ آچکا ہے کہ ایک شخص اسرائیلی نے ننانوے ۹۹ خون کئے اور بنی اسرائیل کا جو عالم یہ کہتا گیا کہ تیری توبہ قبول نہیں اسی کو اس نے قتل کیا۔ آخر توبہ کی نیت سے جاتے جاتے مر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے زمین کی ماپ کرائی اور جدھر وہ شخص توبہ کی نیت سے جاتا تھا ادھر زمین کے ایک بالشت بھر قریب نکلنے سے باوجود ننانوے خون کے اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مغفرت فرمائی اور اس کی توبہ قبول کی[3]۔ پھر یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ مسلمان کے قاتل کی توبہ قبول نہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قتل کا جرم حق العباد میں سے ہے۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا مقصود یہ ہے کہ قصاص یا معافی جرم سے جب تک صاحب حق کو حق کی کچھ تلافی نہ ہو اس وقت تک حقوق عباد میں فقط توبہ سے آدمی کی سبکدوشی نہیں ہو سکتی اس صورت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور جمہور کے مذہب میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ حقوق عباد میں جمہور کا مذہب یہی ہے جو مطلب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کا حافظ ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے[4]۔

۴۹-۵۰۔ ابن ابی حاتم وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ یہود ایک دفعہ کچھ اپنے چھوٹے بچوں کو

---

[1] صحیح بخاری ص ۶۸۴ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۳۶ [2]۔ [3] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۹ باب قبول توبۃ القاتل وان کثر قتلہ

[4] ملاحظہ فرمایئے تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۳۷ ۱۲

فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا
تاگے برابر دیکھ کیسا باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور یہی کفایت ہے گناہ

مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ
صریح تونے نہ دیکھے جن کو ملا ہے کچھ حصہ کتاب کا مانتے ہیں بتوں کو

وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اور شیطان کو اور کہتے ہیں کافروں کو یہ زیادہ پائے ہیں مسلمانوں سے

سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾
راہ وہی ہیں جن کو لعنت کی اللہ نے اور جس کو لعنت کرے اللہ پھر تو نہ پائے کوئی اس کا مددگار

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور پوچھا کیا لڑکے گنہ گار ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں پھر یہود نے کہا ہم بھی ان لڑکوں کے مانند ہیں۔ جو گناہ ہم دن کو کرتے ہیں وہ رات کو اور جو رات کو کرتے ہیں وہ دن کو معاف ہو جاتے ہیں اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی[۱] اور فرمایا غیب کا علم اللہ کو ہے کہ مرنے کے بعد کس کا کیا انجام ہونے والا ہے یہ لوگ جو زبردستی اپنے آپ کو بے گناہ بچوں کی طرح سے عذاب آخرت سے بری بتاتے ہیں یہ اللہ کی شان میں ان کا ایک صریح جھوٹ ہے عقبےٰ میں ایک ذرہ بھر بھی ظلم نہ ہوگا۔ کہ نیکوں کی جزا بدوں کو یا بدوں کی سزا نیکوں کو مل جائے۔ بلکہ وہاں تو جیسا کوئی کرے گا ویسا پائے گا۔ اور گناہ تو درکنار ان لوگوں نے اللہ کی شان میں یہ ایک جھوٹ بات کہی ہے کہ باوجود طرح طرح کے گناہوں کے ان سے عقبےٰ میں مواخذہ نہ ہوگا۔ یہی ایک ایسا بڑا گناہ ہے کہ وہی ان کی گرفت کے لئے کافی ہے فتیل اس پتلے سے چھلکے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی پر تاگے کی طرح باریک ہوتا ہے تزکیہ کے معنے اپنے نفس کی بڑائی کرنا۔ صحیح حدیثوں میں شیخی کے طور پر اپنے آپ کو جو آدمی اچھا کہنے لگتا ہے اس کی اور خوشامد کے طور پر دوسرے کی جو زبردستی تعریف کرتا ہے اس کی ممانعت آئی ہے[۲]۔

۵۱ ۔ ۵۲ ۔ مسند امام احمد تفسیر ابن جریر تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ مجاہد، عکرمہ، اور قتادہ کی روایتوں سے جو شان نزول ان آیتوں کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جب یہود لوگ احزاب کی لڑائی کے لئے قریش کو رغبت دلانے کے لئے مکہ کو گئے اس وقت قریش نے حی بن اخطب اور کعب بن اشرف یہود کے سرداروں سے پوچھا کہ تم اہل کتاب ہو بھلا یہ تو بتاؤ کہ ہم لوگ حق پر ہیں یا محمد اور ان کے ساتھی حق پر ہیں اس وقت یہود کی یہ غرض قریش سے متعلق تھی کہ کسی طرح قریش کو بہکا کر جنگ احزاب برپا کیا جائے۔ اس لئے ان یہود کے سرداروں نے کہا کہ تمہارا دین اچھا ہے۔ اور تم حق پر ہو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں[۳] اور فرمایا۔ ان لوگوں کی بے ایمانی دیکھنے کے قابل ہے کہ دنیا کی ایک غرض کے

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۱۱ و الدر المنثور ج ۲ ص ۱۷۰۔ [۲] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۹۵ باب مایکرہ من التمادح و صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۴ باب النہی عن المدح الخ۔ [۳] تفسیر در منثور ج ۲ ص ۱۷۱ و تفسیر معالم ج ۲ ص ۸۵ ام۔

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ

یا ان کا کچھ حصہ ہے سلطنت میں پھر تو یہ نہ دیں گے لوگوں کو ایک تل برابر یا حسد کرتے ہیں

النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ

لوگوں کا اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے سو ہم نے تو دی ہے ابراہیم کے گھر میں کتاب

وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ

اور علم اور ان کو دی ہے ہم نے بڑی سلطنت پھر ان میں کسی نے اس کو مانا اور کوئی اس سے

صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾

اٹک رہا اور دوزخ بس ہے جلتی آگ

سبب سے انہوں نے اہل کتاب ہو کر شرک کو توحید سے اور مشرکوں کو موحدوں سے اچھا بتایا۔ ایسے بے ایمانوں پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جس پر اللہ کی پھٹکار ہو اس کو دنیا اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے کوئی بچا نہیں سکتا یہ جو فرمایا کہ اہل کتاب ہو کر "مانتے ہیں بتوں کو اور شیطان کو" اس شان نزول کی بعض روایتوں میں اس کا قصہ یوں ہے کہ جب ان یہود کے سرداروں نے قریش کو احزاب کی لڑائی کے لئے ابھارنا چاہا تو قریش نے کہا کہ تم اور محمد اہل کتاب اور دونوں ایک ہو اس لئے ہم کو تمہاری باتوں پر اس وقت تک بھروسہ نہیں ہے جب تک تم ہمارے بتوں کو سجدہ نہ کرو اس پر یہود کے دونوں سرداروں نے شیطان کے بہکانے سے اہل مکہ کے بتوں کو اپنی غرض کے لئے سجدہ بھی کیا[1]۔ جبت کے معنے بتوں کے ہیں۔ اور طاغوت کے معنے شیطان کے۔

۵۳ ـــ ۵۵۔ اوپر ذکر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہود کو یہاں تک دشمنی تھی کہ یہ لوگ قریش کو احزاب کی لڑائی پر آمادہ کرنے کے لئے اطراف مدینہ سے سفر کر کے مکہ گئے ان آیتوں میں فرمایا یہود کی یہ دشمنی فقط اس سبب سے ہے کہ نبی آخر الزماں بنی اسمٰعیل میں سے کیوں ہوئے اولاد اسحاق پر سے کیوں نہیں ہوئے حالانکہ بنی اسحاق اور بنی اسمٰعیل دونوں کا سلسلہ ابراہیم علیہ السلام سے ملتا ہے اور ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے اسحاق کی اولاد میں ایک مدت دراز تک نبوت بادشاہت سب کچھ رہا اب ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے اسمٰعیل کی اولاد میں ایک نبی آخر الزماں کے پیدا ہونے سے نبی آخر الزماں کے ساتھ ان لوگوں کی اس قدر دشمنی فقط ان لوگوں کی بخیلی کے سبب سے ہے کیونکہ ان کی بخیلی کی عادت یہاں تک بڑھی ہوئی ہے۔ کہ ان کے قبضہ میں ایک سلطنت بھی ہو تو یہ لوگ اس میں سے ایک تل برابر چیز بھی کسی کو نہ دیں۔ کھجور کی گٹھلی پر نقطہ کی برابر ایک نشان جو ہوتا ہے اس کو نقیر کہتے ہیں یحسدون الناس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ناس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی مقصود ہیں[2]۔ انہیں آیتوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تسکین کے لئے یہ بھی فرمایا کہ ان لوگوں کی مخالفت اللہ کے نبی کے ساتھ کچھ نئی نہیں ہے۔ بلکہ نبی آخر الزماں کی

[1] تفسیر ابن جریر جز ۵ ص ۷۹ و تفسیر در منثور ج ۲ ص ۱۷۱ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۱۳۔

الربع

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا ۖ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم
جو لوگ منکر ہوئے ہماری آیتوں سے ان کو ہم ڈالیں گے آگ میں جس وقت پک جائے گی کھال ان کی

بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾
بدل کر دیں گے ان کو اور کھال کہ چکھتے رہیں عذاب اللہ ہے زبردست حکمت والا

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن
اور جو لوگ یقین لائے اور کیں نیکیاں ان کو ہم داخل کریں گے باغوں میں جن کے

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَّهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَ
نیچے بہتی نہریں رہ پڑے وہاں ہمیشہ ان کو وہاں عورتیں ہیں ستھری اور

نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿٥٧﴾
ان کو ہم داخل کریں گے گھن کی چھاؤں میں۔

بنی اسمٰعیل میں پیدا ہونے کا تو ایک حیلہ ہے یہ لوگ تو ایسوں کی اولاد میں جنہوں نے خود اپنے گھرانے کے نبیوں کے ساتھ بڑی مخالفتیں کر کے بعضے نبیوں کو شہید کر ڈالا۔ آخر کو فرمایا یہ لوگ ہوں یا ان کے بڑے ایسے لوگوں کو جہنم کی دھکتی آگ کی سزا کافی ہے۔

۵۶ — ۵۷۔ اوپر ذکر تھا کہ بدوؤں کے لئے جہنم کی دھکتی آگ کی سزا کافی ہے اس پر یہ خیال گذر سکتا تھا کہ جب ایک دفعہ دھکتی آگ میں دوزخیوں کا گوشت پوست جل جائے گا۔ تو پھر اسی جلی ہوئی کھال پر شاید آگ کی تکلیف کچھ کم ہو جائے گی کیونکہ جلی کھال مردار ہو جاتی ہے اس لئے فرمایا کہ اللہ کی آیتوں کے منکر لوگوں کی کھال جب دوزخ میں جل کر مردار ہو جائے گی تو عذاب کی تکلیف قائم رہنے کے لئے فوراً تازی کھال بدل جائے گی۔ بیہقی، تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر ابن مردویہ میں حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور معاذ بن جبلؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ تھوڑی سی دیر میں دوزخیوں کی کھالیں کئی دفعہ بدلی جائیں گی[1] یہ ان لوگوں کا حال ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے منکر ہونے کے سبب سے ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں جو لوگ دوزخ سے نکل کر جنت میں داخل ہونے والے ہیں ان کی کھال نہیں بدلی جائے گی بلکہ وہ ایک دفعہ کے جلنے میں مر کر کوئلے ہو جائیں گے پھر ان کوئلوں میں نہر حیات میں غوطہ دیا جائے گا جس سے وہ زندہ ہو جائیں گے اور ان کو جنت میں جانے کا حکم ہو گا۔ چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی شفاعت کی ابو سعید خدریؓ کی حدیث میں اس کا ذکر ہے[2]۔ عزیزا حکیما کا یہ مطلب ہے کہ اللہ ایسا زبردست ہے کہ اس کے عذاب کو کوئی روک نہیں سکتا۔ صاحب حکمت وہ ایسا ہے کہ اس نے ہر ایک کی سزا جرم کے موافق مقرر کی ہے کسی کی کھال عذاب کی تکلیف بڑھانے کے لئے بدلی جائے گی کوئی دوزخ کے پہلے ہی جھونکے میں جل کر کوئلہ ہو جائے گا۔ تاکہ دیر تک جلنے کی تکلیف

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۱۳ و تفسیر معالم ج ۲ ص ۴۸۸ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۷ باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ

اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچاؤ امانتیں امانت والوں کو اور جب چکوتی کرنے لگو لوگوں میں

نہ ہوا اہل دوزخ کے مقابلہ میں اب آگے اہل جنت کا ذکر فرمایا کہ ان کے رہنے کو عالی شان محل عمدہ باغ جن میں نہریں جاری ہیں ان محلوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے جہاں ان کو نہ بیماری کا کھٹکا ہے نہ موت کا ان کی صحبت کے لئے حیض و نفاس اور سب عیبوں سے پاک بیبیاں ہوں گی جنت کے محلوں اور باغوں کے گھنے درختوں کی چھاؤں ہوگی جس میں وہ بیٹھیں گے۔ اگرچہ جنت میں دھوپ نہ ہوگی جس سے بچنے کے لئے سایہ درکار ہو لیکن زیادہ ٹھنڈک کے لئے اس سایہ میں جنتی لوگ بیٹھیں گے۔ عرب کے بے سایہ ملک میں سایہ کی بڑی قدر ہے اس لئے خاص طور پر سایہ کا ذکر فرمایا۔

۵۸۔ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت ان عثمان بن طلحہ کی شان میں اتری ہے جو ابو طلحہ بشیر بن عثمان کے چچا زاد بھائی اور اسی گھرانے میں کعبہ کی دربانی آج تک ہے۔ معتبر سند سے ابن اسحاق وغیرہ نے اس قصہ کو نقل کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ سے کعبہ کی کنجی لے کر کعبہ کو کھولا۔ اور کعبہ کے دروازہ پر خطبہ پڑھا۔ لوگوں کو طرح طرح کی نصیحت کی اسی موقع پر حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ کعبہ کی کنجی ان دونوں میں سے کسی کو مل جائے تاکہ کعبہ کی دربانی آئندہ ان کے گھرانے میں رہے اتنے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور جن عثمان بن طلحہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کنجی بطور امانت کے لی تھی، اس آیت کے موافق ان کو واپس کر دی[1] بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنجی واپس دیتے وقت عثمان بن طلحہ سے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کنجی تم کو واپس دلوائی ہے اس لئے اب جو کوئی بعد اس کے تم سے یہ کنجی چھینے گا وہ ظالم کہلائے گا[2] اس روایت کے لفظوں سے یہ بھی نکلتا ہے کہ آیت کا نزول اسی قصہ کے متعلق ہے۔ اس شان نزول کے بیان کرنے کے بعد اکثر مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اگرچہ اس آیت کے نازل ہونے کا سبب خاص ہے۔ لیکن امانت کا لفظ ان سب حقوق کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ذمے کئے ہیں۔ مثلاً توحید اور عبادت یا وہ حقوق جو بندوں کے بندوں پر ہیں۔ مثلاً امانت کی چیز یا مانگی ہوئی چیز کا واپس کرنا آیت انا عرضنا الامانۃ (۳۳-۷۲) کی تفسیر علی بن ابی طلحہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو صحیح روایت کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ امانت سے وہ باتیں مقصود ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے انسان پر فرض کیا ہے جن کے بغیر کسی خیانت کے ادا کرنے کے انسان کی نجات ہی نہیں مثلاً جو عبادت بغیر ریاکاری کی خیانت کے ادا ہوئی وہ نجات کا موجب ہے ورنہ عبادت کی محنت رائیگاں اور ریاکاری کا مواخذہ قائم انہی شرائط کے ڈر سے آسمان و زمین۔ اور

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۱۵-۵۱۶ و تفسیر معالم ج ۲ ص ۹۰-۹۱ و لباب النقول ص ۶۶ [2] تفسیر در منثور ج ۲ ص ۱۷۵۔

اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
تو چکوتی کرو انصاف سے اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو اللہ ہے

سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾
سنتا دیکھتا

پہاڑوں نے اس امانت کو قبول نہیں کیا[1] اس کی پوری تفصیل تو سورہ احزاب میں آئے گی۔ مگر یہاں مطلب اسی قدر ہے کہ آیت ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات اور آیت انا عرضنا الامانۃ ان دونوں آیتوں میں امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نزدیک امانت کا لفظ سب حقوق اللہ اور حقوق الناس کو شامل ہے اور اس عام حکم میں یہود کو یہ تنبیہ ہے کہ تورات میں نبی آخرالزماں کے اوصاف کی آیتوں میں ان لوگوں نے تبدل تغیر جو کیا ہے وہ اللہ کی امانت میں انہوں نے خیانت کی ہے۔ وقت مقررہ پر جس کا مؤاخذہ ہوگا صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منافق کی علامتوں میں سے امانت کی خیانت کو بھی ایک علامت فرمایا ہے[2]۔ ترمذی، ابوداؤد اور مستدرک حاکم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان آدمی کو امانت کا واپس کرنا لازم ہے اگر اس کے مال میں کوئی دوسرا شخص خیانت بھی کرے تو اس کو کسی کے مال میں خیانت نہیں چاہئے[3]۔ اس حدیث کی سند میں اگرچہ بعضے علماء نے کلام کیا ہے لیکن ترمذی نے اس حدیث کو حسن[4] اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے[5]۔ مستدرک[6] حاکم میں اس طرح کی ایک روایت انسؓ کی بھی ہے جس کی سند میں ایوب بن سوید ایک راوی ہے جس کو بعض علماء نے ضعیف الحافظ کہا ہے۔ لیکن حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے[7]۔ قاضی حاکم امیر۔ والی۔ جن کے سپرد لوگوں کے ہر طرح کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنا ہے ان کے ذمہ بھی اللہ کی یہ امانت ہے کہ بغیر کسی کی رعایت کے ان کو ہر ایک فیصلہ انصاف سے کرنا چاہئے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ابوذرؓ سے یہ روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابوذرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بستی پر حاکم ہو جانے کی خواہش کی آپ نے ابوذرؓ کو جواب دیا کہ تمہارے مزاج میں ایک طرح کا ضعف ہے اور حکومت اللہ تعالےٰ کی بڑی بھاری امانت ہے جس کی ذمہ داری صاحب ضعف آدمی سے دشوار ہے[8]۔ غرض اسی تعلق کے سبب سے امانت کے ذکر میں حاکم لوگوں کا یہ ذکر فرمایا کہ جب چکوتی کرنے لگو لوگوں میں تو چکوتی کرو انصاف سے۔ مسند امام احمد صحیح مسلم اور نسائی میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انصاف سے لوگوں کا فیصلہ کرنے والے حاکموں کو قیامت کے دن اللہ تعالےٰ

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۶ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰ باب علامۃ المنافق [3] ابوداؤد ج ۲ ص ۹۸ باب فی الرجل یاخذ حقہ من تحت یدہ [4] جامع ترمذی ص ۱۵۲ کتاب البیوع [5] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۴۶ [6] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۴۶ مگر ہمارے مطبوعہ نسخے میں حاکم کی تصحیح کا ذکر نہیں ہے واللہ اعلم [7] ... [8] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۱ باب کراہیۃ الامارۃ بغیر ضرورۃ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ

اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور جو اختیار والے ہیں تم میں سے

اپنے دائیں ہاتھ کی جانب نور کے منبروں پر عزت سے بٹھلائے گا۔ پھر فرمایا یہ محض شفقت حاکموں کی عزت بڑھانے کے لئے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں[1]۔ یہ ان حاکموں کا ذکر ہے جن کی اصلی کوشش انصاف سے فیصلہ کرنے کی ہے اس لئے اکثر فیصلے تو ان کے منصفانہ ہیں اور شاذو نادر اقتضائے بشریت سے بعضے فیصلوں میں ان سے کچھ غلطی بھی ہو گئی ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل درگذر ہے۔ رہے وہ حاکم جو رشوت کے لالچ یا سعی و سفارش کے مان لینے کے سبب سے منصفانہ فیصلہ کی زیادہ پروا نہیں کرتے اس واسطے اکثر فیصلہ تو ان کے رعایتی اور نامنصفانہ ہیں اور کچھ تھوڑے سے فیصلے منصفانہ بھی اُن کے قلم سے نکل گئے ہیں ایسے حاکموں اور قاضی کا سیدھا ٹھکانا جہنم ہے۔ چنانچہ معتبر سند سے ابوداؤد میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس حاکم کے منصفانہ فیصلوں کی تعداد نامنصفانہ فیصلوں پر قیامت کے دن غالب آئے گی وہ جنتی ہے اور جس حاکم کا حال اس کے برخلاف ہے وہ دوزخی ہے[2]۔ اس باب میں اور بھی حدیثیں ہیں ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے وہ نصیحت فرمائی ہے جس پر عمل کرنے سے آدمی کی نجات ہو سکتی ہے اس لئے فرمایا "اللہ نصیحت کرتا ہے تم کو۔ اللہ ہے سنتا دیکھتا" کا یہ مطلب ہے کہ اس نصیحت کی تعمیل جو اللہ تعالیٰ کے سننے سے متعلق ہے مثلاً آپس میں تمہارا وعظ و نصیحت پر قائم رہنا یا سچی گواہی کا ادا کرنا اس سب کو سنتا ہے اور جو عمل دیکھنے سے متعلق ہے نماز روزہ حج زکوٰۃ ان سب نیک عملوں کو دیکھتا ہے۔

۵۹۔ اوپر کی آیت میں حاکموں کا ذکر فرما کر اس آیت میں محکوم لوگوں کا ذکر فرمایا اس آیت کی شان نزول قصہ طلب ہے حاصل اس قصہ کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن حذافہؓ صحابی کو سردار کر کے اور کچھ لوگ اُن کے ساتھ کر کے نجد کی طرف ایک چھوٹی سی لڑائی پر ان کو بھیجا تھا۔ راستے میں عبداللہ بن حذافہؓ کو اپنے ساتھ کے لوگوں سے کچھ رنجش ہو گئی۔ انہوں نے اپنے ساتھ کے لوگوں سے کہا کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں کو میری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے ان لوگوں نے کہا ہاں دیا ہے۔ اس پر عبداللہ بن حذافہؓ نے جنگل سے لکڑیاں جمع کرا کے ان لکڑیوں میں آگ لگا دی۔ اور اپنے ساتھ کے سب آدمیوں سے کہا کہ تم سب اس آگ میں کود پڑو۔ اب عبداللہ بن حذافہؓ کے ساتھیوں کے دو گروہ ہو گئے کچھ لوگ تو آگ میں کودنے پر راضی ہو گئے اور کچھ لوگوں نے کہا کہ آگ سے بچنے کے لئے تو ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں بغیر اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم ہرگز یہ فعل نہ کریں گے۔ آخر یہ قصہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک آیا آپ نے فرمایا کہ جس امر کی شریعت اجازت دے حاکم کی اطاعت ایسے امر میں ہے تم اگر

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۱ باب فضیلۃ الامیر العادل الخ و تفسیر معالم ج ۲ ص ۱۹۲ [2] سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۵۰۳ باب فی القاضی یخطی۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ
پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو اللہ کی اور رسول کی طرف اگر یقین رکھتے ہو

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾
اللہ پر اور پچھلے دن پر یہ خوب ہے اور بہتر تحقیق کرنا ہے

آگ میں کود پڑتے تو ہمیشہ اس آگ میں رہتے[1]

اس شان نزول کو امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بخاریؒ میں روایت کیا ہے[2] اور داؤدی شارح صحیح بخاری نے اس شان نزول پر جو اعتراض کیا ہے اس کا جواب اچھی طرح علامہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری[3] میں دے دیا ہے۔ اور مفسرین نے سوا اس شانِ نزول کے اور شان نزول جو اس آیت کے بیان کئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان حالات پر بھی آیت کا مطلب صادق آتا ہے۔ ورنہ اصل شان نزول وہی ہے جو امام بخاری نے بیان کی ہے کیونکہ امام بخاری کی روایت پر دوسری روایت کو فوقیت نہیں ہو سکتی بخاری کی اس شان نزول کی روایت پر بخاری کی شرح داؤدی میں جو اعتراض کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر آیت کا نزول عبداللہ بن حذافہؓ کے قصے سے پہلے مانا جائے تو آیت کو قصہ سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا اگر آیت کا نزول قصے سے بعد مانا جائے تو عبداللہؓ کے نافرمان لوگوں کو آیت میں کچھ سرزنش نہیں ہے حالانکہ جب آیت اولی الامر کی فرماں برداری کے حکم میں ہے اور قصے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنے سردار کا حکم نہیں مانا تو آیت میں ان کا کچھ ذکر ہونا چاہیئے تھا۔ حافظ ابن حجرؒ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ قصہ میں حاکم اور محکوم کا اس پر جھگڑا تھا کہ عبداللہؓ کے حکم سے جو آگ جلائی گئی ہے اس میں کود پڑنا جائز ہے یا نہیں اس کا حکم آیت میں یہ ہے کہ ایسی باہمی نزاع کی صورت میں آپس کی نزاع کو بڑھانا نہیں چاہیئے۔ بلکہ ہر ایمان دار آدمی کو چاہیئے کہ ایسے نزاع کی حالت میں اللہ اور اللہ کے رسول کا حکم تلاش کر کے اس کے موافق آپس کے جھگڑے کا تصفیہ کرے تاکہ بغیر حکم خدا و رسول کے عقلی طور پر کسی کام کو کر لینے سے دین کی کوئی خرابی نہ لازم آجائے جس طرح عبداللہؓ کے ساتھیوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اتنی بڑی خرابی جتلائی کہ اگر وہ بغیر آنحضرت سے پوچھنے کے اپنی سمجھ سے اس آگ میں کود پڑتے تو قیامت تک اس آگ میں رہتے یہ آپ نے اس لئے فرمایا کہ یہ ایک صورت خودکشی کی تھی اور خودکشی کا حکم اوپر آیت ولا تقتلوا انفسکم کی تفسیر میں گذر چکا ہے کہ جس طرح سے کوئی شخص خودکشی کرے گا اسی طرح کا عذاب اس پر ہمیشہ کیا جائے گا۔ اولی الامر کی تفسیر میں سلف کا اختلاف ہے بعضوں نے اس لفظ کی تفسیر امراء کی ہے اور بعضوں نے علماء دونوں تفسیروں میں کوئی تفسیر بھی لی جائے

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۱۷ و صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۲۲ باب سریۃ عبداللہ بن حذافۃ السہمی [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۹ کتاب التفسیر [3] فتح الباری ج ۴ ص ۱۵۹ — ۱۶۰ طبع دہلی و لباب النقول ص ۶۷۔

جب کہ آیت کی شان نزول کی بعض روایتوں میں الطاعۃ فی المعروف اور بعض روایتوں میں انما الطاعۃ فی المعروف کا لفظ موجود ہے تو معنے آیت کے یہی ہوں گے کہ اولی الامر منکم کی اطاعت اسی حد تک ہے جو حد کسی شرعی حکم سے شریعت میں معروف ہے اسی واسطے اللہ اور رسول کے نام کے ساتھ اطیعوا کا لفظ فرمایا اور اولی الامر کے ساتھ اطیعوا کا لفظ نہیں فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اولی الامر کا حکم مستقل طور پر شرعی حکم نہیں ہے بلکہ اللہ اور رسول کے حکم کی یہ ایک شاخ ہے اور دنیا میں کوئی شاخ بغیر جڑ کے قائم نہیں رہ سکتی چنانچہ اسی بنا پر اہل سنت اور مخالف اہل سنت فرقوں کے مابین قدیم سے یہ جھگڑا چلا آتا ہے کہ ان فرقوں نے احادیث شفاعت حوض میزان عذاب قبر، صفات وغیرہ کے مخالف فقط قیاس سے اپنے مذہب کی چند شاخیں قائم کی ہیں جن کے رد و قدح کے اہل سنت درپے ہیں اور کہتے ہیں کہ صریح حکم شرعی کے مقابلہ میں کوئی قیاس مقبول نہیں ہو سکتا۔ اسی بحث میں دفتر کے دفتر تالیف ہو گئے۔ اور قیامت تک ہوں گے بعض علماء نے اس بحث کے متعلق یہ لکھا ہے کہ اہل سنت کی وہ بحث مسائل اعتقادی سے متعلق ہے مسائل عملی سے متعلق نہیں ہے اور علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اطیعوا الرسول کے حکم سے اللہ کے رسول کی اطاعت تمام مسائل اعتقادی اور عملی میں فرض ہے باوجود اس کے اس اطاعت کو مسائل اعتقادی میں منحصر کر دینا گویا نبوت کو اس کے ایک جز میں منحصر کر دینا ہے۔ جس کی جرأت کسی مسلمان کو نہیں چاہئے۔ اب غور طلب یہ بات ہے کہ جب ایسے دو مختلف حکم ہوں کہ ایک طرف صحیح سند سے حکم رسول ہو۔ اور دوسری طرف کسی عالم کا فتوےٰ ہو تو ان میں معروف شرعی کس کو کہا جائے گا۔ اور انما الطاعۃ فی المعروف کے موافق ان دونوں حکموں میں کون سے حکم کو حصر کے طور پر واجب الطاعت ٹھہرایا جائے گا۔ جس کے دل میں نور ایمان کی کچھ جھلک ہے اس غور طلب بات کا جواب اس کی زبان سے تو یہی نکلے گا کہ ایسی صورت میں واجب الاطاعت معروف شرعی وہی اللہ کے رسول کا حکم ٹھہرایا جائے گا جس کی معروفیت کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی اطاعت کے بعد اور اولی الامر کی اطاعت کے ماقبل ذکر فرمایا ہے اس لئے حاصل آیت کا یہ ہے کہ ماقبل کو ماقبل کے اور مابعد کو مابعد کے رتبہ پر رکھنا حکم الٰہی کی فرمانبرداری اور اس کے برعکس میں نافرمانی ہے جس سے ہر مسلمان کو خوف کرنا اور ان کنتم مومنین کی شرط کو پورا کرنا چاہئے۔ اس شرط کا مطلب یہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔ کہ جس کے دل میں نور ایمانی کی کچھ جھلک ہے اس کو اس طرح کے اختلاف کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی اس نصیحت کے موافق عمل کرنا چاہئے جو اس لئے اس آیت میں فرمائی ہے ذلک خیر و احسن تاویلا کا مطلب یہ ہے کہ آیت کی ہدایت کے موافق عمل کرنے میں یہ خوبی ہے کہ جو اختلاف تھا وہ بھی رفع ہو جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کا اجر بھی عقبےٰ میں ملے گا۔ تاویل کے معنے یہاں انجام کے ہیں ؛

---

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ

تو نے نہ دیکھے وہ جو دعوے کرتے ہیں کہ یقین لائے ہیں جو اترا تیری طرف اور جو اترا

قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا

تجھ سے پہلے چاہتے ہیں کہ تصفیہ لے جائیں شیطان کی طرف اور حکم ہو چکا ہے ان کو کہ اس سے منکر ہو

بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۶۰ وَاِذَا قِيْلَ لَھُمْ

جائیں اور چاہتا ہے شیطان کہ ان کو بہکا کر دوری ڈالے اور جو ان کو کہئے

تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ

آؤ اللہ کے حکم کی طرف جو اس نے اتارا اور رسول کی طرف تو تو دیکھے منافقوں کو بند ہو رہتے ہیں تیری طرف سے

۶۰ ــ ۶۳ ۔ اوپر اللہ و رسول کے حکم کے موافق عمل کرنے کی تاکید تھی ان آیتوں میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اس تاکید کے پابند نہیں ہیں ان آیتوں کی شان نزول میں سلف کا اختلاف ہے مگر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت کے موافق جس شان نزول کو حافظ ابن کثیرؒ نے صحیح ٹھہرا کر اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک منافق اور یہودی میں کچھ جھگڑا تھا یہودی کہتا تھا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشی میں ہونا چاہئے اور منافق کعب بن اشرف یہودیوں کے سردار کی پیشی کا اصرار کرتا تھا۔ آخر مقدمہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشی میں آیا۔ اور آپ نے یہودی کی طرف اس مقدمہ کا فیصلہ کر دیا۔ منافق نے اس خیال سے کہ حضرت عمرؓ شاید اس کو مسلمان سمجھ کر کچھ اس کی پاس داری کریں گے۔ اس یہودی کو اس پر مجبور کیا کہ مقدمہ از سر نو حضرت عمرؓ کی پیشی میں لے جانا چاہئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عمرؓ ان دنوں میں مدینہ کے قاضی بھتے[1] اس لئے اس منافق کے اصرار پر مقدمہ حضرت عمرؓ کی پیشی میں گیا۔ اور حضرت عمرؓ نے اس یہودی سے جب یہ سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مقدمہ کا فیصلہ یہودی کی طرف کر چکے ہیں تو فوراً اس منافق کو قتل کر ڈالا اور اس کے قتل کے بعد یہ فرمایا کہ جو شخص اللہ کے رسول کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اس کا یہی فیصلہ ہے کہ اس کو قتل کر ڈالا جائے اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں[2]۔ اور فرمایا کہ یہ منافق لوگ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کا ایمان پورا نہیں ہے کیونکہ اس آخری شریعت اور اس سے پہلے سب شریعتوں میں اللہ تعالےٰ نے ہر رسول وقت کی فرمانبرداری اس وقت کے لوگوں پر لازم کی ہے اور رسول وقت کے حکم کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی بات کے ماننے سے منع کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی تعظیم کے سوا جس کسی کی تعظیم اللہ کی تعظیم کے برابر کی جائے اس کو طاغوت کہتے ہیں یہاں اس منافق نے کعب بن اشرف کو اللہ کے رسول سے اور اس کے فیصلہ کو اللہ کے رسول کے فیصلہ سے بہتر ٹھہرایا تھا۔ اس لئے کعب بن اشرف اور اس کے

[1] تفسیر در منثور ج ۲ ص ۱۸۰۔ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۱۹ لیکن مختصر ہے مفصل قصہ تفسیر معالم ج ۲ ص ۹۹ و در منثور ج ۲ ص ۱۷۹ ــ ۱۸۰ و ۱۸۱ میں ہے نیز دیکھئے فتح الباری ج ۲ ص ۱۵ باب سکر الانہار۔

صُدُوۡدًا ﴿۶۱﴾ فَكَيۡفَ اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ

اٹک کر۔ پھر وہ کیسا کہ جب ان کو آن پہنچے مصیبت اپنے ہاتھوں کے کئے سے پیچھے

جَآءُوۡكَ يَحۡلِفُوۡنَ ‌ۖ بِاللّٰهِ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡسَانًا وَّتَوۡفِيۡقًا ﴿۶۲﴾ اُولٰٓـئِكَ

آئیں تیرے پاس قسمیں کھاتے اللہ کی کہ ہم کو غرض نہ تھی مگر بھلائی اور ملاپ یہ وہ لوگ ہیں

الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُ اللّٰهُ مَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَعِظۡهُمۡ وَقُلْ لَّهُمۡ

کہ اللہ جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے سو تو ان سے تغافل کر اور ان کو نصیحت کر اور ان سے کہہ

فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَوۡلًاۢ بَلِيۡغًا ﴿۶۳﴾

ان کے حق میں بات کام کی ۔

فیصلہ کو طاغوت فرمایا پھر فرمایا کہ اگرچہ سب شریعتوں میں رسول وقت کے حکم کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی بات کو ماننے سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن شیطان لوگوں کو راہ راست سے روک کر گمراہی میں ڈالتا ہے اس منافق نے کعب بن اشرف کی پیشی میں مقدمہ لے جانے کی ضد جو اس یہودی سے کی تھی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشی میں وہ مقدمہ کو لانا نہیں چاہتا تھا اس پر یہ فرمایا کہ "جب ان سے کہئے آؤ اللہ کے حکم کی طرف جو اس نے اتارا اور رسول کی طرف" تو یہ منافق لوگ اللہ کے رسول کے پاس آنے سے کنیاتے ہیں۔ صحیحین میں ابو موسٰے اشعری رضؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح مینہ سب جگہ یکساں برستا ہے لیکن اچھی زمین کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے اور ناکارہ زمین کو اس سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا ہے۔ اسی طرح اس ہدایت کا حال ہے جو میں اللہ کی طرف سے لایا ہوں کہ علم الٰہی میں جو دل اچھے اور قابل ہدایت قرار پائے ہیں ان میں اس ہدایت کا اثر ہوتا ہے ۔ نہیں تو نہیں[1] جب حضرت عمر رضؓ نے اس منافق کو قتل کر ڈالا تو اور منافق لوگ بات بنانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے جس کو عمر رضؓ نے قتل کر ڈالا وہ شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے ناراض نہیں تھا بلکہ وہ تو عمر رضؓ کے پاس فقط اس لئے گیا تھا کہ شاید عمر رضؓ کے دباؤ سے فریقین میں راضی نامہ ہو جانے کا[2] اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ فرمایا کہ جب ان منافقوں پر ان کے نفاق کے سبب سے کوئی آفت آجاتی ہے تو یہ لوگ اوپری دل سے ایسی ہی باتیں بناتے ہیں۔ مگر ان کے دل میں جو چور ہے اس کا حال اللہ کو خوب معلوم ہے پھر اپنے رسول کو نصیحت فرمائی کہ جب تم کو ان لوگوں کے دل کا حال معلوم نہیں ہے تو تم اپنا ظاہری معاملہ ان لوگوں سے درگذر کا رکھو اور ہر وقت ان کو دلچسپ نصیحت کرتے رہو تاکہ کچھ لوگ ان میں کے راہ راست پر آجائیں۔ اس تفسیر میں یہ ذکر آچکا ہے کہ اس طرح کی درگذر کی آیتیں منسوخ نہیں ہیں اور اس تفسیر کے مقدمہ میں یہ بھی جتلا دیا گیا ہے کہ مثل اس آیت کی شان نزول کے اختلاف کے

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸ باب فضل من علم وعلم [2] تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۰ ۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اس کا حکم مانیں اللہ کے فرمان سے اور اگر ان لوگوں نے جس وقت اپنا برا کیا تھا

جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا

آتے تیرے پاس پھر اللہ سے بخشواتے اور بخشواتا ان کو رسول تو اللہ کو پاتے معاف کرنے والا

رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ

مہربان سو قسم ہے تیرے رب کی ان کو ایمان نہ ہوگا جب تک تجھی کو منصف نہ جانیں جو جھگڑا اٹھے آپس میں پھر

جن آیتوں کی شان نزول میں سلف کا اختلاف ہے وہ اس سبب سے ہے کہ بعضے سلف نے شان نزول کے اصل قصہ کو لیا ہے اور بعضوں نے ان قصوں کو لیا ہے۔ جن پر آیت کا مطلب صادق آتا ہے۔ غرض حقیقت میں یہ اختلاف کچھ شان نزول کا اختلاف نہیں ہے فقط طرز بیان کا اختلاف ہے ؛

۶۴۔ اوپر اس منافق کا ذکر تھا جو اپنے مقدمہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشی میں لانے پر رضامند نہیں تھا بلکہ اس کو اصرار تھا کہ اس کا مقدمہ کعب بن اشرف کی پیشی میں فیصل ہو۔ اسی ذکر کو پورا کرنے کے لئے اس آیت میں اس زمانے کے عام منافقوں کو اللہ تعالےٰ نے یہ ہدایت فرمائی کہ کچھ اس زمانہ پر منحصر نہیں ہے نوح علیہ السلام پہلے صاحب شریعت رسول سے لے کر آخر الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک اللہ تعالےٰ نے جتنے رسول بھیجے ہیں ان سب کے حق میں اللہ کا یہی ایک حکم تھا کہ ہر وقت کی امت پر اللہ کے رسول کی فرمانبرداری فرض ہے اس لئے جتنی پچھلی امتوں نے رسولوں کی نافرمانی کی ان پر اللہ کا عذاب آیا۔ اور وہ لوگ طرح طرح کے عذابوں میں گرفتار ہو کر غارت ہو گئے اس واسطے حال کے منافقوں میں سے جس کسی سے ایسی چوک ہو جائے جس کا ذکر اوپر کی آیتوں میں ہے تو ایسے شخص کو اللہ کے رسول کے پاس آن کر خود بھی خالص دل سے توبہ استغفار کرنی چاہئے اور اللہ کے رسول سے بھی اپنے حق میں مغفرت کی دعا کرانی چاہئے تاکہ اپنے رسول کی دعا کی برکت سے اللہ ان پر مہربان ہو کر ان کے گناہ معاف کر دیوے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی[1] یہ حدیث آیت کی ویسی ہی تفسیر ہے جیسے آیت ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ اس آیت کی تفسیر ہے ؛

۶۵۔ اوپر اللہ کے رسول کی اطاعت کی تاکید تھی اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اس تاکید کو اپنی ذات پاک کی قسم کھا کر اور قوت دے دی ہے اس آیت کی شان نزول کی بابت صحاح ستہ کی چھٹوں کتابوں میں عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری اور حضرت زبیرؓ کا کھیت متصل تھا۔ اور ایک ہی ذریعہ آب پاشی سے دو کھیتوں کو پانی پہنچتا تھا۔ اس پانی کی بابت حضرت زبیرؓ اور انصاری کا جھگڑا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ جھگڑا

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۷ باب قول اللہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول الخ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۱۸۔

لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۶۵﴾

نہ پائیں اپنے جی میں خفگی تیری چکوتی سے اور قبول رکھیں مان کر

فیصلہ کو آیا آنحضرت نے زبیرؓ سے کہا کہ تم اپنے کھیت کو پانی دے کر انصاری کے کھیت کے لئے پانی چھوڑ دیا کرو انصاری نے کہا کہ زبیرؓ آپ کے قرابت دار ہیں اس لئے آپ نے ان کی رعایت کا فیصلہ کیا ہے اس پر آپ کو غصہ آیا اور آپ نے فرمایا کہ زبیرؓ تم پانی کو یہاں تک روکا کرو کہ تمہارے کھیت کے مینڈ تک پانی چڑھ جایا کرے۔ پھر پانی چھوڑا کرو اور انصاری کے خلاف شان نبوت گفتگو کرنے پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1] اور اپنی ذات پاک کی قسم کھا کر فرمایا کہ رسول وقت کے فیصلہ اور حکم پر جو کوئی دل سے پابندی اختیار نہ کرے گا وہ ہرگز مسلمان نہیں ہے جو لوگ قول رسول کے مقابلہ میں صریح قول رسول کو چھوڑ کر ادھر اُدھر کے قولوں کو مانتے ہیں ان کی نسبت پورا خوف ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالےٰ اپنی قسم پوری کرے اور ان لوگوں کو پورے مسلمانوں کے زمرہ میں شمار نہ فرمائے۔ یہ شان نزول از خود عروہ کی روایت سے مرسل طور پر بھی ہے اور عروہ نے اپنے بھائی عبداللہ بن زبیرؓ سے متصل طور پر بھی اس کو روایت کیا ہے۔ چنانچہ بخاری کی کتاب المساقات میں یہ دونوں روایتیں ہیں۔ یہ عبداللہ بن زبیرؓ وہی ہیں جن کو ہجرت کے بعد مہاجرین کی پہلی اولاد کہا جاتا ہے۔ امام بخاری کے نزدیک ان کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سماعت احادیث کا مرتبہ حاصل ہے اس لئے امام بخاری نے عروہ کی مرسل روایت کو عروہ کے بھائی عبداللہ کی متصل[2] روایت سے قوت دی ہے۔ عروہ کی مرسل روایت کو حاکم نے یہ جو کہا ہے کہ صحیحین میں یہ روایت نہیں[3] ہے۔ حاکم کا یہ قول سہو سے خالی نہیں کیونکہ یہ مرسل روایت بخاری میں موجود ہے[4] اسی طرح حمیدی نے اپنی کتاب جمع بین الصحیحین میں یہ جو کہا ہے کہ صحیحین میں عروہ نے اپنے بھائی عبداللہ سے اور انہوں نے اپنے باپ زبیرؓ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے حمیدی کا بھی یہ قول سہو سے خالی نہیں کیونکہ اس طرح کی سند جس میں عبداللہ کے بعد زبیر کا بھی ذکر ہے سوا نسائی[5] کے صحاح ستہ کی کسی کتاب میں نہیں ہے[6]۔ "نہ پائیں اپنے جی میں خفگی تیری چکوتی سے" اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان کو اللہ کے رسول کا حکم خالص دل سے ماننا چاہئے۔ اگر کسی نے اس کو ظاہری طور پر تو مان لیا اور دل میں کچھ خلجان باقی رکھا تو یہ سمجھ لینا چاہئے۔ اللہ تعالےٰ نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ ایسا شخص اللہ کے نزدیک پورا مسلمان نہیں ہے جن انصاری سے زبیرؓ کا پانی پر جھگڑا تھا۔ ان کے نام کی صراحت بعض روایتوں میں ہے کہ وہ حاطب بن ابی بلتعہ[7] تھے ؎

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۰ کتاب التفسیر و ج ۱ ص ۳۲۳ باب اذا اشار الامام بالصلح فابی حکم علیہ بالحکم البین و ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۰ و تفسیر معالم ج ۲ ص ۵۰۲ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱۷ باب سکر الانہار [3] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۶۴ طلحۃ والزبیر جار النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الجنۃ [4] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱۸ باب شرب الاعلے قبل الاسفل [5] سنن نسائی ج ۲ ص ۳۰۵ طبع لاہور [6] پوری بحث فتح الباری ج ۲ ص ۵۰۴ میں ہے [7] اس کی تحقیق کے فتح الباری محولہ بالا ملاحظہ دیکھئے ؎

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِن دِيَارِكُم مَّا

اور اگر ہم ان پر حکم کرتے کہ ہلاک کرو اپنی جان یا چھوڑ نکلو اپنے گھر تو کوئی نہ

فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا

کرتے مگر تھوڑے ان میں اور اگر یہ کریں جو ان کو نصیحت ہوتی ہے تو ان کے حق میں بہتر

لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ﴿٦٦﴾ وَإِذًا لَّآتَيْنَاهُم مِّن لَّدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٦٧﴾ وَلَهَدَيْنَاهُمْ

ہو اور زیادہ ثابت ہوں دین میں اور اسی میں ہم دیں ان کو اپنے پاس سے بڑا ثواب اور چلاویں ان کو

صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٦٨﴾

سیدھی راہ ۔

۶۶ – ۶۸ - اوپر اللہ کے رسول کی فرمانبرداری کا ذکر تھا ان آیتوں میں اس کی تاکید اور طرح سے فرمائی۔ تفسیر سدی وغیرہ میں ان آیتوں کی شان نزول کی بابت جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ مدینہ کے گرد و نواح میں جو یہود رہتے تھے ان میں سے کسی نے بعضے مسلمانوں کے روبرو ذکر کیا۔ کہ ہمارے بڑوں پر بچھڑا پوجنے کی توبہ قتل قرار پائی۔ اور ہمارے بڑوں نے اس پر عمل کیا۔ مسلمانی شریعت میں تو ایسا سخت حکم کوئی بھی نہیں ہے۔ مسلمانوں نے اس کا جواب دیا کہ ہمارے اوپر بھی اگر کوئی ایسا حکم نازل ہوتا تو ہم ضرور اس کی تعمیل کرتے اس پر اللہ تعالٰے نے یہ آیتیں نازل فرمائیں[1]۔ اور فرمایا کہ حال کی شریعت میں اللہ نے اپنے رسول کی فرمانبرداری لازم کر دی ہے وہ بھی ایسے مسلمانوں سے پوری نہیں ہو سکتی جن کا ذکر اوپر کی آیتوں میں گذرا ایسی حالت میں قتل نفس یا جلاوطنی کا کوئی حکم حال کی شریعت میں نازل ہوتا تو بہت تھوڑے لوگ اس پر عمل کرتے پھر فرمایا حال کی شریعت میں جن باتوں کے کرنے اور نہ کرنے کا حکم ہے اگر حال کے مسلمان اس کی پوری پابندی نیک نیتی سے کریں گے تو ان کی بہتری اور ان کی فرمانبرداری کی مضبوطی کی نشانی ہے اور جب یہ لوگ ایسا کریں گے تو اللہ تعالٰے اپنی توفیق سے ان کو ہمیشہ راہ راست پر قائم رکھے گا اور ان کے تھوڑے سے عملوں کا بہت سا ثواب اپنے پاس سے عطا فرما کر ان کی نجات فرمائے گا۔ صحیح بخاری و مسلم، موطا اور صحیح ابن حبان میں حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ ایسا تھوڑا سا عمل بھی اللہ تعالٰے کو پسند ہے جس پر آدمی ہمیشہ قائم رہے[2] اسی واسطے فرمایا کہ ہم "ان کو چلاویں راہ سیدھی"۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ وہ سیدھی راہ پر رہیں گے۔ تو ہمیشہ ان سے کچھ نہ کچھ نیک عمل ہوتا رہے گا۔ اور ہمیشہ کا تھوڑا سا عمل بھی اللہ کو بہت پسند ہے۔ اس لئے ان کے تھوڑے سے عملوں پر اللہ تعالٰے ان کو ایسا اجر دے گا جو ان کی نجات کا باعث ہوگا۔ جس نصیحت میں ثواب و عذاب دونوں کا ذکر ہو اس کو وعظ کہتے ہیں

[1] تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۵۲۲ و لباب النقول ص ۶۹ [2] صحیح بخاری ج ا ص ۱۱ باب احب الدین الی اللہ عزوجل ادومہ و ج ا ص ۱۵۲ باب من نام عند السحر و ج ا ص ۲۶۴ باب صوم شعبان ۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ

اور جو لوگ حکم میں چلتے ہیں اللہ کے اور رسول کے سو ان کے ساتھ ہیں جن کو اللہ نے نوازا

النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ

نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت اور خوب ہے ان کی

رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

رفاقت یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ بس ہے خبر رکھنے والا اے ایمان

اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ

والو کرلو اپنی خبرداری پھر کوچ کرو جدی جدی فوج یا سب اکٹھے اور تم میں کوئی

لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ

ایسا ہے کہ البتہ دیر لگا دے گا اور پھر اگر تم کو مصیبت پہنچے کہے اللہ نے مجھ پر فضل کیا کہ میں

قرآن وحدیث میں ان دونوں باتوں کا ذکر ہے اس لئے قرآن وحدیث کو وعظ فرمایا ؛

۶۹ — ۷۰ ۔ طبرانی ابن جریر ابن ابی حاتم ابن مردویہ نے متعدد طریقوں سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے غلام ثوبان اور چند صحابہ نے ایک روز عرض کیا کہ دنیا میں تو جب ہمارا دل آپ کے دیکھنے کا مشتاق ہوتا ہے ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو دیکھ لیتے ہیں جنت میں آپ تو عالی مقام میں تشریف رکھتے ہوں گے ۔ اور ہم لوگ اپنے اپنے درجہ پر ہوں گے وہاں ہم لوگ آپ کو کیونکر دیکھ سکیں گے اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ معنے آیت کے یہ ہیں کہ جنت میں اوپر کے درجہ کے لوگ نیچے کے درجہ والوں سے اور نیچے کے درجہ والے اوپر کے درجہ والوں سے ملتے رہیں گے ۔ مرفوع حدیث میں یہی معنے آیت کے آئے ہیں جس کو ابن جریر نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ نبی اور امت کا درجہ جنت میں برابر ہو گا ۔ کیونکہ آیات قرآن اور صحیح حدیثوں سے جنت کے درجوں کا تفاوت ثابت ہوا ہے' سورہ الرحمان اور سورہ واقعہ میں اس کا ذکر تفصیل سے آئے گا ۔ نبی وہ جن پر اللہ کی طرف سے وحی آئے ۔ صدیق جن میں وحی کی صداقت کا مادہ زیادہ ہو ۔ شہید وہ جو اللہ کے حکم پر اپنی جان دینے کو تیار ہوں نیک وہ جس کی طبیعت میں ظاہر و باطن کی نیکی ہو ؛

۷۱ — ۷۴ ۔ اوپر ذکر تھا کہ بعضے مسلمانوں نے یہود کی توبہ قتل سے قبول ہونے کا حال یہود سے سن کر یہ کہا تھا کہ ہمارے اوپر کی اگر کوئی ایسا حکم نازل ہوتا تو ہم ضرور اس کی تعمیل کرتے ۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور ان میں جہاد کا ذکر فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے قتل کا سا حکم تو اس

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۲ و تفسیر معالم ج ۲ ص ۵۰۷ و لباب النقول ص ۶۹ [2] تفسیر ابن جریر ج ۵ ص ۹۷ نیز تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۳ میں متعدد احادیث دی گئی ہیں ایضاً ملاحظہ ہو صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۸ کتاب الجنة وصفة نعیمہا ۔

لَمْ أَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيدًا ﴿٧٢﴾ وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَن لَّمْ

نہ ہوتا ان کے ساتھ اور اگر تم کو پہنچا فضل اللہ کی طرف سے تو اس طرح کہنے لگے گا گویا نہ

تَكُن بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَا لَيْتَنِي كُنتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧٣﴾

تھی تم میں اور اس میں کچھ دوستی اے کاش کہ میں ہوتا ان کے ساتھ تو بڑی مراد پاتا

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۚ وَمَن

سو چاہیے لڑیں اللہ کی راہ میں جو لوگ بیچتے ہیں زندگی دنیا کی آخرت پر اور جو کوئی

يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٧٤﴾

لڑے اللہ کی راہ میں پھر مارا جائے یا غالب ہووے ہم دیں گے اس کو بڑا ثواب

شریعت میں نہیں ہے۔ لیکن اس شریعت میں دین کی ترقی کے لئے دین کے مخالفوں سے لڑنے کا حکم ہے جس کو اجر کمانا ہو وہ اس حکم کی تعمیل میں کوشش اور جرأت کرلے لغت میں جہاد کے معنے مشقت کے ہیں اور شرع میں جہاد اس لڑائی کو کہتے ہیں جو خاص دین کی ترقی کے لئے کی جائے۔ مشہور قول علماء کا یہی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جہاد فرض کفایہ ہے فرض کفایہ اس فرض کو کہتے ہیں کہ قوم کے بعضے لوگوں کے عمل سے تمام قوم کے ذمہ سے اس فرض کا بوجھ ساقط ہو جائے صحاح ستہ کی چھیوں کتابوں میں[1] ابوموسے اشعری رضہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرعی جہاد وہی ہے جس میں فقط دین کی ترقی کے لئے لڑائی کی جائے۔ صرف دنیاوی فائدہ یا ناموری یا کسی بدلا لینے یا دکھاوے کے لئے جو لڑائی کی جائے گی۔ وہ شرعی جہاد نہیں ہے خوف کی چیز سے بچنے کو حذر کہتے ہیں حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ ہتھیاروں سے فوج کی تعداد سے جب دشمن کا حملہ روکنے کے قابل ہو جاؤ تو پھر تھوڑے تھوڑے یا اکٹھے لڑائی کے لئے نکلو۔ پھر فرمایا بعض تم میں ایسے مسلمان بھی ہیں جو لڑائی پر جانے سے کچیاتے ہیں۔ اور جب تم کو کسی لڑائی میں کچھ صدمہ پہنچ جاتا ہے تو اپنی جان کی خیر مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا نے بڑی خیر کی کہ ہم ان لوگوں کے ساتھ نہ تھے ورنہ ہمارا بھی یہی حال ہوتا جو ان کا ہوا۔ اور جب کسی لڑائی میں تم کو کچھ کامیابی ہوتی ہے تو بالکل غیروں کی طرح حسد سے یہ کہنے لگتے ہیں کہ کاش کے ہم بھی ان کے ساتھ ہوتے تاکہ ہم بھی اس کامیابی کے حصہ دار ٹھہرتے ان کچے مسلمانوں کی حالت سے نفرت دلانے کے بعد پکے مسلمانوں کو دین کی لڑائی کی یوں ترغیب دلائی کہ جن لوگوں نے دنیا کی چند روزہ زندگی کو بیچ کر عقبے کا اجر مول لیا ہے ان کو دین کی لڑائی پر ہمت باندھنی چاہیئے۔ بعضے علماء نے کہا ہے کہ "لڑیں اللہ کی راہ میں" کا ارشاد ان ہی کچے مسلمانوں کے حق میں ہے کہ پکے مسلمانوں کی فتح اور شکست پر گھر میں بیٹھ کر

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶ باب من سأل وھو قائم عالما جالسا و صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۹ -- ۱۴۰ باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ

اور تم کو کیا ہے کہ نہ لڑو اللہ کی راہ میں اور واسطے ان کے جو مغلوب ہیں مرد

وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ

اور عورتیں اور لڑکے جو کہتے ہیں اے رب ہمارے نکال ہم کو اس بستی سے کہ

الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ

ظالم ہیں لوگ اس کے اور پیدا کر ہمارے واسطے اپنے پاس سے کوئی حمایتی اور پیدا کر ہمارے واسطے اپنے پاس سے

نَصِیْرًا ﴿۷۵﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا

مددگار وہ جو ایمان والے ہیں سو لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جو منکر ہیں

باتیں بنانے سے کچھ فائدہ نہیں بلکہ ان لوگوں کو چاہئے کہ پکے مسلمان بن جائیں اور نیک نیتی سے دین کی لڑائی لڑیں۔ کیونکہ نیک نیتی کی دین کی لڑائی میں جان دینا فتح پانا دونوں حالتیں اجر عظیم سے خالی نہیں۔ صحیحین میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک نیتی سے دین کی لڑائی لڑنے والوں کو ہر طرح فائدہ ہے خدا کی راہ میں جان دی تو جنت کمائی جیتے بچ کر گھر آئے تو عقبےٰ کا اجر جدا کمایا۔ اور لوٹ کا مال جدا ہاتھ آیا۔[1]

۷۵-۷۶- اوپر کی آیتوں کی ترغیب کے علاوہ مشرکین مکہ سے دین کی لڑائی میں یہ اور طرح سے ترغیب مسلمانوں کو دلائی۔ مکہ میں کمزور لوگ عورتیں بچے ایسے بہت آدمی تھے جو حضرت کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ کو نہ آسکے اب وہ مظلوم بن کر مشرکین مکہ کے قابو میں تھے اور مشرکین مکہ ان مظلوموں پر طرح طرح کی زیادتی کرتے تھے۔ تاکہ وہ تنگ آن کر اپنے دین سے پھر جائیں اس لئے فرمایا کہ اے مسلمانو! تم کو اس بات سے کس نے روکا ہے کہ تم نہ لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں کو چھوڑانے میں جو مغلوب بن کر بے بس کافروں کے قابو میں ہیں اور رات دن اسی آفت سے نجات پانے کی اللہ سے التجا کرتے ہیں اور کہتے ہیں یا اللہ جلدی ہمارا کوئی ایسا حمایتی کھڑا کر جس کی حمایت سے ہم ان ظالموں کی بستی سے نکلیں۔ صحیح بخاری، مسلم، سنن اور مستدرک حاکم میں ابن عمرؓ اور ابوہریرہؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کسی مسلمان کی کسی طرح کی سختی رفع کرے گا اللہ تعالےٰ اس کی قیامت کے دن کی سختی رفع فرمائے گا۔ اور دنیا میں بھی ایسے شخص کی ہر طرح سے مدد کرے گا[2]

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۴۰ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم احلت لکم الغنائم الخ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۳ باب فضل الجہاد والخروج فی سبیل اللہ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۴ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳۰ باب لا یظلم المسلم المسلم ولا یسلمہ و سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۶۷۰ باب المواخاۃ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۰ باب تحریم الظلم۔

يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّ كَيْدَ
سو لڑتے ہیں مفسدوں کی راہ میں سو لڑو تم شیطان کے حمائتیوں سے بے شک فریب

الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿٧٦﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ
شیطان کا سست ہے تو نے نہ دیکھے وہ لوگ جن کو حکم ہوا تھا کہ اپنے ہاتھ بند رکھو

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ
اور قائم کرو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ پھر جب حکم ہوا ان پر لڑائی کا اسی وقت ایک جماعت ان میں

غرض اوپر کی آیتوں میں دین کی لڑائی کا جو اجر اور فائدہ تھا مشرکین مکہ سے لڑنے میں اس کے علاوہ مظلوموں کی مدد کا بھی اجر تھا۔ اس لئے اس کو خاص طور پر ان آیتوں میں فرمایا۔ پھر لڑائی پر مستعد ہو جانے کی مسلمانوں کی یوں جرأت بڑھائی کہ تم لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہو اس لئے اللہ اپنے وعدہ کے موافق ہر حال میں تمہاری مدد کرے گا۔ اور اللہ کی مدد سے تمہارا ہی غلبہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے اور تمہارے دشمن شیطان کے ہوا خواہ ہیں جو خود بھی جھوٹا ہے اور اس کے سب وعدے بھی مکر و فریب کے ہیں اس واسطے تمہارے دشمن آخر کو مغلوب ہوں گے۔ فتح مکہ کے وقت اللہ تعالے کے اس وعدہ کا ظہور ہوا سب دشمن مغلوب ہو گئے۔ اور جو مسلمان مظلوموں کی طرح دشمن کے قابو میں تھے ان کی رہائی ہوگئی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالے کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہجرت سے پہلے جب تک مسلمانوں کی جماعت تھوڑی سی تھی اور ان کے پاس لڑائی کا سامان بھی کچھ نہیں تھا۔ اس وقت تک اگرچہ مکہ کے موجودہ مسلمان مشرکین مکہ کی طرح طرح کی ایذا سے تنگ آکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہتے تھے کہ مشرکین سے لڑیں۔ چنانچہ آگے کی آیت میں اس کا ذکر ہے۔ لیکن اللہ تعالے کی حکمت میں اس وقت تک لڑائی کے حکم کا نازل فرمانا خلاف مصلحت تھا۔ ان مسلمانوں کی خواہش پر لڑائی کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ بلکہ درگذر کی آیتیں نازل ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ ہجرت کا حکم نازل ہو کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لے آئے مہاجرین اور انصار کے ایک جا ہونے سے مسلمانوں کی جماعت بڑھ گئی۔ لڑائی کا کچھ سامان بھی فراہم ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالے نے دین کی لڑائی کا حکم نازل فرمایا۔ اور اس حکم کی تعمیل کی یہ ترغیبیں ہیں جن کا ان آیتوں میں ذکر ہے شریعت موسوی سے لے کر شریعت محمدی تک دین کی لڑائی کے جائز کر دینے میں بڑی مصلحت یہ ہے کہ اس سے دین کی حفاظت ہوتی ہے کوئی مخالف کسی دین کی ہتک نہیں کر سکتا۔ چنانچہ تفصیل سے یہ ذکر سورہ حج کی تفسیر میں آئے گا۔

۷۷۔۷۹۔ اوپر جہاد کا ذکر تھا یہ آیتیں بھی اسی ذکر سے متعلق ہیں معتبر سند سے نسائی، حاکم، ابن ابی حاتم وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی شان نزول جو بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ

يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ

ڈرنے لگی لوگوں سے جیسا ڈر ہو اللہ کا یا اس سے زیادہ ڈر اور کہنے لگے اے رب ہمارے کیوں فرض کی

عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ

ہم پر لڑائی کیوں نہ جینے دیا ہم کو تھوڑی سی عمر تو کہہ فائدہ دنیا کا تھوڑا ہے

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ

اور آخرت کا بہتر ہے پرہیزگار کو اور تمہارا حق نہ رہے گا ایک تاگا جہاں تم ہو گے موت تم کو

الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا

آپکڑے گی اگرچہ تم ہو مضبوط برجوں میں اور اگر پہنچے ان لوگوں کو کچھ بھلائی کہیں

ہجرت سے پہلے مکہ میں جب مسلمان کمزور تھے تو مشرک لوگ مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے ایک روز ان تکلیفوں سے تنگ آکر عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور مقداد بن اسودؓ اور قدامہ بن مظعونؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ اور چند صحابہ نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرکین کی ایذا دہی کی شکایت پیش کی۔ اور لڑائی کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابھی لڑائی کی اجازت نہیں ہے اس لئے بالفعل لڑائی سے ہاتھ روکنا اور فقط نماز اور زکوٰۃ پر قائم رہنا چاہئے مدینہ میں آنے کے بعد لڑائی کا حکم آیا اور بدر اور احد کی لڑائی ہوئی اور بعضے مسلمانوں کے دل میں مشرکوں سے لڑائی کا وہ جوش نہیں پایا گیا۔ جو لڑائی کے حکم سے پہلے مکہ میں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اولاہنا دینے کو یہ آیات نازل فرمائیں[1] اس شان نزول کی چند روایتیں ہیں جن کے سبب سے ایک روایت کو دوسری روایت سے تقویت ہو جاتی ہے۔ اس مکی آیت میں زکوٰۃ کا جو ذکر ہے اس سے ان علماء کے قول کی تائید ہوتی ہے جو مکہ میں زکوٰۃ کے فرض ہونے کے قائل ہیں۔ لیکن بعضے علماء کا یہ قول ہے کہ ہجرت سے پہلے جب مسلمان مکہ میں تھے تو ان کو محتاج لوگوں کے ساتھ مقدور کے موافق کچھ سلوک کرنے کا حکم تھا اسی کو ان آیتوں میں زکوٰۃ فرمایا ہے۔ جہاد کا حکم نازل ہونے کے بعد کچھ مسلمان دو طرح کی باتیں کرتے تھے ایک تو لڑائی پر جانے میں موت کے اندیشہ سے یہ کہتے تھے کہ جہاد کا حکم تھوڑی مدت تک ٹل جاتا تو اچھا تھا۔ اس کا جواب تو اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ لڑائی پر جانے سے کچھ وقت مقررہ سے پہلے موت نہیں آتی۔ موت کا تو ایک خاص وقت مقرر ہے۔ اور جب وقت آ جائے گا تو لڑائی کے میدان پر کیا موقوف ہے یہ لوگ اگر مضبوط قلعہ میں بھی ہوں تو موت ان کو ہرگز نہ چھوڑے گی۔ پھر جب یہ بات ہے کہ دنیا کے عیش و آرام دنیا کی زندگی چند روزہ ہے تو ایسے عارضی عیش و آرام ایسی عارضی زندگی کے پیچھے عقبےٰ کا ہمیشہ عیش و آرام ہمیشہ کی زندگی کے حاصل کرنے کی

[1] سنن نسائی ج ۲ ص ۵۴ باب وجوب الجہاد و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۶ و تفسیر معالم ج ۲ ص ۵۱۳ و لباب النقول ص ۷۰۔

هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ

یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر پہنچے ان کو کچھ برائی کہیں یہ تیری طرف سے ہے

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ

تو کہہ سب اللہ کی طرف سے ہے سو کیا حال ہے ان لوگوں کا لگتے نہیں کہ سمجھیں

حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ

ایک بات جو تجھ کو بھلائی پہنچے سو اللہ کی طرف سے اور جو تجھ کو برائی پہنچے

فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾

سو تیرے نفس کی طرف سے اور ہم نے تجھ کو بھیجا پیغام پہنچانے والا لوگوں کو اور اللہ بس ہے سامنے دیکھتا

ہمت نہ باندھنا کسی صاحب عقل کا کام نہیں ہے کیونکہ عقبٰے میں پرہیزگاروں کے لئے جو عیش و آرام اللہ تعالےٰ نے ان کے ذرہ ذرہ سے عمل کی جزا میں رکھے ہیں دنیا کے عیش و آرام کی ان کے آگے کچھ اصل نہیں ہے۔ صحیح مسلم میں مستورد بن شدادؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح کوئی شخص دریا میں انگلی ڈبو کر نکالے اور اس کی انگلی میں پانی کی ذرا سی نمی رہ جائے دنیا اور عقبٰے کی بالکل ایسی مثال[1] ہے کہ عقبٰے کا عیش و آرام ایک دریا ہے اور اس کے مقابلہ میں دنیا کا عیش و آرام مثل اس نمی کے ہے جو اس شخص کی انگلی کو لگ کر رہ گئی تھی۔ دوسری باتیں یہ کچے مسلمان اور ان کے ملنے جلنے والے یہود مل کر جو کرتے تھے وہ یہ تھیں کہ مثلاً جب بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کو فتح ہوئی تو اس فتح کو اللہ کی قدرت سے ایک اتفاقی فتح کہتے تھے اس بات کے قائل نہیں تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کی مدد فرمائی۔ اس لئے یہ فتح ہوئی۔ اسی طرح جب احد کی لڑائی میں معاملہ برعکس ہوا اور مدینہ کے کچھ لوگ اس میں کام آئے تو اس معاملہ کو آنحضرت کے مدینہ میں آنے کو ایک بدفالی خیال کر کے یوں کہتے تھے کہ نہ یہ نبی مدینہ میں آتے نہ اس طرح کی بے انتظامی کی لڑائی لڑتے نہ یوں مفت ہماری بستی کے لوگوں کی جانیں جاتیں اللہ تعالےٰ نے فرمایا یہ ان لوگوں کی نادانی ہے جو یہ ایسی باتیں کرتے ہیں دنیا میں فتح و شکست اور رنج خوشی کی باتیں اللہ کے حکم سے ہوتی ہیں کسی بدفالی کا اس میں کچھ دخل نہیں رہی لشکر اسلام کی کبھی کبھی کی ناکامیابی اور اس ناکامی کا صدمہ وہ انسان کی شامت اعمال سے ہے جیسے تیراندازوں کے گروہ نے پہاڑ کا ناکہ چھوڑ کر احد کی لڑائی میں ناکامی اٹھائی اور اس دنیا کے صدمہ میں عین اللہ کی مصلحت یہ ہے کہ مسلمانوں کے گناہوں کا کفارہ یہیں دنیا میں ہو جاتا ہے۔ عقبٰے کا مواخذہ باقی نہیں رہتا۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابو سعید خدریؓ اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایمان دار آدمی

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۴ باب فناء الدنیا و بیان الحشر یوم القیامۃ و تفسیر معالم ج ۲ ص ۵۱۵۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ﴿٨٠﴾ وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۖ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ۖ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿٨١﴾ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾

جن نے حکم مانا رسول کا اس نے حکم مانا اللہ کا اور جو الٹا پھرا تو ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا ان پر نگہبان اور کہتے ہیں کہ قبول کیا پھر جب باہر گئے تیرے پاس سے مشورت کرتے ہیں بعضے بعضے ان میں رات کو سوا تیری بات کے اور اللہ لکھتا ہے جو ٹھہراتے ہیں سو تو تغافل کر ان سے اور بھروسہ کر اللہ پر اور اللہ بس ہے کام بنانے والا کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوا اللہ کے تو پاتے اس میں بہت تفاوت ؂

کو دنیا میں ایک کانٹا چبھنے کا صدمہ بھی پہنچے تو اس کا حساب بھی اس کے گناہوں کے کفارے میں لگایا جائے گا۔[1] پھر فرمایا اے رسول اللہ کے ہم نے تو اپنا نائب اور رسول بنا کر تم کو دنیا میں بھیجا ہے تاکہ یہ لوگ تم سے دین کے احکام سیکھیں اور ان پر عمل کریں۔ جس سے ان کی نجات ہو اور اللہ کی گواہی تمہارے رسول ہونے پر ایک کافی بشارت ہے باوجود اس کے یہ لوگ جو تم کو بدفالی کا سبب ٹھہراتے ہیں یہ ان کی کمال نادانی ہے ؂

۸۰ — ۸۲۔ اوپر اللہ تعالے نے اپنی ذات پاک کی گواہی سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سچا نبی ہونے کا ذکر فرمایا تھا اب ان آیتوں میں فرمایا کہ جب یہ نبی اللہ کے رسول ہیں اور لوگوں کو جو حکم کرتے ہیں وہ اللہ تعالےٰ کے فرمانے کے موافق کرتے ہیں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے تو ان کی فرمانبرداری عین اللہ کی فرمانبرداری ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے[2] روایت ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری فرمانبرداری عین اللہ کی فرمانبرداری ہے۔ میری نافرمانی عین اللہ تعالےٰ کی نافرمانی ہے۔ یہ حدیث اس آیت کی پوری تفسیر ہے اس کے بعد اللہ تعالےٰ اپنے رسول کو ارشاد فرماتا ہے کہ جو کوئی اس فرمانبرداری میں کوتاہی کرے تو اے رسول اللہ کے ہم نے ایسے لوگوں کا تمہیں نگہبان نہیں ٹھہرایا اور پھر فرمانبرداری میں کوتاہی کرنے والوں منافقوں کی مذمت فرمائی کہ اے رسول اللہ کے وہ لوگ تمہارے روبرو تو فرمانبرداری کا اقرار کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں کے ہاتھ سے ان کی جان ان کے مال کو کوئی صدمہ نہ پہنچ جائے۔ لیکن تمہارے سامنے سے جب یہ لوگ ہٹ کر

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۴۳ باب ما جاء فی کفارۃ المرض و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۸ باب ثواب المؤمن الخ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۸ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۷ کتاب الاحکام و صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۴ باب وجوب طاعۃ الامراء الخ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۸ ؂

وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ

اور جب ان کے پاس پہنچتی ہے کوئی خبر امن کی یا ڈر کی اس کو مشہور کرتے ہیں اور اگر اس کو پہنچاتے رسول تک

وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ

اور اپنے اختیار والوں تک تو تحقیق کرتے اس کو جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں اس کی اور اگر نہ ہوتا فضل

اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٣﴾

اللہ کا تم پر اور اس کی مہر تو تم شیطان کے پیچھے جاتے مگر تھوڑے ۔

اپنے گھروں کو جاتے ہیں تو اپنے اقرار کے برخلاف راتوں کو مشورے کرتے ہیں۔ اور اللہ کے دفتر میں ان کی یہ سب کرتوت لکھے جاتے ہیں۔ دنیا میں اے رسول اللہ کے تم ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو وقت مقررہ پر اللہ ان سے خود بھگت لے گا۔ پھر فرمایا کہ اگر یہ لوگ قرآن کی فصاحت پر اس کی غیب کی خبروں پر اور ان خبروں کے بغیر کسی اختلاف کے آئندہ کے ظہور پر غور کرتے تو ان کو اچھی طرح یقین آجاتا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور جن پر یہ نازل ہوا ہے وہ اللہ کے رسول ہیں مگر اللہ کے علم ازلی میں جن لوگوں کا نفاق کی حالت میں دنیا سے اٹھنا قرار پا چکا ہے وہ اس راستہ پر کبھی نہ آئیں گے ۔

۸۳ ۔ صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے کنارہ کشی اختیار کی تھی تو لوگوں نے مدینہ میں چرچا کر دیا کہ آنحضرت نے سب ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہیں اس چرچا کی برداشت نہ کر سکا اور میں نے جا کر حضرت سے پوچھا کہ کیا آپ نے سب بی بیوں کو طلاق دے دی آپ نے فرمایا نہیں پھر حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی کے دروازہ پر کھڑے ہو کر باآواز بلند یہ پکار دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو طلاق نہیں دی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1] مفسرین نے یہ جو کہا ہے کہ آنحضرتؐ کے وقت کی لڑائیوں کی خبریں فتح و شکست اوپری طور پر سن کر اس کو لوگ مشہور کر دیا کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے غرض ان مفسروں کی یہ ہے کہ اس مطلب پر بھی آیت کا مضمون صادق آتا ہے ورنہ صحیح شان نزول وہی ہے جو صحیح مسلم کی روایت میں ہے مگر اولیٰ یہی ہے کہ ان سب قصوں کے مجموعہ کو شان نزول قرار دیا جائے تاکہ اس آیت کو پچھلی جہاد کی آیتوں سے تعلق پیدا ہو جائے۔ حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ اگر یہ کچے مسلمان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور واقف کار صحابہ سے اس خبر کی حقیقت دریافت کر کے اس کو شائع کرتے تو یہ غلط چرچا نہ کیا جاتا آئندہ کسی خبر کو بغیر سوچے سمجھے اور سمجھ داروں سے صلاح لینے کے شائع نہ کرنا چاہئے۔ علماء نے اس آیت کو قیاس کے جائز ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ زمانہ اللہ کے فضل اور رحمت کا ہے کہ اللہ کے رسول تم لوگوں میں موجود ہیں ہر روز قرآن کی آیتوں کے ذریعہ سے ہر طرح کی غلطی کی اصلاح

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۸۰ باب بیان ان تخییرہ امرأتہ الخ و تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۱۸۶ [2] تفسیر معالم ج ۲ ص ۵۲۲ ۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ ۚ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ عَسَى

سو تو لڑ اللہ کی راہ میں تجھ پر ذمہ نہیں مگر اپنی جان سے اور تاکید کر مسلمانوں کو قریب ہے

اللَّهُ أَن يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنكِيلًا ﴿٨٤﴾

کہ اللہ بند کرے لڑائی کافروں کی اور اللہ ہے سخت لڑائی والا اور سخت سزا دینے والا

مَّن يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُن لَّهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا ۖ وَمَن يَشْفَعْ شَفَاعَةً

جو کوئی سفارش کرے نیک بات میں اس کو بھی ملے اس میں سے ایک حصہ اور جو کوئی سفارش کرے

سَيِّئَةً يَكُن لَّهُ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا ﴿٨٥﴾

بری بات میں اس پر بھی ہے ایک بوجھ اس میں سے اور اللہ ہے ہر چیز کا حصہ بانٹنے والا ؛

ہو کر ہر طرح کی آئندہ کی ہدایت ہوتی رہتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو شیطان بہت سے لوگوں کو بے اصل باتوں میں اپنا تابع کر لیتا ؛

۸۴-۸۷- اوپر گذر چکا ہے کہ احد کی لڑائی سے واپسی کے وقت ابوسفیان نے سال آئندہ بدر صغریٰ پر لڑائی کے لئے آنے کا وعدہ کیا تھا اور اس وعدہ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ستر صحابہ کو ساتھ لے کر وقت مقررہ پر بدر صغریٰ کو تشریف لے گئے اور تین روز تک وہاں قیام کیا۔ لیکن اللہ تعالے نے ابوسفیان وغیرہ کے دل میں رعب ڈال دیا۔ اس لئے یہ لوگ وعدہ کے موافق بدر صغریٰ پر نہیں آئے یہ بدر صغریٰ ایک مقام ہے جہاں سالانہ بازار بھرتا ہے۔ اس لڑائی کے سفر کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ترغیب دلانے پر ستر آدمی باوجود زخمی ہونے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے تھے جن کی تعریف اوپر گذر چکی ہے اس لئے ان آیتوں میں فرمایا کہ اسی طرح اے نبی اللہ کے تم مسلمانوں کو دین کی لڑائی ترغیب دلایا کرو باقی رہی فتح شکست وہ لشکر کی مدد پر منحصر نہیں ہے۔ بلکہ فتح شکست اللہ کے حکم سے ہوتی ہے تم تو ان کو فقط دین کی لڑائی کی تاکید کر دو اور تم بذات خود اللہ کی راہ میں لڑو۔ اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ یہ جو فرمایا قریب ہے کہ "اللہ بند کرے لڑائی" یہ ایک غیب کی خبر تھی۔ چنانچہ اسی کے موافق ظہور ہوا کہ اس موقع پر ابوسفیان وغیرہ کوئی منکر لڑائی کو نہیں آیا۔ قرآن شریف کی آیتوں میں جگہ جگہ پچھلی امتوں کے تباہ اور برباد ہو جانے کا حال اور دوزخ کے عذاب کا حال یہ لڑائی سے پہلے لڑائی سے پس و پیش کرنے والے مسلمان اور مکہ کے مشرک سب سن چکے تھے اس لئے ان سب کی تنبیہ کے لئے فرمایا کہ اللہ کی لڑائی اور عذاب سخت ہے اس سے ہر ایک کو ڈرنا چاہیئے ان آیتوں میں مکہ کے اہل شرک سے دین کی لڑائی کا حکم تھا اور ان اہل شرک میں اکثر لوگ ایسے تھے جو مسلمانوں کے قرابت دار بھی تھے اور ان کو مسلمانوں کی لڑائی سے کچھ واسطہ بھی نہ تھا۔ اس واسطے لڑائی کی آیتوں میں باہمی سفارش اور سلام اور دعا کا ذکر فرمایا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ مکہ کے اہل شرک میں سے وہ لوگ جو لڑائی کے درپے ہیں جنہوں نے اللہ کے رسول

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ

اور جب تم کو دعا دے کوئی تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر یا وہی کہو اُلٹ کر اللہ ہے ہر چیز کا

كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿٨٦﴾ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا

حساب کرنے والا اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں تم کو جمع کرے گا قیامت کے دن اس میں

رَيْبَ فِيهِ ۗ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿٨٧﴾

شک نہیں اور اللہ سے سچی کس کی بات ہے۔

الخمس ۱۱ ع ۸

اور مسلمانوں کو مکہ سے نکالا تھا۔ ان آیتوں کا حکم ان سے خصوصیت رکھتا ہے مکہ کے بقیہ قرابت داروں اور صلح والے قبیلوں خزاعہ وغیرہ سے آپس کا سلوک منع نہیں ہے سورہ ممتحنہ کی تفسیر میں اس کی زیادہ تفصیل آئے گی۔ اسی حکم کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور اہل شرک کے قرابت داروں میں عمل در آمد بھی جاری رکھا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی اسماءؓ سے صحیحین میں روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اسماءؓ کی والدہ حالت شرک میں مکہ سے مدینہ کو اپنی بیٹی سے ملنے آئیں انہوں نے ان کے ملنے سے اور کچھ تحفہ جو وہ اپنے ساتھ لائی تھیں اس کے لینے سے انکار کیا اور اپنی ماں کو اپنے گھر میں آنے کی اجازت بھی نہیں دی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب یہ حال سنا تو اسماء سے سفارش فرما کر ان سب باتوں پر ان سے عمل کرا دیا[1]۔ اسلام سے پہلے عرب میں سلام علیک کی جگہ حیاک اللہ کہنے کا دستور تھا جس کے معنے ہیں تو جیتا رہ اس سے یہ نہیں نکلتا تھا کہ اس جینے میں صحت وسلامتی بھی ہو یا نہ ہو۔ اس لئے اسلام میں حَيَّاكَ اللّٰهُ کی جگہ سَلَامٌ عَلَيْكَ ٹھہرایا گیا۔ جو زندگی اور صحت وسلامتی سب کو شامل ہے۔ ابتداء میں سَلَامٌ عَلَيْكَ کرنا سنت کفایہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جماعت میں سے ایک شخص نے بھی سلام کر لیا تو کافی ہے اگر نہ کیا تو ایک سنت کا ترک ہوا اور سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جماعت میں سے ایک شخص نے بھی جواب دے دیا تو سب کے ذمہ سے فرض ادا ہو گیا۔ ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔ صحیحین میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالے نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان سے فرمایا اے آدم تم فرشتوں کی ایک جماعت سے السلام علیکم کہو پھر جو کچھ وہ جواب دیں وہی طریقہ تمہاری اولاد میں جاری رہنا چاہئے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالٰے کے حکم کے موافق فرشتوں کی ایک جماعت سے السلام علیکم کہا۔ انہوں نے جواب میں کہا علیک السلام ورحمۃ اللہ[2]۔ معتبر سند سے ترمذی اور ابوداؤد میں عمران بن حصینؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فقط سلام علیک سے دس نیکیوں کا ثواب ہوتا ہے اور سلام علیک ورحمۃ اللہ سے بیس نیکیوں کا اور سلام علیک

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۸۴ باب صلۃ المرأۃ امہا ولہا زوج [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۶۹ باب خلق آدم وذریتہ وصحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۰ کتاب الجنۃ۔

ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سے تیس نیکیوں کا[۱] اوسط طبرانی میں ابوہریرہؓ کی حدیث معتبر سند سے ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سلام علیک میں کوتاہی کرتا ہے وہ بڑا بخیل ہے[۲] ترمذی، ابوداؤد اور نسائی وغیرہ میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مجلس میں جائے اس وقت بھی السلام علیکم کہے اور جب مجلس سے اُٹھے اس وقت بھی السلام علیکم کہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے[۳] معتبر سند سے اوسط طبرانی میں حذیفہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب ایک شخص مسلمان دوسرے سے مل کر جب سلام علیک و مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جس طرح خزاں کے موسم میں کسی پیڑ کے پتے جھڑ جاتے ہیں[۴] اس سے معلوم ہوا گناہوں کی مغفرت کی امید سے ہر سلام علیک کے ساتھ مصافحہ بھی کرنا چاہئے ابوہریرہؓ کی حدیث اوپر گذری جب اس کے موافق مجلس سے اٹھ کر چلتے وقت بھی سلام علیک سنت ہے۔ اور حذیفہؓ کی اس حدیث کے موافق گناہوں کی مغفرت کی امید سے ہر سلام علیک کے ساتھ مصافحہ بھی کرنا چاہئے تو بعضے یہ جو کہتے ہیں کہ چلتے وقت کا مصافحہ جائز نہیں ہے ان کا قول تردد طلب ہے۔ معتبر سند سے طبرانی میں انسؓ کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کا یہ عمل درآمد تھا کہ جب کوئی صحابی سفر کر کے واپس آتا تھا تو بجائے مصافحہ کے اس سے معانقہ کیا کرتے تھے[۵] صحیحین میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوار پیدل سے اور راہ چلتا بیٹھے ہوئے شخص سے سلام علیک کرے۔ اسی طرح تھوڑے سے ہوں تو وہ بہت سے آدمیوں سے سلام علیکم کہیں[۶] بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ چھوٹی عمر والا شخص بڑی عمر والے سے سلام علیک کرے[۷] ابوامامہؓ سے ترمذی اور ابوداؤد میں روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سلام علیک کی ابتدا کرے وہ اللہ کے نزدیک بہتر ہے ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے[۸] تفسیر ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں سلمان فارسیؓ کی روایت ناقابل اعتراض سند سے ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے السلام علیک کہا اس کے جواب میں آپ نے ورحمۃ اللہ بڑھایا۔ دوسرے نے السلام علیک ورحمۃ اللہ کہا اس کے جواب میں آپ نے وبرکاتہ بڑھایا۔ تیسرے نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا تو آپ نے بھی جواب میں یہی لفظ فرمائے[۹] یہ حدیث فحیوا باحسن منہا او ردوھا کی تفسیر ہے۔ سلام علیک

---

[۱] جامع ترمذی ج ۲ ص ۹۴ باب ماذکر فی فضل السلام و سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۷۰۶ باب کیف السلام [۲] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۵۶ طبع مصر ۱۳۲۴ھ [۳] جامع ترمذی ج ۲ ص ۹۵ باب التسلیم عند القیام والقعود [۴] الترغیب والترہیب [illegible] [۵] [illegible] [۶] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۱ باب تسلیم الراکب الماشی و صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۲ باب السلام [۷] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۱ باب تسلیم الصغیر علی الکبیر [illegible] [۸] [illegible] باب ما جاء فی فضل الذی یبدأ بالسلام و ابوداؤد ج ۲ ص ۷۰۷ باب فی فضل من بدء بالسلام [۹] تفسیر ابن کثیر ج اول ص ۵۳۲ و تفسیر درمنثور [illegible]

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ

پھر تم کو کیا پڑا ہے منافقوں کے واسطے دو جانب ہو رہے ہو اور اللہ نے ان کو الٹ دیا ان کے کاموں پر کیا - کیا تم چاہتے ہو کہ

تَهْدُوْا مَنْ أَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿٨٨﴾ وَدُّوْا

راہ پر لاؤ جس کو بچلایا اللہ نے اور جس کو اللہ راہ نہ دے تو پھر تو نہ پائے گا اس کے واسطے کہیں راہ چاہتے ہیں

لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ أَوْلِيَاۗءَ

کہ تم بھی کافر ہو جیسے وہ ہوئے پھر سب برابر ہو جاؤ سو تم ان میں کسی کو مت پکڑو رفیق

حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

جب تک وطن چھوڑ آویں اللہ کی راہ میں پھر اگر قبول نہ رکھیں تو ان کو پکڑو اور مارو جہاں

وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٨٩﴾ إِلَّا الَّذِيْنَ

پاؤ اور نہ ٹھہراؤ کسی کو رفیق اور نہ مددگار مگر وہ جو مل

يَصِلُوْنَ إِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ أَوْ جَاۗءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ

رہے ہیں ایک قوم سے جن میں اور تم میں عہد ہے یا آئے ہیں تمہارے پاس خفا ہو گئے ہیں دل ان کے

کے مسئلہ کی اس سے زیادہ تفصیل بڑی کتابوں میں ہے۔ تحیہ کے معنے دعا دینے کے ہیں جس کا مطلب آیت میں سلام علیک ہے مقیت کے معنے صاحب قدرت۔ حسیب کے معنے حساب کر کے جزا دینے والا کہ کس نے سلام علیک کہا۔ اور کس نے ورحمۃ اللہ یا برکاتہ بڑھایا جن لوگوں سے لڑائی کا حکم ان آیتوں میں تھا۔ وہ بت پرست اور منکر حشر تھے اس واسطے ان کی تنبیہ کے لئے آخر پر توحید اور قسم کھا کر حشر کا ذکر کر کے فرمایا۔ اللہ سے زیادہ سچا کون ہو سکتا ہے۔ پھر جب اس نے توحید اور حشر کے سچے ہونے کی خبر دی ہے۔ تو اسے سب کو ماننا چاہیئے ؎

۸۸ – ۹۱۔ صحیحین اور مسند امام احمد بن حنبل میں جو شان نزول آیتوں کی بیان کی گئی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جنگ احد میں ہزار آدمیوں میں سے تین سو آدمی جب عبد اللہ بن ابی منافق کے ساتھ لشکر اسلام سے جدا ہو کر مدینہ کو چلے آئے تو سات سو آدمی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ گئے تھے ان کے دو فرقے ہو گئے تھے ایک فرقہ تو یہ کہتا تھا کہ تین سو آدمی عین وقت پر لشکر اسلام کا ساتھ چھوڑ کر ایک منافق کے بہکانے سے گھر جا بیٹھے اس واسطے اب وہ لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے۔ اب موقع پڑے تو ان کا قتل کرنا لازم ہے اور دوسرا فرقہ یہ کہتا تھا کہ نہیں وہ ہمارے بھائی مسلمان ہیں نہ ہم ان سے لڑیں گے اور نہ ان کو قتل کریں گے۔ اللہ تعالے نے مسلمانوں کا آپس کا اختلاف رفع ہو جانے کی غرض سے یہ آیت نازل فرمائی[1] اور فرما دیا کہ وہ لوگ جب تک تمہارا پورا ساتھ نہ دیں ان کو مسلمان نہ شمار کرنا چاہیے۔ اور ضرور

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۰ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۳۲ و تفسیر معالم ج ۲ ص ۵۲۹ ؎

أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ

تمہارے لڑنے سے بھی اور اپنی قوم کے لڑنے سے بھی اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر زور دیتا پھر تم سے لڑتے

فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ

تو اگر تم سے کنارہ پکڑیں پھر نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح ڈالیں تو اللہ نے نہیں دی تم کو

عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴿٩٠﴾ سَتَجِدُونَ آخَرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا

ان پر راہ اب تم دیکھو گے ایک اور لوگ چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے بھی اور اپنی

قَوْمَهُمْ ۚ كُلَّمَا رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا ۚ فَإِنْ لَمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا

قوم سے بھی جس بار بلائے جاتے ہیں فساد کرنے کو الٹ جاتے ہیں اس ہنگامہ میں پھر اگر تم سے کنارہ نہ پکڑیں اور

إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ

صلح نہ لائیں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو ان کو پکڑو اور مارو جہاں پاؤ ان کو

وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ﴿٩١﴾

اور ان پر ہم نے دی تم کو سند صریح ۔

حسب موقع ان کو قتل کرنا چاہیئے اوپر جو شان نزول بیان کی گئی اس کے علاوہ اور شان نزول بھی ان آیتوں کی سلف سے منقول ہے۔ چنانچہ بعض روایتوں میں یہ ہے۔ کہ کچھ عرب کے لوگ مدینہ میں آن کر داخل اسلام ہو گئے تھے اور پھر مدینہ کی آب و ہوا کے ناموافق ہونے سے مکہ چلے گئے اور مشرکوں سے بھی مل گئے اور مسلمانوں کو بھی لکھا ہم تمہارے دین پر ہیں[1]۔ بعض روایتوں میں یہ ہے کہ کچھ لوگ مکہ میں تھے جنہوں نے ظاہری اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن مشرکوں کی مدد کو تیار تھے۔ اور ہجرت پر آمادہ نہ تھے۔ لیکن یہ سب منافقوں کی قسمیں ہیں اس لئے ان روایتوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔ حاصل مطلب شان نزول کا یہ ہے کہ اوپر کی صحیح روایت کے موافق منافقوں کی ایک خاص قسم کی شان نزول میں یہ آیتیں نازل ہوئیں اور جتنے منافق ہیں ان سب پر آیتوں کا مطلب صادق آتا ہے ارکسہو کے معنی پچھلے قدموں ہٹا کر پہلی حالت پر لانا حاصل مطلب یہ ہوا کہ ان کی نیت کے فساد کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان کو حالت اسلام سے نکال کر حالت نفاق میں ڈال دیا ہے۔ ان کے اسلام کا خیال غلط ہے۔ بلکہ وہ تو اے مسلمانوں تم کو بھی اپنا سا کر لینے کی آرزو کرتے ہیں اس لئے نہ ایسے لوگوں سے میل جول رکھنا چاہئے نہ ان کی مدد کی خواہش کرنی چاہئے پہلی شان نزول کی بنا پر حتی یہاجروا کے معنے مفسرین نے یہ کئے ہیں کہ عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھی جب تک احد کی لڑائی کے دھوکے سے باز نہ آئیں گے اور خالص نیت سے لشکر اسلام کا ساتھ نہ دیں گے اور اس ساتھ رہنے کے لئے گھر چھوڑ کر لڑائی

[1] تفسیر معالم ج ۲ ص ۵۲۹ لیکن حافظ سیوطی لباب النقول ص ۷۱ میں یہ روایت لا کر لکھتے ہیں کہ اسکی سند میں تدلیس و انقطاع ہے۔ واللہ اعلم

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا

اور مسلمان کا کام نہیں کہ مار ڈالے مسلمان کو مگر چوک کر اور جس نے مارا مسلمان کو چوک کر

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ

تو آزاد کرنی گردن ایک مسلمان کی اور خون بہا پہنچانی اس کے گھر والوں کو مگر کہ وہ خیرات کریں پھر اگر وہ

کے میدانوں میں نہ جائیں گے تو نہ ان کا شمار مسلمانوں میں ہو سکتا ہے۔ نہ ان کے جان و مال کی خیر مسلمانوں کے ہاتھ سے ہو سکتی ہے۔ اب ان منافقوں میں سے دو طرح کے لوگوں کو مستثنٰی فرمایا ہے۔ ایک صلح والوں کے ہم عہد کہ وہ بھی بالواسطہ صلح میں داخل ہیں جس طرح مثلاً صلح کے بعد صلح والے قریش اور ان کے ہم عہد بنو مدلج دوسرے وہ لوگ جو لڑائی سے عاجز ہو کر اس بات پر قائم ہیں کہ نہ اپنی قوم کی طرف سے مسلمانوں سے لڑیں گے نہ مسلمانوں کی طرف سے کسی سے لڑیں گے۔ جس طرح قبیلہ بنو مدلج کہ نہ مسلمانوں سے لڑتے تھے۔ نہ قریش سے۔ پھر فرمایا جب تک یہ لوگ اس حالت پر قائم رہیں تو یہ اللہ کی ایک مصلحت ہے اس نے ان کو تمہاری لڑائی سے روک رکھا ہے۔ ان کے قریب ایک فرقہ فرمایا کہ جو اپنی جان اور اپنا مال بچانے کے لئے ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر در حقیقت وہ مشرک ہیں تفسیر سدی وغیرہ میں ہے کہ فتنہ کے معنی یہاں شرک کے ہیں[1] ان کا حکم یہ فرمایا کہ "اگر وہ صلح پر قائم نہ رہیں تو ان کو قید کر لو۔ اور مارو جہاں پاؤ کیوں کہ ان کی حالت اللہ تعالےٰ نے تمہارے لئے ایک سند ٹھہرا دی ہے۔ بعضے مفسروں نے آیت فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ کو آیت فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ سے منسوخ کہا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر یہ لوگ عہد صلح پر قائم بھی رہیں تو ان سے لڑنا چاہئے۔ لیکن عہد صلح والوں کا حکم مستثنٰی کے طور پر اوپر گذر چکا ہے۔ اس لئے یہ آیت مستثنٰی کے حکم میں داخل ہے۔ منسوخ نہیں ہے؛

۹۲- ابن جریر ابن ابی حاتم اور ابن اسحاق وغیرہ نے جو شان نزول اس آیت کی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ مجاہد اور سعید بن جبیر کی روایتوں سے بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ابوجہل کا سوتیلا بھائی عیاش بن ابی ربیعہ ہجرت سے پہلے مسلمان ہو گیا تھا۔ لیکن مشرکین کے خوف سے اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ تشریف لے آئے۔ تو عیاش بن ابی ربیعہ بھی مدینہ میں آن کر ایک جگہ اپنے بھائیوں کے ڈر سے چھپ کر رہنے لگا۔ عیاشؓ کی ماں نے عیاشؓ کے غم میں گھر کا رہنا اور کھانا پینا چھوڑ دیا۔ سوتیلی ماں کا یہ حال دیکھ کر حارث بن ہشام حارث بن یزید عامری اور ابوجہل عیاشؓ کی تلاش میں نکلے اور پتہ لگا کر پھر اس کو مکہ میں لے گئے اور اس کو بہت مارا اور طرح طرح کی اذیت دی اور حارث بن یزید نے عیاشؓ کو برا بھلا بھی بہت کچھ کہا اس پر

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۳۳

كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ مِن

تھا ایک قوم میں کہ تمہارے دشمن ہیں اور آپ مسلمان تھا تو آزاد کرنی ایک گردن مسلمان کی اور اگر وہ تھا ایک

قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ

قوم میں کہ تم میں اور ان میں عہد ہے تو خون بہا بھیجانی اس کے گھر والوں کو اور آزاد کرنی گردن

مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ

ایک مسلمان کی پھر جس کو پیدا نہ ہو تو روزے دو مہینے لگتے تار بخشوانے کو اللہ سے

وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾

اور اللہ جانتا حکمت والا ہے ؏

عیاش رضی اللہ عنہ نے اپنے دل میں یہ بات ٹھان لی تھی کہ کبھی موقع پاکر حارث بن یزید کو مار ڈالوں گا۔ اب فتح مکہ سے پہلے حارث رضی اللہ عنہ اگرچہ اسلام لے آیا تھا مگر عیاش رضی اللہ عنہ کو اس کے اسلام کی خبر نہ تھی۔ فتح مکہ پر اس لئے عیاش رضی اللہ عنہ نے حارث رضی اللہ عنہ کو قتل کر ڈالا۔ اور پھر حارث رضی اللہ عنہ کا اسلام سن کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنی ندامت ظاہر کی۔ اس پر اللہ تعالے نے یہ آیت نازل فرمائی[1] حارث دو ہیں ایک حارث بن ہشام ابوجہل بن ہشام کا بھائی۔ اور دوسرا حارث بن یزید قرشی عامری۔ یہ شخص بنی عامر میں سے ہے ابوجہل کے ساتھ یہ شخص بھی عیاش رضی اللہ عنہ بن ابی ربیعہ کو اسلام کے چھوڑ دینے پر مار پیٹ کیا کرتا تھا۔ اسی غصہ سے عیاش رضی اللہ عنہ نے اس کو موقع پاکر مار ڈالا۔ حنفیہ شافعیہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک قتل عمد قتل خطا قتل شبہ عمد یہ تین قسمیں قتل کی ہیں امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک قتل شبہ عمد ثابت نہیں ہے لیکن قتل کے باب کی چند حدیثوں سے قتل شبہ عمد کا وجود شریعت میں پایا جاتا ہے[2] جو قتل کسی غلطی کے سبب سے واقع ہوجائے اس کو قتل خطا کہتے ہیں جس طرح اس قتل میں عیاش رضی اللہ عنہ کو حارث بن یزید کے اسلام میں غلطی ہوگئی قتل خطا کا خون بہا سو اونٹ ہیں ان اونٹوں کی اقسام میں سلف کا اختلاف ہے جس کی تفصیل بڑی کتابوں میں ہے[3] قتل خطا میں خون بہا کے علاوہ ایک بردہ کا آزاد کرنا بھی ہے اگر اتنا مقدور نہ ہو تو سلسلہ وار دو مہینے کے روزے ہیں۔ مقتول شخص کے وارث خون بہا معاف کر دیں تو ان کو اختیار ہے عہد والے یا بلا عہد والے مشرکوں میں کوئی مسلمان رہتا ہو اور اس کو کوئی مسلمان غلطی سے مشرک سمجھ کر مار ڈالے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اتنا فرق ہے کہ اگر مقتول کے وارث بلا عہد والے مشرک ہوں تو ان کو خون بہا نہیں دیا جاتا[4] جس شخص کو متصل دو مہینے روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو وہ ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلا کر روزوں کے بار سے سبکدوش ہوسکتا ہے یا نہیں، یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ جس اختلاف کی تفصیل بڑی کتابوں میں ہے[5]

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۳۴ و تفسیر معالم ج ۲ ص ۵۳۳ — ۵۳۴ و تفسیر در منثور ج ۲ ص ۱۹۲ [2] نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۶۷ و ۱۶۸ باب ما جاء فی شبہ العمد [3] تفسیر خازن ج ۱ ص ۱۳۸ نیل الاوطار ج ۷ ص ۲۲۷ [4] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۳۵ و تفسیر خازن ج ۱ ص ۱۳۷ [5] ایضاً نیز تفسیر خازن

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ
اور جو کوئی مارے مسلمان کو قصد کر کر تو اس کی سزا دوزخ ہے پڑا رہے اس میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا

عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾
اور اس کو لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب ؎

شبہ عمد وہ ہے۔ جس میں قصداً ایسی چیز سے کسی کو ضرب پہنچائی جائے۔ جس سے عادتاً آدمی مر نہیں سکتا ہو جیسے لکڑی یا کوڑا اس قتل میں قصاص نہیں ہے خون بہا دینا آتا ہے ؎

۹۳۔ اوپر قتل خطا کا ذکر تھا اس آیت میں قتل عمد کا ذکر ہے قتل عمد وہ ہے جس میں ایسی چیز سے قصداً کسی کو ہلاک کیا جائے جس چیز سے بطور عادت کے آدمی مر سکتا ہو قتل عمد میں قاتل کو قصاص میں قتل کیا جاتا ہے اور اگر مقتول کے وارث قصاص معاف کر دیں تو خون بہا لیا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ تفصیل مسئلہ کی بڑی کتابوں میں ہے[1]۔ ابن جریر وغیرہ نے عکرمہ کی روایت سے شان نزول یہاں بیان کی ہے کہ مقیس بن صبابہ کنانی اور اس کا بھائی ہشام یہ دونوں شخص مسلمان ہو گئے تھے۔ ایک روز مقیس نے اپنے بھائی ہشام کو بنی نجار قبیلہ کی سرحد میں مقتول پایا اور حضرت سے اس کا قصہ کا تذکرہ کیا آپ نے بنی نجار سے سو اونٹ اس کے بھائی کے خون بہا کے مقیس کو دلا دئے اس نے یہ سو اونٹ بھی لئے اور موقع پا کر ایک آدمی بنی نجار کا قتل کر کے مرتد ہو کر مکہ کو چلا گیا۔ اور مشرکوں میں جا ملا۔ فتح مکہ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عام امن میں سے اس کو واجب القتل قرار دے کر قتل کرایا۔ اسی مقیس کی شان میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[2]۔ بعضے مفسروں نے اس آیت کو آیت سورہ فرقان والذین لا یدعون مع اللہ الٰہا آخر (۲۵-۶۸) سے منسوخ جو کہا ہے یہ قول صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ آیت ناسخ کی یہ شرط ہے کہ منسوخ سے اس کا نزول بعد میں ہونا چاہئے۔ حالانکہ زید بن ثابتؓ کی روایت سے ابوداؤد اور نسائی میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ سورہ فرقان کی آیت سے چھ سات مہینے بعد نازل ہوئی ہے[3] پھر وہ سورہ فرقان کی مقدم آیت اس متاخر آیت کی ناسخ کیونکر ہو سکتی ہے اس لئے بعضے مفسروں کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ یہ آیت ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک (۴-۴۸) سے منسوخ ہے کس لئے کہ ناسخ منسوخ امر و نہی میں ہوا کرتا ہے خبر میں نہیں ہوا کرتا۔ کیونکہ ایک خبر دیکر پھر اس کو رد کرنا پہلی خبر کو گویا جھٹلانا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی شان پاک ہے۔ اور یہ آیت خبر کی قسم میں سے ہے انشاء میں سے نہیں پھر اس میں ناسخ منسوخ کیسا اس سبب سے صحیح مذہب وہی معلوم ہوتا ہے۔ جس کو بعضے مفسرین نے اختیار کیا ہے کہ یہ آیت مطلق ہے اور سورہ فرقان کی آیت کی توبہ کی قید اس آیت میں بھی لگائی جائے اس صورت میں آیت کے وہی

[1] مشکوٰۃ نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۶۹ [2] تفسیر ابن جریر جزء ۵ ص ۱۳۷ و تفسیر معالم ج ۲ ص ۵۴۰ [3] سنن نسائی ج ۲ ص ۱۵۶ کتاب المحاربۃ و تفسیر معالم ج ۲ ص ۵۴۱ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۳۵ — ۵۳۶

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ

اے ایمان والو جب سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کرو اور مت کہو جو شخص

أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ

تمہاری طرف سلام علیک کرے کہ تو مسلمان نہیں چاہتے ہو مال دنیا کی زندگی کا تو

اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ۚ كَذَٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا

اللہ کے یہاں بہت غنیمتیں ہیں تم ایسے ہی تھے پہلے پھر اللہ نے تم پر فضل کیا سو اب تحقیق

إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٩٤﴾

کرو اللہ تمہارے کام سے واقف ہے ؛

معنے ہوں گے جو یہ پہلے آیت ان اللہ لا یغفر کے تحت میں بیان ہو چکے کہ مسلمان کے قاتل کی توبہ قبول ہے اگر وہ بلا توبہ مر جائے تو اس کی بخشش اللہ کی اختیار اور اللہ کی مرضی پر ہے چاہے وہ مقتول کو کچھ معاوضہ دے کر راضی کر دے اور قاتل کو بلا مواخذہ بخش دے چاہے قاتل سے مواخذہ کرے یہی مذہب جمہور سلف و خلف نے اختیار کیا ہے اور یہی مذہب آیت وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ (۲۰-۸۲) اور احادیث صحیحہ کے موافق ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور جمہور کے مذہب میں جو اختلاف تھا وہ حافظ ابن کثیرؒ کے قول کے حوالہ سے اوپر رفع کیا جا چکا ہے[1] اس صورت میں قاتل کے ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا ذکر یا تو قتل کے جرم سے ڈرانے کے لئے ہے یا اس صورت کے لئے ہے کہ مسلمان مقتول کے [illegible] کو کسی سبب سے مانع قتل نہ ٹھہرایا جائے کہ یہ درجہ کفر کا ہے یہ حالت ایسی ہے جس طرح محلم بن جثامہ کا قصہ آیندہ کی آیت کی تفسیر میں ہے ؛

۹۴۔ اس آیت میں بھی قتل خطا کا بیان ہے بخاری ترمذی حاکم امام احمد بن حنبل اور طبرانی وغیرہ نے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکوں کے ایک قبیلہ بنی سلیم پر جب مسلمان لوگ چڑھ کر گئے اور مشرکوں کو شکست ہوئی تو ایک شخص مرداس بن نہیک جو پہلے سے درپردہ مسلمان تھا۔ سلام علیک کہہ کر مسلمانوں کی طرف آنے لگا۔ مگر مسلمانوں نے مرداس کے سلام علیک کو خالص نہ خیال کیا بلکہ یہ خیال کیا کہ جان کے خوف سے یہ فریبی سلام علیک کرتا ہے چنانچہ آخر کار اسامہ بن زید نے اس کو قتل کر ڈالا۔ اور جو کچھ اس کے پاس مال تھا وہ لے لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حاصل معنے اب کے یہ ہیں کہ بلا دریافت حال کے فقط خیال پر کسی کو مشرک سمجھ کر قتل کرنا اور اس کا مال لینا اللہ کی مرضی کے خلاف ہے لہٰذا ان مسلمانوں کو معلوم نہیں کہ اسلام کی کمزوری کے زمانہ میں اکثر لوگ ان ہی کے درپردہ مسلمان تھے پھر انہوں نے مرداس کے

[1] یعنی ص ۴۱۹ پر ۔ [2] مطبوعہ میں محکم تھا ، مراجع سے تصحیح کی گئی ۔ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۰ کتاب التفسیر و جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۷ کتاب التفسیر ومستدرک حاکم ج ۲ ص ۲۳۵ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۳۸ و تفسیر معالم ج ۲ ص ۵۴۴ ؛

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ
برابر نہیں بیٹھنے والے مسلمان جن کو بدن کا نقصان نہیں اور لڑنے والے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ
اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے اللہ نے بڑائی دی لڑنے والوں کو اپنے مال

وَاَنْفُسِهِمْ عَلَي الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰي ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ
اور جان سے ان پر جو بیٹھے ہیں۔ درجے میں اور سب کو وعدہ دیا اللہ نے خوبی کا اور زیادہ کیا اللہ نے

در پردہ مسلمان ہونے پر کیوں اچنبا کیا۔ اور اس کا اندرونی حال دریافت کرنے سے پہلے اس کے قتل کرنے میں کیوں جلدی کی بعضے مفسروں نے قاتل کے نام میں اختلاف جو کیا ہے کہ اسامہ بن زید ہے یا مقداد ہے یا محلم[1] بن جثامہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ متعدد قصے ہیں اور ان قصوں کا مجموعہ آیت کی شان نزول ہے ایک قصہ میں قاتل اسامہ بن زید اور مقتول مرداس بن نہیک ہے اور اس قصہ میں اسامہؓ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خفگی کے بعد استغفار کی ہے اور محلم بن جثامہ نے عامر بن الاضبط کو باوجود سلام علیک کرنے کے ایام جاہلیت کی دشمنی کے سبب سے قتل کر ڈالا تھا اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے محلم بن جثامہ کے لئے استغفار نہیں کی۔ تھوڑے دنوں کے بعد محلم کا انتقال ہو گیا۔ اور دفن کے بعد کئی دفعہ زمین نے محلم کی لاش باہر پھینک دی۔ آخر لاچار ہو کر لوگوں نے محلم کی لاش کو پہاڑوں میں یونہی ڈال دیا۔ اور اوپر سے چند پتھر ڈھانک دئے اور آپ نے فرمایا کہ زمین میں تو محلم سے بھی بدتر شخصوں کی لاشوں کا ٹھکانا ہے مگر اللہ تعالےٰ نے محلم کا یہ حال تم کو دکھلا کر آیندہ کے لئے تمہیں نصیحت کی ہے[2]۔ اسی طرح مقداد کا قصہ بھی جدا ہے۔ جس کا ذکر مسند بزاز میں معتبر سند سے ہے[3]۔ ان سب روایتوں کو اکٹھا کر کے دیکھا جائے تو ہر ایک قصہ کی حالت معلوم ہوتی ہے ؛

۹۵۔۹۶۔ بخاری، ترمذی، ابن حبان وغیرہ نے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے[4] اتنا ٹکڑا آیت کا اترا تھا کہ جہاد کرنے والے اور بیٹھ رہنے والے برابر نہیں ہیں ابن ام مکتومؓ اور ابن جحشؓ نے آن کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت ہم لوگ اندھے ہیں ورنہ ضرور آپ کے ساتھ جہاد کو چلتے اس پر اللہ تعالےٰ نے اندھے لنگڑے بیمار کو جہاد کے حکم سے معاف رہنے کی غرض سے غیر اولی الضرر یہ ٹکڑا نازل فرمایا[5] حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ جو لوگ بلا عذر جہاد سے بیٹھ رہیں گے وہ ثواب سے محروم رکھے جائیں گے۔ ہاں معذور لوگ جن کی نیت جہاد کی ہے لیکن معذوری کے سبب سے وہ مجبور ہیں ایسے لوگ اپنی نیت کا ثواب پائیں گے۔ بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ تبوک کی لڑائی سے واپس ہوتے وقت

[1] مطبوعہ تفسیر میں "مکلم" کاف کے ساتھ ہے جو غالباً کاتب کی غلطی ہے مراجع سے تصحیح کی گئی [2] تفسیر ابن جریر جزو ۵ ص ۱۳۰ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۳۹ میں یہ قصہ تفصیلاً ہے، اور صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۴ کتاب الدیات میں مختصر ہے۔ [4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۰ کتاب التفسیر و جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۷ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۴۰ [5] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۷ کتاب الجہاد ؛

الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً

لڑنے والوں کو بیٹھنے والوں سے بڑے ثواب میں بہت درجوں میں اپنے یہاں کے اور بخشش میں

وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

اور مہربانی میں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان جن لوگوں کی جان کھینچتے ہیں فرشتے

ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ

اس حال میں کہ وہ بُرا کر رہے ہیں اپنا کہتے ہیں تم کس بات میں تھے وہ کہتے ہیں ہم تھے مغلوب اس ملک میں

قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ

کہتے ہیں کیا نہ تھی زمین اللہ کی کشادہ کہ وطن چھوڑ جاؤ وہاں سو ایسوں کا ٹھکانا ہے

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عذر کے سبب سے جو لوگ لڑائی میں شریک نہ ہو سکے جتنے کام لڑائی میں ہم نے کئے ہیں ان سب کاموں میں گھر بیٹھے وہ ثواب میں ہمارے شریک حال وہ لوگ بھی کئے جائیں گے[1] اسی طرح کی روایت ابوداؤد[2] اور مسند امام احمد بن حنبل میں بھی ہے اسی آیت سے علماء نے جہاد کو فرض کفایہ کہا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد میں جانے والوں سے ان کی جانفشانی کے ثواب کا وعدہ کیا ہے اور بیٹھ رہنے والوں کو کچھ ڈرایا نہیں۔ یہی شان فرض کفایہ کی ہے۔ مگر جب دشمن اپنے شہر پر چڑھائی کرے تو اس کا دفع کرنا شہر والوں پر فرض عین ہو جاتا ہے۔ اور صحیح حدیثوں میں بھی اس کی صراحت ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، پر قائم ہے اگرچہ وہ جہاد نہ کرے لیکن وہ جنتی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ لوگوں میں اس خوش خبری کو عام طور پر پھیلا دیا جائے آپ نے فرمایا جہاد والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں سو درجے رکھے ہیں ہر ایک درجہ میں زمین آسمان کا فرق ہے وہ درجہ لوگوں کو حاصل کرنے دو[3]۔

۹۷-۹۹۔ بخاری، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، اور ابن جریر نے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کچھ لوگ ظاہر میں تو جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے اس وقت اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے مگر مشرکوں کا ساتھ انہوں نے نہیں چھوڑا تھا۔ مشرکوں کے ڈر سے مکہ سے مدینہ منورہ کو انہوں نے ہجرت بھی نہیں کی۔ اور بدر کی لڑائی میں مشرکوں کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے وہ لڑنے کو آئے اور مارے گئے ان کی شان میں اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل[4] فرمائی کہ ایسے لوگوں کے باب میں ایک طرح کا اختلاف مسلمانوں میں پڑ رہا تھا۔ بعضے لوگ کہتے تھے کہ اگرچہ اس طرح کے لوگ مشرکوں کی فوج

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۸ باب من حبسہ العذر عن الغزو و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۴۱ [2] سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۴۰ باب الرخصۃ فی القعود من العذر [3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۱ باب درجات المجاہدین فی سبیل اللہ الخ [4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۷ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۴۲ و تفسیر معالم ج ۲ ص ۵۵۲ و تفسیر در منثور ج ۲ ص ۲۰۵۔

جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ

دوزخ اور بہت بری جگہ پہنچے مگر جو ہیں بے بس مرد اور عورتیں

وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾ فَأُولٰٓئِكَ عَسَى

اور لڑکے نہ کر سکتے ہیں تلاش اور نہ جانتے ہیں راہ سو ایسوں کو امید

اللّٰهُ أَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ

ہے کہ اللہ معاف کرے اور اللہ ہے معاف کرنے والا بخشتا اور جو کوئی وطن چھوڑے اللہ کی راہ میں

اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ

پائے اس کے مقابلہ میں جگہ بہت اور کشایش اور جو کوئی نکلے اپنے گھر سے

مُهَاجِرًا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ

وطن چھوڑکر اللہ اور رسول کی طرف پھر آپکڑے اس کو موت سو ٹھہر چکا اس کا ثواب اللہ پر

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٠﴾ ع

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

میں شمار ہو کر مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ لیکن حقیقت میں وہ مسلمان تھے اور بعضے ان کو مسلمان نہیں کہتے تھے۔ اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے لوگوں کو دوزخی قرار دیا۔ اور اس اختلاف کو رفع فرمادیا۔ فتح مکہ سے پہلے ہجرت بھی اسلام کی شرط تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا اسلام قبول نہیں فرمایا۔ جنھوں نے بلا عذر، ہجرت نہیں کی اور مشرکوں میں رہ کر مشرکوں کی جماعت اور بھیڑ بڑھائی بعد فتح مکہ کے فرمادیا۔ کہ اب فتح مکہ کے بعد ہجرت شرط اسلام باقی نہیں رہی[1]۔

۱۰۰۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن سعد ابو یعلیٰ الموصلی۔ اور ابن مندہ نے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا کہ جو کوئی در پردہ مسلمان ہو کر بلا عذر فتح مکہ سے پہلے مدینہ کو ہجرت نہ کرے گا۔ اس کا اسلام قبول نہ ہوگا۔ تو بہت سے لوگوں نے ہجرت کی اور ان میں بعضے لوگ مدینہ میں پہنچنے سے پہلے فوت ہو گئے ان کی شان میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[2]۔ حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ اللہ کی درگاہ میں سب کاموں کا دارومدار نیت پر ہے۔ جو شخص ہجرت کی نیت کر کے گھر سے نکلا۔ وہ اسی وقت ہجرت کے ثواب کا مستحق ٹھہر چکا خواہ مدینہ میں پہنچے یا راستہ میں مر جائے اور جو شخص مدینہ میں بھی پہنچ جائے اور اس کی نیت خالص ہجرت کی نہ ہو بلکہ کسی دنیوی غرض سے اس نے ہجرت کی ہو وہ شخص ہجرت کا ثواب نہ پائے گا۔ چنانچہ

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳۳ کتاب الجہاد باب لا ہجرۃ بعد الفتح۔ [2] تفسیر ابن جریر جزء ۵ ص ۱۴۰ – ۱۴۱ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۴۴ و درمنثور ج ۲ ص ۲۰۷ – ۲۰۹۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ

اور جب سفر کرو تم ملک میں تو تم پر گناہ نہیں کہ کچھ کم کرو نماز میں سے

إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكٰفِرِينَ كَانُوا لَكُمْ

اگر تم کو ڈر ہو کہ ستائیں گے تم کو کافر البتہ کافر تمہارے

عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿١٠١﴾

دشمن ہیں صریح

صحاح ستہ کی چھیوں کتابوں میں حدیث[1] انما الاعمال بالنیات میں اس کی صراحت موجود ہے ؛

١٠١۔ تفسیر ابن جریر میں حضرت علیؓ کی روایت سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ بنی نجار قبیلہ کے کچھ لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت ہم لوگ سفر کرتے رہتے ہیں سفر میں ہم نماز کیوں کر پڑھا کریں اس پر اللہ تعالےٰ نے اس آیت کا وہ ٹکڑا نازل فرمایا جس میں نماز کے قصر کرنے کا حکم ہے پھر اس کے ایک برس کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک لڑائی پر تشریف لے گئے۔ دشمنوں کے عین مقابلہ کے وقت میں آپ نے ظہر کی نماز پڑھی نماز کے وقت تو اللہ تعالےٰ نے مشرکوں کی عقل پر پردہ ڈال دیا۔ لیکن جب آپ اور صحابہ کرام جماعت کی نماز پڑھ چکے تو خالد بن ولید نے جو مشرکوں کے لشکر کے سردار تھے بڑے افسوس کے ساتھ اپنے لشکر والوں سے یہ کہا کہ جس وقت سب مسلمان صف باندھ کر نماز میں مشغول تھے اس وقت ان کی پشت کی طرف سے ان پر حملہ کرنے کا خوب موقع تھا۔ پھر یہ بھی کہا کہ تھوڑی دیر میں اور دوسری نماز کا موقع ہے۔ جس نماز کو مسلمان لوگ اپنی جان اور اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں اس پر اللہ تعالےٰ نے ظہر اور عصر کے مابین میں یہ صلوٰۃ الخوف کا حکم نازل فرمایا[2]۔ اور جس طرح مشرکوں نے عصر کی نماز کے وقت مسلمانوں کی پشت کی طرف سے حملہ کرنے کا منصوبہ کیا تھا۔ وہ موقع ان کو نہیں ملا۔ اگرچہ حافظ ابن کثیر نے اس شان نزول کی روایت کو غریب کہا ہے لیکن اور صحیح روایتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم اور سنن میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے قصر نماز میں خوف کی قید کی بابت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ بغیر خوف کے سفر میں نماز کا قصر کرنا۔ یہ صدقہ کے طور پر اللہ تعالےٰ کی ایک مہربانی ہے اس کو قبول کرنا چاہئے[3]۔ حضرت عمرؓ کی یہ حدیث بہت صحیح ہے ائمہ حدیث نے بالاتفاق اس کی صحت بیان کی ہے۔ اور اس صحیح حدیث سے اوپر کی شان نزول کی روایت کے اس ٹکڑے کی پوری تائید

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲ [2] تفسیر ابن جریر جزء ۵ ص ۱۴۴ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۴۰ و لباب النقول ص ۷۷ [3] صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۴۱ کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرها و جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۸ کتاب التفسیر و ابوداؤد ج ۱ ص ۱۷۰ باب صلوٰۃ المسافر و سنن نسائی ج ۱ ص ۱۶۸ کتاب تقصیر الصلوٰۃ فی السفر و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۴۴ ؛

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم
اور جب تو ان میں ہو پھر ان کو نماز میں کھڑا کرے تو چاہئے ایک جماعت ان کی
مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَآئِكُمْ
کھڑی ہو تیرے ساتھ اور ساتھ لیں اپنے ہتھیار پھر جب سجدہ کر چکیں تو ہو جائیں تیرے پیچھے اور آئے
وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ
دوسری جماعت جس نے نماز نہیں کی وہ نماز کریں تیرے ساتھ اور پاس لیں اپنا بچاؤ
وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ
اور ہتھیار کافر چاہتے ہیں کسی طرح تم بے خبر ہو اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے
فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً ۚ
تو تم پر جھک پڑیں ایک حملہ کر کر۔

ہوتی ہے کہ بغیر حالت خوف کے سفر میں قصر نماز جائز ہے رہا اس شان نزول کا دوسرا ٹکڑا کہ ایک لڑائی میں ظہر اور عصر کے مابین میں صلوٰۃ الخوف کا حکم نازل ہوا اس کی تائید آئندہ کی آیت کے شان نزول سے ہو سکتی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فعل بھی یہی پایا جاتا ہے کہ حالت سفر میں آپ اکثر قصر کیا کرتے تھے[۱]۔ رہی یہ بات کہ کس قدر مسافت کے سفر میں قصر نماز پڑھنی چاہئے اس باب میں حضرت انسؓ کی صحیح مسلم کی روایت سے بڑھ کر کوئی صحیح روایت نہیں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تین میل یا نو میل کی مسافت کے سفر میں آپ قصر کیا کرتے تھے[۲]۔ اس سے زیادہ تفصیل اس مسئلہ کی بڑی کتابوں میں ہے[۳]۔

۱۰۲۔ مسند امام احمدؒ، سنن اربعہ، مستدرک حاکمؒ، صحیح ابن حبان میں ابی عیاش زرقیؓ کی روایت سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ عسفان کی لڑائی کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز جماعت سے پڑھی جماعت کی نماز ہو چکنے کے بعد خالد بن ولید نے اپنے ساتھ کے مشرکوں سے یہ کہا کہ جس وقت سب مسلمان صف باندھ کر نماز میں مصروف تھے اس وقت ان کی پشت کی طرف سے حملہ کرنے کا خوب موقع تھا۔ پھر سب مشرکوں نے مل کر یہ بھی کہا تھا کہ تھوڑی دیر میں اور دوسری نماز کا موقع آنے والا ہے اس وقت ان کی پشت کی طرف سے حملہ کرنا چاہئے اس پر اللہ تعالےٰ نے عصر کی نماز سے پہلے یہ نماز خوف کا حکم نازل فرمایا[۴]۔ حاکم اور ابن حبان نے اس شان نزول کو صحیح کہا ہے[۵]۔ اس صحیح شان نزول سے اوپر کی آیت کا شان نزول کے آخری ٹکڑے کی پوری تائید

[۱] صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۴۲ کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرہا و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۴۷ [۲] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۲ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۴۷۔
[۳] ملاحظہ فرمائیے نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۵۲ — ۲۵۳ [۴] ابو داؤد ج ۱ ص ۱۷۴ باب صلوٰۃ الخوف و سنن نسائی ج ۱ ص ۱۸۵ باب صلوٰۃ الخوف و تلخیص الحبیر ص ۱۴۱ [۵] مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۳۸ کتاب صلوٰۃ الخوف۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّنْ مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَّرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوا

اور گناہ نہیں تم پر اگر تم کو تکلیف ہو مینہ سے یا تم بیمار ہو کہ اتار رکھو

أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٠٢﴾

اپنے ہتھیار اور ساتھ لو اپنا بچاؤ اللہ نے رکھی ہے منکروں کے واسطے ذلت کی مار

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا

پھر جب نماز ادا کر چکو تو یاد کرو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور پڑے پھر جب

ہوتی ہے کہ ظہر اور عصر کے مابین میں صلوٰۃ الخوف کے حکم کا ٹکڑا نازل ہوا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس لڑائی کا نام حضرت علیؓ کی اوپر کی روایت میں مبہم تھا وہ عسفان کی لڑائی تھی۔ اگرچہ امام بخاری نے صحیح بخاری میں صلوٰۃ الخوف کے نازل ہونے کا موقع اس لڑائی کو قرار دیا ہے جس کو ذات الرقاع کی لڑائی کہتے ہیں یہ لڑائی عسفان کی لڑائی کے بعد ہے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اسیکو ترجیح دی ہے۔ کہ صلوٰۃ الخوف کے نازل ہونے کا موقع جنگ عسفان ہے[1]۔ دشمن کبھی قبلہ کی جہت پر ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا اس لئے صلوٰۃ الخوف کی مختلف صورتیں ہیں جن کا ذکر حدیث کی کتابوں میں ہے جو صورتیں صحیح حدیثوں میں ہیں وہ بنظر حفاظت لشکر اسلام کے سب جائز ہیں۔ بعضے علماء نے یہ کہا ہے کہ صلوٰۃ الخوف کا حکم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک تھا۔ لیکن جمہور علماء نے اس قول کو تسلیم نہیں کیا ہے[2]۔

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری اور علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں جب کہ اللہ تعالےٰ نے نماز کی حالت میں بھی مسلمانوں کو ہتھیار بندھے رہنے کا حکم فرمایا تو اس حکم کے سبب سے مسلمان حالت مینہ اور حالت بیماری ہر حال میں ہتھیار بند رہتے تھے۔ حالانکہ مینہ میں ہتھیاروں کے بھیگ کر بھاری ہو جانے سے اور بیماری میں نقاہت سے ان کو ہتھیار بار خاطر معلوم ہوتے تھے۔ چنانچہ عبدالرحمان بن عوفؓ ایک دفعہ لڑائی کے وقت زخمی تھے مگر ہتھیار بند رہتے تھے اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرما کر اجازت فرما دی کہ حرج کے وقت ہتھیار کھول ڈالو۔ تو مضائقہ نہیں مگر ہوشیار رہو تاکہ خالی ہاتھ پا کر مشرکین تم پر حملہ نہ کر بیٹھیں[3]۔

۱۰۳-۱۰۴- اوپر کی آیتوں میں صلوٰۃ الخوف کی اجازت تھی اور صلوٰۃ خوف میں لڑائی کا خدشہ دل میں رہتا ہے اس لئے رکوع سجدہ اس طرح کے اطمینان سے نہیں ہو سکتا جس طرح امن کی حالت میں ہو سکتا ہے

[1] پوری بحث کے لئے ملاحظہ فرمایئے فتح الباری ج ۴ ص ۱۴۷ باب غزوۃ ذات الرقاع [2] تفسیر خازن ص ۵۵ ۱۔ نیل الاوطار ج ۴ کتاب صلوٰۃ الخوف
[3] فتح الباری ج ۴ ص ۶۵، کتاب التفسیر۔

اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ ۚ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا

خاطر جمع سے ہو تو درست کرو نماز بے شک نماز ہے مسلمانوں پر وقت

مَّوْقُوتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ

باندھا حکم اور ہمت ہارو ان کا پیچھا کرنے سے اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو وہ بھی بے آرام ہیں

يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا

جس طرح تم ہو اور تم کو اللہ سے امید ہے جو ان کو نہیں اور اللہ سب جانتا ہے

حَكِيمًا ﴿۱۰۴﴾ إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرٰىكَ

حکمت والا ہم نے اتاری تجھ کو کتاب سچی کہ تو انصاف کرے لوگوں میں جو سمجھائے تجھ کو

ع ۱۵ / ۱۲

اس واسطے فرمایا کہ صلوٰۃ الخوف کے بعد اللہ کا ذکر کثرت سے ہر حال میں کیا جائے۔ تاکہ لڑائی کے خدشہ کے سبب سے اس نماز کے ارکان میں جو کچھ کمی ہوئی ہے وہ آسانی سے پوری ہو جائے کیونکہ ذکر الٰہی میں نماز کی طرح نہ وقت کی قید ہے نہ وضو کی چنانچہ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بلاقید وقت اور وضو کے ہر حال میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے[۱] پھر فرمایا کہ صلوٰۃ الخوف میں وقت اور تکمیل ارکان کی پوری پابندی نہ ہو سکے تو ضرورت شرعی کے سبب سے معاف ہے لیکن امن کی حالت میں اس طرح کی ادھوری نماز کی عادت نہ ڈال لی جائے کہ امن کی حالت میں اس طرح کی ادھوری نماز ہرگز قبول نہ ہوگی۔ بلکہ امن کی حالت میں جس طرح حکم ہے وقت اور ارکان کا پورا خیال رکھ کر نماز پڑھی جائے اوپر گذر چکا ہے کہ جنگ احد کے بعد جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کے تعاقب کے لئے حمراء الاسد کے سفر کا ارادہ کیا تھا تو کچھ مسلمان پست ہمت ہو کر آپ کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ اس واسطے صلوٰۃ الخوف کے رعایتی حکم کے ساتھ یہ تنبیہ بھی فرمائی کہ آئندہ دین کے مخالفوں کے تعاقب اور مقابلہ میں اس طرح کی پست ہمتی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ مخالف لوگ جو عقبٰے اور جنت کی نعمتوں کے منکر ہیں باوجود تمہاری طرح صدمے اٹھانے کے جب وہ لڑائی سے باز نہیں آتے تو پھر عقبٰے کے اجر کی توقع رکھ کر تم لوگ ایسی پست ہمتی کیوں کرتے ہو اللہ نے اپنے علم اور حکمت ازلی کے موافق عقبٰے میں دین کے حامیوں کے لئے وہ نعمتیں رکھی ہیں کہ جو نہ کسی نے کانوں سے سنیں نہ آنکھوں سے دیکھیں نہ کسی کے دل میں ان نعمتوں کا تصور سما سکتا ہے۔ اس لئے ذرا سی پست ہمتی کر کے ایسی بڑی نعمتوں کو ہاتھ سے دینا کسی عقلمند کا کام نہیں۔

۱۰۵ — ۱۰۹ ۔ ترمذی، مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور قتادہ بن نعمانؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک صحابی قتادہ بن نعمانؓ کی زرہ چوری جاتی رہی اور

[۱] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۲ باب ذکر اللہ تعالیٰ فی حال الجنابۃ وصحیح بخاری ج ۱ ص ۴۴ (ترجمۃ الباب)

اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿١٠٥﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا

اللہ اور تو مت ہو دغا بازوں کی طرف سے جھگڑنے والا اور بخشوا اللہ سے بے شک اللہ بخشنے والا

رَّحِيْمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

مہربان ہے اور مت جھگڑ ان کی طرف سے جو اپنے جی میں دغا رکھتے ہیں اللہ کو خوش نہیں آتا

مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿١٠٧﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ

جو کوئی ہو دغاباز گنہگار چھپتے ہیں لوگوں سے اور نہیں چھپتے اللہ سے

وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ

اور وہ ان کے ساتھ ہے جب رات کو ٹھہراتے ہیں جس بات سے وہ راضی نہیں اور جو کرتے ہیں اللہ کے

مُحِيْطًا ﴿١٠٨﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۣ فَمَنْ يُّجَادِلُ

قابو میں ہے سنتے ہو تم لوگ جھگڑتے ہو ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں پھر کون جھگڑے گا

اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿١٠٩﴾

ان کے بدلے اللہ سے قیامت کے دن یا کون ہوگا ان کا کام بنانے والا ۔

دریافت سے معلوم ہوا کہ قبیلہ بنی ظفر میں کے ایک شخص طعمہ بن ابیرق نے وہ زرہ چرائی ہے طعمہ نے یہ چالاکی کی کہ وہ زرہ ایک شخص یہودی زید بن سمین کے پاس رکھوا دی۔ اور طعمہ کی خانہ تلاشی کے وقت جب وہ زرہ طعمہ کے گھر سے برآمد نہیں ہوئی تو طعمہ نے اسی یہودی کو چور ٹھہرا کر زرہ کا پتہ اسی یہودی کے گھر میں ہونے کا دے دیا اور ادھر طعمہ کی قوم نے رات کو یہ مشورہ کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر طعمہ کی برأت کی گواہی ادا کی جائے چنانچہ ان لوگوں نے جب گواہی ادا کر دی تو ان کی گواہی کے بھروسہ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے طعمہ کو بری اور یہودی کو چور ٹھہرایا اس پر اصلی حال ظاہر ہو جانے کے لئے اللہ تعالےٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں حاکم نے اس شان نزول کی روایت کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے[1] یہ آیتیں نازل فرما کر اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو خبردار کر دیا کہ اگرچہ طعمہ کی چالاکی اور اس کی قوم کی جھوٹی گواہی کے سبب سے ظاہر میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ طعمہ بری ہے۔ اور یہودی چور لیکن حقیقت میں معاملہ برعکس ہے پھر فرمایا کہ ظاہری روداد کی بنا پر اے رسول اللہ کے تم نے جو طعمہ کی برأت کی بابت یہودیوں سے جھگڑا کیا وہ استغفار کے قابل ہے کیوں کہ چوروں کی حمایت اللہ کو پسند نہیں اس کے بعد جھوٹی گواہی پر طعمہ کی قوم کے لوگوں کو یہ تنبیہ فرمائی کہ تم لوگوں نے جھوٹی گواہی کا مشورہ تو کیا مگر اتنا نہ سوچا کہ اللہ غیب دان ہے ظاہر و باطن اس کو سب کچھ معلوم ہے اس سے یہ جھوٹی گواہی کا مشورہ کیونکر چھپا رہ سکتا ہے۔ اور جب وہ عالم الغیب اس جھوٹی گواہی کے

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۸ — ۱۲۹ کتاب التفسیر و مستدرک حاکم ج ۴ ص ۳۸۵ حکایۃ سرقۃ مشارح رفاعۃ سرقۃ بنو ابیرق و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۵۱ — ۵۵۲۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا

اور جو کوئی کرے گناہ یا اپنا بُرا کرے پھر اللہ سے بخشوائے پائے اللہ کو بخشتا

رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا

مہربان اور جو کوئی کمائے گناہ سو کماتا ہے اپنے حق میں اور اللہ سب جانتا

حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗــــَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗــــًٔـا فَقَدِ احْتَمَلَ

حکمت والا اور جو کوئی کمائے تقصیر یا گناہ پھر لگائے بے گناہ کو اس نے سر دھرا

بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ۧ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ

طوفان اور گناہ صریح اور اگر نہ ہوتا تجھ پر فضل اللہ کا اور مہر تو قصد کیا ہی تھا

حال سے اپنے رسول کو خبردار کر دے گا تو جھوٹے گواہوں کی کس قدر رسوائی ہوگی۔ پھر یہ تو دنیا کی رسوائی ہوئی۔ دنیا میں اگر اس رسوائی سے کوئی بچ بھی جاوے اور کسی چالاکی یا جھوٹی گواہی سے اپنے مقابل پر غالب آجائے تو قیامت کے دن اس غیب دان کے روبرو ایسے چالاکوں۔ اور جھوٹے گواہوں کا وکیل کون ہوگا جو ان کو عقبٰے کے عذاب سے چھوڑائے گا۔

۱۱۰-۱۱۳- یہ آیتیں بھی طعمہ کے قصے سے متعلق ہیں ان آیتوں میں اللہ تعالٰے نے طعمہ کو چوری کے گناہ سے اور ایک شخص بری پر جو اس نے چوری کا بہتان لگایا تھا۔ اس سے اور طعمہ کے قبیلے کے لوگوں کو جھوٹی گواہی کے گناہ سے توبہ استغفار کرنے کی رغبت دلائی ہے اور فرمایا ہے کہ کبیرہ صغیرہ جس طرح کے گناہوں سے جو کوئی توبہ کرے گا اللہ ایسا غفور رحیم ہے کہ وہ فوراً ہر ایک گناہ گار کی خالص نیت کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور اس توبہ کرنے والے شخص کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے ابو سعید خدریؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ شیطان جب مردود ٹھہرایا جا کر آسمان پر سے نکالا جانے لگا تو اس نے قسم کھا کر اللہ تعالٰے کے روبرو اپنا یہ پکا ارادہ ظاہر کیا کہ انسان کے جسم میں جب تک جان رہے گی وہ ملعون انسان کے بہکانے اور اس کی عقبٰے کے خراب کرنے میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کرے گا۔ اللہ تعالٰے نے بھی قسم کھا کر اس ملعون کے اس ارادہ کا یہ جواب دیا کہ ہر طرح کے گناہ کے بعد انسان جب تک توبہ استغفار کرے گا تو میں بھی اس کی توبہ قبول کرنے اور اس کے گناہوں کے معاف کر دینے میں کسی طرح کا دریغ نہ کروں گا[1] یہ حدیث آیت کے اس ٹکڑے کی پوری تفسیر ہے جس میں اللہ تعالٰے نے گنہگاروں کی توبہ قبول کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اب آگے اللہ تعالٰے نے اپنے رسول کو قرآن کی نعمت کی قدر جتائی اور فرمایا کہ طعمہ کی قوم کے لوگوں نے تو جھوٹی گواہی دے کر غلط فیصلہ کرانے کی کوشش کی تھی مگر اے رسول اللہ کے یہ اللہ کا تم پر بڑا فضل اور اس کی

[1] تفسیر در منثور ج ۲ ص ۷۷۔ مشکوٰۃ ص ۲۰۴ باب الاستغفار والتوبۃ بحوالہ مسند امام احمد۔

طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ

ان میں ایک جماعت نے کہ تجھ کو بہکادیں اور بہکا نہ سکتے مگر آپ کو اور تیرا کچھ بگاڑتے

شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ

اور اللہ نے نازل کی تجھ پر کتاب اور کام کی بات اور تجھ کو سکھایا جو تو نہ جان سکتا

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ

اور اللہ کا فضل تجھ پر بڑا ہے ۔ کچھ بھلی نہیں اکثر ان کی مشورت مگر جو کوئی

اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

کہے خیرات کو یا نیک بات کو یا صلح کروانے کو لوگوں میں اور جو کوئی یہ چیزیں کرے

بڑی رحمت ہے کہ اس معاملہ میں اور بدر کے قیدیوں کے فدیہ کے معاملہ میں جہاں ایسا غلطی کا موقع ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فوراً بذریعہ وحی کے اس غلطی کو رفع کر کے معاملہ کی صحیح صورت تم کو بتلا دیتا ہے۔ اس طرح کی آیتوں سے ان علماء کے قول کی تائید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول بعضے فیصلے اپنے اجتہاد سے بھی کرتے تھے اور اس اجتہاد میں اگر کچھ خطا واقع ہو جاتی تھی تو فوراً اس کی اصلاح بذریعہ وحی کے ہو جایا کرتی تھی برخلاف امت کے مجتہدوں کے اجتہاد کے کہ اس کی حالت ایسی یقینی نہیں ہے۔ اسی واسطے مجتہدین امت نے احتیاطاً اپنے بعضے قولوں سے رجوع اختیار کیا ہے اور بعضے مسئلوں میں قول قدیم اور قول جدید اپنے یہ دو قول قرار دیئے ہیں تاکہ ایک قول کی اصلاح دوسرے قول سے ہو جائے۔ اپنے رسول کی تسکین کے لئے ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا کہ اے رسول اللہ کے تم اگر غلط روداد پر فیصلہ کر دیتے تو اس کا وبال ان ہی لوگوں پر ہوتا جنہوں نے وہ غلط روداد گھڑی تھی تمہارے اوپر اس کا کچھ وبال نہیں تھا کیونکہ تمہارا فیصلہ تو ظاہری روداد پر ہوتا لیکن یہ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے یہ نوبت نہیں آنے دی اور جو بات تم کو معلوم نہیں تھی وہ عین وقت پر بذریعہ وحی کے تم کو جتلادی۔ اوپر گذر چکا ہے کہ قرآن کے ساتھ جہاں حکمت کا لفظ آتا ہے تو اس کے معنے حدیث کے ہوتے ہیں۔

۱۱۴—۱۱۵۔ طعمہ کی قوم کے لوگوں نے آپس میں رات کو اس جھوٹی گواہی کا مشورہ کیا جس کا ذکر اوپر گذرا۔ اور صبح کو وہ جھوٹی گواہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو ادا کی اور پھر اوپر کی آیتوں کے نازل ہو جانے کے بعد جب طعمہ کی چوری کا حال کھل گیا تو وہ اپنے ہاتھ کے کاٹے جانے کی سزا سے ڈر کر مدینہ سے مکہ کو بھاگ گیا۔ اور وہاں مرتد ہو کر مر گیا۔ ان ہی باتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ طعمہ کی قوم کی طرح جو کوئی خلاف شریعت باتوں کا مشورہ کرے تو اس طرح کے مشوروں میں کچھ بھلائی نہیں بلکہ اس طرح کے مشوروں میں آدمی کے دین کا نقصان ہے ہاں دین کے فائدہ کے مشورہ یہ ہیں

ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ

اللہ کی خوشی چاہ کر تو ہم اس کو دیں گے ثواب بڑا اور جو کوئی مخالفت کرے رسول سے

مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ

جب کھل چکی اس پر راہ کی بات اور چلے الگ سب مسلمانوں کی راہ سے سو ہم اس کو

مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۚ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ ع

حوالہ کریں وہی طرف جو اس نے پکڑی اور ڈالیں ہم اس کو دوزخ میں اور بہت بری جگہ پہنچا

ع ۱۷ ۱۴

کہ کسی کو صدقہ خیرات کا یا شریعت میں اور نیک کام جو ہیں ان کا یا جہاں کہیں مسلمانوں میں لڑائی ہو ان میں صلح کرانے کا مشورہ دیا جائے۔ لفظ معروف کے معنے میں اگرچہ شریعت کے سب نیک کام داخل ہیں لیکن صدقہ اور آپس کی صلاح کی طرف خاص توجہ دلانے کے لئے ان کا ذکر خاص طور پر فرمایا۔ انس بن مالکؓ سے ترمذی اور صحیح ابن حبان میں روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ صدقہ ایسی چیز ہے جس سے اللہ کا غصہ اگر کسی بندہ پر ہو تو وہ جاتا رہتا ہے۔ اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے اور ابن حبان کی سند بھی معتبر ہے[1] یہ حشر کے دن کے غصہ کا ذکر ہے۔ جس کا ذکر ابو ہریرہؓ کی صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ اس دن کا سا غصہ اللہ تعالےٰ کو کبھی آیا نہ آئے گا[2]۔ ترمذی۔ ابو داؤد، صحیح ابن حبان میں ابو درداؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لڑتے ہوئے مسلمانوں میں صلح کرانے کو نفلی نماز روزہ اور صدقہ سے بہتر فرمایا ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[3] پھر فرمایا کہ جو کوئی یہ نیک کام خالص ثواب کی نیت سے کرے گا تو اس کو عقبےٰ میں بڑا اجر ملے گا۔ کیونکہ جس عمل میں دنیا کے دکھاوے کا کچھ دخل ہوتا ہے وہ اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں چنانچہ مسند بزار میں معتبر سند سے ضحاک بن قیسؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا اے لوگو جو نیک کام کرو وہ خالص ثواب کی نیت سے کرو بغیر اس کے کوئی عمل اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہو سکتا[4]۔ اب آگے ایسے لوگوں کے انجام کا ذکر فرمایا جو طعمہ کی طرح اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جائیں کہ ایسے لوگوں کو دنیا میں اللہ ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ کیونکہ کسی کو مجبور کر کے راہ راست پر لانا انتظام الٰہی کے برخلاف ہے اور عقبےٰ میں ایسے لوگوں کا انجام جہنم ہے شریعت کی دلیلوں میں جس اجماع امت کو ایک شرعی دلیل قرار دیا ہے۔ اگرچہ بعضے علماء نے اس اجماع کو آیت کے اس ٹکڑے سے ثابت کیا ہے۔ لیکن شان نزول کے لحاظ سے یہ آیت مرتد لوگوں کی شان میں ہے۔

[1] جامع ترمذی ج ۱ ص ۸۴ باب ما جاء فی فضل الصدقہ۔ والترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۵۹ [2] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۱ باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النار [3] سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۳۰۷ باب فی اصلاح ذات البین وتفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۵۴ وتفسیر معالم ج ۲ ص ۵۸۰ [4] الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۴

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ

اللہ یہ نہیں بخشتا کہ اس کا شریک ٹھہرایئے اور اس سے نیچے بخشتا ہے جس کو چاہے اور جس نے

يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١١٦﴾ إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا

اللہ کا شریک ٹھہرایا وہ دور پڑا بھول کر اس کے سوا پکارتے ہیں سو

إِنَاثًا وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ﴿١١٧﴾ لَعَنَهُ اللَّهُ ۘ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ

عورتوں کو اور اس کے سوا پکارتے ہیں شیطان سرکش کو۔ جس کو لعنت کی اللہ نے اور وہ بولا کہ میں البتہ لوں گا

مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ﴿١١٨﴾ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ

تیرے بندوں سے حصہ ٹھہرایا ہوا اور ان کو بہکاؤں گا اور ان کو توقعیں دوں گا اور ان کو سکھاؤں گا

فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَتَّخِذِ

کہ چیریں جانوروں کے کان اور ان کو سکھاؤں گا کہ بدلیں صورت بنائی اللہ کی اور جو کوئی پکڑے

اصطلاحی اجماع اور اس کے مخالف لوگوں سے آیت کا تعلق نہیں ہے[1]۔

۱۱۶ — ۱۲۲۔ اس سے پہلے یہ آیت اہل کتاب کے ذکر میں تھی اس لئے وہاں فقد افتری (۴۸–۴) فرمایا تھا کیونکہ اہل کتاب کا شرک جان بوجھ کر افترا کے طور پر تھا یہاں عرب کے مشرکوں اور مرتد لوگوں کا ذکر ہے اس لئے فقد ضل فرمایا کہ یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں وہ ان کی جہالت کا سبب ہے، باقی معنے آیت کے پہلی جگہ جہاں یہ ہے وہاں بیان کئے گئے ہیں عرب کے مشرک لوگ اپنے بتوں کے نام لات ومنات اور عزیٰ عورتوں کے سے رکھتے تھے۔ اس واسطے فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے سوا عورتوں کو پکارتے ہیں۔ اللہ کے سوا جس چیز کی کوئی پوجا کرتا ہے وہ شیطان کے بہکانے سے کرتا ہے اس لئے فرمایا کہ حقیقت میں یہ لوگ شیطان ملعون کی پوجا کرتے ہیں نصیب مفروض کے معنے ایک معین اور مقرر حصہ کے ہیں صحیح بخاری ومسلم میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یاجوج ماجوج کو ملا کر بنی آدم کی ہزار آدمی کی جماعت میں سے نو سو ننانوے شیطان کا حصہ قرار پا کر اس کے ساتھ جہنم میں جائیں گے[2]۔ یہی گویا شیطان کا معین حصہ ہوا۔ شیطان کا لوگوں کو گمراہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ ملعون طرح طرح سے لوگوں کو بہکاتا ہے اور ان کو راہ راست سے روکتا ہے۔ شیطان کی توقعیں دلانے کا

[1] یہ بات جناب مفسر نے تفسیر فتح البیان (ج ۱ ص ۳۰۲ طبع بھوپال) سے اور صاحب فتح البیان نے فتح القدیر شوکانی (ج ۱ ص ۴۷۷) سے اخذ کی ہے لیکن اجماع کو اس آیت سے ثابت کرنے والے سب سے پہلے حضرت امام شافعیؒ ہیں دیکھئے احکام القرآن جمع کردہ امام بیہقی ج ۱ ص ۳۹ و تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۴۲ امام شافعیؒ کے اس استنباط کو حافظ ابن کثیرؒ نے بہترین استنباط فرمایا ہے ج ۱ ص ۵۵۵ دوسرے علماء کے علاوہ امام ابن تیمیہؒ نے متعدد جگہ اس استدلال کو محقق کہا ہے اور مخالف حجیت اجماع لوگوں پر مدلل تنقید کی ہے، رہی شان نزول کی بات سو اگر امام شوکانی کی بات تسلیم بھی کر لی جاوے تو یہ مسلمہ اصول ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے، خصوص سبب کا نہیں حاصل یہ کہ اجماع کا حجت ہونا درست بات ہے واللہ اعلم۔

[2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۲ کتاب الانبیاء۔

الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَ

شیطان کو رفیق اللہ کو چھوڑ کر وہ ڈوبا صریح نقصان میں ان کو وعدے دیتا ہے

يُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ

اور ان کو توقعیں بتاتا ہے اور جو توقع دیتا ہے ان کو شیطان سو سب دغا ہے ایسوں کا ٹھکانا ہے دوزخ

وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ

اور نہ پاویں گے وہاں سے بھاگنے کی جگہ اور جو یقین لائے اور عمل کئے نیک ان کو ہم داخل کریں گے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ

باغوں میں جن کے نیچے بہتی نہریں رہ پڑے وہاں ہمیشہ کو وعدہ ہے اللہ کا سچا

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

اور اللہ سے سچی کس کی بات ہے

یہ مطلب ہے کہ وہ دنیا کی امیدوں کو اس طرح طویل طویل کر کے اس کوتاہ عمر انسان کے دل میں ڈال دیتا ہے کہ انسان ان امیدوں کے پورا کرنے میں مصروف ہو کر عقبےٰ سے غافل رہتا ہے اور اسی حالت میں اپنی عمر گذار دیتا ہے آخر وہ سب آرزوئیں دل کی دل ہی میں رہتی ہیں اور انسان دنیا سے اٹھ جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری، ترمذی، نسائی، وغیرہ میں عبداللہ بن مسعودؓ، انس بن مالکؓ سے جو روایتیں ہیں ان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آدمی کی عمر کا ایک چھوٹا خط اور اس کی طرح طرح کی امیدوں کا ایک بڑا خط کھینچ کر اس مطلب کو اچھی طرح سمجھایا ہے اس لئے یہ روایتیں[1] آیت کے اس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہیں یہ ذکر تفصیل سے سورہ مائدہ میں آئے گا۔ کہ مشرکین مکہ بتوں کے نام پر کچھ جانور چھوڑتے تھے اور نشانی کے لئے ان جانوروں کے کانوں میں شگاف دے دیا کرتے تھے دین ابراہیمی میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے اس لئے شیطان کے بہکاوے کی باتوں میں سے یہ بھی ایک بات تھی جس کو اس نے اپنے اس آیت کے دعوے کے موافق مشرکین مکہ میں رسم کے طور پر پھیلا دیا تھا اللہ کی بنائی ہوئی صورت کے بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً بدن کی کھال کو گود کر اس میں سرمہ بھر لیا جاتا ہے۔ یا اصلی سر کے بالوں میں اور بال جوڑ کر اصلی بالوں کو ملیا کیا جائے اور اس طرح کی سب باتیں جن سے اصلی حالت کو بدل دیا جائے صحیحین اور سنن میں صحابہ کی ایک جماعت سے روایتیں[2] ہیں جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے کام کرنے والوں پر خدا کی لعنت اترنے کی خبر دی ہے خدا کی لعنت کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کے مرد اس طرح کی عورتیں خدا کی رحمت سے دور رہیں گے اسی واسطے فرمایا کہ جس نے ایسے کام کر کے شیطان کی دوستی ادا کی وہ بڑے نقصان میں پڑ گیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسا شخص شیطان کے ساتھ

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۵۰ باب فی الامل وطولہ۔ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۷۸ — ۸۸۰ کتاب اللباس وتفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۵۶۔

لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتٰبِ ۗ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا

نہ تمہاری آرزو پر ہے اور نہ کتاب والوں کی آرزو پر جو کوئی برا کرے گا اس کی سزا پائے گا اور نہ

يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ

پاوے گا اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی اور نہ مددگار۔ اور جو کوئی کچھ عمل نیک کرے گا

جہنم میں جائے گا پھر فرمایا کہ شیطان کے سب وعدے دغابازی کے ہیں کیونکہ شیطان کو کچھ اختیار نہیں کہ وہ کسی کی امید پوری کر سکے یا اپنا کوئی وعدہ وفا کرے اس واسطے اس کی دلائی ہوئی امیدوں یا اس کے وعدوں پر جو کوئی بھروسہ کرتا ہے وہ بڑے دھوکے میں ہے اور انجام اس دھوکے کا وہی ہے جو فرمایا کہ دھوکا دینے والے اور دھوکا کھانے والوں کا سب کا ٹھکانا جہنم ہے جہاں سے نکل بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں اب مشرکوں اور منافقوں کے مقابلہ میں ان مومنوں کا ذکر فرمایا جو خود شرک سے بیزار اور ان کے عمل دنیا کے دکھاوے سے پاک صاف ہیں یہ نوان لوگوں کا دنیا کا حال ہوا۔ عقبیٰ کا ان کا انجام یہ فرمایا۔ کہ ان کو ہم داخل کریں گے ایسے باغوں میں جن میں طرح طرح کے میوے اور طرح طرح کی نہریں ہیں اور دنیا میں کسی مالدار آدمی کے پاس کوئی باغ ہوتا ہے تو وہ باغ اور باغ والا دونوں چند روزہ ہیں۔ عقبیٰ میں نہ باغ والوں کو کبھی فنا ہے نہ باغ کو کبھی خزاں و زوال اوپر شیطان کے وعدہ کو دھوکا فرما کر اس کے مقابلہ میں فرمایا کہ یہ وعدہ اللہ کا ہے جو دونوں جہان کا مالک ہے اس لئے دونوں جہان میں جو کچھ جس کو وہ چاہے دے سکتا ہے ایسے صاحب قدرت صاحب اختیار مالک کے وعدہ میں سوائے سچ کے اور کسی وہم و گمان کا دخل کیسے ہو سکتا ہے۔ اسی واسطے فرمایا اللہ سے زیادہ سچا وعدہ کس کا ہو سکتا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کی معاذ بن جبلؓ کی حدیث اوپر گذر چکی[1] ہے کہ اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں اس کے بعد بندوں کا حق اللہ پر یہ ہوگا کہ وہ ان کو عذاب دوزخ سے نجات دے کر جنت میں داخل کرے[2] یہ حدیث اس آیت کی گویا تفسیر ہے۔

۱۲۳ ــ ۱۲۶۔ اوپر ذکر تھا کہ شیطان وسوسہ کے طور پر لا حاصل آرزوئیں انسان کے دل میں ڈالتا ہے ان آیتوں میں اس قسم کی بعض آرزوؤں کا ذکر ہے چنانچہ تفسیر ابن ابی حاتم اور ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ اہل کتاب اپنے آپ کو افضل اور جنتی گنتے اور مسلمانوں سے اس بات پر جھگڑتے تھے اور بعضے مسلمان بھی اسی طرح اہل کتاب سے جھگڑتے تھے اور مشرکین مکہ حشر کے قائم نہ ہونے پر طرح طرح کی خیالی باتیں کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں[3] اور فرمایا کہ عمر بھر برے عمل کر کے اس کے مواخذہ سے بے خوف رہنا اور جو لوگ اللہ کی مرضی کے موافق

[1] یعنی ص ۱۰۰ ایضا [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۶۲ کتاب اللباس [3] تفسیر ابن جریر ج ۵ ص ۱۰ و تفسیر در منثور ج ۲ ص ۲۲۵

مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ

مرد ہو یا عورت اور ایمان رکھتا ہوگا سو وہ لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور ان کا حق نہ رہے گا

نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ

تل بھر اور اس سے بہتر کس کی راہ جس نے منہ دھرا اللہ کے حکم پر اور نیکی میں لگا ہے اور چلا

مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

دین ابراہیم پر جو ایک طرف کا تھا اور اللہ نے پکڑا ابراہیمؑ کو یار اور اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں

وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾

اور جو کچھ زمین میں اور اللہ کے ڈھب میں ہے سب چیز ؀

نیک عمل کرتے ہیں اللہ سے ان کی طرح عقبےٰ میں راحت کی توقع رکھنا بڑی نادانی ہے کیونکہ اللہ کا انصاف اس کا مقتضی نہیں ہے کہ وہ نیک و بد کا عقبےٰ کا انجام یکساں کردے بلکہ اس کا انصاف تو اس کا متقضی ہے کہ دنیا میں جو کوئی بُرے کام کرے گا وہ عقبےٰ میں اس کی سزا پائے گا معتبر سند سے ترمذی اور ابن ماجہ کی شداد بن اوسؓ کی حدیث گزر چکی ہے[1] جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں اللہ کی مرضی کے خلاف کام کرکے پھر عقبےٰ میں اللہ سے راحت کی توقع رکھنا ایک نادانی کی بات ہے[2]۔ یہ حدیث آیت کے اس ٹکڑے کی پوری تفسیر ہے "جو کوئی بُرا کرے گا" کی تفسیر میں سلف کا اختلاف ہے۔ بعضے سلف نے بُرے کے معنے شرک کے کئے ہیں۔ اور بعضوں نے بُرے کے معنے میں شرک اور گناہ سب کو لیا ہے اور یہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے جو روایت ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب آیت کا ٹکڑا من یعمل سوء یجز بہ صحابہ نے سُنا تو ان کو اس کا مضمون اس لئے بہت سخت معلوم ہوا کہ ہر بُرے کام کی جب عقبےٰ میں سزا ہوگی تو گنہ گاروں کی نجات مشکل ہے یہ حالت سُن کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ نیک عمل کرنے کی کوشش کئے جاؤ مسلمان آدمی کے بہت سے گناہوں کا کفارہ دنیا کا دنیا میں ہی ہوجاتا ہے۔ کیونکہ ایماندار نیک آدمی کے ایک کانٹا بھی چبھ جائے تو اس کا ایک گناہ معاف ہوجاتا ہے[3]۔ اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور عام صحابہ نے آیت کے مضمون میں شرک اور گناہ سب کو داخل شمار کیا ہے۔ بعضے مفسروں نے یہ جو شبہ کیا ہے کہ جن بُرائی کرنے والوں کا آیت میں ذکر ہے ان کے حق میں یہ فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سوا اللہ کے ان کا کوئی حمایتی اور مددگار نہ ہوگا۔ یہ بات تو مشرکوں کے حق میں ہی صادق آسکتی ہے کس لئے صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مسلمان کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا شفاعت

[1] یعنی ص ۲۹۶ پر [2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۶۹ ابواب صفۃ القیامۃ [3] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۹ باب ثواب المومن فیما یصیبہ من مرض الخ و جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۹ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۵۸ — ۵۵۹ ؀

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي

اور تجھ سے رخصت مانگتے ہیں عورتوں کی تو کہہ اللہ تم کو رخصت دیتا ہے ان کی اور وہ جو تم کو سناتے ہیں

کے ذریعہ سے اس کی مدد اور حمایت ہوگی۔ جس سے آخر کو اس کی نجات ہو جائے گی۔ اس شبہ کا جواب اور علماء نے یہ دیا ہے کہ شفاعت مدد اور حمایت اللہ تعالیٰ کی اجازت اور مرضی سے ہوگی[1] اس لئے حقیقت میں یہ اللہ کی مدد اور حمایت ہے۔ سوائے اللہ کے اور کسی کی مدد اور حمایت اس کو نہیں کہا جا سکتا۔ بڑے کاموں کی سزا کے ذکر کے بعد نیک کاموں کی جزا کا ذکر فرمایا کہ مرد ہو خواہ عورت ہو ہر ایک کو اس کے نیک عمل کا اجر بغیر تل بھر کی کمی کے پورا دیا جائے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ ایک تو نیک عمل کرنے والا ایمان دار ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اس کے رسول، ملائکہ اور احکام قیامت پر اس شخص کا ایمان پورا ہو مشرکین مکہ کی طرح نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور قیامت کے منکر ہیں۔ نہ اہل کتاب کی طرح کا ہو جو بعضے ملائکہ کے دشمن اور بعضے رسولوں اور احکام کو نہیں مانتے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کا کوئی نیک عمل خدا کی بارگاہ میں مقبول نہیں بلکہ ایسے لوگوں کے نیک عمل بے اصل قرار پا کر قیامت کے دن اس طرح اڑ جائیں گے جس طرح تیز ہوا میں ریت اُڑ جاتی ہے۔ چنانچہ سورہ فرقان میں اس کا ذکر تفصیل سے آئے گا۔ ان آیتوں کی شان نزول میں گزرا کہ لوگوں کے آپس کے جھگڑے کے سبب سے یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں اور یہ بھی اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت ابراہیم اور ملت ابراہیمی کو اہل کتاب مشرکین مکہ سب مانتے تھے اس لئے اس جھگڑے کا فیصلہ ان آیتوں کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ حکمت الٰہی کے اقتضا کے موافق آخری زمانہ میں وہ آخری شریعت نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے جس کے اکثر مسئلے مثلاً وہ پوری توحید جس کے سبب سے ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ٹھہرے۔ اور قبلہ کا مسئلہ حج کے مسائل ختنہ کا مسئلہ وغیرہ ملت ابراہیمی کے موافق ہیں۔ اسی سبب سے اللہ کے نزدیک اس آخری زمانہ میں اس شریعت سے بہتر کوئی شریعت نہیں اس لئے اس آخری زمانہ میں نبی آخر الزماں اور ان کے زمانہ کے سب لوگوں کو اس آخری شریعت کی پابندی کا اللہ کا حکم ہے اور زمین و آسمان میں اللہ کا حکم اس طرح بغیر روک ٹوک کے جاری ہے کہ اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اس کا علم زمین و آسمان کے ذرہ ذرہ پر چھایا ہوا ہے اپنے حکم کی تعمیل کرنے والوں اور نہ کرنے والوں سے وہ خوب واقف ہے قیامت کے دن فرمانبرداروں اور نافرمانوں کا فیصلہ کر دے گا۔

۱۲۷۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت عائشہؓ اور اور صحابہؓ سے جو روایات[2] ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ لوگوں کی پرورش

[1] تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۷۲ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۸ — ۶۶۱ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۶۱ و تفسیر معالم ج ۲ ص ۵۹۴ ولباب النقول ص ۸۰۔

الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ

کتاب میں سو حکم ہے یتیم عورتوں کا جن کو تم نہیں دیتے جو ان کا مقرر ہے اور چاہتے ہو کہ

تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى

ان کو نکاح میں لو اور مغلوب لڑکوں کا اور یہ کہ قائم رہو یتیموں کے حق میں

بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

انصاف پر اور جو کرو گے بھلائی سو وہ اللہ کو معلوم ہے ؁

میں جب کوئی یتیمہ لڑکی ایسی ہوتی جس کا کچھ مال بھی ہوتا۔ اور خوبصورت بھی ہوتی تو اس کے متولیوں میں ایسا شخص جس سے اس لڑکی کا نکاح جائز ہوتا وہ شخص اس لڑکی سے نکاح کر لیا کرتا تھا۔ اور جو لڑکی بدصورت ہوتی تو نہ خود اس سے نکاح کرتا نہ کسی دوسرے شخص سے اس کا نکاح کرنے دیتا یہاں تک کہ وہ مرجاتی تو اس کے مال پر قبضہ کر لیتا۔ اسی طرح جب کوئی متولی یتیمہ لڑکی سے نکاح کر لیتا تو نہ اس کا مہر پورا ادا کرتا نہ اس کے اور حقوق ادا کرتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتٰمٰی الآیۃ فرما کر لوگوں کو اس طرح کے نکاح سے روکا تھا۔ لیکن بعض جگہ لڑکی کے لئے متولیوں میں اچھی نظر آتی تھی۔ کہ وہیں نکاح ہو جائے تو بہتر ہے۔ اسی طرح زمانہ جاہلیت میں چھوٹے لڑکے اور چھوٹی لڑکی کو لوگ کچھ حصہ نہیں دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے آیات یوصیکم اللہ میں لڑکے کا دوسرا۔ لڑکی کا اکہرا حصہ ٹھہرا کر جاہلیت کے اس دستور کو بھی توڑ دیا۔ ان دستورات کے ٹوٹ جانے کے سبب سے لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ان ابواب کے گھڑی گھڑی مسئلے پوچھتے تھے کہ شاید کوئی آیت اترے۔ جس سے وہ قدیمی دستورات پھر قائم ہو جائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور فرمایا کہ اس باب میں پہلے جو حکم ہو چکا ہے اب بھی وہی قائم ہے کہ ایسی لڑکیوں کے حقوق ادا کرنے کا پورا لحاظ رکھا جائے اور ان کے حقوق میں کوئی بے انصافی نہ کی جائے تو ایسی لڑکیوں سے متولیوں کو نکاح کی اجازت ہے نہیں تو غیر جگہ ان کا نکاح کیا جائے تاکہ متولی لوگوں کے رعب سے غیر لوگ ان لڑکیوں کے حقوق ادا کرتے رہیں۔ اور متولی لوگ ان لڑکیوں کو گھر کی لڑکیاں سمجھ کر ان کے حقوق میں کوتاہی جو کرتے تھے وہ بات بھی جاتی رہے۔ اسی طرح لڑکے اور لڑکی کا جو حصہ مقرر کر دیا گیا ہے اس کے موافق عمل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کی کتاب آسمانی تم کو یہی فتویٰ دیتے ہیں۔ جس کی تم لوگوں کو ہدایت کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کی اس شریعت کے موافق جو کوئی عورتوں اور یتیم لڑکوں کے ساتھ کچھ بھلائی کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی پوری جزا دے گا۔ اور جو کوئی اس کے برخلاف کرے گا۔ وہ سزا پائے گا؁

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ
اور اگر ایک عورت ڈرے اپنے خاوند کے لڑنے سے یا جی پھر جانے سے تو گناہ نہیں دونوں پر کہ کرلیں

يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ
آپس میں کچھ صلح اور صلح خوب چیز ہے اور جیوں کے سامنے دھری ہے حرص

وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ
اور اگر تم نیکی کرو اور پرہیزگاری کرو تو اللہ کو تمہارے سب کام کی خبر ہے اور تم ہرگز برابر

تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ
نہ رکھ سکو گے عورتوں کو اگرچہ اس کا شوق کرو سو نرے پھر بھی نہ جاؤ

۱۲۸ — ۱۳۰۔ ابوداؤد، ترمذی، اور مسند امام احمد بن حنبل میں جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے جس کو مستدرک حاکم میں روایت کیا جا کر صحیح کہا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ام المؤمنین سودہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بی بی جب ضعیف ہو گئیں تو ان کو یہ اندیشہ ہوا کہ شاید آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان کو چھوڑ دیں گے۔ اس لئے انہوں نے اپنی باری کی رات حضرت عائشہؓ کو ہبہ کر دی۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1] سوا اس شان نزول کے مفسروں نے اور شان نزول جو اس آیت کی بیان کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قصہ پر بھی اس آیت کا مضمون صادق آتا ہے ورنہ اصل شان نزول وہی ہے جو صحیح روایتوں کے حوالہ سے اوپر بیان ہوئی ہے حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ عورت اپنے شوہر کی بے دلی اور بے توجہی دیکھ کر اس کے خوش کرنے کو اپنے مہر یا حق نان ونفقہ میں سے کچھ دیوے تو مرد ضرور راضی ہو جائے گا۔ کیونکہ انسان کے جی میں مال کی حرص ہے اس لئے مال کی بچت سب کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اس طرح شب باشی کی نوبت میں اگر عورت کچھ چھوڑ دے تو اس پر بھی صلح ہو سکتی ہے۔ اور جدائی سے صلح اللہ کے نزدیک بہتر ہے اس لئے جو میاں بی بی خدا کا خوف کر کے آپس میں حسن سلوک سے رہیں گے تو اللہ تعالےٰ اس کا نیک بدلہ دینے سے بے خبر نہیں ہے۔ میاں بی بی کے حسن سلوک کی رغبت کا ذکر جو آیت میں ہے اس کی تفسیر جناب صلے اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی ہے کہ کسی شخص کا اپنے اہل و عیال کے ساتھ حسن سلوک سے گذران کا کرنا اس شخص کے ایمانداری کی نشانی ہے۔ چنانچہ ترمذی میں ابوہریرہؓ کی حدیث میں اس کا ذکر ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[2]۔ سنن اربعہ صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات میں باری ٹھہرا کر یہ فرمایا کرتے تھے یا اللہ یہ میری وہ تقسیم وباری ہے جو

[1] جامع ترمذی ص ۹، کتاب التفسیر و مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۸۶، باب التشدید فی العدل بین النساء، و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۶۲ [2] جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۳۸ باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ و الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۴۱

الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ وَإِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا

کر ڈال رکھو ایک کو جیسے ادھر میں لٹکتی اور اگر سنوارتے رہو اور پرہیزگاری کرو تو اللہ بخشنے والا

رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَإِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

مہربان ہے۔ اور اگر دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو محفوظ کرے گا اپنی کشائش سے اور اللہ کشائش والا ہے تدبیر جانتا

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ أُوْتُوا

اور اللہ کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں اور ہم نے کہہ رکھا ہے پہلی

میرے اختیار میں ہے اور جو بات میرے اختیار سے باہر اور تیرے ید قدرت میں ہے اس پر مجھ کو ملامت نہ فرمائی جائے اگرچہ ترمذی نے اس حدیث کو مرسل کہا ہے لیکن ابن حبان اور حاکم نے اس کو متصل اور صحیح کہا ہے[1]۔ اس حدیث کے معنے میں علماء نے لکھا ہے کہ جس شخص کی مثلاً دو بیبیاں ہوں ان میں باری کے ٹھہرانے میں اور روٹی کپڑے میں برابری کا برتنا یہ آدمی کے اختیار میں ہے۔ رہی ذاتی الفت اس میں عام لوگ تو درکنار اس حدیث کے موافق یہ امر انبیاء کے اختیار سے بھی باہر ہے۔ اس صورت میں آیت ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم کے یہ معنے ہیں کہ دلی الفت میں برابری کا برتنا انسان کے اختیار سے باہر ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی کمی بیشی کو تو معاف کیا لیکن اس کی کمی بیشی کو اس حد تک پہنچانا چاہئے کہ رفتہ رفتہ ایک عورت کو بالکل بے خبری سے ادھر میں رکھو کہ نہ اس کے ساتھ خود اختیاری امور میں برابری برتو نہ اس کو بالکل چھوڑ ہی دو کہ وہ اور کسی سے نکاح کر لے۔ اب آگے میاں بی بی کی علیحدگی ہو جائے تو اس کا ذکر فرما کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑا صاحب فضل اور صاحب تدبیر ہے اور اس کے فضل سے ناامید نہ ہونا چاہئے اس کے فضل سے کچھ دور نہیں کہ اس جدائی اور علیحدگی کے بعد بھی میاں بی بی دونوں کے لئے کوئی اور بہتر صورت نکال دے۔ صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی وغیرہ میں ام سلمہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابوسلمہؓ کے انتقال کے بعد ام سلمہؓ کہتی ہیں مجھ کو امید نہیں تھی کہ ابوسلمہؓ سے بہتر مجھ کو مرد ملے گا۔ پھر اللہ کے فضل سے میرا نکاح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوا[2]۔ اس طرح کی مثالیں شریعت کی کتابوں میں اور تجربہ کے حالات میں اور بھی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے نکاح میں میاں بی بی کی مفارقت ہو جائے تو اس علیحدگی کے بعد اللہ اپنے فضل سے کبھی پہلی صورت سے بہتر صورت نکال دیتا ہے۔

۱۳۱ سے ۱۳۴۔ اوپر ذکر تھا کہ اللہ جس کو چاہے اپنے فضل سے خوش حال کر دے کیونکہ وہ بڑا صاحب فضل ہے ان آیتوں میں کشائش رزق بے پروائی کاربرآری تین باتوں کا ذکر فرما کر ہر ایک کے ساتھ فرمایا کہ جو کچھ آسمان

[1] جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۳۶ باب ماجاء فی التسویۃ بین الضرائر و مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۸۷ کتاب النکاح و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۶۴۔ [2] صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۰۰ کتاب الجنائز و سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۴۴۴ باب مایقال عند المیت من الکلام۔

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي

کتاب والوں کو اور تم کو کہ ڈرتے رہو اللہ سے اور اگر منکر ہو گئے تو اللہ کا ہے جو کچھ ہے

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

آسمان و زمین میں اور اللہ بے پرواہ ہے سب خوبیوں سراہا اور اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور

وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ

زمین میں اور اللہ بس ہے کام بنانے والا اگر چاہے تم کو دور کرے اسے لوگو

وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ

اور لے آوے اَور لوگ اور اللہ کو یہ قدرت ہے جو کوئی چاہتا ہو انعام

الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

دنیا کا سو اللہ کے یہاں ہے انعام دنیا کا اور آخرت کا اور اللہ ہے سب سنتا دیکھتا

وزمین میں ہے سب اللہ تعالےٰ ہی کے اختیار میں ہے تاکہ جو لوگ ایسے بڑے صاحب اختیار مالک کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو پوجتے یا کسی دوسرے سے اپنی حاجت روائی چاہتے ہیں ان کی نادانی معلوم ہو جائے اور جو لوگ دین اور دنیا کی بھلائی اللہ تعالےٰ سے چاہتے ہیں وہ خوب سمجھ لیں کہ اللہ تعالےٰ ہی کے ہاتھ میں دین اور دنیا کی بھلائی ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اسی تنبیہ کے لئے یہ بھی فرمایا کہ اللہ سے ڈر کر اسی کی عبادت کرنا یہ ایک پرانی شریعت ہے کوئی نئی بات نہیں ہے اول صاحب شریعت نبی نوح علیہ السلام سے لے کر اب تک سب شریعتوں میں اسی کی تاکید ہے پھر فرمایا کہ جو اس کا منکر ہو تو اللہ تعالےٰ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے آسمان وزمین میں سب اسی کا ہے۔ بنی آدم سے زیادہ فرمانبردار آسمان پر اس خالق کی مخلوقات موجود ہے۔ پھر پچھلی نافرمان امتوں کی حالت یاد دلا کر فرمایا کہ اگر اللہ چاہے تو جس طرح اس نے نوح علیہ السلام سے لے کر فرعون تک ایک نافرمان قوم کو غارت کر کے دوسری قوم کو اس کی جگہ پیدا کر دیا۔ اس طرح اسی زمانہ کے نافرمان لوگوں کو ہلاک کر کے دوسری مخلوق کو ان کی جگہ پیدا کر دے۔ عرب کے مشرک لوگ قیامت کے تو منکر تھے۔ اس لئے وہ دنیا میں جو کچھ بھلائی کرتے تھے فقط اسی نیت سے کرتے تھے کہ ان کی دنیا میں کچھ بہبودی ہو جائے۔ اسی طرح بعضے کچے مسلمان بھی دنیا کی بہبودی پر غش تھے اس لئے فرمایا کہ جو لوگ عقبےٰ کے منکر یا عقبےٰ سے غافل ہیں اور انہوں نے اپنے سب کاموں کا دارومدار فقط دنیا پر ہی رکھا ہے وہ بڑے نادان ہیں ان کی آنکھوں کے سامنے جس طرح دنیا کو چھوڑ کر ان کے بڑے بوڑھے دنیا سے اٹھ گئے ایک دن یہی حال ان کا بھی ہونے والا ہے اور یہ تو دنیا کی حالت خود جتلاتی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے دنیا کا اتنا بڑا انتظام کھیل تماشے کے طور پر نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ انتظام ایک بہت بڑے مقصد کے لئے کیا گیا ہے جو گھڑی گھڑی

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ بِٱلْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُمْ أَوِ

اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف اگرچہ نقصان ہو اپنا یا

ٱلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَٱللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا

ماں باپ کا یا قرابت والوں کا اور اگر کوئی محظوظ ہے یا محتاج ہے تو اللہ ان کا خیر خواہ ہے تم سے زیادہ سو تم پی کی

تَتَّبِعُوا۟ ٱلْهَوَىٰٓ أَن تَعْدِلُوا۟ ۚ وَإِن تَلْوُۥٓا۟ أَوْ تُعْرِضُوا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِمَا

چاہ نہ مانو اس بات میں کہ برابر سمجھو اور اگر تم زبان ملو گے یا بچا جاؤ گے تو اللہ تمہارے سے کام

تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۱۳۵﴾

سے خبردار ہے ؛

ان لوگوں کو جتلایا جاتا ہے کہ دنیا کے ختم ہو جانے کے بعد ایک اور جہان دنیا کے نتیجہ کے طور پر پیدا کیا جائے گا جس میں دنیا کے سب نیک و بد کی جزا سزا دی جائے گی۔ اس لئے ان لوگوں کو چاہیئے کہ بجائے فقط دنیا کی پابندی کے دین و دنیا دونوں کے پابند ہو جائیں۔ اور دین و دنیا دونوں جہان کی بہبودی کمائیں کہ اللہ کی بارگاہ میں دنیا کی بہبودی عقبیٰ کا ثواب سب کچھ موجود ہے۔ اور بندوں کے ہر طرح کے قول فعلوں کو وہ سنتا اور دیکھتا ہے کہ کس کا قول فعل دنیا کی نیت سے اور کس کا عقبیٰ کی نیت سے ہے۔ معتبر سند سے ابن ماجہ، طبرانی وغیرہ میں زید بن ثابتؓ کی روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص عقبیٰ کی درستی کے خیال میں لگا ہوا ہے اس نے دونوں جہان کا پھل پایا۔ اور جو شخص فقط دنیا کے درپے ہے دنیا تو اس کو نصیب سے زیادہ ملنے والی نہیں ہاں عقبیٰ ایسے شخص کی برباد ہے[1] ؛

۱۳۵- اوپر طعمہ کے قصہ میں گزرا کہ طعمہ کی قوم کے لوگوں نے ہم قومی کی رعایت سے جھوٹی گواہی دی۔ اب ان آیتوں میں سچی گواہی ادا کرنے کی تاکید فرمائی۔ تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر سدی وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشی میں ایک مال دار شخص اور ایک محتاج شخص کا جھگڑا پیش ہوا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ خیال گزرا کہ مال دار شخص نے محتاج شخص پر زیادتی کی ہو گی اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[2]۔ اس شان نزول کی بنا پر یہ آیت حاکم اور گواہ دونوں کے حکم کو شامل ہے حاکم کو تو یہ حکم ہے کہ فریقین کا بیان سننے سے پہلے کوئی رائے دل میں نہ قائم کرے اس باب میں صریح حدیث بھی حضرت علیؓ کی روایت سے مسند امام احمد، ترمذی، ابوداؤد، صحیح ابن حبان میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ فریقین کا بیان سُنے بغیر کسی مقدمہ میں کوئی حکم نہیں

[1] سنن ابن ماجہ ص ۳۱۲ طبع لکھنؤ و ترغیب ترہیب ج ۴ ص ۲۲۵ ؛

[2] تفسیر در منثور ج ۲ ص ۲۳۴ ؛

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ

اے ایمان والو یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو نازل کی ہے اپنے رسول پر

وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ

اور اس کتاب پر جو نازل کی تھی پہلے اور جو کوئی یقین نہ رکھے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور کتابوں پر

وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾

اور رسولوں پر اور پچھلے دن پر وہ دور پڑا بھول کر ۔

دینا چاہئے ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے[۱] گواہوں کو آیت میں یہ حکم ہے کہ ان کا اپنا ذاتی یا ان کے کسی رشتہ دار کا نقصان بھی سچی گواہی کے ادا کرنے سے ہوتا ہے تو اس نقصان کے خیال سے بھی سچی گواہی کے ادا کرنے میں کچھ پس و پیش نہ کریں اور گواہی صاف لفظوں میں ادا کریں۔ نہ مال دار آدمی کا کچھ پاس کریں نہ محتاج آدمی پر کچھ ترس کھائیں کیونکہ مال دار اور محتاج ہر ایک شخص کی مصلحت اللہ کو خوب معلوم ہے خواہش نفسانی کو دخل دے کر ایسی دو رُخی بات دبی زبان سے نہ کہیں جس سے سچی گواہی میں بل پڑ کر حاکم کو شبہ ہو جائے۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو گواہ سچی گواہی میں کچھ کوتاہی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے بازپرس فرمائے گا۔ صحیح بخاری و مسلم میں انسؓ اور ابو بکرہؓ سے روایتیں ہیں جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی کو کبیرہ گناہ فرمایا ہے[۲]۔ گواہی میں رعایت سے کوئی بات گھڑی جائے یا دبی زبان سے کوئی دو رخی شہادت ادا کی جائے تو یہ باتیں بھی اس آیت کے حکم کے موافق جھوٹی گواہی میں داخل ہیں ان تعدلوا کا مطلب یہ ہے کہ گواہی میں خلل ڈال کر حق بات سے نہ پھرنا چاہئے ۔

۱۳۶- اوپر سچی گواہی کے ادا کرنے کی تاکید تھی ان آیتوں میں اہل کتاب کا ذکر اس تنبیہ کے لئے فرمایا کہ یہود کے ذمہ یہ ایک بڑی شہادت تھی کہ تورات کی آیتوں میں جو اوصاف نبی آخر الزمان کے ہیں ان کے موافق وہ لوگوں کے روبرو شہادت ادا کر دیں۔ لیکن انہوں نے اس سچی گواہی کو چھپا کر یہ جھوٹی گواہی لوگوں کے روبرو ادا کی کہ یہ نبی وہ آخر الزمان نبی نہیں ہیں اسی پر فرمایا کہ یہ لوگ اگرچہ اپنے آپ کو ایمان دار کہتے ہیں لیکن جب تک تورات کے عہد کے موافق یہ لوگ قرآن اور نبی آخر الزمان پر ایمان نہ لائیں گے تو راہ راست سے بہت دور پڑے رہیں گے۔ کیونکہ ہر ایک شریعت میں دوسری شریعت کی صداقت موجود ہے پھر جو شخص اللہ تعالیٰ کی شریعت کے احکام اللہ کے فرشتہ

---

۱؎ جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۵۹ باب ما جاء فی القاضی لا یقضی الخ و ابوداؤد ج ۲ ص ۵۰۴ باب کیف القضاء و نیل الاوطار ج ۹ ص ۱۸۰۔ ۲؎ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۳۶۲ باب ما قیل فی شہادۃ الزور

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ

جو لوگ مسلمان ہوتے پھر منکر ہوئے پھر مسلمان ہوئے پھر منکر ہوئے پھر بڑھتے رہے انکار میں

اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ

اللہ ان کو بخشنے والا نہیں اور نہ ان کو دیوے راہ خوشی سنا منافقوں کو کہ ان کو ہے

عَذَابًا اَلِيْمَا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ

دکھ کی مار وہ جو پکڑتے ہیں کافروں کو رفیق مسلمان چھوڑ کر

جبرئیل کو عیسےٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ کو نہ مانے گا وہ اس وقت تک ایماندار نہیں کہلا سکتا۔ جب تک ان سب باتوں پر ایمان نہ لائے۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ جو یہودی یا نصرانی میرا حال سنے گا۔ اور پھر قرآن کے کتاب آسمانی اور میرے رسول ہونے کی صداقت ادا نہ کرے گا اس کی نجات نہیں ہوسکتی[1] یہ حدیث گویا اس آیت کی تفسیر ہے ان آیتوں میں یہود کو ایمان دار اس لئے فرمایا کہ وہ اپنے آپ کو تورات کا پابند کہتے تھے۔ اس لفظ ایمان دار سے اللہ تعالےٰ نے ان کو جتلا دیا کہ تورات کا پابند اور اس کے موافق ایمان دار وہی شخص ہوسکتا ہے جو اس کی باتیں مانے ورنہ زبانی ایمان دار بننے سے کچھ فائدہ نہیں ؛

۱۳۷ــ ۱۴۰۔ اوپر کی آیتوں میں یہود کا ذکر تھا ان آیتوں میں یہود اور منافقوں کو ملا کر دونوں کا ذکر فرمایا یہود کا یہ کہ پہلے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے پھر بچھڑے کو پوجا مشرک بنے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور سے واپس آنے کے بعد ایمان دار بنے پھر عیسےٰ علیہ السلام اور انجیل کا انکار کرکے کافر بنے اس کے بعد قرآن اور نبی آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم کے انکار سے اس کفر میں اور ترقی اور زیادتی کی اور اسی حالت پر مر گئے ایسے اڑیل لوگوں کو نہ دنیا میں توبہ کی توفیق ہے نہ عقبےٰ میں ان کی بخشش کی کوئی صورت ہے کیونکہ مصلحت الٰہی کے موافق آخری زمانہ میں یہ آخری شریعت ایسی شریعت ہے جس میں پچھلی سب شریعتوں کی تصدیق ہے اس کا منکر گویا سب پچھلی شریعتوں کا منکر ہے ایسے منکر کی بخشش کی صورت کیونکر ہوسکتی ہے۔ صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جس نے میری نافرمانی کی اس کی نجات ممکن نہیں[2]۔ اور مسلم کی روایت کی ابوہریرہؓ کی دوسری حدیث اوپر گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہودی خواہ عیسائی میری نبوت کی تصدیق نہ کرے گا اس کی نجات نہیں ہوسکتی[3] یہ حدیثیں گویا ان آیتوں کی تفسیر کے طور پر ہیں اب آگے مدینہ کے منافقوں کا ذکر فرمایا کہ ان لوگوں نے اللہ کے رسول اور مسلمانوں کی رفاقت چھوڑ کر مدینہ کے گرد و نواح کے یہود کی رفاقت جو اختیار کی ہے قیامت کے دن جہنم میں ان کو یہی رفاقت نصیب

---

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۶ باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا محمد صلے اللہ علیہ وسلم [2] صحیح بخاری ص ۱۰۸۱ ج ۲ باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم [3] صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۶ کتاب الایمان ؛

اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ

کیا ڈھونڈتے ہیں ان کے پاس عزت سو عزت اللہ کی ہے ساری اور حکم اتار چکا تم پر

فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ

کتاب میں کہ جب سنو اللہ کی آیتوں پر انکار ہوتے اور ہنستے ہوئے تو نہ بیٹھو ان کے ساتھ

حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ

جب تک وہ بحثیں اور بات میں اس کے سوا نہیں تو تم بھی ان کے برابر ہوئے اللہ اکٹھا کرے گا

الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَۨا ﴿۱۴۰﴾

منافقوں کو اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ

ہو گی۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ یہود کے سرداروں سے میل جول رکھنے میں اپنی عزت جو خیال کرتے ہیں یہ ان کا خیال غلط ہے۔ عزت تو اسی کی قائم رہتی ہے جس کو اللہ عزت دے فرعون جیسے دنیا کے صاحب عزت کو اس نے ایک دم میں غارت کر دیا۔ اس کے آگے یہود کے ان چھوٹے چھوٹے سرداروں کی عزت کی کیا اصل ہے اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا یہود اور ان کے سرداروں کی عزت کا جو انجام ہوا وہ سراپا ذلت ہے جس کا ذکر سورہ حشر میں آئے گا یہود کہ مدینہ کے اطراف میں بنی قینقاع بنی نضیر اور بنی قریظہ یہ تین قبیلے رہتے تھے ان میں سے بنی قریظہ کا قتل ہوا اور باقی کے دونوں قبیلوں کا اخراج ہوا۔ یہود اور منافقوں کی مجلسوں میں اکثر اسلام کی اہانت ہوتی رہتی تھی۔ اور ایک شہر کی سکونت کے سبب سے کبھی کبھی بعضے مسلمان بھی ان مجلسوں میں جا بیٹھا کرتے تھے۔ اس لئے ان کو تنبیہ فرما دی۔ کہ ہجرت سے پہلے مشرکین مکہ جب اپنی مجلسوں میں آیات قرآنی اور اسلام کی اہانت کیا کرتے تھے تو سورہ انعام کی مکی آیت واذا رأیت الذین یخوضون فی آیاتنا فاعرض عنہم (۶-۶۸) کے حکم سے ایسی مجلسوں میں بیٹھنے کی ممانعت ہو چکی ہے۔ پھر ایسی مجلسوں کی نشست کیوں اختیار کی جاتی ہے اور اہانت اسلام کے سننے کا گناہ اپنے ذمہ کیوں لیا جاتا ہے صحیح مسلم میں[1] ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس جگہ کسی مسلمان شخص کو کوئی خلاف شریعت بات نظر آئے تو جہاں تک ہو سکے اس بات کو مٹائے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو ضعیف درجہ ایمان کا یہ ہے۔ کہ اس خلاف شریعت بات کو دل سے بُرا جانے یہ حدیث آیت کے اس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے کیونکہ آیت اور حدیث کے ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ مجبوری سے کوئی شخص کسی خلاف شریعت مجلس میں بیٹھے اور خلاف شریعت بات کا مٹانا اس کے اختیار سے خارج ہو تو جب تک دل سے اس خلاف شریعت بات کو یہ شخص برا جانے گا اس وقت تک اس کا شمار ضعیف الایمان مسلمانوں میں ہوگا۔ ورنہ اہل مجلس کے گناہ میں یہ شخص بھی شریک ہوگا ؁

[1] صحیح مسلم ص ۵۱ ج ۱ باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان الخ ؁

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ
وہ جو تکا کرتے ہیں تم کو پھر اگر تم کو فتح ملی اللہ کی طرف سے کہیں کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ

وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ
اور اگر ہوئی کافروں کی قسمت کہیں ہم نے گھیر نہ لیا تھا تم کو اور بچا دیا تم کو

الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ
مسلمانوں سے سو اللہ فیصلہ کرے گا تم میں قیامت کے دن اور ہرگز نہ دے گا اللہ کافروں کو

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝۱۴۱ ع
مسلمانوں پر راہ

ع ۲۰ / ۱۷

۱۴۱۔ اوپر منافقوں کے یہود سے میل جول رکھنے کا ذکر تھا اس آیت میں اس کا سبب فرمایا کہ یہ لوگ اپنے ضعیف الایمان ہونے کے سبب سے دو دلے ہو رہے ہیں۔ مسلمان اور یہود دونوں فریق سے ظاہری دوستی اس لئے جتلاتے ہیں کہ جس فریق کا غلبہ ہو اس سے کہہ دیں کہ ہم تو تمہاری ہی خیر مناتے تھے۔ لیکن ان ظاہری باتوں سے دنیا میں ان کے جان مال کی کچھ حفاظت ہو جائے گی عقبےٰ میں ان اوپری باتوں سے کام نہیں چلتا وہاں تو آدمی کے سب دل کے بھید اس کے سامنے آجائیں گے اور ان دل کے بھیدوں کے موافق قیامت کے دن مسلمان اور منافق دونوں فریق کا فیصلہ اللہ تعالےٰ غیب داں کے روبرو ہوگا اس وقت ان کو اس دھوکے بازی کی قدر کھل جائے گی۔ یہ بھی فرمایا کہ اے مسلمانوں یہ منافق لوگ اس دو دلے پنے میں بھی کچھ تمہارے خیرخواہ نہیں بلکہ ان کے دل میں یہ بسی ہوئی ہے کہ ذرا بھی تمہاری ہوا بگڑتی ہوئی دیکھیں تو تمہارے مخالفوں سے پورے طور پر جاملیں مگر یہ خیال ان کا غلط ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنے دین کا مددگار ہے کبھی آزمائش کی طرح احد کی لڑائی کی سی ہل چل لشکر اسلام میں آن پڑے تو وہ اور بات ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ کی مدد سے آخری غلبہ لشکر اسلام کو ہی رہے گا۔ اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے آخر کو یہود منافق سب مغلوب اور ذلیل ہوئے۔ اور مسلمان جب تک احکام الٰہی کے پورے پابند رہے اس وقت تک لشکر اسلام کا غلبہ دن بدن بڑھتا گیا معتبر سند سے مسند امام احمد نسائی میں براء بن عازبؓ کی اور دلائل النبوۃ بیہقی اور تفسیر ابن ابی حاتم میں اور صحابہ کی جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ احزاب کی لڑائی کے وقت مدینہ کے گرد جب خندق کھودی جا رہی تھی اور اس میں ایک سخت پتھر نکلا تھا جس کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ پھاوڑا مار کر توڑا اور پہلا پھاوڑا مارنے کے وقت جب کسی قدر وہ پتھر ٹوٹا تو آپ نے ملک شام فتح ہونے کی اور پھر فارس اور یمن فتح ہونے کی خبر دی اور بعضی روایتوں میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھ کو خبر دی ہے کہ یہ ملک میری امت کے ہاتھ پر فتح ہوں گے۔[۱] اور یہ بھی ہے کہ اس خبر کو سن کر پکے مسلمان تو بہت خوش ہوئے اور منافقوں نے یہ کہا کہ دشمنوں کے گھیرے کے سبب سے

[۱] فتح الباری ج ۴ ص ۶۰ باب غزوۃ الخندق۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ

منافق جو ہیں دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا اور جب کھڑے ہوں نماز کو

قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾

تو کھڑے ہوں جی ہارے دکھانے کو لوگوں کے اور یاد نہ کریں اللہ کو مگر کم

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ

لٹکتے ہیں دونوں کے بیچ نہ ان کی طرف اور نہ ان کی طرف اور جس کو بھٹکا دے

اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

اللہ پھر تو نہ پائے اس کے واسطے کہیں راہ

پیشاب پاخانہ جانے کو ٹھکانہ تو ہمیں نظر نہیں آتا۔ پھر ہمیں کیونکر یقین آوے کہ یہ ملک فتح ہوں گے[1] اس سے معلوم ہوا کہ آخر کو مسلمانوں کے غالب ہونے کی حدیثوں سے منافق لوگ کچھ بے خبر نہیں تھے ان کے کانوں تک اللہ کے رسول کی یہ پیشین گوئی پہنچ چکی تھی مگر ضعف ایمان کے سبب سے ان لوگوں کو اس پیشین گوئی کا یقین نہیں تھا۔ اس واسطے یہ لوگ یہود سے دوستی رکھتے تھے کہ شاید کبھی مسلمان مغلوب ہو جائیں اور یہود کا غلبہ ہو جائے تو اس وقت یہ دوستی کام آئے۔

۱۴۲-۱۴۳۔ منافق لوگ اپنی نادانی سے یہ خیال کرتے تھے کہ جس طرح دنیا میں ہم نے ظاہری مسلمان بن کر مسلمانوں کو دھوکا دے دیا جس دھوکے کے سبب سے ہماری جان ہمارا مال سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ گیا۔ اسی طرح قیامت کے دن خدا کے روبرو بھی ہمارا یہ دھوکا چل جائے گا۔ اور اس ظاہری اسلام پر اس دن ہماری نجات ہو جائے گی۔ ان لوگوں کے اس خیال کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ اس غیب دان کے ساتھ تو یہ لوگ کیا دغا بازی اور دھوکا کر سکتے ہیں۔ بلکہ ان کی دغا بازی کا وبال ان ہی پر دونوں جہان میں یہ پڑ رہا ہے کہ دنیا میں تو یہ لوگ اپنی دغا بازی کو اچھا جان کر اسی میں پڑے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے موافق جو ان میں سے اسی حالت پر مرنے والے ہیں ان کو مجبور کر کے راہ راست پر لانا دنیا دارالامتحان کے انتظام الٰہی کے برخلاف ہے اور عقبیٰ میں ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم کے ساتویں طبقہ ہاویہ میں ہوگا۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ اور انسؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ منافق لوگ قیامت کے دن اپنے ظاہری اسلام اور نماز روزہ کا حال اللہ تعالیٰ کے روبرو بیان کر کے اپنی نجات کی خواہش اللہ تعالیٰ سے ظاہر کریں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مہر لگا کر ان کے اعضاء کو گواہی دینے کا حکم دے گا۔ اور اعضاء کی گواہی سے ایسے لوگوں کے منافقانہ سب عمل ظاہر ہو جائیں گے[2]۔

[1] البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۰۰۔ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۰ کتاب الزہد و مشکوٰۃ شریف ص ۴۸۵ باب الحساب والقصاص والمیزان۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلْكَٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَ

اے ایمان والو نہ پکڑو کافروں کو رفیق مسلمان چھوڑ کر

أَتُرِيدُونَ أَن تَجْعَلُوا۟ لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَٰنًا مُّبِينًا ﴿١٤٤﴾ إِنَّ ٱلْمُنَٰفِقِينَ فِى

کیا لیا چاہتے ہو اپنے اوپر اللہ کا الزام صریح منافق ہیں

[1] یہ حدیثیں آیت کے ٹکڑے یخادعون اللہ کی گویا تفسیر ہیں عقبےٰ کی جزا و سزا کا پورا یقین تو منافق لوگوں کے جی میں ہوتا نہیں اس لئے وہ کوئی عبادت عقبےٰ کے ثواب کی نیت سے دل لگا کر نہیں کرتے بلکہ جو کچھ کرتے ہیں وہ مسلمان کہلانے کے لئے لوگوں کے دکھانے کے طور پر کرتے ہیں مثلاً نماز جیسی چیز کو جو دین کا ایک بڑا رکن ہے۔ بے وقت اوپری دل سے اس طرح جھٹ پٹ اس کو پڑھ لیتے ہیں کہ جس کا نہ رکوع ادا ہوتا ہے نہ سجدہ صحیح مسلم، ترمذی، نسائی، اور موطا میں انس بن مالکؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق لوگ عصر کی نماز میں یہاں تک دیر کرتے ہیں کہ جب سورج غروب کے قریب پہنچ جاتا ہے تو اس وقت جانوروں کی طرح چار ٹھونگیں زمین پر مار لیتے ہیں جن میں اللہ کے ذکر کا بہت تھوڑا موقع ان کو ملا کرتا ہے[1] یہ حدیث آیت کے اس ٹکڑے کی تفسیر ہے جس میں منافقوں کی نماز کا ذکر ہے منافق لوگ جب مسلمانوں میں آتے تو ان کی سی کہنے لگتے۔ اور جب مخالف لوگوں میں جاتے تو ان کی سی کہنے لگتے غرض پورے طور پر نہ ادھر تھے نہ ادھر اسی واسطے فرمایا کہ یہ لوگ ادھر میں لٹک رہے ہیں نہ مسلمانوں میں ان کی گنتی ہے نہ منکروں میں پھر فرمایا جو اللہ تعالےٰ کے علم ازلی میں بھٹکا ہوا قرار پا چکا وہ ہرگز راہ راست پر نہیں آ سکتا۔ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق شخص کی مثال ایسی ہے جس طرح بھٹکی ہوئی بکری بکریوں میں دو ریوڑ دیکھ کر کبھی ایک ریوڑ میں جاتی ہے اور کبھی دوسرے میں[2] منافقوں کی جس سرگردانی کی حالت کا ذکر ان آیتوں میں ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے کہ منافق لوگ گھڑی مسلمانوں کے گروہ میں ہیں گھڑی منکروں کے ؛

۱۴۴۔۔۔۱۴۷۔ اوپر ذکر تھا کہ منافق لوگ یہود سے میل جول رکھتے تھے ان آیتوں میں اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو منع فرمایا کہ وہ منافقوں کی سی عادت اختیار نہ کریں تفسیر خازن وغیرہ میں ان آیتوں کی شان نزول جو بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ بعضے انصار اور یہودیوں میں ہجرت سے پہلے کی دوستی اور دودھ پلانے کی رشتہ داری تھی ان انصار نے اس تعلق کے باقی رکھنے کا مسئلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا[3] اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائی اور فرمایا کہ دین کے

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۲۵ باب استحباب التبکیر بالعصر و جامع ترمذی ج ۱ ص ۲۳ باب ما جاء فی تعجیل العصر و سنن نسائی ج ۱ ص ۶۰ باب التشدید فی تاخیر العصر [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۰ کتاب صفات المنافقین و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۶۹ [3] تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۹۱ مطبوع در مجموعہ تفاسیر اربعہ ؛

الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ

سب سے نیچے درجے میں آگ کے اور ہرگز نہ پاسکے گا تو ان کے واسطے کوئی مددگار مگر جنہوں نے توبہ کی اور

اَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ

سنوارا آپ کو اور مضبوط پکڑا اللہ کو اور نوسے حکمبردار ہوئے اللہ کے سووہ ہیں ایمان والوں کے ساتھ

مخالف لوگوں سے میل جول رکھنا منافقوں کی عادت ہے جن کا ٹھکانا جہنم کا ساتواں طبقہ ہے جس میں اور طبقوں سے زیادہ عذاب ہے کیونکہ ان لوگوں نے دنیا میں دلی کفر کے سوا ظاہری اسلام جتلا کر ایک طرح کی دغابازی اللہ اور اللہ کے رسول سے کی تھی جس کے سبب سے ان کی سزا میں قیامت کے دن سختی ہوگی اور یہ بھی فرمایا کہ جو شخص منافقوں کی سی عادتیں اختیار کرتا ہے وہ اللہ کی خفگی اور اس کے عذاب کا ایک سبب مول لیتا ہے جس سے ہر مسلمان کو بچنا چاہئے جنت کے ساتوں طبقوں کو درجات اور دوزخ کے ساتوں طبقوں کو درکات کہتے ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھے رفیق کی مثال مشک پاس رکھنے والے شخص کی سی ہے کہ کبھی نہ کبھی اس سے کچھ فائدہ ضرور پہنچے گا زیادہ نہیں خوشبو ہی کا فائدہ سہی اور برے رفیق کی مثال کھال دھونکنے والے شخص کی سی ہے کہ کبھی نہ کبھی اس سے نقصان ضرور پہنچے گا۔ زیادہ نہیں تو کبھی کوئی آگ کا پتنگا اڑ کر آن پڑے گا جس سے کپڑے جل جائیں گے[1] حاصل یہ ہے کہ نیک صحبت سے نیک اثر پڑنے کی امید ہے اور بری صحبت سے برا اثر پڑنے کا خوف ان آیتوں میں مخالف دین لوگوں سے میل جول رکھنے کی جو ممانعت ہے یہ حدیث اس کی تفسیر ہے۔ پھر فرمایا کہ دنیا میں تو یہ منافق لوگ یہود کی دوستی کے بھروسے پر ہیں لیکن عقبیٰ میں دوزخ کے عذاب سے بچانے کی مدد ان کو کسی سے نہ پہنچے گی یہ اس لئے فرمایا کہ کلمہ گو گناہ گاروں کو اپنے دوستوں سے شفاعت کی مدد ملے گی جس کا ذکر شفاعت کی صحیح حدیثوں میں ہے جن منافق لوگوں کی اوپر مذمت تھی ان کی نجات کیلئے بطور استثنا کے یہ چار باتیں فرمائیں ایک تو یہ کہ ان لوگوں نے اب تک جو دو دلی پنے کی باتیں کی ہیں ان پر یہ نادم ہوں عبداللہ بن معقل ؓ سے مستدرک حاکم میں روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پچھلے گناہوں پر انسان کا نادم ہونا یہی توبہ ہے حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[2]۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس ندامت کے بعد آئندہ برے کاموں سے بچنے اور نیک کاموں میں مشغول ہونے کی کوشش کی جائے تاکہ اس ندامت کی ظاہر میں صداقت ہو جائے اور نیکیوں سے پچھلی بدیوں کا کفارہ ہو جائے۔ معتبر سند سے مسند امام احمد اور ترمذی میں ابوذر ؓ اور معاذ بن جبل ؓ کی جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان سے کوئی برا کام ہو جائے تو اس کے بعد نیک کام ضرور کرنا چاہئے۔ تاکہ نیکی سے بدی کا کفارہ ہو جائے[3]۔ تیسری بات یہ کہ اللہ کا سہارا مضبوط پکڑو جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں طاعت کے بجالانے اور گناہ سے بچنے کے احکام جو نازل فرمائے

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸۲ باب فی العطار و بیع المسک و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۰ باب استحباب مجالسۃ الصالحین الخ [2] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۳۶۱
[2] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۴۳ باب الندم توبۃ [3] جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۰ باب ما جاء فی معاشرۃ الناس۔

وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ

اور آگے دے گا اللہ ایمان والوں کو بڑا ثواب ۔ کیا کرے گا اللہ تم کو عذاب کر کے

اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

اگر تم حق مانو اور یقین رکھو ۔ اور اللہ قدردان ہے سب جانتا

ہیں دوزخی کو چھوڑ کر ان احکام کی پابندی مضبوطی سے کی جائے۔ معتبر سند سے صحیح ابن حبان میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پچھلی امتیں اللہ کے رسولوں سے اختلاف کرنے کے سبب سے ہلاکت میں پڑ گئیں[1] اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے رسول جو احکام شرعی اللہ کی طرف سے لاتے ہیں جب تک انسان مضبوطی سے ان احکام کی پابندی نہ کرے تو وہ ہلاکت میں پڑ جائے گا۔ چوتھی بات یہ کہ دین کا جو کام کیا جائے وہ خالص اللہ کے حکم کی تعمیل میں عقبےٰ کے اجر کی نیت سے ہو دنیا کے دکھاوے کا اس میں کچھ دخل نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ دنیا کے دکھاوے کی شرکت کا کوئی عمل اللہ کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہے نسائی اور ابوداؤد میں معتبر سند سے ابوامامہؓ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین کا جو کام خالص اللہ کے واسطے نہ ہو وہ اللہ کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہوتا[2]۔ اب آگے فرمایا کہ جن لوگوں میں یہ چار باتیں ہیں ان کی گنتی ان کامل ایمان داروں میں ہے جن کے لئے اللہ تعالےٰ نے عقبےٰ میں بڑے بڑے اجر رکھے ہیں پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے انسان کو اور اس کی سب ضرورت کی چیزوں کو پیدا کیا اس کی شکر گزاری یہی ہے اگر انسان نے اتنا کیا کہ اللہ کو برحق معبود جانا اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا تو اللہ کو کچھ ضرور نہیں کہ پھر بھی ایسے لوگوں کو عقبےٰ کے عذاب میں پکڑے صحیحین کی معاذ بن جبلؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے[3] جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں اگر اللہ کا یہ حق بندوں سے ادا ہو گیا تو اللہ نے اپنے بندوں کا یہ حق اپنے ذمہ لیا ہے کہ وہ ان کو عقبےٰ کے عذاب سے بچا لے[4]۔ یہ حدیث آیت کے اس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے اللہ تعالیٰ کی قدردانی یہ ہے کہ اس نے ایک نیکی کا ثواب دس سے لے کر سات سو تک اور اس سے بھی زیادہ ٹھہرایا ہے جیسی جس کی نیت ویسا ہی اس کا ثواب چنانچہ اس کا ذکر صحیح بخاری وغیرہ[5] میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے آیا ہے "اللہ سب جانتا ہے" کا یہ مطلب یہ ہے کہ اس کو دل کے ارادہ اور نیت کا حال معلوم ہے اسی واسطے اس نے دل کے ارادہ اور نیت کے موافق ثواب کے درجے ٹھہرائے ہیں ؁

---

[1] مسند امام احمد ج ۱۰ ص ۲۳۰ طبع جدید لیکن بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ [2] سنن نسائی ج ۲ ص ۵۱ من غزا یلتمس الاجر والذکر والترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۴ [3] یعنی ص ۱۰۱ وص ۲۴۴ پر [4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۲ کتاب اللباس وصحیح مسلم ج ۱ ص ۴۴ کتاب الایمان [5] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۰ باب من ہم بحسنۃ او سیئۃ وتفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۱۶ — ۳۱۷ وج ۲ ص ۱۹۶ — ۱۹۷۔

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا

اللہ کو خوش نہیں آتا بُری بات کا پکارنا مگر جس بات پر ظلم ہوا ہو اور اللہ ہے سنتا

عَلِیْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ

جانتا اگر تم کھلی کر دو کچھ بھلائی یا اس کو چھپاؤ یا معاف کرو برائی کو تو اللہ بھی

عَفُوًّا قَدِیْرًا ﴿۱۴۹﴾

معاف کرنے والا ہے مقدور رکھتا

۱۴۸۔۱۴۹۔ لڑائی کے وقت گالی کا منہ سے نکالنا منافقوں کی عادت ہے چنانچہ صحیحین میں عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی حدیث میں اس کا ذکر ہے[۱] لیکن لڑائی کے وقت پہلے پہل ایک شخص گالی منہ سے نکالے اور بعد اس کے دوسرا مظلوم شخص بغیر کسی زیادتی کے اُسی گالی کے جواب میں گالی دیوے تو وہ منافقانہ عادت میں داخل نہیں ہے اس لئے منافقوں کے ذکر میں اس طرح کی لڑائی جھگڑے کا تذکرہ فرما کر مظلوم شخص کو بُری بات کے وبال سے مستثنیٰ فرما دیا مگر ساتھ ہی اس کے سَمِیْعًا عَلِیْمًا فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مظلوم شخص بدلہ میں کچھ زیادتی کرے گا تو اللہ اس کو سنتا جانتا ہے اور اُس زیادتی کا مؤاخذہ مظلوم سے کرے گا۔ صحیح مسلم، ابوداؤد اور ترمذی میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آپس کے جھگڑے میں دو شخص گالیاں بکنے لگیں تو اس کا سارا وبال اس پر ہے جس نے پہلے پہل گالی منہ سے نکالی بشرطیکہ مظلوم شخص جواب کی حد سے نہ بڑھ جائے[۲]۔ یہ حدیث آیت کے ٹکڑے اِلَّا مَنْ ظُلِمَ کی پوری تفسیر ہے۔ جو شخص کسی کے گھر میں مہمانوں کے طور پر جائے اور صاحب خانہ اس مہمان کی پوری خاطرداری نہ کرے تو مجاہد کے قول کے موافق اس طرح کا مہمان بھی اِلَّا مَنْ ظُلِمَ کے حکم میں داخل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ صاحب خانہ کی واجبی شکایت اس طرح کے مہمان کے منہ سے نکلے تو وہ غیبت نہ گنی جائے گی[۳]۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہمان کی خاطرداری کا کرنا ایمانداری کی نشانی ہے[۴]۔ اس باب میں اور بھی صحیح حدیثیں ہیں ان سب حدیثوں سے مجاہد کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ ان حدیثوں کے تاکیدی لفظوں کے لحاظ سے امام احمدؒ مہمان کی خاطرداری کے واجب ہونے کے قائل ہیں[۵]۔ صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم ایک رات دن اور زیادہ سے زیادہ تین دن مہمانی کی ہے۔ اس سے بڑھ کر پھر اختیاری صدقہ ہے[۶]۔ یہاں تک اس کا ذکر تھا کہ دو شخصوں میں سے ایک شخص دوسرے پر زیادتی کرے۔ اب آگے اس کا ذکر ہے

[۱] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰ باب علامۃ المنافق و ج ۱ ص ۳۳۲ و صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۶ باب خصال المنافق [۲] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۱ باب النہی عن السباب۔ و تفسیر معالم ج ۳ ص ۲ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۷۱ [۳] [۴] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۰۶ باب اکرام الضیف وخدمتہ و صحیح مسلم ص ۵۰ باب الحث علی اکرام الجار والضیف [۵] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۷۱ [۶] صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۰ باب الضیافۃ ونحوہا۔

کہ دو شخصوں میں سے ایک شخص دوسرے پر کچھ احسان کرے اس باب میں فرمایا کہ جس پر احسان کیا جائے وہ اس احسان کی شکرگزاری میں ظاہری طور پر کچھ بدلے کرے یا احسان کرنے والے کے حق میں مخفی کچھ دعائے خیر کرے تو یہ سب کچھ اللہ کو معلوم ہے۔ نسائی، ابوداؤد، صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص پر کوئی دوسرا شخص احسان کرے یا تو ظاہری اس کا کچھ بدلہ کیا جائے اگر بدلہ ممکن نہ ہو تو احسان کرنے والے کے حق میں دعائے خیر کی جائے۔ حاکم نے اس حدیث کو شرط بخاری و مسلم پر صحیح کہا ہے[1] اس حدیث کا یہ ٹکڑا آیت کے ٹکڑے اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ کی تفسیر ہے۔ اور اسی تفسیر کو حافظ ابوجعفر ابن جریر نے اختیار کیا ہے[2]۔ اب آگے پہلی صورت کے متعلق مظلوم شخص کو دنیا میں ظلم و زیادتی کا بدلہ نہ لینے کی اور ظلم و زیادتی کے معاف کر دینے کی یوں ترغیب فرمائی کہ باوجود بدلہ لینے اور انتقام کی قدرت کے اللہ کی عادت درگزر اور معافی کی ہے اس لئے جو مظلوم اللہ تعالےٰ کی اس عادت کے موافق دنیا میں ظلم و زیادتی کا بدلہ نہ لیوے گا بلکہ اس کو معاف کر دیوے گا تو اس کو عقبےٰ میں بڑا اجر ملے گا۔ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالےٰ بعضے مسلمان گنہگاروں کو ان کے گناہ یاد دلائے گا۔ جب ان گناہوں کو یاد کر کے وہ لوگ خوف زدہ ہو جائیں گے تو اللہ تعالےٰ فرمائے گا جس طرح دنیا میں تمہارے ان گناہوں کو میں نے کسی پر ظاہر ہونے نہیں دیا اسی طرح آج بھی میں تمہارے ان گناہوں کو معاف کرتا ہوں[3]۔ عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی معتبر سند سے مسند امام احمد میں حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مظلوم شخص دنیا میں ظلم و زیادتی کو معاف کر دے گا۔ اور ظالم سے بدلہ نہ لے گا قیامت کے دن اللہ تعالےٰ اس کے گناہ معاف کر دے گا[4]۔ اللہ تعالےٰ کی درگزر اور مظلوم کی معافی کا ذکر جو اس آیت میں ہے اس کی یہ حدیثیں گویا تفسیر ہیں۔ تفسیر مقاتل میں اس آیت کی شان نزول یہ بیان کی ہے کہ ایک مجلس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی اس مجلس میں ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق کو کچھ برا بھلا کہا۔ تھوڑی دیر تک تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس شخص کا کچھ جواب نہیں دیا۔ پھر کچھ جواب دیا ان کے جواب دینے کے بعد حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ کے اٹھ کھڑے ہونے کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ جب تک تم نے اس شخص کا کچھ جواب نہیں دیا تھا اس وقت تک اللہ کا ایک فرشتہ تمہاری طرف سے اس کا جواب دے رہا تھا۔ جب تم نے بھی بدگوئی شروع کر دی تو وہ فرشتہ چلا گیا اس لئے میں بھی اس

[1] ابوداؤد ج ۱ ص ۲۳۵ باب عطیۃ من سأل باللہ عزوجل و مستدرک حاکم ج ۱ ص ۴۱۲ الحکم من سأل باللہ واستعاذ باللہ والترغیب[2] ج ۱ ص ۲۷۶۔ [2] تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۴۔ [3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳۰ باب قول اللہ تعالےٰ الا لعنۃ اللہ علی الظالمین۔ [4] مجمع الزوائد ص ۱۸۹ ج ۸

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَ

جو لوگ منکر ہیں اللہ سے اور اس کے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اور

رُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا

اس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو اور چاہتے ہیں کہ نکالیں

بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١٥٠﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ

بیچ میں ایک راہ ایسے لوگ وہی ہیں اصل کافر اور ہم نے تیار رکھی ہے منکروں کے

عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٥١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ

واسطے ذلت کی مار اور جو لوگ یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور جدا نہ کیا کسی کو ان

مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٥٢﴾

میں سے ان کو دے گا ان کے ثواب اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان

مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا[1]۔ اس تفسیر میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے اور تفسیر مقاتل ایک معتبر تفسیر ہے۔

۱۵۰-۱۵۲۔ منافقوں کے ذکر کے بعد ان آیتوں میں یہود کا ذکر ہے۔ قرآن شریف میں اکثر جگہ منافقوں کا اور یہود کا ذکر اس لئے ساتھ آیا ہے کہ منافقوں کی اور یہود کی حالت ملتی جلتی ہے کیونکہ جس طرح منافق لوگ ظاہر میں اپنے آپ کو اسلام کا پابند کہتے ہیں اور حقیقت میں اسلام کے پابند نہیں ہیں اسی طرح یہود لوگ ظاہر میں تو اپنے آپ کو تورات کا پابند کہتے ہیں اور حقیقت میں وہ تورات کے پابند نہیں ہیں۔ بہت سی آیتیں تورات کی انہوں نے بدل ڈالی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو بدسلوکی انہوں نے کی وہ بالکل تورات کے برخلاف ہے تورات کے موافق نبی آخرالزماں کا پہلے انہیں اقرار تھا۔ لیکن نبی آخرالزماں کے پیدا ہونے کے بعد ان کی نبوت کے منکر ہو گئے جو ان کا انکار تورات کے برخلاف ہے۔ عبادہ بن صامتؓ کی صحیحین میں روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کو وحدہٗ لاشریک اور عیسیٰ علیہ السلام اور مجھ کو اللہ کا رسول جانے گا وہ جنت میں جائے گا[2]۔ یہ حدیث گویا اس آیت کی تفسیر ہے کیونکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ توحید ہر رسول کی شریعت میں ہے اس لئے جو لوگ بعضے رسولوں کو مانتے ہیں اور بعضوں کو نہیں مانتے وہ توحید کے منکر اور اصلی کافر ہیں۔ یہی مطلب حدیث کا ہے کہ جب تک یہود لوگ عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخرالزماں کی نبوت کو تسلیم نہ کریں گے نہ ان کی توحید پوری ہے نہ یہ جنتی ہو سکتے ہیں اسی واسطے ان آیتوں میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ بعضے رسولوں کے منکر ہیں۔ منکر ہو کر اپنے آپ کو صاحب توحید اور ایمان دار جو کہتے ہیں شریعت موسوی اور شریعت محمدی کے علاوہ یہ ان کا ایجاد کیا ہوا جدید راستہ

[1] ترغیب ج ۲ ص ۱۰۱ لیکن بسعید بن المسیب کی مرسل روایت ہے۔ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۹۰ میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ متصل بھی آگئی ہے۔
[2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۸۸ کتاب الانبیاء۔ و صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۳ کتاب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنۃ قطعاً۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى

تجھ سے مانگتے ہیں کتاب والے کہ ان پر اتار لا دے کتاب آسمان سے سو مانگ چکے ہیں موسیٰ سے

اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ

اس سے بڑی چیز بولے ہم کو دکھا دے اللہ کو سامنے پھر ان کو پکڑا بجلی نے ان کے گناہ پر

ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ

پھر بنا لیا بچھڑا پیچھے پہنچے نشانیاں پھر ہم نے وہ بھی معاف کیا

وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا

اور دیا ہم نے موسیٰ کو غلبہ صریح اور ہم نے اٹھایا ان پر پہاڑ ان کے قول لینے میں اور ہم نے کہا

ہے دونوں شریعتوں میں جس کا کہیں ذکر نہیں ہے اور سوائے پتہ ہونے کے اس راستہ میں یہ کتنی بڑی خرابی ہے کہ جن رسولوں کو اللہ نے اپنا نائب ٹھیر اکر بھیجا ہے ان کی نیابت کو جھٹلایا جاتا ہے جو اللہ کی شان میں ایک جھوٹ اور کفر ہے۔ اس کے بعد عبداللہ بن سلام وغیرہ سچے یہود کا ذکر فرمایا جو تورات کے موافق نبی آخر الزماں اور سب انبیاء علیہم السلام کو مانتے ہیں۔ اور فرمایا یہ لوگ پورے ایمان دار ہیں ان کو عقبیٰ میں بڑا اجر ملنے والا ہے اور ان کے کچھ گناہ ہوں گے تو ان کی توحید کے سبب سے اللہ غفور الرحیم ان کے وہ گناہ معاف کر دے گا۔ اہل توحید کے گناہ معاف ہو جانے کی عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے اور موحد اہل کتاب کے بڑے اجر کے باب میں ابو موسیٰ اشعریؓ کی صحیحین میں حدیث ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے جو شخص سب انبیاء کو مانے گا۔ قیامت کے دن اس کو دوہرا اجر ملے گا[۱]۔

۱۵۳ - ۱۵۴۔ تفسیر سدی ابن جریر وغیرہ میں سلف کی ایک جماعت سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ یہود نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک روز یہ کہا کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو تختیوں پر لکھی ہوئی ساری تورات ایک ہی دفعہ اللہ کی طرف سے مل گئی تھی۔ اسی طرح یا تو سارا قرآن ایک دفعہ ہی آسمان سے لکھا ہوا تمہارے پاس آجائے۔ اگر یہ نہ ہو تو ہم لوگوں کے نام ایک تحریر اللہ کی طرف سے آجائے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزماں ہیں۔ اس شرط کے پورا ہو جانے کے بعد ہم تم کو اللہ کا رسول مانیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں[۲]۔ اور فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ نادانی کا سوال کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ آخر یہ ان ہی کی اولاد ہیں جنہوں نے دنیا کی آنکھوں سے اللہ کو کھلم کھلا دیکھنا چاہا۔ جس سے ان پر بجلی گری جس کا قصہ سورہ بقرہ میں گزرا۔ بچھڑے کو پوجا جس کا ذکر سورہ بقرہ میں گزر چکا اور مفصل ذکر سورہ اعراف میں آئے گا۔ تورات کے احکام کے موافق عمل کرنے سے انکار کیا۔ در پھر کوہ طور ان پر ڈالے جانے کا جب

[۱] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰ باب تعلیم الرجل امتہ واہلہ و صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۶ باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا الخ [۲] تفسیر ابن جریر جز ۶ ص ۵ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۷۲ و لباب النقول ص ۸۲۔

لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا

داخل ہو دروازے میں سجدہ کرکر اور کہا ہم نے زیادتی نہ کرو ہفتے کے دن میں اور ان سے لیا

مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

قول گاڑھا سو ان کے قول توڑنے پر اور منکر ہونے پر اللہ کی آیتوں سے

وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا

اور خون کرنے پر پیغمبروں کا ناحق اور اس کہنے پر کہ ہمارے دل پر غلاف ہے کوئی نہیں پر اللہ نے مہر کی ہے ان پر

بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰي مَرْيَمَ بُهْتَانًا

مارے کفر کے سو یقین نہیں لاتے مگر کم اور ان کے کفر پر اور مریم پر بڑا طوفان

خوف دلایا گیا تو اس شرارت سے باز آئے۔ بیت المقدس کے دروازے میں گھستے وقت جو سجدۂ شکر کا حکم ان کو دیا گیا تھا اس کے موافق عمل نہیں کیا۔ جس کے سبب سے ان پر طاعون کا عذاب آیا باوجود ممانعت کے ہفتے کے دن مچھلیاں پکڑیں جس کے عذاب میں آدمی سے بندر ہو گئے۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں یہ سب قصے گزر چکے۔ غرض جب ان کے بزرگوں نے یہ سب شرارتیں کیں تو ان کی اولاد میں سے حال کے لوگوں نے شرارت سے جو سوال کیا ہے اے نبی اللہ کے ان کی شرارت کا کچھ خیال نہ کرنا چاہیے۔ عقبیٰ میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا ذکر صحیح حدیثوں[1] میں آیا ہے۔ اس لئے اس دنیا کی آنکھوں سے دیدار کی ممانعت سے جن لوگوں نے عقبیٰ کے دیدار کی ممانعت نکالی ہے ان کی بڑی غلطی ہے ؎

۱۵۵ــ ۱۵۹۔ اوپر ذکر تھا کہ کوہ طور جب اٹھایا جا کر یہود کے سروں پر لایا گیا اور ان کو اس پہاڑ کے ان پر ڈال دئیے جانے کا خوف دلایا گیا تو اس وقت انہوں نے تورات کے احکام کے موافق عمل کرنے کا عہد کیا تھا ان آیتوں میں ذکر ہے کہ ان لوگوں کے اس عہد پر قائم نہ رہنے سے اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طرح طرح کے معجزات دیکھ کر ان کو بھلا دینے سے اور بلاوجہ زکریاؑ اور یحییٰؑ وغیرہ انبیاء کو قتل کرنے سے اور ان لوگوں کے اس بات کے کہنے سے کہ ہمارے دل پر غلاف ہیں کسی کی نصیحت ہمارے دل پر اثر نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ملعون اور اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ اس لئے جس طرح مقفل اور قفل پر مہر لگے ہوئے مکان کے اندر کوئی چیز نہیں جا سکتی ان کے دل میں بھی کسی نصیحت کا اثر نہیں سما سکتا اوپری رہتا ہے۔ کیونکہ کثرت گناہوں سے ان کے دلوں پر یہاں تک زنگ چھا گیا ہے کہ زنگ کا ایک غلاف دل پر چڑھ گیا ہے۔ وہ غلاف کبھی حق بات کو ان کے دل تک جانے نہیں دیتا۔ ابوہریرہؓ سے ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم میں روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کثرت گناہوں سے آدمی کے دل کا زنگ

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۸ باب فضل صلوٰۃ العصر و ج ۱ ص ۸۱ باب فضل صلوٰۃ الفجر و ج ۱ ص ۱۱۱ باب فضل السجود و ج ۲ ص ۶۵۹ ــ ۶۱۹ کتاب التفسیر و ج ۲ ص ۱۱۰۶ و ۱۱۰۷ کتاب الرد علی الجہمیۃ الخ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۹ کتاب الزہد

عَظِيمًا ﴿١٥٦﴾ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَ

بولنے پر اور اس کہنے پر کہ ہم نے مارا مسیح عیسٰے مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا اور

مَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ

نہ اس کو مارا ہے اور نہ سولی پر چڑھایا ولیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے اور جو لوگ اس میں کئی باتیں نکالتے ہیں

یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ تمام دل کو غلاف کی طرح ڈھانک لیتا ہے۔ ترمذی اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[1] یہ حدیث دل پر مہر ہو جانے اور حق بات کا اثر دل پر نہ ہونے کی گویا ایک تفسیر ہے۔ غرض یہود لوگ یہ جو کہتے تھے کہ ہمارے دل پر غلاف ہیں ان کا مطلب اس سے یہ تھا کہ شریعتِ موسوی کی باتوں کا علم ہمارے دلوں پر ایسا بھرا ہوا ہے کہ کسی دوسری شریعت کی باتیں سمجھنے سے ہمارے دل پر غلاف ہیں۔ آیت اور حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں کا قول جھوٹا ہے بلکہ شریعتِ موسوی پر قائم نہ رہنے اور شریعت عیسوی اور شریعت محمدی کے انکار کے گناہوں کے سبب سے ان کے دل پر زنگ کا غلاف چڑھ کر خدا کی طرف سے اس زنگ کی ایک مہر ان کے دل پر لگ گئی ہے جس کی وجہ سے حق بات کے سمجھنے کی گنجائش ان کے دل میں باقی نہیں رہی۔ اسی واسطے باوجود روزانہ فہمائش کے ان میں کے تھوڑے آدمی عبداللہ بن سلام وغیرہ راہ راست پر آتے ہیں باقی کے سب لوگ گمراہ ہیں پھر ان کے دل پر زنگ آجانے کے اور گناہوں کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے مریم جیسی پاک دامن بی بی پر بدکاری کا الزام لگایا اور حقیقت میں تو یہ لوگ اللہ کے رسول عیسٰے علیہ السلام کو قتل نہیں کر سکے بلکہ ایک شخص پر اللہ نے عیسٰی علیہ السلام کی شباہت ڈال دی تھی اس کو انہوں نے قتل کیا۔ لیکن ان کی جرأت یہ ہے کہ یہ لوگ آج تک اللہ کے رسول کے قتل کے مدعی ہیں پھر فرمایا کہ یہودی۔ عیسائی کوئی اس باب میں یقینی بات نہیں کہہ سکتا بلکہ اصل بات وہی ہے جو اللہ نے فرمائی کہ اس نے عیسٰی علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا قیامت کے قریب وہ زمین پر پھر آئیں گے اور ان کی وفات سے پہلے اس زمانہ کا کوئی اہل کتاب ایسا نہ ہوگا جو ان پر ایمان نہ لائے گا۔ قیامت کے قریب حضرت عیسٰے علیہ السلام کا دوبارہ زمین پر آنا صحیح حدیثوں میں آیا ہے[2]

---

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۶۸ کتاب التفسیر۔ مستدرک حاکم ج ۲ ص ۵۱۸ کتاب التفسیر [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۰ باب نزول عیسیٰ ابن مریمؑ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۲ تا ۳۹۳ کتاب الفتن۔ جامع ترمذی ج ۲ ص ۴۸ باب ما جاء فی نزول عیسیٰ بن مریمؑ سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۵۹۳ باب خروج الدجال سنن ابن ماجہ ص ۳۰۶ باب فتنۃ الدجال و خروج عیسیٰ الخ حافظ ابن کثیرؒ ان احادیث کو متواتر قرار دیتے ہوئے متعدد محدثین لائے بھی ہیں (ج ۱ ص ۵۷۸ ـــ ۵۸۳) حافظ ابن کثیرؒ کے علاوہ دوسرے علماء نے بھی حضرت عیسٰے علیہ السلام کے بجسد عنصری دنیا میں دوبارہ تشریف لانے کی احادیث کے متواتر ہونے کی صراحت کی ہے مثلاً امام شوکانیؒ کہ انہوں نے اس پر ایک مستقل رسالہ التوضیح فی تواتر ما جاء فی المنتظر والدجال والمسیح کے نام سے لکھا ہے جس میں قریباً تیس صحابیوں کی احادیث لا کر لکھتے ہیں الاحادیث الواردۃ فی نزول عیسیٰ متواترۃ (حجج الکرامۃ فی آثار القیامۃ ص ۴۲۴ ۔ للسید محمد نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ تعالیٰ) اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے اس تواتر کو تسلیم کیا ہے (فتح الباری ج ۶ ص ۲۸۱ باب نزول عیسٰے ابن مریم) یہی وجہ ہے کہ امت نے مسلمہ طور پر عقائد اسلامیہ کا اس کو ایک جزو قرار دیا ہے ملاحظہ ہو شرح عقیدہ سفارینی (ج ۲ ص ۸۹ ـــ ۹۰) وغیرہ

لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ

وہ اس جگہ شبہ میں پڑے ہیں کچھ نہیں ان کو اس کی خبر مگر اٹکل پر چلنا اور اس کو مارا نہیں

يَقِينًا ﴿١٥٧﴾ بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٥٨﴾ وَإِن مِّنْ أَهْلِ

بے شک بلکہ اس کو اٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف اور ہے اللہ زبردست حکمت والا اور جو فرقہ ہے

الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ﴿١٥٩﴾

کتاب والوں میں سو اس پر یقین لاویں گے اس کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن ہو گا ان کا بتانے والا

جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر زندہ ہیں کیونکہ ایک دفعہ مرنے کے بعد پھر کوئی دوبارہ زمین پر نہیں آسکتا چنانچہ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ میں فرمایا وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ (۲۳-۱۰۰) جس کا مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد دنیا میں کوئی نہیں آسکتا۔ یہود اور عیسائیوں کے علاوہ اہل اسلام میں سے "مرزا قادیانی" اور ان کے معتقد جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے قائل ہیں وہ اس آیت اور ان صحیح حدیثوں کے منکر ہیں[1]۔ پھر فرمایا جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فرمانبرداری کی اور جنہوں نے نافرمانی کی ان سب کی حالت کی گواہی قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے روبرو ادا کریں گے۔ پہلے تو یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے طرح طرح کی مخالفت کی پھر آخر کو اس زمانے کے ستارہ پرست دمشق کے بادشاہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ مخبری کی کہ بیت المقدس میں ایک شخص شاہی رعایا کو بادشاہ سے بغاوت کرنے پر آمادہ کرتا ہے وہ بادشاہ یہ خبر سن کر بہت برہم ہوا اور اپنے نائب کو جو "قدس" میں رہتا تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کا اس نے حکم دیا۔ یہ نائب یہود کے ایک گروہ کو ساتھ لے کر اس مکان پر گیا جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ باقی قصہ وہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو تو آسمان پر اٹھا لیا اور جس شخص کی شباہت اللہ کے حکم سے حضرت عیسےٰ جیسی ہو گئی تھی اس کو ان لوگوں نے سولی پر چڑھا دیا۔ اس میں سلف کا اختلاف ہے کہ جس شخص پر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی شباہت ڈالی گئی آیا وہ شخص یہودی تھا یا منافق عیسائی۔ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پورے فرمانبرداروں میں سے تھا لیکن نسائی اور تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں جو معتبر سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے اس میں یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا کہ جس پر میری شباہت ڈالی جا کر میری جگہ اس کو قتل کیا جائے گا وہ جنت میں میرا رفیق ہو گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے پورے فرمانبرداروں میں سے تھا[2]۔

[1] حافظ ابن حجر لکھتے ہیں اتفق اصحاب الاخبار والتفسیر علی انہ (یعنی عیسیٰ) دفع ببدنہ حیا تلخیص الحبیر ص ۳۱۹ کتاب الطلاق) یعنی مؤرخین اور مفسرین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام اپنے عنصری جسد کے ساتھ آسمان کی طرف زندہ اٹھا لیے گئے۔ ماحصل یہ کہ یہ مسئلہ عقیدے کا اور اجماعی ہے۔ اور اس کا انکار گمراہی ہے۔ واللہ الموفق۔

[2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۷۴ – ۵۷۵ – تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۳۸۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ

سو یہود کے گناہ سے ہم نے حرام کیں ان پر کئی پاک چیزیں جو ان کو حلال تھیں اور اس سے کہ اٹکتے تھے

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ

اللہ کی راہ سے بہت اور ان کے سود لینے پر اور ان کو اس سے منع ہو چکا ہے اور لوگوں کے

اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰكِنِ

مال کھانے پر ناحق اور تیار رکھی ہے ان میں ہم نے منکروں کے واسطے دکھ کی مار لیکن جو

الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ

ثابت ہیں علم پر ان میں ایمان والے سو مانتے ہیں جو اترا تجھ پر اور جو

اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

اترا تجھ سے پہلے اور آفریں نماز قائم رکھنے والوں کو اور دینے والے زکوٰۃ کے اور یقین رکھنے والے

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ ع ۲۲/۲

اللہ پر اور پچھلے دن پر ایسوں کو ہم دیں گے بڑا ثواب

۱۶۰—۱۶۲—یہود کی طرح طرح کی سرکشی کے سبب سے حلال چیزیں حرام ہو گئیں ان کی تفصیل سورہ انعام میں آئے گی۔ کہ گائے بکری کی چربی وغیرہ یہود پر ان کی سرکشی کے سبب سے یہ چیزیں حرام ہوئی تھیں لیکن مشہور تفسیروں میں یہ تذکرہ کہیں نہیں ہے کہ کب اور کس نبی کے عہد میں یہ چیزیں یہود پر حرام ہوئیں۔ اس واسطے بعضے مفسروں نے یہ کہا ہے کہ خاص کسی نبی کے وقت میں یہ چیزیں حرام نہیں ہوئیں بلکہ جیسے جیسے یہود کی شرارت بڑھتی گئی حضرت موسےٰ علیہ السلام کے بعد مختلف زمانوں میں یہ چیزیں ان پر حرام ہوتی گئیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے مطابق علم پر ثابت قدم اور ایمان والے وہ لوگ ہیں جو یہود میں سے شریعت محمدی کے تابع اور پابند ہو گئے مثلاً جیسے عبداللہ بن سلام و ثعلبہ بن سعیدؓ وغیرہ عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت اور ان کے مصحف میں وَالْمُقِيْمِيْنَ کی جگہ وَالْمُقِيْمُوْنَ ہے اور قیاس بھی اسی کا مقتضی ہے۔ لیکن اور سب مصحفوں میں وَالْمُقِيْمِيْنَ ہے ابو جعفر ابن جریر نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کلام عرب میں جس چیز کو خاص طور پر ذکر کرنا مقصود ہوتا ہے اس کو اس طرح بولا جاتا ہے اور آیت وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ سے اپنے کلام کی تائید میں حافظ ابن جریرؒ نے پیش کیا ہے۔ بعضے سلف سے جو یہ روایت ہے کہ وَالْمُقِيْمُوْنَ کی جگہ وَالْمُقِيْمِيْنَ اور وَالصّٰبِرُوْنَ کی جگہ وَالصّٰبِرِيْنَ کاتبوں کی غلطی سے لکھا گیا ہے۔ حافظ ابو جعفر ابن جریرؒ نے اس روایت کا ضعف اپنی تفسیر میں اچھی طرح ثابت کر دیا ہے[1]۔

[1] الجزء السادس ص ۱۶—۱۷۔

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ

ہم نے وحی بھیجی تیری طرف جیسے وحی بھیجی نوح کو اور نبیوں کو اس کے بعد اور وحی بھیجی ہم نے

إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَـٰعِيلَ وَإِسْحَـٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَ

ابراہیم کو اور اسمٰعیل کو اور اسحٰق کو اور یعقوب کو اور اس کی اولاد کو اور عیسےٰ کو اور

أَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَـٰرُونَ وَسُلَيْمَـٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا

ایوب کو اور یونس کو اور ہارون کو اور سلیمان کو اور ہم نے دی داؤد کو زبور اور کئی رسول

۱۶۳-۱۶۵ تفسیر ابن جریر وغیرہ میں[1] حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ کی روایتوں میں ان آیتوں کی شان نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ جب یہود نے انجیل اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کیا اور یہ کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ نے اپنا کوئی کلام کسی بشر پر نازل نہیں فرمایا اور ان میں سے بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ قرآن اگر کلام الٰہی ہوتا تو تورات کی طرح ایک ہی دفعہ نازل ہوتا تھوڑا تھوڑا کر کے نازل نہ ہوتا۔ اس پر اللہ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ اور فرمایا کہ نوح علیہ السلام اور ان کے بعد کے انبیاء جن کی نبوت کو یہ لوگ مانتے ہیں۔ ان سب پر ہم نے اپنا کلام اسی طرح نازل فرمایا ہے جس طرح قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہو رہا ہے۔ پھر ان انبیاء کی نبوت کو تسلیم کرنا اور نبی آخر الزمان کی نبوت اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں ایسے شبہات کا ذکر کرنا بڑی ہٹ دھرمی ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی شفاعت کی بہت بڑی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے صاحب شریعت نبی ہیں[2]۔ اس لئے قرآن شریف میں جہاں انبیاء کے سلسلہ کا ذکر فرمایا ہے وہاں اس سلسلہ کو حضرت نوحؑ علیہ السلام سے شروع کیا گیا ہے۔ اسباط حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو کہتے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے ان میں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت پر سلف کا اتفاق ہے باقی میں اختلاف ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ملا کر ۲۵ نبیوں کا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے۔ مسند امام احمد میں ابوذرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں جن میں تین سو پندرہ رسول ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کی سند کو معتبر قرار دیا ہے[3]۔ غرض قرآن شریف میں سب رسولوں کا ذکر نہیں ہے۔ اسی واسطے فرمایا کتنے رسول جن کا احوال ہم نے اے نبی اللہ کے تم کو سنایا ہے اور کتنے رسول اور ہیں جن کا احوال نہیں سنایا۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام کی وحی میں فرشتہ کا واسطہ نہیں تھا۔ اسی واسطے حضرت موسےٰ علیہ السلام کا ذکر سلسلہ سے الگ فرمایا۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھ باتوں کے سبب سے اللہ تعالےٰ نے مجھ کو اور انبیاء پر بزرگی اور فضیلت دی ہے ایک تو تھوڑے لفظوں میں بہت سے مطلب کا بیان کرنا۔ دوسرے فقط رعب

[1] تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۱۷ و تفسیر در منثور ج ۲ ص ۲۴۶ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۰ کتاب الانبیاء [3] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۸۷۔

قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ
جن کا احوال سنایا ہم نے تجھ کو آگے اور کئی رسول جن کا احوال نہیں سنایا ہم نے تجھ کو اور باتیں کیں
اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ
اللہ نے موسیٰ سے بول کر کئی رسول خوشی اور ڈر سنانے والے تو کہ نہ رہے لوگوں کو
عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾
اللہ پر جگہ الزام کی رسولوں کے بعد اور اللہ زبردست ہے حکمت والا

سے لشکر اسلام کی فتح کا سامان ہو جانا تیسرے لوٹ کے مال کا شریعت محمدی میں حلال ہونا۔ چوتھے روئے زمین پر ہر جگہ شریعت محمدی میں نماز کا جائز ہونا۔ پانچویں میری نبوت کا تمام خلائق کے لئے عام ہونا۔ چھٹے میرا خاتم النبیین ہونا معتبر سند سے ترمذی میں ابو سعید خدری کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سب اولادِ آدم کا سردار ہوں غرض اس قسم کی احادیث کے سبب سے علمائے سلف اس پر متفق ہیں کہ نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل انبیا ہیں لیکن صحیحین وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان میں خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لوگوں کو اس سے منع فرمایا ہے کہ وہ انبیاء کی فضیلت باہمی میں بحث مباحثہ کر کے بعضے انبیاء کی کسر شان کے درپے ہوں۔ اس لئے امت کے ہر صاحب احتیاط آدمی کو چاہئے کہ جس حد تک یہ مسئلہ شریعت میں ہے اس حد کا پابند رہے۔ اس حد سے آگے نہ بڑھے۔ چنانچہ اس مسئلہ کے متعلق یہی فیصلہ آیت تلک الرسل فضلنا بعضہم علی بعض کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ شریعت میں اس مسئلہ کی مثال تقدیر کے مسئلہ کی سی ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کچھ کچھ حال تقدیر کا چند حدیثوں میں فرمایا اور پھر بحث مباحثہ کو اس مسئلہ میں منع فرمایا۔ اور معتبر سند کی طبرانی کی عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں یہ فرمایا کہ اس مسئلہ میں سکوت اوچھا ہے۔ اب آگے رسول کی خدمت کا ذکر فرمایا کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے فرمانبرداروں کو عقبیٰ کے اجر کی خوش خبری کا سنانا اور نافرمان لوگوں کو عقبیٰ کے عذاب سے ڈرانا یہ اللہ کے رسولوں کی خدمت ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ رسولوں کا بھیجنا کتابوں کا [illegible] فرمانا اس لئے ہے کہ قیامت کے دن کسی کو عذر کی جگہ نہ رہے کہ اللہ کی مرضی اور نارضی کی باتیں ہم کو معلوم نہ تھیں صحیحین میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے بڑھ کر عذر کا قبول کرنے والا کون ہو سکتا ہے

لے صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۹ کتاب المساجد ۲ے جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۰۲ ابواب المناقب ۳ے دیکھئے صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۵ اول کتاب الخصومات و صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۷ باب من فضائل موسیٰ علیہ السلام و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۰۴ ۴ے ملاحظہ فرمائیے جامع ترمذی ج ۲ ص ۳۵ باب ما جاء من التشدید فی الخوض فی القدر و مسند احمد ج ۱۰ ص ۱۰۴ طبع احمد شاکر مصر و مجمع الزوائد ج ۱ ص ۵۶ اباب ما جاء فی المراد ۵ے مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۰۲ طبع مصر

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنزَلَ إِلَيْكَ ۖ أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ

لیکن اللہ شاہد ہے اس پر جو تجھ کو نازل کیا کہ یہ نازل کیا ہے اپنے علم کے ساتھ اور فرشتے گواہ ہیں

وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ شَهِيدًا ﴿١٦٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللّٰهِ قَدْ

اور اللہ بس ہے حق ظاہر کرنے والا اور جو لوگ منکر ہوئے اور اٹکے اللہ کی راہ سے دور

ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١٦٧﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ

پڑے ہیں بھول کر جو لوگ منکر ہوئے اور حق دبا رکھا ہرگز اللہ بخشنے والا نہیں

لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿١٦٨﴾ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ

ان کو اور نہ ان کو ملادے راہ مگر راہ دوزخ کی پڑے رہیں اس میں ہمیشہ

جس نے لوگوں کی انجانی کا عذر رفع کرنے کے لئے رسولوں کو بھیجا کتابیں نازل فرمائیں۔[1] مسند امام احمد صحیح بخاری اور نسائی میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جس شخص کی عمر ساٹھ برس کی ہو گی اس کو دین کی باتیں سمجھنے کا پورا موقع مل گیا۔ اس لئے ایسے شخص کا انجانی کا عذر خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہ ہو گا۔[2] آخر کو فرمایا کہ نافرمان لوگوں سے بدلا لینے میں وہ زبردست ہے اس کے عذاب کو اس کی بلا مرضی کوئی ٹال نہیں سکتا ہر وقت کی مصلحت کے موافق شریعت کے احکام نازل فرمانے میں وہ ایسا صاحب حکمت ہے جس کی حکمت کے بھید اسی کو معلوم ہیں۔

۱۶۶ ــ ۱۷۰۔ تفسیر ابن جریر، تفسیر خازن وغیرہ میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت سے ان آیتوں کی شان نزول جو بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کچھ یہود لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ان سے آپ نے فرمایا کہ یہ تو تمہارا دل جانتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور قرآن کلام الٰہی ہے پھر تم اس کی تصدیق عام لوگوں کے روبرو کیوں نہیں کرتے۔ یہود نے یہ بات سن کر آپ کے رسول ہونے اور قرآن کے اللہ کے کلام ہونے کی گواہی دینے سے انکار کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں[3] اور فرمایا اے رسول اللہ کے اگرچہ ان لوگوں نے تمہارے خلاف گواہی دے کر عام لوگوں کو بہکایا ہے لیکن اللہ اس بات کا گواہ ہے کہ تم اللہ کے رسول ہو۔ اور قرآن اللہ کا کلام ہے۔ اور اس قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص علم اتارا ہے۔ اس لئے اہل مکہ نہ اس جیسا کلام بنا سکتے ہیں نہ اس میں پہلی کتابوں کی باتوں کو یہ اہل کتاب جھٹلا سکتے ہیں۔ لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اور وہاں سے زمین پر سب ملائکہ کے سامنے اس قرآن کا نزول ہوا ہے۔ اس واسطے سب فرشتے گواہی دیں گے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ پھر فرمایا ایک سچی گواہی سے یہ جھوٹے

[1] دیکھئے فتح الباری ج ۲ ص ۲۲۳ باب قول اللہ تعالیٰ ویحذرکم اللہ نفسہ الخ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۵۰ باب من بلغ ستین سنۃ الخ [3] تفسیر ابن جریر جز ۶ ص ۱۹۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۸۹۔ و تفسیر معالم ج ۳ ص ۳۴۔

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٦٩﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ

اور یہ اللہ پر آسان ہے اے لوگو تم پاس رسول آچکا ٹھیک بات لے کر

مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

تمہارے رب کی سو مانو کہ بھلا ہو تمہارا اور اگر نہ مانو گے تو اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧٠﴾

اور اللہ سب خبر رکھتا ہے حکمت والا ۔

لوگ اگر منکر گئے تو اس سے کیا ہوتا ہے اللہ کی گواہی تمہارے رسول اور قرآن کے اللہ کا کلام ہونے کے لئے کافی ہے۔ اس کے بعد فرمایا باوجود اس قدر معتبر گواہی کے بھی جو یہ لوگ قرآن کے منکر اور اللہ نے جو قرآن میں اپنی رضامندی کا راستہ ان کو بتلایا ہے اس سے بچلے ہوئے ہیں۔ یہ ان کی بڑی گمراہی ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک تو یہ لوگ خود گمراہ ہیں۔ دوسرے انہوں نے یہ ظلم کیا کہ اور عام لوگوں کے دل میں بھی طرح طرح کے شک ڈال کر ان کو بھی گمراہ کیا ایسے لوگ اللہ کے علم میں جہنمی ٹھہر چکے ہیں اس واسطے سوائے جہنم کے راستے کے ان کے لئے اور کوئی راستہ نہیں اور یہ اللہ پر آسان ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دوزخیوں کا ہمیشہ دوزخ میں رہ کر طرح طرح کے عذاب کا بھگتنا اور پھر جیتے رہنا انسان کی سمجھ کے آگے مشکل ہے اللہ کی قدرت کے آگے کچھ مشکل نہیں۔ اس کی قدرت کے آگے بڑے بڑے سب مشکل کام آسان ہیں۔ یہاں مختصر طور پر یہ فرمایا کہ یہ اللہ پر آسان ہے لیکن اور آیتوں میں انسان کی سمجھ کے موافق اس کی تفصیل بھی فرمادی ہے۔ چنانچہ اس سورت میں اوپر گزر چکا ہے کہ دوزخیوں کی جوں جوں کھال جلتی جائے گی اس کے معاوضہ میں فوراً دوسری کھال بدل دی جائے گی۔ اور سورہ فاطر میں آئے گا لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا (۳۵ - ۳۶) جس کا مطلب یہ ہے کہ دوزخیوں کی قبض روح کا حکم نہ ہوگا۔ اس لئے باوجود طرح طرح کے عذاب کے ان کی جان نہ نکلے گی۔ اوپر اللہ اور اللہ کے فرشتوں کی گواہی سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے اور قرآن کے اللہ کا کلام ہونے کا ذکر فرمایا تھا یہاں اہل مکہ اہل کتاب سب کو فرمایا کہ اے لوگو یہ اللہ کے رسول اللہ کا سچا کلام لے کر تمہارے پاس آئے ہیں اگر تم اس کو مان لوگے تو اس میں تمہارا بھلا ہے ورنہ اللہ کو تمہارے ایمان تمہاری عبادت کی کچھ پرواہ نہیں زمین و آسمان سب جگہ میں اللہ کی حکومت ہے اور آسمان پر تم سے زیادہ عبادت کرنے والے اللہ کے فرشتے موجود ہیں صحیح مسلم، ترمذی وغیرہ میں ابوذرؓ سے روایت ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سارے جن و انس ایماندار اور نیک ہو جائیں تو اس سے اللہ کی بادشاہت میں کچھ بڑھ نہ جائے گا۔ اور اگر یہ سب بد ہو جائیں تو اس کی بادشاہت میں سے کچھ گھٹ نہ جائے گا[۲]۔ حدیث کا یہ ٹکڑا آیت کے اس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے

[۱] عینی ص ۳۳۲ [۲] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۹ باب تحریم الظلم و جامع ترمذی ج ۲ ص ۷۲ ابواب صفة القیامة۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا

اے کتاب والو مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں اور مت بولو اللہ کے حق میں مگر بات تحقیق

الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ

مسیح جو ہے عیسیٰ بیٹا مریم کا رسول ہے اللہ کا اور اس کا کلام جو ڈال دیا مریم کی طرف

وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڟ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا

اور روح ہے اس کے یہاں کی سو مانو اللہ کو اور اس کے رسولوں کو اور مت بتاؤ اس کو تین یہ بات چھوڑ دو کہ بھلا ہو

لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

تمہارا اللہ جو ہے سو ایک معبود ہے اس لائق نہیں کہ اس کے اولاد ہو اسی کا ہے جو کچھ آسمان

وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (۱۷۱)

و زمین میں ہے اور اللہ بس ہے کام بنانے والا

عَلِیْمًا کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کو سب کے نیک و بد کام ہر ایک معلوم ہیں ایک دن ان سب کی جزا و سزا ہونے والی ہے حَکِیْمًا کا یہ مطلب ہے کہ اس نے یہ آخری شریعت وقت کی مناسبت سے اپنی حکمت کے موافق بھیجی ہے۔

۱۷۱۔ غلو کہتے ہیں حد سے گزر جانے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے سے یہود ان کی حقارت میں حد سے گزر کر طرح طرح کی گستاخی کی باتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کی شان میں کہتے تھے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بڑائی اور بزرگی میں یہاں تک حد سے گزرے کہ ان میں کا ایک فرقہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کہتا ہے اور ایک فرقہ ان کو خدا کا بیٹا کہتا ہے اور ایک فرقہ تثلیث کا قائل ہے۔ جس کا مطلب طرح طرح سے ان کی کتابوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ عیسائی مذہب میں جس طرح یہ خرابیاں پھیلی ہیں اس کا پورا قصہ سورۂ توبہ میں آئے گا لیکن اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ۸۰ برس کے قریب تک تو عیسائی مذہب اچھی طرح چلا پھر ایک یہودی شخص جس کا نام بولس تھا فریب سے نصرانی ہو گیا اور اس نے عیسائی مذہب میں یہ خرابیاں ڈال دیں یہود اور نصاریٰ کی زیادتیاں روکنے کے لئے اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ دین میں حد سے بڑھنا اللہ کی مرضی کے خلاف ہے کیونکہ دین اللہ کا ہے اس نے دین کی جو حد ٹھہرا دی ہے اس سے بڑھنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ صحیح مسلم ترمذی اور نسائی میں زید بن ارقمؓ سے روایت ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے علم سے پناہ مانگا کرتے تھے جس علم سے دین میں کچھ نفع نہ ہو[1] یہ علم ویسا ہی علماء کا علم ہے جو علم پڑھ کر دین کی حد کے پابند نہیں ہیں یہی حال اہل کتاب کے ان علماء کا تھا جن کی حد سے

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۰ باب فی الادعیۃ و سنن نسائی ج ۲ ص ۳۱۲ الاستعاذۃ من العجز و مشکوٰۃ ص ۲۱۶ باب الاستعاذۃ۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ

مسیح ہرگز برا نہ مانے اس سے کہ ہووے بندہ اللہ کا اور نہ فرشتے نزدیک والے

گزر جانے کا ذکر اس آیت میں ہے پھر فرمایا اللہ کی شان میں اپنے جی سے گھڑ کر کوئی بات نہیں کہنی چاہئے جس طرح یہود عزیر علیہ السلام اور نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں یا بعضے نصاریٰ اللہ کے ساتھ مریم اور عیسیٰ کو ملا کر تین خدا ہونے کے قائل ہیں پھر فرمایا عیسیٰ علیہ السلام تو فقط اللہ کے رسول ہیں بغیر اور عادتی اسباب کے اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن کے فرمانے سے اور اللہ کے حکم سے جبرئیل نے جو روح حضرت مریم میں پھونک دی تھی ان دونوں سببوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ صحیح بخاری میں عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد اور عورت کا نطفہ چالیس روز تک عورت کے رحم میں رہ کر جما ہوا خون ہو جاتا ہے پھر اس خون کا گوشت بن جاتا ہے اور ہڈیاں اسی گوشت سے بن کر ان ہڈیوں پر گوشت کا غلاف چڑھ جاتا ہے اور پتلا تیار ہو جاتا ہے غرض ساڑھے چار مہینے میں یہ سب کچھ ہو کر اس پتلے میں اللہ کے حکم سے پھر روح پھونک دی جاتی ہے[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں یہ بات نئی ہوئی کہ کلمہ کن کا حکم اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اس حکم سے بجائے نطفہ کی رطوبت کے خود رحم کی رطوبت سے وہ پتلا تیار ہو کر پھر اس روح کا تعلق اس پتلے سے ہو گیا جو جبرئیل علیہ السلام نے حضرت مریم کے جسم میں پھونک دی تھی جس صاحب قدرت نے نطفہ کی رطوبت میں خلاف عقل ایک تاثیر دی تھی اس نے رحم کی رطوبت میں وہی تاثیر دے دی تو اس میں بڑا تعجب کہاں سے پیدا ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا جائے یوں کیوں نہ کہا جائے کہ جس نے آدم علیہ السلام کو بغیر عورت اور مرد کے نطفہ کے پیدا کر دیا اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں اسی واسطے آگے فرمایا کہ اس باب میں اللہ اور اللہ کے رسول کی بات مانو اپنے جی سے جو تم نے باتیں گھڑی ہیں ان کو چھوڑ دو کہ وہ باتیں اللہ کی شریعت کے باہر ہیں۔ شریعت کی حد کے اندر رہنا تمہارے حق میں اچھا ہے اللہ وحدہٗ لا شریک ہے۔ آسمان و زمین میں اسی کی بادشاہت ہے۔ بیٹا بن کر نہ اس کی بادشاہت میں کوئی شریک ہو سکتا ہے نہ اس کو اپنی بادشاہت کے چلانے میں بیٹے یا وزیر کی ضرورت ہے۔ صحیح مسلم میں ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز خطبہ میں فرمایا کہ بندوں کے دن کے عمل رات سے پہلے اور رات کے دن سے پہلے اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسی وقت ان عملوں کو اپنی ذات خاص سے وزن کر کے جزا و سزا کا اندازہ قائم فرما دیتا ہے[2]۔ یہ حدیث آیت کے اس ٹکڑے کی تفسیر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کے کاموں میں نہ کسی کو کچھ دخل ہے نہ اس کی ذات خاص کو کسی مدد کی ضرورت ہے۔

۱۷۱ سے ۱۷۳ ۔ تفسیر خطیب اور تفسیر خازن میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جن نجرانی عیسائیوں کا قصہ اور مباہلہ[3]

---

[1] صحیح بخاری ص ۴۶۹ ج ۱ باب خلق آدم و ذریتہ [2] صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۹ باب معنی قولہ عز و جل ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ الخ
[3] یعنی زیر آیت نمبر ۶۱ سورہ آل عمران۔

وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾

اور جو کوئی کسر کرے اللہ کی بندگی سے اور تکبر کرے سو وہ جمع کرے گا ان سب کو اپنے پاس اکٹھا

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ

پھر جو ایمان لائے ہیں اور عمل کئے نیک سو ان کو پورا دے گا ان کا ثواب اور بڑھتی دے گا

مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا

اپنے فضل سے اور جو کسر کیا اور تکبر کیا سو ان کو مارے گا دکھ کی

اَلِيْمًا ﴿۱۷۲﴾ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾

مار اور نہ پائیں گے اپنے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار

کی آیت میں گزر چکا انہوں نے جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اور باتیں کی تھیں ایک بات یہ بھی کی تھی کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم تم ہمارے نبی عیسے علیہ السلام کی ہتک کرتے ہو کہ ان کو خدا کا بندہ کہتے ہو آپ نے فرمایا کہ ہتک تو اس میں ہے کہ آدمی خالق کو چھوڑ کر اپنے جیسی مخلوقات میں سے کسی کو اپنا معبود بنا لے خالق کے بندہ بننے میں کیا ہتک ہے۔ اس پر اللہ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں[۱] اور فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام جن کو یہ لوگ خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں یا فرشتے جن کو اہل مکہ خدا کی بیٹیاں جانتے ہیں ان میں سے کسی کو بھی اللہ کا بندہ ہونے سے کچھ ننگ و عار نہیں ہے کیونکہ یہ سب جانتے ہیں کہ جو کوئی اللہ کی عبادت سے انکار کرے گا قیامت کے دن اللہ تعالے ایسے لوگوں کو سخت سزا دے گا اور اس سزا سے ان کو کوئی اس دن بچا نہ سکے گا اور یہ بھی ان سب کو معلوم ہے کہ جو کوئی اللہ کی فرمانبرداری اور عقبے کے اجر کی نیت سے نیک کام کرے گا قیامت کے دن اللہ تعالے اپنے فضل سے بعضے نیک کاموں کے جزیں ایسے لوگوں کو اتنا ثواب دے گا جس کی مقدار نامہ اعمال والے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں چنانچہ صحیح مسلم وغیرہ کے حوالے سے ابوہریرہؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے[۲]۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالے نے ہر ایک شخص کے خلوص نیت کے موافق سوائے روزے کے اور نیکیوں کا ثواب دس درجہ سے سات سو درجے تک لکھنے کا حکم فرشتوں کو دیا ہے مگر روزہ کے ثواب کے لئے فرمایا ہے کہ روزہ کا ثواب میں اپنی رحمت اور اپنے فضل سے قیامت کے دن خود دوں گا[۳]۔ صحیح ابن حبان اور مسند ابی یعلے میں چند سلسلہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے بعضے بندوں کو اللہ تعالے عقبے میں اپنے فضل سے بڑے بڑے درجے دینا چاہتا ہے لیکن ان لوگوں کے عمل ان درجوں کے قابل نہیں ہوتے اس لئے اللہ تعالے دنیا میں ان کو کچھ مرض وغیرہ کی تکلیف میں مبتلا کر کے اس تکلیف پر صبر کی توفیق دیتا ہے اور اس صبر کا ثواب

[۱] تفسیر معالم ج ۲ ص ۹۳ – تفسیر خازن ج ۲ ص ۲۰۵ (مجموعہ تفاسیر اربعہ) [۲] عینی ص ۹۴ – ۱۵ پارہ [۳] صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶۳

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا
اے لوگو تم کو پہنچ چکی تمہارے رب کی طرف سے سند اور اتاری ہم نے تم پر روشنی

مُبِينًا ﴿۱۷۴﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ
واضح سو جو یقین لائے اللہ پر اور اس کو مضبوط پکڑا تو ان کو داخل کرے گا

فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿۱۷۵﴾ يَسْتَفْتُونَكَ
اپنی مہر میں اور فضل میں اور پہنچاوے گا ان کو اپنی طرف سے سیدھی راہ پر حکم پوچھتے ہیں تجھ سے

قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ
تو کہہ کہ اللہ حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا اگر ایک مرد مر گیا کہ اس کو بیٹا نہیں

بڑھا کر ان درجوں تک ان کو پہنچا دیتا ہے۔ اس قسم کی اور بھی حدیثیں ہیں اور یہ سب حدیثیں آیت کے ٹکڑے وَیَزِیْدُھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ کی گویا تفسیر ہے ؎

۱۷۴-۱۷۵- اوپر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اللہ کا رسول اور قرآن کا اللہ کا کلام ہونا ثابت فرما کر اس آیت میں اہل مکہ۔ اہل کتاب اور سب لوگوں کو فرمایا اے لوگو تمہارے پاس یہ اللہ کا رسول اللہ کا کلام لے کر آئے ہیں جو ان کی پیروی کرے گا دنیا میں اللہ اس کو سیدھے راستہ پر قائم رکھے گا اور عقبےٰ میں اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ یہاں یہ بات محذوف ہے کہ جو کوئی ایسا نہ کرے گا وہ ایسے وقت پر پچھتائے گا جس وقت کا پچھتانا اس کے کچھ کام نہ آئے گا صحیح روایتوں میں ہے کہ جس نے قرآن اور اللہ کے رسول کی سنت کو مضبوط پکڑا اس نے نجات کا راستہ ڈھونڈ لیا۔ اس آیت میں بُرْھَانٌ سے مطلب اللہ کے رسول کی ذات ہے کیونکہ آپ کا ہر ایک معجزہ آپ کی نبوت کی ایک سند ہے اور نُوْرٌ مُّبِیْن سے قرآن مراد ہے۔ کیونکہ جس طرح اندھیرے میں روشنی سے آدمی کو راستہ نظر آنے لگتا ہے۔ اسی طرح قرآن سے آدمی کو نجات کا راستہ نظر آنے لگتا ہے ؎

۱۷۶- صحیحین اور نسائی وغیرہ میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت ان کے باب میں اتری ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بیمار تھا آنحضرت میری خبر کو تشریف لائے میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں اپنی بہنوں کو تیسرے حصہ مال کی وصیت کرتا ہوں اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[۳]۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں کلالہ کی تفسیر میں کہا ہے کہ کلالہ وہ شخص ہے کہ

[۱] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۶۵ یہ حدیث آگے ص ۱۴۶ پر گزر چکی ہے۔ [۲] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۰ باب التعلیق بالعروۃ والحلقۃ وتفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۲-۱۳ [۳] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۸ باب میراث الاخوۃ والاخوات وتفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۹۲ وتفسیر معالم ج ۳ ص ۱۱م ؎

وَلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا

اور اس کو ایک بہن ہے سو اس کو پہنچے آدھا جو چھوڑ مرا اور وہ بھائی وارث ہے اس بہن کا اگر نہ ہو اس کو

وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً

بیٹا پھر اگر بہنیں دو ہوں تو ان کو پہنچے دو تہائی جو کچھ چھوڑ مرا اور اگر کئی شخص ہیں اس ناتے کے

جس کے وارثوں میں باپ ہو نہ بیٹا[1] امام بخاری نے کلالہ کے معنے جو بیان کئے ہیں جمہور صحابہ، تابعین اور ائمہ اربعہ کا یہی قول ہے اسی کے موافق حضرت ابوبکر رضی صدیق نے فیصلہ بھی کیا ہے اور اس قول کی تائید میں حضرت عبداللہ بن عباس رض کی صحیحین کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اہل فرائض سے جو مال بچ جائے وہ عصبہ کے طور پر اس مرد کو دیا جائے جو میت سے قریب کا رشتہ رکھتا ہو[2]۔ اب یہ ظاہر ہے کہ باپ بہ نسبت بھائی بہن کے میت سے زیادہ قریب ہے اس لئے صحابہ کا اس پر اتفاق ہے کہ باپ کے موجود ہونے ہوئے میت کے بھائی بہن کو کچھ نہیں ملتا۔ اوپر جو حضرت جابر رض کی روایت ہے اس آیت کی شان نزول گزری ہے وہ بھی اسی معنے کی مؤید ہے جو امام بخاری نے بیان کئے ہیں کیونکہ حضرت جابر رض کے باپ آیت کے نازل ہونے کے وقت زندہ نہیں تھے احد کی لڑائی کے وقت شہید ہو چکے تھے اور یہ آیت حجۃ الوداع کے راستہ میں نازل ہوئی ہے۔ ان احادیث اور اس اجماع کی بنا پر معنے آیت کے یہ ہیں کہ ایک شخص مر جائے اور وارثوں میں اس کا باپ ہو نہ بیٹا تو اس کی سگی یا باپ کی شریک بہن کا نصف حصہ ہے اور ماں کی شریک بہن کا چھٹا حصہ ہے جس کا ذکر اوپر گزر چکا اسی طرح جب بہن مرے اور وارثوں میں اس کا باپ ہو نہ بیٹا تو بھائی سارے ترکہ کا وارث ہو جائے گا اور بہن کی اولاد میں اگر لڑکا ہو تو بھائی کو کچھ نہیں ملنے کا۔ ہاں اگر لڑکی ہو تو اس لڑکی کے حصہ کے بعد جو کچھ باقی رہے گا وہ بھائی کو ملے گا اگر کلالہ کی دو یا دو سے زیادہ بہنیں ہوں تو ان کو دو تہائی مال ملے گا۔ اور اگر بھائی بہن دونوں ہوں تو مرد کو دوہرا اور عورت کو اکہرا حصہ ملے گا کلالہ کے لڑکی اور بہن دونوں ہوں تو نصفا نصفی مال دونوں کو ملے گا چنانچہ معاذ بن جبل رض کا وہ مسئلہ اس باب میں مشہور ہے جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کیا تھا جو بلا اعتراض نافذ رہا[3]۔ لیکن یہ صورت بہن کے عصبہ ہونے کی ہے اور آیت میں جو صورت ہے وہ اس کے حصہ دار ہونے کی ہے یہ کلالہ کا مسئلہ صحابہ میں بڑا مشکل مسئلہ مشہور تھا اس لئے کہ میراث کے باب میں یہ آخری آیت ہے جو حجۃ الوداع کے

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۲ کتاب التفسیر [2] صحیح بخاری ص ۹۹۹ کتاب الفرائض و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۹۴ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۸ باب میراث الاخوات مع البنات عصبہ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۹۳

رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا

مرد اور عورتیں تو عورت کے دو حصے برابر بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے کہ نہ بہکو

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے

راستے میں نازل ہوئی ہے۔ اور اس کی سب صورتیں تفصیل سے صحابہ میں پھیلنی نہ پائی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی حضرت عمرؓ نے اس مسئلہ کی تفصیل میں ایک کتاب لکھی تھی لیکن اپنی وفات سے پہلے انہوں نے اس کتاب کو ضائع کر دیا لوگوں میں اس کو شائع نہیں کیا[1]۔ اس مسئلہ کے مشکل ہونے کے سبب سے آخر کو فرمایا کہ اللہ نے اس مسئلہ کو اس لئے بیان کر دیا کہ تم اس میں بہکو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ فرمایا اللہ اپنے بندوں کی سب ضرورتوں اور مصلحتوں سے واقف ہے اسی واسطے اس نے ہر طرح کے میراث کے مسئلے اپنی کتاب میں بیان فرمائے ہیں اور ہر ایک قرابت دار کا حصہ مصلحت کے موافق ٹھہرایا ہے جس مصلحت کو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

تمّت

[1] تفسیر ابن جریر جز ۶ ص ۲۵ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۹۵

# ماخذ و مراجع[؎]

| عدد مسلسل | کتاب | اجزاء | مؤلف | سن وفات | مطبوعہ | سن طباعت |
|---|---|---|---|---|---|---|
| | **تفسیر** | | | | | |
| ۱ | تفسیر ابن جریر | ۳۰ | امام محمد بن جریر الطبریؒ | ۳۱۰ھ | میمنیہ مصر | ۱۳۱۲ھ |
| ۲ | تفسیر ابن کثیر | ۴ | حافظ اسمٰعیل بن کثیر الدمشقیؒ | ۷۷۴ھ | مصطفیٰ محمد مصر | ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء |
| ۳ | معالم التنزیل مع تفسیر ابن کثیر | ۸ | حافظ حسین بن مسعود الفراء البغویؒ | ۵۱۶ھ | المنار مصر | ۱۳۴۳ھ |
| ۴ | تفسیر الدر المنثور | ۶ | جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطیؒ | ۹۱۱ھ | میمنیہ مصر | ۱۳۱۴ھ |
| ۵ | لباب النقول فی اسباب النزول | ۱ | " | ۹۱۱ھ | مصطفیٰ البابی | ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء |
| ۶ | الاتقان فی علوم القرآن | ۱ | " | ۹۱۱ھ | مصر | ۱۳۵۴ھ |
| ۷ | تفسیر لباب التاویل | | شیخ علاؤ الدین علی بن محمد بغدادیؒ صوفی معروف بہ خازن | ۷۴۱ھ | مصر در مجموعہ تفاسیر اربعہ | |
| ۸ | تفسیر جامع البیان | ۱ | سید معین الدین بن صفی الدینؒ | ۸۸۹ھ | فاروقی دہلی | ۱۲۹۶ھ |
| ۹ | تفسیر مظہری | ۱۰ | قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ | ۱۲۲۵ھ | دہلی | |
| ۱۰ | تفسیر فتح القدیر | ۵ | امام محمد بن علی الشوکانیؒ | ۱۲۵۰ھ | مصطفیٰ البابی | ۱۳۴۹ھ |
| ۱۱ | تفسیر فتح البیان | ۴ | سید علامہ نواب صدیق حسن خاںؒ | ۱۳۰۷ھ | مطبع صدیقی بھوپال | ۱۲۹۰ھ |
| ۱۲ | الفوز الکبیر | ۱ | شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم دہلویؒ | ۱۱۷۶ھ | المکتبۃ السلفیہ لاہور | ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۱ء |
| ۱۳ | تفسیر عزیزی (سورۃ البقرہ) | | شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ | ۱۲۳۹ھ | مجتبائی دہلی | ۱۳۱۱ھ |
| ۱۴ | احکام القرآن للشافعی متوفی ۲۰۴ھ | ۲ | جمع کردہ حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقیؒ | ۴۵۸ھ | مصر | ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۱ء |
| | **حدیث** | | | | | |
| ۱۵ | صحیح بخاری | ۲ | امام محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ | ۲۵۶ھ | اصح المطابع دہلی | ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء |
| ۱۶ | صحیح مسلم | ۲ | امام مسلم بن الحجاجؒ | ۲۶۱ھ | " | ۱۳۴۹ھ |
| ۱۷ | جامع ترمذی | ۲ | امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ | ۲۷۹ھ | مجتبائی دہلی | ۱۳۴۲ھ |
| ۱۸ | سنن ابی داؤد | ۲ | امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانیؒ | ۲۷۵ھ | اصح المطابع کراچی | ۱۳۶۹ھ |
| ۱۹ | سنن نسائی | ۲ | امام حافظ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائیؒ | ۳۰۳ھ | المکتبۃ السلفیہ لاہور | ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۶ء |
| ۲۰ | سنن ابن ماجہ | ۱ | امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ | ۲۷۳ھ | اصح المطابع لکھنؤ | ۱۳۱۵ھ |
| ۲۱ | مستدرک حاکم | ۴ | امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف بالحاکم النیسابوریؒ | ۴۰۵ھ | دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن | ۱۳۳۴ھ |
| ۲۲ | سنن دارقطنی | ۱ | حافظ علی بن عمر دارقطنیؒ | ۳۸۵ھ | انصاری دہلی | ۱۳۱۰ھ |
| ۲۳ | مجمع الزوائد | ۱۰ | حافظ علامہ علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعیؒ | ۸۰۷ھ | القدسی مصر | ۱۳۵۲ھ |

؎ تفسیر احسن التفاسیر میں جو احادیث اور روایات مذکور ہیں ان کے حوالوں کی جستجو میں جن کتابوں کی طرف رجوع کیا گیا یہ ان کا مختصر تعارف ہے۔ تاکہ ضرورت کے وقت مراجعت میں آسانی ہے۔ واللہ الموفق۔

| عدد مسلسل | کتاب | اجزاء | مؤلف | سن وفات | مطبوعہ | سن طباعت |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ۲۴ | مسند امام احمد بن حنبل | ۶ | امام احمد بن محمد بن حنبل رح | ۲۴۱ھ | مطبع میمنیہ مصر | ۱۳۱۳ھ |
| ۲۵ | مسند امام احمد بن حنبل | | پندرہ اجزاء طبع ہوئے ہیں | ۲۴۱ھ | دار المعارف مصر تحقیق احمد محمد شاکر | |
| ۲۶ | سنن دارمی | ۱ | امام حافظ ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی | ۲۵۵ھ | نظامی کانپور | ۱۲۹۳ھ |
| ۲۷ | الادب المفرد | ۱ | امام محمد بن اسمٰعیل البخاری رح | ۲۵۶ھ | المطبعۃ السلفیہ مصر | ۱۳۷۵ھ |
| ۲۸ | الترغیب والترہیب | ۲ | حافظ عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری رح | ۶۵۶ھ | طبع العامرۃ الشرفیہ مصر | ۱۳۲۴ھ |
| ۲۹ | مشکوٰۃ المصابیح | ۱ | علامہ محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی رح | | طبع دہلی | |
| ۳۰ | بلوغ المرام | ۲ | حافظ احمد بن علی ابن حجر العسقلانی رح | ۸۵۲ھ | فاروقی دہلی | ۱۳۲۳ھ |
| ۳۱ | تلخیص الحبیر | ۱ | 〃 〃 〃 | 〃 | انصاری دہلی | ۱۳۱۵ھ |
| ۳۲ | مختصر تذکرہ قرطبی (محمد بن احمد الانصاری متوفی ۶۷۱ھ) | ۱ | عبدالوہاب بن احمد الشعرانی | ۹۷۳ھ | میمنیہ مصر | ۱۳۳۱ھ |
| ۳۳ | اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ | ۱ | حافظ سیوطی رح | ۹۱۱ھ | مطبع علوی لکھنؤ | ۱۳۰۳ھ |

## شروح حدیث

| عدد مسلسل | کتاب | اجزاء | مؤلف | سن وفات | مطبوعہ | سن طباعت |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ۳۴ | فتح الباری شرح بخاری | ۶ | حافظ احمد بن علی ابن حجر العسقلانی رح | ۸۵۲ھ | انصاری دہلی | ۱۳۱۰ھ |
| ۳۵ | مقدمہ فتح الباری | ۱ | 〃 〃 〃 | 〃 | منیریہ مصر | ۱۳۴۷ھ |
| ۳۶ | تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی | ۴ | مولانا محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری رح | ۱۳۵۳ھ | دہلی | ۱۳۵۳ھ |
| ۳۷ | مقدمہ تحفۃ الاحوذی | ۱ | 〃 〃 〃 | 〃 | 〃 | ۱۳۵۹ھ |
| ۳۸ | عون المعبود شرح سنن ابی داؤد | ۴ | علامہ محمد شمس الحق عظیم آبادی رح | ۱۳۲۹ھ | 〃 | ۱۳۲۲ھ |
| ۳۹ | نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار | ۹ | امام محمد بن علی الشوکانی رح | ۱۲۵۰ھ | منیریہ مصر | ۱۳۴۴ھ |

## تاریخ ورجال

| عدد مسلسل | کتاب | اجزاء | مؤلف | سن وفات | مطبوعہ | سن طباعت |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ۴۰ | البدایہ والنہایہ | ۱۴ | حافظ اسمٰعیل بن کثیر الدمشقی رح | ۷۷۴ھ | مطبعۃ السعادۃ مصر | ۱۳۵۱ھ |
| ۴۱ | تہذیب التہذیب | ۱۲ | حافظ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی رح | ۸۵۲ھ | حیدرآباد دکن | ۱۳۲۷ھ |
| ۴۲ | تقریب التہذیب | ۱ | 〃 〃 〃 | 〃 | نولکشور لکھنؤ | ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء |
| ۴۳ | کتاب العلل | ۲ | امام ابو عبدالرحمٰن بن الامام ابی حاتم محمد بن ادریس الرازی | ۳۲۷ھ | المطبعۃ السلفیہ مصر | ۱۳۴۳ھ |

## عقائد

| عدد مسلسل | کتاب | اجزاء | مؤلف | سن وفات | مطبوعہ | سن طباعت |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ۴۴ | منہاج السنۃ النبویہ | ۴ | شیخ الاسلام احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ رح | ۷۲۸ھ | بولاق | ۱۳۲۲ھ |
| ۴۵ | الصواعق المرسلۃ علی الجہمیۃ والمعطلۃ | ۲ | حافظ ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ رح | ۷۵۱ھ | المطبعۃ السلفیہ مصر | ۱۳۴۸ھ |
| ۴۶ | شرح عقیدہ سفارینی | ۲ | محمد بن احمد سفارینی رح | ۱۱۸۸ھ | المنار مصر | ۱۳۲۳ھ |
| ۴۷ | حجج الکرامۃ فی آثار القیامۃ | ۱ | علامہ نواب صدیق حسن خاں رح | ۱۳۰۷ھ | بھوپال | ۱۲۹۱ھ |

* اورینٹ پریس لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِس تفسیر کو پڑھنے اور اس سے فائدہ
اُٹھانے والے حضرات سے درخواست ہے کہ وُہ

# بلال گروپ آف اِنڈسٹریز

کے مالکان، اِنکے آباؤ اجداد، آل اولاد اور اہل وعیال کو
اپنی دُعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیں، خصوصاً یہ دُعا کہ اللہ تعالیٰ
اُنکی تمام لغزشیں مُعاف فرمائے اور حسنات قبول فرمائے،
اور خاتمہ بالخیر فرمائے : آمین ثم آمین

فون : 36-5716134

A-88 مین گلبرگ ـــــ لاہور

وقف

بسم الله الرحمن الرحيم
قل أعوذ برب الفلق من شر ما خلق ومن شر
غاسق إذا وقب ومن شر النفاثات
في العقد ومن شر حاسد إذا حسد

بسم الله الرحمن الرحيم
قل أعوذ برب الناس ملك الناس إله
الناس من شر الوسواس الخناس الذي
يوسوس في صدور الناس من الجنة والناس

وقف فی سبیل اللہ
ہدیہ منجانب:
بلال گروپ آف انڈسٹریز
لاہور۔کراچی
۱۰۔ سی فیلڈ روڈ۔ کراچی ـــــ ۸۸ ۔اے مین گلبرگ ۔ لاہور
Tel: 5716134-6
Fax: 5711530
Tel: 512529
513311